توضیح القرآن
آسان ترجمۂ قرآن
تشریحات کے ساتھ
از
مفتی محمد تقی عثمانی
مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
Karachi - Pakistan.

توضیح القرآن

آسان ترجمۂ قرآن

تشریحات کے ساتھ

از

مفتی محمد تقی عثمانی

مکتبۂ معارف القرآن کراچی ۱۴

(Quranic Studies Publishers)
Karachi, Pakistan.

ISBN 978-969-9306-02-0

عرضِ ناشر: الحمد للہ اگرچہ مکتبہ معارف القرآن کراچی نے "آسان ترجمۂ قرآن" کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔
اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)

maktabamaarifulquran.com
Compound Jamia Darul-uloom Karachi.
Korangi Industrial Area, Post Code-75180,
Karachi - Pakistan.

باہتمام : خضر اشفاق قاسمی
طبع جدید : ربیع الاوّل - ۱۴۳۲ھ مطابق فروری - 2011
مطبع : احمد برادرز پرنٹنگ پریس
ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی
(Quranic Studies Publishers)
فون : (92-21) 35031565, 35123130
ای میل : info@quranicpublishers.com
mm.q@live.com
ویب سائٹ : www.maktabamaarifulquran.com

ملنے کے پتے

- ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی۔
- دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی۔
- بیت القرآن، اردو بازار، کراچی۔
- ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔
- بیت العلوم، ۲۰، نابھہ روڈ، لاہور۔
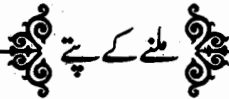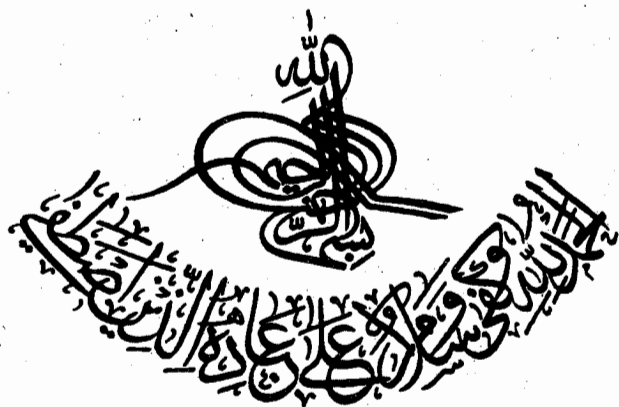
- Azhar Academy Ltd.,
54-68, Little Ilford Lane,
Manor Park-London E-12, 5QA, U.K.
Ph : +44-20-8911-9797
- Darul Uloom Al-Madania,
182, Sobieski Street Buffalo,
NY, 14212-U.S.A

بسم الله الرحمن الرحيم
الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى
نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه
ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا
من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له
ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له
ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله
صلى الله تعالى عليه وعلى آله واصحابه اجمعين

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيّدنا ومولانا محمد خاتم النبيين، وعلى آله واصحابه أجمعين، وعلى من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين۔

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کروں کہ اُس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس ناکارہ بندے کو اپنے کلامِ مجید کے اس ترجمے اور تشریح کی توفیق عطا فرمائی جو اس وقت آپ کے سامنے ہے۔

آج سے چند سال پہلے تک میرا خیال یہ تھا کہ اُردو میں مستند علمائے کرام کے اتنے ترجمے موجود ہیں کہ ان کے بعد کسی نئے ترجمے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ چنانچہ جب کچھ حضرات مجھ سے قرآنِ کریم کا ترجمہ کرنے کی فرمائش کرتے تو اس خدمت کو عظیم سعادت سمجھنے کے باوجود اوّل تو اپنی نااہلی کا احساس آڑے آتا، اور دُوسرے کسی نئے ترجمے کی ضرورت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن پھر مختلف اَطراف سے احباب نے یہ خیال ظاہر فرمایا کہ اُردو کے جو مستند ترجمے اس وقت موجود ہیں، وہ عام مسلمانوں کی سمجھ سے بالاتر ہوگئے ہیں، اور ایسے آسان ترجمے کی واقعی ضرورت ہے جو معمولی پڑھے لکھے افراد کی سمجھ میں بھی آسکے۔ یہ مطالبہ اتنی کثرت سے ہوا کہ موجودہ ترجموں کا باقاعدہ جائزہ لینے کے بعد مجھے بھی اس مطالبے میں وزن نظر آنے لگا، اور جب میرا انگریزی ترجمہ مکمل ہوکر شائع ہوا تو یہ مطالبہ اور زیادہ زور پکڑ گیا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نام پر میں نے ترجمہ شروع کیا، لیکن ساتھ ہی مجھے یہ خیال تھا کہ عام مسلمانوں کو قرآنِ کریم کا مطلب سمجھنے کے لئے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحات کی بھی ضرورت ہوگی، اس خیال کے پیشِ نظر میں نے ترجمے کے ساتھ مختصر تشریحی حواشی بھی لکھنے کا اہتمام کیا۔

قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب ہے جو بذاتِ خود ایک عظیم معجزہ ہے، اس لئے اُس کا ٹھیک ٹھیک

ترجمہ جو قرآنِ کریم کی بلاغت اور اس کے بے مثال اُسلوب اور تاثیر کو کسی دُوسری زبان میں منتقل کردے، بالکل ناممکن ہے۔ لیکن اپنی بساط کی حد تک بندہ نے یہ کوشش کی ہے کہ قرآنِ کریم کا مطلب آسان، بامحاورہ اور رواں انداز میں واضح ہوجائے۔ یہ ترجمہ بالکل لفظی ترجمہ بھی نہیں ہے، اور اتنا آزاد بھی نہیں ہے جو قرآنِ کریم کے الفاظ سے دُور چلا جائے۔ وضاحت کو پیشِ نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ حتی الوسع قرآنِ کریم کے الفاظ سے بھی قریب رہنے کی کوشش کی گئی ہے، اور جہاں قرآنِ کریم کے الفاظ میں ایک سے زیادہ تفسیروں کا احتمال ہے، وہاں یہ کوشش بھی کی گئی ہے کہ ترجمے کے الفاظ میں بھی وہ احتمالات باقی رہیں۔ اور جہاں ایسا ممکن نہ ہوسکا، وہاں سلف کے مطابق جو تفسیر زیادہ راجح معلوم ہوئی، اُس کے مطابق ترجمہ کیا گیا ہے۔

تشریحی حواشی میں صرف اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ترجمہ پڑھنے والے کو جہاں مطلب سمجھنے میں کچھ دُشواری ہو، وہاں وہ حاشیہ کی تشریح سے مدد لے سکے، لمبے تفسیری مباحث اور علمی تحقیقات کو نہیں چھیڑا گیا، کیونکہ اس کے لئے بفضلہ تعالیٰ مفصل تفسیریں موجود ہیں۔ البتہ ان مختصر حواشی میں چھنی چھنائی بات عرض کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بہت سی کتابوں کے مطالعے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

اس خدمت کا بہت سا حصہ بلکہ شاید زیادہ حصہ میرے مختلف سفروں کے درمیان انجام پایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے کمپیوٹر میں تمام ضروری کتابوں کا ذخیرہ میرے ساتھ تھا، اس لئے ضروری کتابوں کی مراجعت میں کوئی دُشواری پیش نہیں آئی۔

قرآنِ کریم کی یہ ناچیز خدمت اس احساس کے ساتھ پیش کر رہا ہوں کہ اس بے مثال کلام کی خدمت کے لئے جس علم اور تقویٰ کی ضرورت ہے، میں اُس سے تہی دامن ہوں۔ لیکن جس مالکِ کریم کا یہ کلام ہے، وہ جس ذرّۂ بے مقدار سے جو کام لینا چاہے، لے لیتا ہے۔ لہٰذا اگر اس خدمت میں کوئی بات اچھی اور دُرست ہے تو وہ صرف اُسی کی توفیق سے ہے، اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری نااہلی کی وجہ سے ہے۔ اُسی مالکِ کریم کی بارگاہ میں یہ اِلتجا ہے کہ وہ اس خدمت کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما کر اُسے مسلمانوں کے لئے مفید بنادے، اور اس ناکارہ کے لئے آخرت کا ذخیرہ، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۰ ررمضان المبارک ۱۴۲۹ھ

جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر ۱۴

فہرست

سورۃ کا نام	صفحہ نمبر

سورۃ کا نام	صفحہ نمبر

سورۃ کا نام	صفحہ نمبر

سورۃ کا نام	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	سورۃ کا نام

مُقدّمہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

وحی اور اُس کی حقیقت

قرآنِ کریم چونکہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعے نازل کیا گیا ہے، اس لئے سب سے پہلے وحی کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

وحی کی ضرورت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دُنیا میں آزمائش کے لئے بھیجا ہے، اور اس کے ذمے کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، لہٰذا دُنیا میں آنے کے بعد اِنسان کے لئے دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے اور اس میں پیدا کی ہوئی اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دُوسرے یہ کہ اس کائنات کو اِستعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اَحکام کو مدِنظر رکھے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو "علم" کی ضرورت ہے، اس لئے کہ جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کونسی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اُٹھایا جاسکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دُنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لئے استعمال نہیں کرسکتا، نیز جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کونسے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے؟ اس وقت تک اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مذکورہ بالا باتوں کا علم حاصل ہوتا رہے، ایک انسان کے حواس، یعنی آنکھ، کان، منہ اور ہاتھ پاؤں، دُوسرے عقل اور تیسرے وحی۔ چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہوجاتی ہیں، بہت سی عقل

کے ذریعے، اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہوسکتیں اُن کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرۂ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں اِنسان کو اپنے حواس سے معلوم ہوجاتی ہیں، اُن کا علم نری عقل سے نہیں ہوسکتا، مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہوجاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے، وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہوسکتیں، مثلاً آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے، بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں، وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دے دیتے ہیں، وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے۔ لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے، یہ بھی ایک حد پر جا کر رُک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعے، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی، اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا؟ یہ نہ حواس کے ذریعے ممکن ہے، نہ عقل کے ذریعے، اس قسم کے سوالات کا جواب اِنسان کو دینے کے لئے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام ''وحی'' ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو منتخب فرما کر، اُسے اپنا پیغمبر قرار دے دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے، اسی کلام کو ''وحی'' کہا جاتا ہے۔

یہ بات ایک اور مثال سے شاید زیادہ واضح ہوگی، فرض کیجئے کہ میرے ہاتھ میں ایک پستول ہے، اُسے آنکھ سے دیکھ کر میں اس کا سائز اور اس کی صورت معلوم کرسکتا ہوں، میں ہاتھ سے چھو کر یہ معلوم کرسکتا ہوں کہ یہ کسی ٹھوس چیز سے بنی ہوئی ہے، اُس کا ٹریگر دَبا کر میں یہ جان سکتا ہوں کہ اس سے ایک گولی پوری قوت سے نکل کر دُور گئی ہے، اس کی آواز سن کر مجھے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ اس سے ایک دھما کا پیدا ہوتا ہے، اور اُس کی نالی کو سونگھ کر یہ پتہ لگا سکتا ہوں کہ اس میں سے بارود کی بو آرہی ہے، یہ ساری اِطلاعات مجھے میرے ظاہری حواس یعنی آنکھ، ہاتھ، کان اور ناک نے فراہم کی ہیں۔ لیکن اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ اسے کس نے بنایا؟ تو میرے یہ ظاہری حواس اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے، اس موقع پر میں عقل سے سوچتا ہوں تو عقل مجھے یہ بتاتی ہے کہ یہ پستول جس انداز سے بنا ہوا ہے، وہ خود بخود وجود میں نہیں آسکتا، یقیناً کسی کاریگر نے اُسے بنایا ہے، وہ کاریگر نہ میری آنکھوں سے نظر آرہا ہے، اور نہ میرے کان اس کی آواز سن رہے ہیں، مگر اپنی عقل کے ذریعے مجھے یہ علم

حاصل ہو گیا کہ اسے کسی کاریگر اِنسان نے بنایا ہے۔

اب ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ہتھیار کا کونسا اِستعمال جائز اور کونسا ناجائز ہے؟ اس سوال کے جواب میں بھی میری عقل ایک حد تک میری مدد کر سکتی ہے، میں عقل سے سوچ سکتا ہوں کہ اس ہتھیار کے ذریعے کسی بے گناہ کو قتل کرنا بہت بُرا کام ہے، جس کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس کو بے گناہ کہا جائے اور کس کو مجرم؟ اور کونسا جرم ایسا ہے جس کی سزا میں اس پستول کو اِستعمال کر کے کسی کو قتل کیا جا سکتا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن پر اگر میں صرف عقل کی بنیاد پر غور کروں تو عقل مجھے اُلجھن میں ڈال دیتی ہے۔ مثلاً اگر ایک قاتل میرے سامنے ہے، جس نے کسی بے گناہ کی جان لی، اس کے بارے میں، میں عقل سے سوچتا ہوں تو کبھی عقل یہ کہتی ہے کہ اس قاتل نے ایک جیتے جاگتے اِنسان کو موت کی نیند سلا دیا، اس کی بیوی کو بیوگی کا زخم لگایا، بچوں کو بلاوجہ یتیم بنا کر انہیں باپ کی شفقت سے محروم کیا، اس لئے یہ مجرم اس لائق ہے کہ اُسے بھی موت کے گھاٹ اُتار کر دُوسروں کے لئے عبرت کا سامان بنا دیا جائے۔ لیکن دُوسری طرف وہی عقل ایک دُوسری دلیل دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ جس مقتول کو مرنا تھا وہ تو مر گیا، قاتل کو قتل کرنے سے نہ وہ واپس آ سکتا ہے، نہ اس کی بیوی بچوں کو اُن کا محبوب واپس مل سکتا ہے، اس کے بجائے اگر اس قاتل کو بھی قتل کیا جائے گا تو اُس کے وہ بیوی بچے مصائب کا شکار ہوں گے جن کا کوئی جرم نہیں ہے۔

یہ دونوں دلیلیں عقل ہی کے سہارے وجود میں آئی ہیں، اس لئے نری عقل کے بھروسے پر کوئی ایسا فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے جس پر سب کی عقل مطمئن ہو جائے۔

یہ وہ موقع ہے جہاں نہ میرے حواس کوئی فیصلہ کن جواب دینے کے قابل ہیں، نہ میری عقل۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی درکار ہوتی ہے جو وہ اپنے پیغمبروں پر وحی نازل کر کے انسانیت کو فراہم کرتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعۂ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق اُن سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعے حل نہیں ہو سکتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ اِنسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحیٔ اِلٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اُس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا اِدراک عقل سے ہو ہی جائے، بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں، بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دِینی عقائد کا علم عطا کرنا بھی عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے، اور ان کے اِدراک کے لئے نری عقل پر بھروسہ کرنا دُرست نہیں۔

جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو، اس سے تو وحی کے مسئلے پر بات کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ پر اِیمان رکھتا ہے، اس کے لئے وحی کی عقلی ضرورت، اس کے اِمکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔ اگر آپ اس بات پر اِیمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادرِ مطلق نے پیدا کی ہے، وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمتِ بالغہ سے چلا رہا ہے، اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اُسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دُنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمے کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزلِ مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل کرسکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش وحواس سلامت ہوں ایسا کرسکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے، اور اُسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے، اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعے اُس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لئے بھیجا گیا ہے؟ اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی؟ جب ایک معمولی عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کرسکتا تو آخر اس خداوندِ قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جاسکتا ہے جس کی حکمتِ بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو، وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کرسکے جس کے ذریعے انسانوں کو ان کے مقصدِ زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ پر اِیمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، بس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی و رسالت ہے۔

اس سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ ''وحی'' محض ایک دِینی اِعتقاد ہی نہیں، بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا انکار ہے۔ یہ وحی اللہ تعالیٰ نے اُن ہزاروں پیغمبروں پر نازل فرمائی جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں لوگوں کی ہدایت کا سامان کیا۔ یہاں تک کہ حضورِ اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم قیامت تک آنے والے اِنسانوں کی رہنمائی کے لئے نازل فرمایا گیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس مقدس سلسلے کی تکمیل ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کے طریقے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی، صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی

ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آجاتا ہے (صحیح بخاری ج:۱ ص:۲)۔

اس حدیث میں آپ نے "وحی" کی آواز کو گھنٹیوں کی آواز سے جو تشبیہ دی ہے، شیخ محی الدین ابنِ عربیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے اور بیچ میں ٹوٹتی نہیں، دُوسرے گھنٹی جب مسلسل بجتی ہے تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیونکہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے، اور کلامِ اِلٰہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی، بلکہ ہر جہت سے آواز سنائی دیتی ہے، اس کیفیت کا صحیح اِدراک تو بغیر مشاہدے کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں سے قریب کرنے کے لئے آپ نے اُسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دی ہے۔

(فیض الباری ج:۱ ص:۱۹و۲۰)

جب اس طریقے سے آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے، ایسی سردی میں بھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپ کی مبارک پیشانی پسینے سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کا سانس رُکنے لگتا، چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے، اور آپ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔ (الاتقان ج:۱ ص:۴۶)

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہو جاتی کہ آپ جس جانور پر اُس وقت سوار ہوتے، وہ آپ کے بوجھ سے دَب کر بیٹھ جاتا۔ اور ایک مرتبہ آپ نے اپنا سرِ اَقدس حضرت زید بن ثابتؓ کے زانو پر رکھا ہوا تھا، کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔ (زاد المعاد ج:۱ ص:۱۸و۱۹)

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دُوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

(تبویب مسند احمد، کتاب السیرة النبویة ج:۲۰ ص:۲۱۲)

وحی کی دُوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ کے پاس آکر اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرئیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبیؓ کی صورت میں تشریف

لایا کرتے تھے، البتہ بعض اوقات کسی دُوسری صورت میں بھی تشریف لائے ہیں۔ بہرکیف! جب حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزولِ وحی کی یہ صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب سے آسان ہوتی تھی۔ (الاتقان ج:۱ ص:۴۶)

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اِختیار کئے بغیر اپنی اصل صورت میں دِکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے خود حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دُوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اَجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔ (فتح الباری ج:۱ ص:۱۸ و۱۹)

چوتھی صورت براہِ راست اور بلاواسطہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم کلامی کی ہے، یہ شرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار، یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔ (اتقان ج:۱ ص:۴۶)

وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپ کے قلبِ مبارک میں کوئی بات اِلقاء فرمادیتے تھے، اسے اِصطلاح میں "نفث فی الرّوع" کہتے ہیں۔ (ایضاً)

تاریخ نزولِ قرآن

اس پر تقریباً اِتفاق ہے کہ قرآنِ کریم کا تدریجی نزول جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک پر ہوا، اس کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ کی عمر چالیسؓ سال تھی، اس نزول کی اِبتدا بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر میں ہوئی ہے، لیکن یہ رات رمضان کی کونسی تاریخ تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترھویں، بعض سے اُنیسویں اور بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے۔
(تفسیر ابن جریرؒ ج:۱۰ ص:۷)

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں اُتریں وہ سورۂ علق کی ابتدائی آیات ہیں، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ اس کا واقعہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ وحی کی اِبتدا تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ کو تنہائی میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا،

اوراس دوران آپ غارِ حراء میں کئی کئی راتیں گزارتے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن اسی غار میں آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے سب سے پہلی بات یہ کہی کہ "اِقْرَأْ" (یعنی پڑھو) حضور نے فرمایا کہ: "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بیان کیا کہ میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی اِنتہا ہوگئی، پھر اُس نے مجھے چھوڑ دیا، اور دوبارہ کہا کہ "اِقْرَأْ"، میں نے جواب دیا کہ: "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" فرشتے نے مجھے پھر پکڑا اور دوبارہ اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی اِنتہا ہوگئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا کہ "اِقْرَأْ"، میں نے جواب دیا کہ: "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں" اس پر اُس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا اور بھینچ کر چھوڑ دیا، پھر کہا:-

"اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝١ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝٢ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝٣" الخ
(العلق:۱-۵)

"پڑھو اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے" الخ۔

یہ آپ پر نازل ہونے والی پہلی آیات تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اسی زمانے کو "فترتِ وحی" کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں آیا تھا، آپ کو آسمان وزمین کے درمیان دِکھائی دیا، اور اس نے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات آپ کو سنائیں، اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآنِ کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورۃ کے ساتھ "مکی" اور کسی کے ساتھ "مدنی" لکھا ہوتا ہے، اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے۔ مفسرین کی اِصطلاح میں "مکی آیت" کا مطلب وہ آیت ہے جو آپ کے بغرضِ ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی، اور "مدنی آیت" کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی۔ بعض لوگ "مکی" کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہرِ مکہ میں نازل ہوئی، اور "مدنی" کا یہ کہ وہ شہرِ مدینہ میں اُتری، لیکن یہ مطلب دُرست نہیں، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہرِ مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہوچکی تھیں، اس لئے انہیں "مکی" کہا جاتا ہے، چنانچہ جو آیات منیٰ، عرفات یا سفرِ معراج کے دوران نازل ہوئیں وہ بھی "مکی" کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ جو آیتیں سفرِ ہجرت کے دوران مدینہ کے راستے میں نازل ہوئیں، ان کو بھی "مکی" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہرِ مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں، مگر وہ "مدنی" ہیں، چنانچہ ہجرت کے بعد آپ کو بہت سے سفر پیش آئے جن میں آپ مدینہ طیبہ سے سینکڑوں میل دُور بھی تشریف لے گئے، ان تمام مقامات پر نازل ہونے

والی آیتیں ''مدنی'' ہی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ اُن آیتوں کو بھی ''مدنی'' کہا جاتا ہے جو فتحِ مکہ یا غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہرِ مکہ یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں، چنانچہ آیتِ قرآنی: "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا" (۵۸:۴) ''مدنی'' ہے، حالانکہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

(البرہان ج:۱ ص:۱۸۸، ومناہل العرفان ج:۱ ص:۱۸۸)

پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکی یا پوری کی پوری مدنی ہیں، مثلاً سورۂ مدثر پوری مکی ہے، اور سورۂ آل عمران پوری مدنی، لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری سورت مکی ہے، لیکن اس میں ایک یا چند آیات مدنی بھی آگئی ہیں، اور بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوا ہے، مثلاً سورۂ اعراف مکی ہے، لیکن اس میں: "وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ" سے لے کر "وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِىْٓ اٰدَمَ" الخ تک کی آیات مدنی ہیں (۷:۱۶۳)۔ اسی طرح سورۂ حج مدنی ہے، لیکن اس میں چار آیتیں یعنی: "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِىٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰىٓ" سے لے کر "عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ" تک مکی ہیں (۲۲:۵۲-۵۵)۔

اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جس سورت کی ابتدائی آیات ہجرت سے پہلے نازل ہوگئیں اُسے مکی قرار دے دیا گیا، اگرچہ بعد میں اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔ (مناہل العرفان ج:۱ ص:۱۹۲)

قرآنِ کریم کا تدریجی نزول

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم دفعۃً اور ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تیئس سال میں اُتارا گیا ہے، بعض اوقات جبرئیل علیہ السلام ایک چھوٹی سی آیت بلکہ آیت کا کوئی ایک جز لے کر بھی تشریف لے آتے، اور بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہوجاتیں، قرآنِ کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقلاً نازل ہوا وہ "غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ" (النساء:۹۵) ہے جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے، دُوسری طرف پوری سورۂ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے۔ (ابن کثیر ج:۲ ص:۱۲۲)

سارے قرآنِ کریم کو ایک دفعہ نازل کرنے کے بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ یہ سوال خود مشرکینِ عرب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، باری تعالیٰ نے اس سوال کا جواب خود ان الفاظ میں دیا ہے:-

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾" (الفرقان)

''اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ: ''ان پر سارا قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نازل نہیں کر دیا

گیا؟'' (اے پیغمبر!) ہم نے ایسا اس لئے کیا ہے تا کہ اس کے ذریعے تمہارا دِل مضبوط رکھیں، اور ہم نے اُسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھوایا ہے۔ اور جب کبھی یہ لوگ تمہارے پاس کوئی انوکھی بات لے کر آتے ہیں، ہم تمہیں (اُس کا) ٹھیک ٹھیک جواب اور زیادہ وضاحت کے ساتھ عطا کر دیتے ہیں۔''

اِمام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآنِ کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان فرمائی ہیں، یہاں ان کا خلاصہ سمجھ لینا کافی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:-

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، اس لئے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دُشوار ہوتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اس لئے اُن پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کر دی گئی۔

۲- اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہو جاتا تو تمام اَحکام کی پابندی فوراً لازم ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعتِ محمدی میں ملحوظ رہی ہے۔

۳- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز نئی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، جبرئیل علیہ السلام کا بار بار قرآنِ کریم لے کر آنا ان اذیتوں کے مقابلے کو آسان بنا دیتا تھا، اور آپ کی تقویتِ قلب کا سبب بنتا تھا۔

۴- قرآنِ کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے، اس لئے ان آیتوں کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کئے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی، اور قرآنِ کریم کی غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی۔ (تفسیر کبیر ج:۶ ص:۳۳۶)

شانِ نزول

قرآنِ کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ اُن کے نزول کا سبب نہیں بنا۔ دُوسری آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعے کی وجہ سے یا کسی سوال کے جواب میں ہوا، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہئے، یہ پس منظر مفسرین کی اِصطلاح میں ''سببِ نزول'' یا ''شانِ نزول'' کہلاتا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ ہے:-

''وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ''

''اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یقیناً ایک

مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آرہی ہو۔"

یہ آیت ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، زمانۂ جاہلیت میں حضرت مرثد بن ابی مرثد غنویؓ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے، اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی، ایک مرتبہ حضرت مرثدؓ کسی کام سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرثدؓ نے صاف اِنکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کرسکتا ہوں، مدینہ طیبہ تشریف لا کر حضرت مرثدؓ نے آپ سے نکاح کی اجازت چاہی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کردی۔ (اسباب النزول للواحدیؒ ص:۳۸)

یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کا "شانِ نزول" یا "سببِ نزول" ہے۔ قرآنِ کریم کی تفسیر میں "شانِ نزول" نہایت اہمیت کا حامل ہے، بہت سی آیتوں کا مفہوم اس وقت تک صحیح طور سے سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک اُن کا شانِ نزول معلوم نہ ہو۔

تاریخ حفاظتِ قرآن

عہدِ رِسالت میں حفاظتِ قرآن

قرآنِ کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں، اس لئے عہدِ رسالت میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اُسے کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کرلیا جائے، چنانچہ اِبتدائے اسلام میں قرآنِ کریم کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظے پر دیا گیا، شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ اُس کے الفاظ کو اُسی وقت دُہرانے لگتے تھے، تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہو جائیں، اس پر سورۂ قیامہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ قرآنِ کریم کو یاد رکھنے کے لئے آپ کو عین نزولِ وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دُہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ میں ایسا حافظہ پیدا فرمادے گا کہ ایک مرتبہ نزولِ وحی کے بعد آپ اُسے بھول نہیں سکیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اِدھر آپ پر آیاتِ قرآنی نازل ہوتیں اور اُدھر وہ آپ کو یاد ہو جاتیں، اس طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک قرآنِ کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم و تغیر کا اِمکان نہیں تھا، پھر آپ مزید اِحتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے، اور

جس سال آپ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دو مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ دَور کیا۔
(صحیح بخاری مع فتح الباری ج:۹ ص:۳۶)

پھر آپ صحابہ کرامؓ کو قرآنِ کریم کے معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابہ کرامؓ کو قرآنِ کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملے میں دُوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآنِ کریم کی تعلیم دیں گے۔ سینکڑوں صحابہؓ نے اپنے آپ کو ہر غمِ ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لئے وقف کر دی تھی، وہ قرآنِ کریم کو نہ صرف یاد کرتے، بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دُہراتے رہتے تھے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپ اُسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرمادیتے، تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے۔ اور مسجدِ نبوی میں قرآن سیکھنے سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکید فرمانا پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو، تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔ (مناہل العرفان ج:۱ ص:۲۳۴)

چنانچہ تھوڑی ہی مدت میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی بڑی جماعت تیار ہوگئی جسے قرآنِ کریم اَزبر حفظ تھا، اس جماعت میں خلفائے راشدینؓ کے علاوہ حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابنِ مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُمِّ سلمہؓ وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں۔[1]

غرض اِبتدائے اسلام میں زیادہ زور حفظِ قرآن پر دیا گیا، اور اس وقت کے حالات میں یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور قابلِ اعتماد تھا، اس لئے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع کرنے کے لئے پریس وغیرہ کے ذرائع موجود نہ تھے، اس لئے اگر صرف لکھنے پر اِعتماد کیا جاتا تو نہ قرآنِ کریم کی وسیع پیمانے پر اِشاعت ہوسکتی، اور نہ اُس کی قابلِ اعتماد حفاظت، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کو حافظے کی ایسی قوت عطا فرمادی تھی کہ ایک ایک شخص ہزاروں اَشعار کا حافظ ہوتا تھا، اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں، اُن کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے، اس لئے قرآنِ کریم کی حفاظت میں اسی قوتِ حافظہ سے کام لیا گیا، اور اسی کے ذریعے قرآنِ کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''علوم القرآن'' احقر کی مفصل کتاب۔

کتابتِ وحی

قرآنِ کریم کو حفظ کرانے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کو لکھوانے کا بھی خاص اہتمام فرمایا، حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے لئے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی، اور آپ کے جسمِ اَطہر پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، پھر جب آپ سے یہ کیفیت ختم ہوجاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا (کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا، آپ لکھواتے رہتے، اور میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے، اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا، بہرحال! جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے: ''پڑھو!'' میں پڑھ کر سناتا، اگر اس میں کوئی فروگزاشت ہوتی تو آپ اس کی اِصلاح فرمادیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔ (مجمع الزوائد ج:۱ ص:۱۵۶ بحوالہ طبرانی)

حضرت زید بن ثابتؓ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہؓ کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، جن میں خلفائے راشدینؓ، حضرت اُبیّ بن کعبؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ، حضرت خالد بن الولیدؓ، حضرت ثابت بن قیسؓ، حضرت ابان بن سعیدؓ وغیرہ بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: فتح الباری ج:۹ ص:۱۸، اور زادالمعاد ج:۱ ص:۳۰)۔

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب قرآنِ کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔ (فتح الباری ج:۹ ص:۱۸) اُس زمانے میں چونکہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لئے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑوں کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کئے گئے ہیں۔ (ایضاً ج:۹ ص:۱۱)

اس طرح عہدِ رسالت میں قرآنِ کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ مرتب کتاب کی شکل میں نہیں تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرامؓ بھی اپنی یادداشت کے لئے آیاتِ قرآنی اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے اِبتدائی عہد سے جاری تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہی اُن کی بہن اور بہنوئی کے ایک صحیفے میں آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔ (سیرت ابنِ ہشام)

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں جمعِ قرآن

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآنِ کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے، اُن کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے، کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، یا وہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابیؓ کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات، اور بعض صحابہؓ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

اس بنا پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآنِ کریم کے ان منتشر حصوں کو یک جا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انہوں نے یہ کارنامہ جن محرکات کے تحت اور جس طرح انجام دیا، اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگِ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابو بکرؓ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بلوایا، میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''عمر نے ابھی آکر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگِ یمامہ میں قرآنِ کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، اور اگر مختلف مقامات پر قرآنِ کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآنِ کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآنِ کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں'' میں نے عمر سے کہا کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، وہ ہم کیسے کریں؟

عمر نے جواب دیا کہ: ''خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے'' اس کے بعد عمر مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرحِ صدر ہو گیا، اور اب میری رائے بھی وہی ہے جو عمر کی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ: ''تم نوجوان اور سمجھدار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کتابتِ وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہٰذا تم قرآنِ کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انہیں جمع کرو۔''

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ: ''خدا کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمعِ قرآن کے کام کا ہوا، میں نے اُن سے کہا کہ: آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ: ''خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے۔'' اس کے بعد حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لئے کھول دیا جو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کی رائے تھی، چنانچہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا، اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآنِ کریم کو جمع کیا۔'' (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن)

جمعِ قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کا طریقِ کار

اس موقع پر جمعِ قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے طریقِ کار کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، جیسا کہ پیچھے ذکر آچکا ہے، وہ خود حافظِ قرآن تھے، لہٰذا وہ اپنی یادداشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے، اُن کے علاوہ بھی سینکڑوں حفاظ اُس وقت موجود تھے، اُن کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآنِ کریم لکھا جاسکتا تھا۔

نیز قرآنِ کریم کے جو نسخے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لکھے گئے تھے، حضرت زیدؓ ان سے بھی قرآنِ کریم نقل فرماسکتے تھے، لیکن انہوں نے احتیاط کے پیشِ نظر صرف کسی ایک طریقے پر بس نہیں کیا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں درج نہیں کی جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنِ کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں، وہ مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں، حضرت زیدؓ نے انہیں یکجا فرمایا تاکہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، چنانچہ یہ اعلانِ عام کردیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآنِ کریم کی جتنی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئے، اور جب کوئی شخص اُن کے پاس قرآنِ کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے:-

۱- سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے۔

۲- پھر حضرت عمرؓ بھی حافظِ قرآن تھے، اور روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اُن کو بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ لگادیا تھا، اور جب کوئی شخص کوئی آیت لے کر آتا تھا تو حضرت زیدؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے۔ (فتح الباری ج:۹ ص:۱۱ بحوالہ ابنِ ابی داود)

۳- کوئی لکھی ہوئی آیت اُس وقت تک قبول نہیں کی جاتی تھی جب تک دو قابلِ اعتبار گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دے دی ہو کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔ (اتقان ج:۱ ص:۶۰)

۴- اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا اُن مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔ (البرہان فی علوم القرآن للزرکشیؒ ج:۱ ص:۲۳۸)

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمعِ قرآن

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اِسلام عرب سے نکل کر رُوم اور اِیران کے دُور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقے کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدینِ اسلام یا اُن تاجروں سے قرآنِ کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی، اور مختلف صحابہ کرامؓ نے قرآنِ کریم آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان سب قراءتوں کے مطابق اسے پڑھنے کی اجازت تھی، اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا جس کے مطابق خود انہوں نے حضور سے پڑھا تھا، اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دُور دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآنِ کریم کی مختلف قراءتیں ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُتاری ہوئی ہیں، اُس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی، لیکن جب یہ اختلاف دُور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات اُن میں پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآنِ کریم کی مختلف قراءتیں ہیں، تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دُوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے، ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآنِ کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دُوسرے سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے ایک نسخے کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، پورے عالمِ اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری اُمت کے لئے حجت بن سکے، کیونکہ دُوسرے نسخے اِنفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور ان میں تمام قراءتوں کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیے کی قابلِ اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالمِ اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں تمام معتبر قراءتیں جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جاسکے کہ کونسی قراءت صحیح اور کونسی غلط ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

اس غرض کے لئے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکرؓ کے تیار کرائے ہوئے) جو صحیفے موجود ہیں، وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم اُن کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہؓ کی ایک جماعت بنائی جو حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں سے نقل کر کے کئی ایسے مصاحف تیار کرے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں۔ ان چار صحابہؓ میں سے حضرت زیدؓ انصاری تھے اور باقی تینوں حضرات قریشی، اس لئے حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ: ''جب تمہارا اور زیدؓ کا قرآن کے کسی حصے میں اِختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کونسا لفظ کس طرح لکھا جائے؟) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لئے کہ قرآنِ کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔''

بنیادی طور پر تو یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دُوسرے صحابہؓ کو بھی ان کی مدد کے لئے ساتھ لگا دیا گیا،[1] ان حضرات نے کتابتِ قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے:-

(۱) یہ پوری تفصیل اور اس سلسلے کی تمام روایات ''فتح الباری'' ج:۹ ص:۱۳ تا ۱۵ سے مأخوذ ہیں۔

۱- حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا، اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔
(مستدرک ج:۲ ص:۲۲۹)

۲- قرآنِ کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اسی لئے اُن پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زیر، زبر، پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جاسکے، مثلاً "ننشرها" لکھا تاکہ اسے "نَنْشُرُهَا" اور "نُنْشِزُهَا" دونوں طرح پڑھا جاسکے، کیونکہ یہ دونوں قراءتیں دُرست ہیں۔ (مناہل العرفان ج:۱ ص:۲۵۳ و ۲۵۴)

۳- اب تک قرآنِ کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری اُمت کی اِجتماعی تصدیق سے تیار کیا گیا ہو، صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پانچ مصاحف تیار کرائے تھے، لیکن ابوحاتم سجستانیؒ کا ارشاد ہے کہ کل سات نسخے تیار کئے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔ (فتح الباری ج:۹ ص:۱۷)

اَحزاب یا منزلیں

صحابہؓ اور تابعینؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کرلیتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی جسے "حزب" یا "منزل" کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قرآن کو کل سات اَحزاب پر تقسیم کیا گیا تھا۔ (البرہان ج:۱ ص:۲۵۰)

اَجزاء یا پارے

آج کل قرآنِ کریم تیس ۳۰ اَجزاء پر منقسم ہے، جنھیں تیس ۳۰ پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لئے آسانی کے خیال سے قرآنِ کریم تیس ۳۰ مساوی حصوں پر منقسم کردیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہوجاتا ہے۔ یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تیس ۳۰ پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہٰذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانے کی ہے۔ لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی، البتہ علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کے تیس ۳۰ پارے مشہور چلے آتے

ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں اُن کا رِواج ہے (البرہان ج:۱ ص:۲۵۰ و مناہل العرفان ج:۱ ص:۴۰۲) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہدِ صحابہؓ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے، واللہ اعلم۔

رُکوع

برصغیر کے نسخوں میں ایک علامت جو آج تک رائج چلی آتی ہے، رُکوع کی علامت ہے، اور اس کی تعیین قرآنِ کریم کے مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلۂ کلام ختم ہوا، وہاں رُکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ''ع'') بنادی گئی۔ احقر کو جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ رُکوع کی اِبتدا کس نے اور کس دَور میں کی؟ البتہ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے، اور اس کو ''رُکوع'' اسی لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رُکوع کیا جائے۔

رُموزِ اَوقاف

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لئے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اِشارے لکھ دیئے گئے جن سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اِشارات کو ''رُموزِ اَوقاف'' کہتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی داں انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کرسکے، اور غلط جگہ سانس توڑنے سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو۔ ان میں سے اکثر رُموز سب سے پہلے علامہ ابوعبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع فرمائے (النشر فی القراءات العشر ج:۱ ص:۲۲۵) ان رُموز کی تفصیل یہ ہے:-

ط یہ ''وقفِ مطلق'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے، اس لئے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج یہ ''وقفِ جائز'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز یہ ''وقفِ مجوّز'' کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کرنا دُرست تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص یہ ''وقفِ مرخص'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی، لیکن جملہ چونکہ طویل ہوگیا ہے، اس لئے سانس لینے کے لئے دُوسرے مقامات کے بجائے یہاں وقف کرنا چاہئے۔ (المنح الفکریۃ ص:۶۳)

م یہ ''وقفِ لازم'' کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت

کے معنی میں فحش غلطی کا اِمکان ہے، لہٰذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے، بعض حضرات اسے وقفِ واجب بھی کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد فقہی واجب نہیں جس کے ترک سے گناہ ہو، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام اوقاف میں اس جگہ وقف کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے۔ (النشر ج:۱ ص:۲۳۱)

لا یہ "لا تقف" کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ "یہاں نہ ٹھہرو" لیکن اس کا منشاء یہ نہیں ہے کہ یہاں وقف کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد والے لفظ سے اِبتدا کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، اگلے لفظ سے ابتدا کرنا مستحسن نہیں۔

(النشر ج:۱ ص:۲۳۳)

ان رُموز کے بارے میں تو یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ علامہ سجاوندیؒ کے وضع کئے ہوئے ہیں، ان کے علاوہ بھی بعض رُموز قرآنِ کریم کے نسخوں میں موجود ہیں، مثلاً:-

مع یہ "معانقہ" کا مخفف ہے، یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہیں، ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا، اور دُوسری تفسیر کے مطابق دُوسری جگہ، لہٰذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جاسکتا ہے، لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دُوسری جگہ وقف کرنا دُرست نہیں۔ مثلاً: "ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ" الخ اس میں اگر "التَّوْرٰىةِ" پر وقف کرلیا تو "الْاِنْجِيْلِ" پر وقف دُرست نہیں، اور اگر "الْاِنْجِيْلِ" پر وقف کرنا ہے تو "التَّوْرٰىةِ" پر وقف دُرست نہیں، ہاں دونوں جگہ وقف نہ کریں تو دُرست ہے، اس کا ایک نام "مقابلہ" بھی ہے، اور اس کی سب سے پہلے نشان دہی اِمام ابوالفضل رازیؒ نے فرمائی ہے۔ (النشر ج:۱ ص:۲۳۷، والاتقان ج:۱ ص:۸۸)

سکتة یہ "سکتہ" کی علامت ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ رُکنا چاہئے، لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے، یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملاکر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

وقفة اس جگہ "سکتہ" سے قدرے زیادہ دیر تک رُکنا چاہئے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

ق یہ "قیل علیہ الوقف" کا مخفف ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔

قف یہ لفظ "قف" ہے جس کے معنی ہیں "ٹھہر جاؤ" اور یہ اس جگہ لایا جاتا ہے، جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہوسکتا ہو کہ یہاں وقف دُرست نہیں۔

صلے یہ "الوصل اولیٰ" کا مخفف ہے، جس کے معنی ہیں کہ "ملاکر پڑھنا بہتر ہے"۔

صل یہ ''قد یوصل'' کا مخفف ہے، یعنی یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں، اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ اُن مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں کسی روایت کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرتے ہوئے اس جگہ وقف فرمایا تھا۔

علمِ تفسیر

اب کچھ ضروری معلومات علمِ تفسیر کے سلسلے میں پیشِ خدمت ہیں۔ عربی زبان میں ''تفسیر'' کے لفظی معنی ہیں ''کھولنا'' اور اصطلاح میں علمِ تفسیر اس علم کو کہتے ہیں جس میں قرآنِ کریم کے معانی بیان کئے جائیں، اور اس کے اَحکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے (البرہان) قرآنِ کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:-

''وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ'' (۱۶:۴۴)

''اور ہم نے قرآن آپ پر اُتارا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرمادیں جو اُن کی طرف اُتاری گئی ہیں۔''

نیز قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:-

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ'' (۳:۱۶۴)

''بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جبکہ اُن کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرے، اور انہیں پاک صاف کرے، اور انہیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دے۔''

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو صرف قرآنِ کریم کے الفاظ ہی نہیں سکھاتے تھے، بلکہ اس کی پوری تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کو ایک ایک سورت پڑھنے میں بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے، جس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُنیا میں تشریف فرما تھے، اُس وقت تک کسی آیت کی تفسیر معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، صحابہ کرامؓ کو جہاں کوئی دُشواری پیش آتی وہ آپ سے رُجوع کرتے اور انہیں تسلی بخش جواب مل جاتا، لیکن آپ کے بعد اس بات کی ضرورت تھی کہ تفسیرِ قرآن کو ایک مستقل علم کی صورت میں محفوظ کیا جاتا،

تاکہ اُمت کے لئے قرآنِ کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح معنی بھی محفوظ ہو جائیں، اور ملحد و گمراہ لوگوں کے لئے اس کی معنوی تحریف کی گنجائش باقی نہ رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے اس اُمت نے یہ کارنامہ اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ آج ہم یہ بات بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی اس آخری کتاب کے صرف الفاظ ہی محفوظ نہیں ہیں، بلکہ اس کی وہ صحیح تفسیر و تشریح بھی محفوظ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کے ذریعے ہم تک پہنچی ہے۔

تفسیرِ قرآن کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآنِ کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں، بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسرِ قرآن کے لئے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے نحو و صرف اور بلاغت و ادب کے علاوہ علمِ حدیث، اُصولِ فقہ و تفسیر اور عقائد و کلام کا وسیع و عمیق علم رکھتا ہو، کیونکہ جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو، انسان قرآنِ کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصے سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیرِ قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد بد رکھنے والے لوگ، جنھیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پُرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں، اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ اِنتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے، جو دِین کے معاملے میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دُنیوی علوم و فنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دُنیا کا کوئی صاحبِ عقل اُسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کر سکتا ہے، جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل نہ کی ہو، اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم و تربیت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح کوئی انگریزی داں انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ

کر کے انجینئر بننا چاہے تو دُنیا کا کوئی بھی باخبر اِنسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کرسکتا، اس لئے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آسکتا، بلکہ اس کے لئے ماہر اساتذہ کے زیرِ تربیت رہ کر ان سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے۔ جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن وحدیث کے معاملے میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کافی کیسے ہوسکتا ہے؟ زندگی کے ہر شعبے میں ہر شخص اس اُصول کو جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم وفن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں، جنھیں پورا کئے بغیر اس علم وفن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی، تو آخر قرآن وسنت اتنے لاوارث کیسے ہوسکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لئے کسی علم وفن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے معاملے میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کردے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے خود اِرشاد فرمایا ہے کہ:-

"وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ" (۱۷:۵۴)

''اور بلاشبہ ہم نے قرآنِ کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے۔''

اور جب قرآنِ کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم وفن کی ضرورت نہیں۔

لیکن یہ اِستدلال ایک شدید مغالطہ ہے، جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت وموعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، مثلاً دُنیا کی ناپائیداری، جنت ودوزخ کے حالات، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا کرنے والی باتیں، اور زندگی کے دُوسرے سیدھے سادے حقائق، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص عربی زبان سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کرسکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کردیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ "لِلذِّكْرِ" (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کررہا ہے۔

اس کے برخلاف دُوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو اَحکام وقوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کا کماحقہٗ سمجھنا اور ان سے اَحکام ومسائل مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، اور عربی سمجھنے کے لئے انہیں کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صَرف کرتے تھے۔ علامہ سیوطیؒ نے اِمام ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے نقل کیا ہے کہ جن حضراتِ صحابہؓ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان

بن عفانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا اِحاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے تھے کہ:-

"فتعلّمنا القراٰن والعلم والعمل جميعًا" (الاتقان ج:۲ ص:۱۷۶)

''ہم نے قرآن اور علم وعمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔''

چنانچہ مؤطا اِمام مالکؒ میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صَرف کئے، اور مسندِ احمد میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ: ''ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران پڑھ لیتا، ہماری نگاہوں میں اُس کا مرتبہ بہت بلند ہوجاتا تھا۔'' (اتقان ج:۲ ص:۱۷۶ نوع:۷۷)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضراتِ صحابہؓ جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعر وادب میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے اَزبر ہوجایا کرتے تھے، انہیں قرآنِ کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ آٹھ سال صرف ایک سورت پڑھنے میں خرچ ہوجائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآنِ کریم اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی، بلکہ اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اُٹھانا ضروری تھا۔ اب ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کو عربی زبان کی مہارت اور نزولِ وحی کا براہِ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود ''عالمِ قرآن'' بننے کے لئے باقاعدہ حضور سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزولِ قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شدبد پیدا کرکے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسرِ قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم ودِین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا اِرتکاب کرتے ہیں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ:-

"من قال في القراٰن بغير علم فليتبوّأ مقعده في النّار"

''جو شخص قرآن کے معاملے میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔''

اور:-

"من تكلّم في القراٰن برأيه فأصاب فقد أخطأ"

''جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔'' (ابوداود ونسائی، از اتقان ج:۲ ص:۱۷۹)

سُورَةُ الفَاتِحَة

تعارف

سورۂ فاتحہ نہ صرف قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب میں سب سے پہلی سورت ہے، بلکہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو مکمل طور پر نازل ہوئی، اس سے پہلے کوئی سورت پوری نہیں نازل ہوئی تھی، بلکہ بعض سورتوں کی کچھ آیتیں آئی تھیں۔ اس سورت کو قرآنِ کریم کے شروع میں رکھنے کا منشا بظاہر یہ ہے کہ جو شخص قرآنِ کریم سے ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہو، اسے سب سے پہلے اپنے خالق و مالک کی صفات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہئے اور ایک حق کے طلب گار کی طرح اسی سے ہدایت مانگنی چاہئے۔ چنانچہ اس میں بندوں کو وہ دُعا سکھائی گئی ہے جو ایک طالبِ حق کو اللہ سے مانگنی چاہئے، یعنی سیدھے راستے کی دُعا۔ اس طرح اس سورت میں صراطِ مستقیم یا سیدھے راستے کی جو دُعا مانگی گئی ہے، پورا قرآن اس کی تشریح ہے کہ وہ سیدھا راستہ کیا ہے؟

آیاتها ۷ ۱ سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَکِّیَّةٌ ۵ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ① الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ② مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ③ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ④ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ⑤ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ⑦ ع

سورۂ فاتحہ مکی ہے اور اس میں سات آیتیں اور ایک رُکوع ہے

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے[1]

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے[2] ﴿۱﴾ جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے ﴿۲﴾ جو روزِ جزا کا مالک ہے[3] ﴿۳﴾ (اے اللہ!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں، اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں[4] ﴿۴﴾ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرما ﴿۵﴾ اُن لوگوں کے راستے کی جن پر تو نے انعام کیا ہے ﴿۶﴾ نہ کہ اُن لوگوں کے راستے کی جن پر غضب نازل ہوا ہے، اور نہ اُن کے راستے کی جو بھٹکے ہوئے ہیں ﴿۷﴾

(۱) عربی کے قاعدے سے "رحمٰن" کے معنی ہیں وہ ذات جس کی رحمت بہت وسیع (Extensive) ہو، یعنی اس رحمت کا فائدہ سب کو پہنچتا ہو، اور "رحیم" کے معنیٰ ہیں وہ ذات جس کی رحمت بہت زیادہ (Intensive) ہو، یعنی جس پر ہو مکمل طور پر ہو۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت دُنیا میں سب کو پہنچتی ہے، جس سے مؤمن کافر سب فیض یاب ہو کر رِزق پاتے ہیں، اور دُنیا کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، اور آخرت میں اگرچہ کافروں پر رحمت نہیں ہوگی، لیکن جس کسی پر (یعنی مؤمنوں پر) ہوگی، مکمل ہوگی کہ نعمتوں کے ساتھ کسی تکلیف کا کوئی شائبہ نہیں ہوگا۔ "رحمٰن" اور "رحیم" کے معنیٰ میں جو یہ فرق ہے، اس کو ظاہر کرنے کے لئے رحمٰن کا ترجمہ "سب پر مہربان" اور رحیم کا ترجمہ "بہت مہربان" کیا گیا ہے۔

(۲) اگر آپ کسی عمارت کی تعریف کریں تو درحقیقت وہ اس کے بنانے والے کی تعریف ہوتی ہے، لہٰذا اس کائنات میں جس کسی چیز کی تعریف کی جائے وہ بالآخر اللہ تعالیٰ ہی کی تعریف ہے، کیونکہ وہ چیز اسی کی بنائی ہوئی ہے۔ ''تمام جہانوں کا پروردگار'' کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ انسانوں کا جہان ہو یا جانوروں کا، جمادات کا جہان ہو یا نباتات کا، آسمانوں کا جہان ہو یا ستاروں، سیاروں اور فرشتوں کا، سب کی تخلیق اور پرورِش اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے، اور ان جہانوں میں جو کوئی چیز قابلِ تعریف ہے، وہ اللہ کی تخلیق اور شانِ ربوبیت کی وجہ سے ہے۔

(۳) ''روزِ جزا'' کا مطلب ہے وہ دن جب تمام بندوں کو اُن کے دُنیا میں کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ یوں تو روزِ جزا سے پہلے بھی کائنات کی ہر چیز کا اصلی مالک اللہ تعالیٰ ہے، لیکن یہاں خاص طور پر روزِ جزا کے مالک ہونے کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہی انسانوں کو بہت سی چیزوں کا مالک بنایا ہوا ہے، یہ ملکیت اگرچہ ناقص اور عارضی ہے، تاہم ظاہری صورت کے لحاظ سے ملکیت ہی ہے۔ لیکن قیامت کے دن جب جزا و سزا کا مرحلہ آئے گا تو یہ ناقص اور عارضی ملکیتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اُس وقت ظاہری ملکیت بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی نہیں ہوگی۔

(۴) یہاں سے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کسی قسم کی عبادت کے لائق نہیں، نیز ہر کام میں حقیقی مدد اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہئے، کیونکہ صحیح معنی میں کارساز اُس کے سوا کوئی نہیں۔ دُنیا کے بہت سے کاموں میں بعض اوقات کسی انسان سے جو مدد مانگی جاتی ہے، وہ اُسے کارساز سمجھ کر نہیں، بلکہ ایک ظاہری سبب سمجھ کر مانگی جاتی ہے۔

سُورَةُ البَقَرَة

تعارف

یہ قرآنِ کریم کی سب سے لمبی سورت ہے، اس کی آیات ۶۷ تا ۷۳ میں اُس گائے کا واقعہ مذکور ہے جسے ذبح کرنے کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ بقرہ ہے، کیونکہ بقرہ عربی میں گائے کو کہتے ہیں۔ سورت کا آغاز اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے بیان سے ہوا ہے، اسی ضمن میں انسانوں کی تین قسمیں، یعنی مؤمن، کافر اور منافق بیان کی گئی ہیں۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے، تا کہ انسان کو اپنی پیدائش کا مقصد معلوم ہو۔ اس کے بعد آیات کے ایک طویل سلسلے میں بنیادی طور پر خطاب یہودیوں سے ہے جو بڑی تعداد میں مدینہ منوّرہ کے آس پاس آباد تھے۔ ان پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں نازل فرمائیں، اور جس طرح انہوں نے ناشکری اور نافرمانی سے کام لیا اس کا مفصل بیان ہے۔ پہلے پارے کے تقریباً آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہے، اس لئے کہ انہیں نہ صرف یہودی اور عیسائی بلکہ عرب کے بت پرست بھی اپنا پیشوا مانتے تھے۔ ان سب کو یاد دِلایا گیا ہے کہ وہ خالص توحید کے قائل تھے اور انہوں نے کبھی کسی قسم کے شرک کو گوارا نہیں کیا۔ اسی ضمن میں بیت اللہ کی تعمیر اور اسے قبلہ بنانے کا موضوع زیرِ بحث آیا ہے۔ دُوسرے پارے کے شروع میں اس کے مفصل اَحکام بیان کرنے کے بعد اس سورت میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سے اَحکام بیان فرمائے گئے ہیں جن میں عبادات سے لے کر معاشرت، خاندانی اُمور اور حکمرانی سے متعلق بہت سے مسائل داخل ہیں۔

آیاتها ۲۸۶ ۲ سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۸۷ رکوعاتها ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓمّٓ ۝۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲

معانقة

سورۂ بقرہ مدنی ہے اور اس میں ۲۸۶ آیتیں اور ۴۰ رُکوع ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓ (۱) ﴿۱﴾ یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں (۲)، یہ ہدایت ہے ان ڈر رکھنے والوں کے لئے (۳) ﴿۲﴾

(۱) مختلف سورتوں کے شروع میں یہ حروف اسی طرح الگ الگ نازل ہوئے تھے، ان کو ''حروفِ مقطعات'' کہتے ہیں، اور صحیح بات یہ ہے کہ ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کا ایک راز ہے جس کی تحقیق میں پڑنے کی ضرورت نہیں، اور عقیدے یا عمل کا کوئی مسئلہ ان کے سمجھنے پر موقوف نہیں۔

(۲) یعنی اس کتاب کی ہر بات کسی شک وشبہ کے بغیر دُرست ہے۔ انسان کی لکھی ہوئی کسی کتاب کو سو فیصد شک سے بالاتر نہیں سمجھا جاسکتا، کیونکہ انسان کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کا علم محدود ہوتا ہے، اور اکثر اس کی کتاب اس کے ذاتی گمان پر مبنی ہوتی ہے، لیکن چونکہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی ہے، جس کا علم لامحدود بھی ہے اور سو فیصد یقینی بھی، اس لئے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں، کسی کو شک ہو تو یہ اس کی ناسمجھی کی وجہ سے ہوگا، کتاب کی کوئی بات شبہ والی نہیں۔

(۳) اگرچہ قرآنِ کریم نے صحیح راستہ ہر ایک کو دِکھایا ہے، خواہ وہ مؤمن ہو یا کافر، اس لئے اس معنی کے لحاظ سے اس کی ہدایت سب کے لئے ہے، لیکن نتیجے کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس ہدایت کا فائدہ انہی کو پہنچتا ہے جو اس کی بات مان کر اس کے تمام اَحکام اور تعلیمات پر عمل کریں۔ اس لئے یہ فرمایا گیا کہ ''یہ ہدایت ہے ڈر رکھنے والوں کے لئے جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں الخ'' ڈر رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ بات ہمیشہ پیشِ نظر رکھے کہ اسے ایک دن اللہ کے حضور اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہے، لہٰذا مجھے کوئی کام ایسا نہ کرنا چاہئے جو اس کی ناراضی کا باعث ہو۔ اسی خوف اور دِھیان کا نام تقویٰ ہے۔

''بے دیکھی چیزوں'' کے لئے قرآنِ کریم نے ''غیب'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے، اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾

جو بے دیکھی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں، (۴) اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اُس میں سے (اللہ کی خوشنودی کے کاموں میں) خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾

آنکھوں سے دِکھائی نہیں دیتیں، نہ ہاتھ سے چھوکر یا ناک سے سونگھ کر انہیں محسوس کیا جاسکتا ہے، بلکہ وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی یا تو قرآنِ کریم میں اُن کا ذکر ہے، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعے وہ باتیں معلوم کرکے ہمیں بتائی ہیں، مثلاً اللہ تعالیٰ کی صفات، جنت و دوزخ کے حالات، فرشتے وغیرہ۔ یہاں اللہ کے نیک بندوں کی یہ تعریف کی جارہی ہے کہ یہ لوگ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر یقین کرکے اُن چیزوں کو دِل سے مانتے ہیں جو انہوں نے آنکھوں سے نہیں دیکھیں۔ یہ دُنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے اگر یہ چیزیں آنکھوں سے نظر آجاتیں اور پھر کوئی شخص اُن پر ایمان لاتا تو کوئی امتحان نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو اِنسان کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا ہے، لیکن اُن کے وجود کے بیشمار دلائل مہیا فرمادیئے ہیں کہ جب کوئی شخص ذرا انصاف سے غور کرے گا تو اِن باتوں پر ایمان لے آئے گا، اور اِمتحان میں کامیاب ہوگا۔ قرآنِ کریم نے بھی وہ دلائل بیان فرمائے ہیں جو اِن شاء اللہ آگے آتے رہیں گے، ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ قرآنِ کریم کو حق طلبی کے جذبے سے غیر جانبدار ہوکر پڑھا جائے، اور یہ خیال دِل میں رکھا جائے کہ یہ معاملہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں لاپروائی برتی جائے۔ یہ انسان کی ہمیشہ کی زندگی کی بہتری اور تباہی کا معاملہ ہے۔ لہٰذا یہ ڈر دِل میں ہونا چاہئے کہ کہیں میری نفسانی خواہشات قرآنِ کریم کے دلائل ٹھیک ٹھیک سمجھنے میں رُکاوٹ نہ بن جائیں، اس لئے مجھے اس کی دی ہوئی ہدایت کو تلاشِ حق کے جذبے سے پڑھنا چاہئے، اور پہلے سے دِل میں جمے ہوئے خیالات سے ذہن کو خالی کرکے پڑھنا چاہئے، تاکہ مجھے واقعی ہدایت نصیب ہو۔ ''یہ ہدایت ہے ڈر رکھنے والوں کے لئے'' کا ایک مطلب یہ بھی ہے۔

(۴) جو لوگ قرآنِ کریم کی ہدایت سے فائدہ اُٹھاتے ہیں، یہاں ان کی اہم صفات بیان فرمائی گئی ہیں، ان میں سب سے پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ ''غیب'' یا اَن دیکھی چیزوں پر اِیمان لاتے ہیں جس کی تفصیل پیچھے گزری۔ اس میں تمام ایمانیات داخل ہوگئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بیان فرمایا، یا جو کچھ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اُس سب پر اِیمان لاتے ہیں۔ دُوسری چیز نماز قائم کرنا بیان کی گئی ہے جو بدنی عبادتوں میں سب سے اہم ہے، اور تیسری چیز اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے، جس میں زکوٰۃ و صدقات آجاتے ہیں جو مالی عبادات ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵

اور جو اُس (وحی) پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ پر اُتاری گئی اور اُس پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری گئی،(۵) اور آخرت پر وہ مکمل یقین رکھتے ہیں(۶) ﴿۴﴾ یہ ہیں وہ لوگ جو اپنے پروردگار کی طرف سے صحیح راستے پر ہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں ﴿۵﴾

(۵) یعنی اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ جو وحی حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اُتاری گئی وہ بھی بالکل سچی ہے، اور جو آپ سے پہلے انبیائے کرام (علیہم السلام) مثلاً حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہما السلام وغیرہ پر نازل کی گئی تھی وہ بھی بالکل سچی تھی، اگرچہ بعد میں لوگوں نے اسے ٹھیک ٹھیک محفوظ نہ رکھا، بلکہ اس میں تحریف کردی۔

اس آیت میں ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی موجود ہے کہ وحی کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا۔ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص پیدا نہیں ہوگا جس پر وحی آئے یا اُسے پیغمبر بنایا جائے، کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی اور آپ سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی کا ذکر فرمایا ہے، آپ کے بعد کی کسی وحی کا ذکر نہیں فرمایا۔ اگر آپ کے بعد بھی کوئی نیا پیغمبر آنے والا ہوتا یا اُس کی وحی پر ایمان لانا ضروری ہوتا تو اُس کو بھی یہاں بیان فرمایا جاتا، جیسا کہ پچھلے پیغمبروں سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ آپ حضرات کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں، آپ کو ان پر بھی ایمان رکھنا ہوگا۔ (دیکھئے قرآنِ کریم، سورۂ آل عمران، آیت: ۸۱)۔

(۶) ''آخرت'' سے مراد وہ زندگی ہے جو مرنے کے بعد حاصل ہوگی، اور جو ہمیشہ کے لئے ہوگی، اور اس میں ہر بندے کو دُنیا میں کئے ہوئے اعمال کا حساب دینا ہوگا، اور اسی کی بنیاد پر یہ فیصلہ ہوگا کہ وہ جنت میں جائے گا یا جہنم میں۔ اگرچہ یہ ''آخرت'' بھی اُن ''اَن دیکھی چیزوں'' (غیب) میں شامل ہے جس پر ایمان لانے کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا تھا۔ لیکن آخر میں اسے علیحدہ کرکے خصوصی اہمیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ''آخرت'' کا عقیدہ ہی درحقیقت انسان کی سوچ اور اس کی عملی زندگی کو صحیح راستے پر رکھتا ہے۔ جو انسان یہ یقین رکھتا ہو کہ ایک دن مجھے اللہ کے سامنے پیش ہوکر اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے، وہ کسی گناہ یا جرم کے ارتکاب پر بھی ڈھٹائی کے ساتھ آمادہ نہیں ہوگا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اپنالیا ہے،(۷) اُن کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے آپ ان کو ڈرائیں، یا نہ ڈرائیں،(۸) وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۶﴾ اللہ نے اُن کے دِلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہر لگادی ہے،(۹) اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، اور اُن کے لئے زبردست عذاب ہے ﴿۷﴾

---

(۷) یہاں اُن کافروں کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے یہ طے کرلیا تھا کہ چاہے کتنے واضح اور روشن دلائل اُن کے سامنے آجائیں، وہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر ایمان نہیں لائیں گے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ "یہ وہ لوگ ہیں جو کفر پر اَڑ گئے ہیں" ترجمے میں "کفر اپنالیا ہے" کے الفاظ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔

(۸) "ڈرانا" اِنذار کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ قرآنِ کریم نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو بکثرت "ڈرانے" سے تعبیر فرمایا ہے، کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام لوگوں کو کفر اور بداعمالیوں کے بُرے انجام سے ڈراتے ہیں۔ لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ آپ چاہے اُن کو دعوت دیں، یا نہ دیں، اُن کے سامنے دلائل پیش کریں یا نہ کریں، چونکہ انہوں نے تہیہ کر رکھا ہے کہ کوئی بات ماننی نہیں ہے، اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

(۹) اس آیت میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ ضد اور ہٹ دھرمی بڑی خطرناک چیز ہے، اگر کوئی شخص ناواقفیت یا غفلت وغیرہ کی وجہ سے کسی غلطی کا ارتکاب کرے تو اس کی اصلاح کی اُمید ہوسکتی ہے، لیکن جو شخص غلطی پر اَڑ جائے اور یہ تہیہ کرلے کہ کسی بھی حالت میں بات نہیں ماننی، تو اُس کی ضد کا آخری انجام یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے دِل پر مہر لگادی جاتی ہے جس کے بعد اس سے حق کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس حالت سے محفوظ رکھے۔ لہٰذا اس پر یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے ان کے دِل پر مہر لگادی تو وہ معذور ہوگئے، اس لئے کہ یہ مہر لگانا خود انہی کی ضد اور یہ تہیہ کرنے کا نتیجہ ہے کہ حق بات نہیں ماننی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

وقف لازم

کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان لے آئے، حالانکہ وہ (حقیقت میں) مؤمن نہیں ہیں[۱۰] ﴿۸﴾ وہ اللہ کو اور اُن لوگوں کو جو (واقعی) ایمان لا چکے ہیں، دھوکا دیتے ہیں۔ اور (حقیقت تو یہ ہے کہ) وہ اپنے سوا کسی اور کو دھوکا نہیں دے رہے، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے[۱۱] ﴿۹﴾ ان کے دِلوں میں روگ ہے، چنانچہ اللہ نے ان کے روگ میں اور اضافہ کردیا ہے،[۱۲] اور ان کے لئے دردناک سزا تیار ہے، کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ﴿۱۰﴾ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد نہ مچاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں ﴿۱۱﴾

---

(۱۰) سورت کے شروع میں پہلے مؤمنوں کے اوصاف اور ان کا انجام بیان فرمایا گیا، پھر اُن لوگوں کا ذکر ہوا جو کھلے کافر ہیں۔ اب یہاں سے ایک تیسرے گروہ کا بیان ہو رہا ہے جسے ''منافق'' کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ ظاہر میں تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، مگر دِل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

(۱۱) یعنی بظاہر تو وہ اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں، کیونکہ اس دھوکے کا انجام خود اُن کے حق میں بُرا ہوگا، وہ سمجھ رہے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرکے وہ کفر کے دُنیوی انجام سے بچ گئے، حالانکہ آخرت میں اُن کو جو عذاب ہوگا، وہ دُنیا کے عذاب سے زیادہ سنگین ہے۔

(۱۲) یہ وہی بات ہے جو پیچھے آیت نمبر ۷ میں کہی گئی تھی۔ یعنی شروع میں انہوں نے اپنے اختیار سے اس گمراہی کو اپنایا اور اُس پر اَڑ گئے، یہ اُن کے دِل کی بیماری تھی۔ پھر اُن کی ضد کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُن کی بیماری کو اور بڑھا دیا کہ اب انہیں واقعی ایمان لانے کی توفیق نہیں ہوگی۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

یاد رکھو! یہی لوگ فساد پھیلانے والے ہیں، لیکن انہیں اس بات کا احساس نہیں ہے ﴿۱۲﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی اسی طرح ایمان لے آؤ جیسے دُوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اسی طرح ایمان لائیں جیسے بے وقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟ خوب اچھی طرح سن لو کہ یہی لوگ بے وقوف ہیں، لیکن وہ یہ بات نہیں جانتے ﴿۱۳﴾ اور جب یہ اُن لوگوں سے ملتے ہیں جو اِیمان لاچکے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب یہ اپنے شیطانوں[۱۳] کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ہم تو مذاق کررہے تھے ﴿۱۴﴾ اللہ ان سے مذاق (کا معاملہ) کرتا ہے اور انہیں ایسی ڈھیل دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں[۱۴] ﴿۱۵﴾

---

(۱۳) ''اپنے شیطانوں'' سے مراد وہ سردار ہیں جو ان منافقین کی سازشوں میں اُن کے سربراہ اور رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔

(۱۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی رسّی دراز کررکھی ہے کہ ان کے دوغلے پن کی فوری سزا دُنیا میں انہیں نہیں مل رہی جس سے وہ سمجھ رہے ہیں کہ ہماری تدبیر کارگر ہوگئی، چنانچہ وہ اپنی اس گمراہی میں اور پختہ ہوتے جارہے ہیں۔ آخرت میں انہیں ایک دم پکڑلیا جائے گا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ عمل اُن کے ''مذاق'' کا نتیجہ تھا، اُسے یہاں ''اللہ اُن سے مذاق کرتا ہے'' کے عنوان سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا
كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا
حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ
فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿١٨﴾ ۙ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ
يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی ہے، لہٰذا نہ اُن کی تجارت میں نفع ہوا، اور
نہ انہیں صحیح راستہ نصیب ہوا ﴿۱۶﴾ اُن کی مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے ایک آگ روشن کی،[۱۵]
پھر جب اس (آگ نے) اس کے ماحول کو روشن کر دیا تو اللہ نے اُن کا نور سلب کرلیا اور انہیں
اندھیریوں میں چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا ﴿۱۷﴾ وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے
ہیں، چنانچہ اب وہ واپس نہیں آئیں گے ﴿۱۸﴾
یا پھر (ان منافقوں کی مثال ایسی ہے[۱۶]) جیسے آسمان سے برستی ایک بارش ہو، جس میں اندھیریاں بھی
ہوں، اور گرج بھی اور چمک بھی۔ وہ کڑکوں کی آواز پر موت کے خوف سے اپنی اُنگلیاں اپنے کانوں
میں دے لیتے ہیں۔

---

(۱۵) یہاں سے اُن منافقوں کی مثال دی جارہی ہے جو اِسلام کے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود نفاق کی
گمراہی میں پھنسے رہے۔ اسلام کے واضح دلائل کو آگ کی روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح اس روشنی سے
ماحول کی چیزیں صاف نظر آنے لگتی ہیں، اسی طرح اسلام کے دلائل سے حقیقت اُن پر واضح ہوگئی، لیکن پھر ضد
اور عناد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ روشنی ان سے سلب کرلی اور وہ دیکھنے کی قوت سے محروم ہوگئے۔
(۱۶) منافقوں کی پہلی مثال تو اُن منافقین سے متعلق تھی جو اسلام کے واضح دلائل سامنے آنے کے باوجود خوب
سوچ سمجھ کر کفر اور نفاق کا راستہ اختیار کئے ہوئے تھے۔ اب منافقین کے اس گروہ کی مثال دی جارہی ہے جو
اسلام لانے کے بارے میں تذبذب کا شکار تھا۔ جب اسلام کی حقانیت کے دلائل سامنے آتے تو اس کے دِل

وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾ ع يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾ ۙ

اور اللہ نے کافروں کو گھیرے میں [۱۷] لے رکھا ہے ﴿۱۹﴾ ایسا لگتا ہے کہ بجلی اُن کی آنکھوں کو اُچک لے جائے گی۔ جب بھی بجلی اُن کے لئے روشنی کر دیتی ہے، وہ اُس (روشنی) میں چل پڑتے ہیں، اور جب وہ اُن پر اندھیرا کر دیتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کے سننے اور دیکھنے کی طاقتیں چھین لیتا، بیشک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۰﴾

اے لوگو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمہیں اور اُن لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزرے ہیں، تاکہ تم متقی بن جاؤ ﴿۲۱﴾

میں اسلام کی طرف جھکاؤ پیدا ہوتا اور وہ اسلام کی طرف بڑھنے لگتے، لیکن جب اسلامی اَحکام کی ذمہ داریاں اور حلال وحرام کی باتیں سامنے آتیں تو وہ اپنی خودغرضی کی وجہ سے رُک جاتے۔ یہاں اسلام کو ایک برستی ہوئی بارش سے تشبیہ دی گئی ہے، اور اس میں کفر وشرک کی خرابیوں کا جو بیان ہے، اُسے اندھیریوں سے، اور اس میں کفر و شرک پر عذاب کی جو دھمکیاں دی گئی ہیں، انہیں گرج سے تشبیہ دی گئی ہے، نیز قرآنِ کریم میں حق کے جو دلائل اور حق کو تھامنے والوں کے لئے جنت کے جو وعدے کئے گئے ہیں، انہیں بجلی کی روشنی سے۔ جب یہ روشنی ان کے سامنے چمکتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں مگر کچھ دیر میں ان کی خواہشات کی ظلمت ان پر چھا جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

(۱۷) یعنی جب قرآنِ کریم کفر اور فسق پر عذاب کی وعیدیں سناتا ہے تو یہ اپنے کان بند کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عذاب سے محفوظ ہو گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمام کافروں کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور وہ اس سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَۃُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

(وہ پروردگار) جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا، اور آسمان کو چھت، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس کے ذریعے تمہارے رزق کے طور پر پھل نکالے، لہٰذا اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، جبکہ تم (یہ سب باتیں) جانتے ہو(18) ﴿۲۲﴾ اور اگر تم اس (قرآن) کے بارے میں ذرا بھی شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر اُتارا ہے، تو اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اور اگر سچے ہو تو اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو ﴿۲۳﴾ پھر بھی اگر تم یہ کام نہ کرسکو، اور یقیناً کبھی نہیں کرسکوگے، تو ڈرو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے(19) ﴿۲۴﴾

(۱۸) ان دو آیتوں میں اسلام کے بنیادی عقیدے توحید کی دعوت دی گئی ہے، اور مختصر انداز میں اس کی دلیل بھی بیان کردی گئی ہے، اہلِ عرب یہ مانتے تھے کہ ساری کائنات کو پیدا کرنا، زمین وآسمان کی تخلیق اور آسمان سے بارش برسانا، اور اس سے پیداوار اُگانا، یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں، اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے کام بتوں کے سپرد کر رکھے ہیں، اور وہ بت اپنے اپنے کاموں میں براہِ راست فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لہٰذا وہ ان بتوں کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب ہر چیز پیدا کرنے والے ہم ہیں، اور ہمیں کائنات چلانے کے لئے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں، تو عبادت کسی اور کی کرنا کتنے بڑے ظلم کی بات ہے۔

(۱۹) پچھلی آیات میں توحید کا بیان تھا، اب اسلام کے دُوسرے اہم عقیدے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو خوشخبری دے دو کہ ان کے لئے ایسے باغات (تیار) ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی،[۲۰] جب کبھی ان کو ان (باغات) میں سے کوئی پھل رزق کے طور پر دیا جائے گا، تو وہ کہیں گے "یہ تو وہی ہے جو ہمیں پہلے بھی دیا گیا تھا" اور انہیں وہ رزق ایسا ہی دیا جائے گا جو دیکھنے میں ملتا جلتا ہوگا،[۲۱] اور اُن کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور وہ ان (باغات) میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۲۵﴾

رسالت کا بیان ہے، اور عرب کے جو لوگ قرآن پر ایمان لانے کے بجائے یہ الزام لگاتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شاعر ہیں اور انہوں نے اپنی طرف سے یہ کلام بنالیا ہے، انہیں زبردست چیلنج دیا گیا ہے کہ اگر ایسا کلام کوئی انسان بنا سکتا ہے تو تم بڑے فصیح و بلیغ ہو، تم سب مل کر قرآن جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ، ساتھ ہی قرآن نے دعویٰ کیا ہے کہ تم سب مل کر بھی ایسا نہیں کرسکو گے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ اہلِ عرب جو اپنی زبان وادب پر ناز کرتے تھے، ان سب کو اس چیلنج کے بعد سانپ سونگھ گیا، اور کوئی شخص یہ چیلنج قبول کرنے کے لئے آگے نہ بڑھا، بڑے بڑے شاعروں اور ادیبوں نے اس خدائی کلام کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے، اور اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآنِ کریم کی سچائی روزِ روشن کی طرح ثابت اور واضح ہوگئی۔

(۲۰) یہ اسلام کے تیسرے عقیدے یعنی "آخرت پر ایمان" کا بیان ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ مرنے کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے جس میں ہر انسان کو اپنے تمام اعمال کا جواب دینا ہوگا۔ اگر ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے ہوں گے تو وہ جنت نصیب ہوگی جس کی ایک جھلک اس آیت میں دِکھائی گئی ہے۔

(۲۱) اس کا مطلب ایک تو یہ ہوسکتا ہے کہ جنت ہی میں انہیں وقفوں وقفوں سے ایسے پھل دیئے جائیں گے جو دیکھنے میں بالکل ملتے جلتے ہوں گے، مگر لذت اور ذائقے میں ہر پھل نیا ہوگا، اور دُوسرا مطلب یہ بھی ممکن ہے کہ جنت کے پھل دیکھنے میں دُنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے، اس لئے انہیں دیکھ کر جنتی یہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو ہمیں پہلے یعنی دُنیا میں ملے تھے، لیکن جنت میں ان کی لذت اور خصوصیات دُنیا کے پھلوں سے کہیں زیادہ ہوں گی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ ﴿۲۶﴾

وقف لازم

بیشک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ (کسی بات کو واضح کرنے کے لئے) کوئی بھی مثال دے، چاہے وہ مچھر (جیسی معمولی چیز) کی ہو، یا کسی ایسی چیز کی جو مچھر سے بھی زیادہ (معمولی) ہو،[۲۲] اب جو لوگ مؤمن ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ مثال ایک حق بات ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔ البتہ جو لوگ کافر ہیں، وہ یہی کہتے ہیں کہ بھلا اس (حقیر) مثال سے اللہ کا کیا مطلب ہے؟ (اس طرح) اللہ اس مثال سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کرتا ہے، اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے۔ (مگر) وہ گمراہ انہی کو کرتا ہے جو نافرمان ہیں[۲۳] ﴿۲۶﴾

(۲۲) بعض کافروں نے قرآنِ کریم پر یہ اعتراض کیا تھا کہ اس میں کچھ مثالیں مکھی، مچھر، مکڑی وغیرہ کی دی گئی ہیں، اگر یہ واقعی خدا کا کلام ہوتا تو اس میں ایسی حقیر چیزوں کا ذکر نہ ہوتا۔ ظاہر ہے کہ یہ اعتراض بڑا بے تکا اعتراض تھا، کیونکہ مثال ہمیشہ مضمون کی مناسبت سے دی جاتی ہے، اگر کسی حقیر و ذلیل چیز کی مثال دینی ہو تو ایسی ہی کسی چیز سے دی جائے گی جو حقیر و ذلیل ہو۔ یہ کسی کلام کا عیب تو کیا ہوتا؟ اُس کی فصاحت و بلاغت کی دلیل ہے، مگر یہ بات انہی کی سمجھ میں آتی ہے جو طالبِ حق ہوں اور حق پر اِیمان لاچکے ہوں، لیکن جنہوں نے کفر کی قسم کھا رکھی ہے، انہیں تو ہر بات پر ہر حالت میں اعتراض کرنا ہے، اس لئے وہ ایسی بے تکی باتیں کہتے ہیں۔

(۲۳) یعنی قرآنِ کریم کی یہی آیتیں جو طالبِ حق کو ہدایت بخشتی ہیں، ایسے لوگوں کے لئے مزید گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں جنہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی پر کمر باندھ کر یہ طے کرلیا ہے کہ حق بات ماننی نہیں ہے، کیونکہ وہ ہر نئی آیت کا انکار کرتے ہیں، اور ہر آیت کا انکار ایک مستقل گمراہی ہے۔

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد کو پختہ کرنے کے بعد بھی توڑ دیتے ہیں،[۲۴] اور جن رشتوں کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، انہیں کاٹ ڈالتے ہیں، اور زمین میں فساد مچاتے ہیں،[۲۵] ایسے ہی لوگ بڑا نقصان اُٹھانے والے ہیں ﴿۲۷﴾

(۲۴) عہد سے مراد اکثر مفسرین نے وہ عہدِ اَلست لیا ہے جس کا ذکر سورۂ اعراف (۷:۱۷۲) میں آنے والا ہے، وہیں اِن شاء اللہ اس کی تفصیل آئے گی، یہاں اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کرنے سے بہت پہلے آنے والی تمام روحوں کو جمع کر کے ان سے پوچھا تھا کہ ’’کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟‘‘ سب نے اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے کا اقرار کر کے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کریں گے۔ پھر اس آیت میں عہد کو پختہ کرنے سے مراد بظاہر یہ ہے کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کے رسول آتے رہے جو اس عہد کو یاد دِلا کر اللہ تعالیٰ کے خالق و مالک ہونے پر دلائل قائم کرتے رہے۔

اِس عہد کی ایک اور تشریح بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ اس سے مراد وہ عملی اور خاموش عہد (Tacit Covenant) ہے جو ہر انسان پیدا ہوتے ہی اپنے خالق و مالک سے کرتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہر شخص جو کسی ملک میں پیدا ہوتا ہے وہ اس ملک کا شہری ہونے کے ناتے یہ خاموش عہد کرتا ہے کہ وہ اس ملک کے قوانین کا پابند ہوگا۔ خواہ زبان سے اس نے کچھ نہ کہا ہو، لیکن اس کا کسی ملک میں پیدا ہونا ہی اس عہد کے قائم مقام ہے۔ اسی طرح اس کائنات میں جو شخص بھی پیدا ہوتا ہے وہ خود بخود اس عہد کا پابند ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کی ہدایات کے مطابق زندگی بسر کرے گا۔ اس عہد کے لئے زبان سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ غالباً اسی وجہ سے اگلی آیت میں باری تعالیٰ نے فوراً یہ ارشاد فرمایا کہ ’’تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا طرزِ عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُسی نے تمہیں زندگی بخشی‘‘ یعنی اگر ذرا غور کرو تو تنہا یہ بات کہ کسی نے تمہیں پیدا کیا ہے، تمہاری طرف سے یہ عہد و پیمان ہے کہ تمہارے لئے اس کی نعمتوں کا اعتراف اور اُس کے بتائے ہوئے طریقے پر چلنا لازمی ہوگا۔ ورنہ یہ کونسی عقل اور کونسا انصاف ہے کہ پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے، اور فرمانبرداری اس کے بجائے کسی اور کی کی جائے، پھر اس خاموش عہد کو مزید پختہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے ذریعے متواتر تمہیں اس عہد کی یاد دہانی کراتا رہا ہے، اور ان پیغمبروں نے وہ مضبوط دلائل تمہارے سامنے پیش کئے ہیں جن سے یہ عہد مزید پختہ ہو گیا ہے کہ انسان کو ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی ہے۔

(۲۵) اس سے مراد رشتہ داروں کے وہ حقوق پامال کرنا ہے جنہیں صلہ رحمی کہا جاتا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اُن

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيعًا ۖ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾

ع ۳ / ۹

تم اللہ کے ساتھ کفر کا طرزِ عمل آخر کیسے اختیار کر لیتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اُسی نے تمہیں زندگی بخشی، پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا، اور پھر تم اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے ﴿۲۸﴾ وہی ہے جس نے زمین میں جو کچھ ہے تمہارے لئے پیدا کیا،[۲۶] پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا، چنانچہ ان کو سات آسمانوں کی شکل میں ٹھیک ٹھیک بنا دیا، اور وہ ہر چیز کا پورا علم رکھنے والا ہے ﴿۲۹﴾

کافروں کی تین صفات بیان فرمائی ہیں: ایک یہ کہ وہ اللہ سے کیا ہوا عہد توڑتے ہیں، دُوسرے یہ کہ وہ رشتہ داروں کے حقوق پامال کرتے ہیں، اور تیسرے یہ کہ زمین میں فساد مچاتے ہیں۔ ان میں سے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہے، یعنی نہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو رکھنا چاہئے، اور نہ اس کی وہ عبادت کرتے ہیں جو اُن پر فرض ہے۔ دُوسری اور تیسری چیز کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مختلف رشتوں کے جو حقوق مقرّر فرمائے ہیں، اُن کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی سے ہی ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے، اگر ان رشتوں کو کاٹ کر باپ بیٹے، بھائی بھائی، شوہر اور بیوی ایک دُوسرے کے حقوق پامال کرنا شروع کر دیں تو وہ خاندانی نظام تباہ ہو جاتا ہے جس پر ایک صحت مند تمدّن کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کا لازمی نتیجہ زمین میں فساد کی صورت میں نکلتا ہے، اسی لئے قرآنِ کریم نے رشتوں کو کاٹنے اور زمین میں فساد مچانے کو سورۂ محمد میں بھی ایک ساتھ ملا کر ذکر فرمایا ہے: "فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوٓا اَرْحَامَكُمْ" (۲۲:۴۷)۔

(۲۶) انسان کو توجہ دِلائی جا رہی ہے کہ وہ کائنات کی جتنی چیزوں سے فائدہ اُٹھاتا ہے سب اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی ہیں، ان میں سے ہر چیز اس کی توحید کی گواہی دے رہی ہے، اس کے باوجود اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کرنا کتنی بڑی ناشکری ہے۔ اسی آیت سے فقہاء نے یہ اُصول بھی مستنبط کیا ہے کہ دُنیا کی ہر چیز اصل میں حلال ہے اور جب تک کسی چیز کی حرمت پر کوئی دلیل نہ ہو اس وقت تک اس کو حلال ہی سمجھا جائے گا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں،(۲۷) وہ کہنے لگے: "کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق پیدا کریں گے جو اس میں فساد مچائے، اور خون خرابہ کرے، حالانکہ ہم آپ کی تسبیح اور حمد و تقدیس میں لگے ہوئے ہیں؟"(۲۸) اللہ نے کہا: "میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" ﴿۳۰﴾ اور آدم کو (اللہ نے) سارے کے سارے نام سکھا دیئے،(۲۹) پھر ان کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور (ان سے) کہا: اگر تم سچے ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام تو بتلاؤ ﴿۳۱﴾

---

(۲۷) آیت: ۲۱ اور ۲۲ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت واجب ہونے کی نہایت مختصر اور سادہ، مگر مضبوط دلیل یہ دی گئی تھی کہ جس نے تمہیں پیدا کیا ہے وہی عبادت کا مستحق ہے۔ آیت: ۲۸ میں کافروں کے کفر پر تعجب کا اظہار بھی اسی بنا پر کیا گیا تھا۔ اب انسان کی پیدائش کا پورا واقعہ بیان کر کے اس دلیل کو مزید پختہ کیا جا رہا ہے۔ آیت میں خلیفہ سے مراد انسان ہے، اور اس کے خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر خود بھی عمل کرے اور اپنی طاقت کے مطابق دوسروں سے بھی کروانے کی کوشش کرے۔

(۲۸) فرشتوں کے اس سوال کا منشاء خدانخواستہ کوئی اعتراض کرنا نہیں تھا بلکہ وہ حیرت کر رہے تھے کہ ایک ایسی مخلوق کو پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے جو نیکی کے ساتھ بدی کی صلاحیت بھی رکھتی ہوگی جس کے نتیجے میں زمین پر فساد پھیلنے کا امکان ہوگا۔ مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انسان سے پہلے زمین پر جنات پیدا کئے گئے تھے اور انہوں نے آپس میں لڑ لڑ کر ایک دوسرے کو ختم کر ڈالا تھا۔ فرشتوں نے سوچا کہ شاید انسان کا انجام بھی ایسا ہی ہو۔

(۲۹) ناموں سے مراد کائنات میں پائی جانے والی چیزوں کے نام، ان کی خاصیتیں اور انسان کو پیش آنے والی

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

وہ بول اُٹھے: آپ ہی کی ذات پاک ہے، جو کچھ علم آپ نے ہمیں دیا ہے اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے۔(۳۰) حقیقت میں علم وحکمت کے مالک تو صرف آپ ہیں ﴿۳۲﴾ اللہ نے کہا: "آدم! تم ان کو ان چیزوں کے نام بتادو" چنانچہ جب اس نے ان کے نام ان کو بتادیے تو اللہ نے (فرشتوں سے) کہا: "کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے بھید جانتا ہوں؟ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو مجھے اس سب کا علم ہے" ﴿۳۳﴾

مختلف کیفیات کا علم ہے، مثلاً بھوک، پیاس، صحت اور بیماری وغیرہ۔ اگرچہ آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کی تعلیم دیتے وقت فرشتے بھی موجود تھے، لیکن چونکہ ان کی فطرت میں ان چیزوں کی پوری سمجھ نہیں تھی اس لئے جب ان کا امتحان لیا گیا تو وہ جواب نہیں دے سکے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر انہیں باور کرادیا کہ جو کام اس نئی مخلوق سے لینا مقصود ہے وہ فرشتے انجام نہیں دے سکتے۔

(۳۰) بظاہر ان الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام صرف حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے گئے تھے، اور فرشتے اس تعلیم میں شریک نہیں تھے۔ اس صورت میں ان سے ان ناموں کے بارے میں پوچھنا یہ جتانے کے لئے تھا کہ تم میں وہ صلاحیت نہیں رکھی گئی جو آدم علیہ السلام کی تخلیق سے مقصود ہے۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ آدم علیہ السلام کو سکھاتے وقت فرشتے موجود تو تھے لیکن چونکہ ان میں ان باتوں کو سمجھنے یا یاد رکھنے کی صلاحیت نہیں تھی اس لئے وہ امتحان کے وقت جواب نہ دے سکے۔ اس صورت میں ان کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ ہمیں وہی علم حاصل ہوسکتا ہے جو آپ ہمیں دینا چاہیں اور اس کی صلاحیت ہمارے اندر پیدا کردیں۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ: آدم کو سجدہ کرو،(۳۱) چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے اِبلیس کے کہ اس نے انکار کیا،(۳۲) اور متکبرانہ رویہ اختیار کیا اور کافروں میں شامل ہوگیا ﴿۳۴﴾ اور ہم نے کہا: ''آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو، اور اس میں سے جہاں سے چاہو جی بھر کے کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس بھی مت جانا،(۳۳) ورنہ تم ظالموں میں شمار ہوگے'' ﴿۳۵﴾

(۳۱) فرشتوں کے سامنے آدم علیہ السلام کی عظمت کا عملی مظاہرہ اور ان کا امتحان لینے کے لئے انہیں آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ سجدہ عبادت کا نہیں تعظیم کا سجدہ تھا جو بعض پچھلی شریعتوں میں جائز تھا، بعد میں تعظیم کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کی سختی سے ممانعت کردی گئی تاکہ شرک کا کوئی شائبہ بھی پیدا نہ ہو۔ یہ سجدہ کروانا اس بات کا بھی مظاہرہ تھا کہ فرشتوں کو اس بات کی تلقین کی جارہی ہے کہ کائنات میں جو چیزیں ان کے اختیار میں دی گئی ہیں وہ انسان کے لئے مسخر کردی جائیں، تاکہ یہ دیکھا جائے کہ وہ ان کو صحیح استعمال کرتا ہے یا غلط۔

(۳۲) اگرچہ براہِ راست سجدے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا، مگر اس میں تمام جاندار مخلوقات بھی شامل تھیں، لہٰذا اِبلیس جو جنات میں سے تھا اس پر بھی اس حکم کی تعمیل لازم تھی۔ لیکن جیسا کہ خود قرآنِ کریم نے دوسری جگہ بیان فرمایا ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے کہنے لگا کہ مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے، اس لئے میں اس سے افضل ہوں، میں اسے کیوں سجدہ کروں؟ (قرآن کریم، سورہ اعراف ۷:۱۲)۔ اس واقعے سے دو سبق ملتے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے آپ کو بذاتِ خود دوسروں سے بڑا سمجھنا اور اپنی بڑائی بگھارنا کتنا بڑا گناہ ہے۔ اور دوسرا سبق یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واضح حکم آجائے تو بندے کا کام یہ ہے کہ اس حکم کو دِل و جان سے بجا لائے، چاہے اس کی حکمت اور فائدہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔

(۳۳) یہ کونسا درخت تھا؟ قرآنِ کریم نے اس کی وضاحت نہیں فرمائی، نہ اس کے جاننے کی ضرورت ہے۔ اتنا

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۖ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے ڈگمگا دیا، اور جس (عیش) میں وہ تھے اس سے انہیں نکال کر رہا[۳۴] اور ہم نے (آدم، ان کی بیوی اور اِبلیس سے) کہا: ''اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے، اور تمہارے لئے ایک مدّت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اُٹھانا (طے کردیا گیا) ہے''[۳۵] ﴿۳۶﴾ پھر آدم نے اپنے پروردگار سے (توبہ کے) کچھ الفاظ سیکھ لئے (جن کے ذریعے انہوں نے توبہ مانگی) چنانچہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کرلی۔[۳۶] بیشک وہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۷﴾

جان لینا کافی ہے کہ جنت کے درختوں میں ایک درخت ایسا تھا جس کا پھل کھانے سے انہیں روک دیا گیا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ گندم کا درخت تھا، بعض میں انگور کا ذکر ہے، مگر کوئی روایت ایسی نہیں جس پر پورا بھروسہ کیا جاسکے۔

(۳۴) یعنی شیطان نے انہیں بہکا کر اس درخت کا پھل کھانے پر آمادہ کردیا۔ اور بہانہ یہ بنایا کہ یوں تو یہ درخت بڑا مفید ہے، کیونکہ اس کو کھانے سے ابدی زندگی حاصل ہوجاتی ہے، لیکن شروع میں آپ کو اس لئے منع کیا گیا تھا کہ آپ کی جسمانی کیفیت اس کو برداشت نہ کرسکتی تھی، اب چونکہ آپ جنت کے ماحول کے عادی ہوگئے ہیں، اور آپ کے قویٰ مضبوط ہوچکے ہیں، اس لئے اب وہ ممانعت باقی نہیں رہی۔ اس واقعے کی مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: سورۂ اَعراف (۷:۱۹ تا ۲۳) اور سورۂ طٰہٰ (۲۰:۱۲۰)۔

(۳۵) مطلب یہ ہے کہ اس واقعے کے نتیجے میں آدم علیہ السلام اور ان کی اہلیہ کو جنت سے اور شیطان کو آسمانوں سے نیچے زمین پر اُترنے کا حکم دے دیا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی بتادیا گیا کہ انسان اور شیطان کے درمیان رہتی دُنیا تک دُشمنی قائم رہے گی، اور زمین کا یہ قیام ایک معین مدت تک ہوگا جس میں کچھ دُنیوی فائدے اُٹھانے کے بعد سب کو بالآخر اللہ تعالیٰ کے پاس دوبارہ پیش ہونا ہوگا۔

(۳۶) جب آدم علیہ السلام کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ پریشان ہوگئے، لیکن سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے کن الفاظ میں معافی مانگیں، اس لئے زبان سے کچھ نکل نہیں رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جو دِلوں کے حال سے بھی

خوب واقف ہیں اور رحیم و کریم بھی ہیں، ان کی اس کیفیت کے پیشِ نظر خود ہی ان کو توبہ کے الفاظ سکھائے جو سورۂ اَعراف میں مذکور ہیں: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ یعنی: ''اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گذرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم برباد ہو جائیں گے۔'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجنے سے پہلے انسان کو یہ تعلیم دے دی کہ جب کبھی نفسانی خواہشات یا شیطان کے بہکاوے میں آکر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو اسے فوراً اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنی چاہئے، اور اگرچہ توبہ کے لئے کوئی خاص الفاظ لازمی نہیں ہیں، بلکہ ہر وہ جملہ جس میں اپنے کئے پر ندامت اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا ارادہ شامل ہو، اس کے ذریعے توبہ ممکن ہے، لیکن چونکہ یہ الفاظ خود اللہ تعالیٰ کے سکھائے ہوئے ہیں، اس لئے ان الفاظ میں توبہ کرنے سے قبولیت کی زیادہ اُمید ہے۔

یہاں یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ، جیسا کہ پیچھے آیت ۳۰ سے واضح ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے شروع ہی سے آدم علیہ السلام کو زمین پر اپنا نائب بنا کر بھیجنے کے لئے پیدا فرمایا تھا، لیکن زمین پر بھیجنے سے پہلے انہیں جنت میں رکھنے اور اس کے بعد کے واقعات کا تکوینی مقصد بظاہر یہ تھا کہ ایک طرف حضرت آدم علیہ السلام جنت کی نعمتوں کا خود تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ان کی اصل منزل کیا ہے، اور زمین پر پہنچنے کے بعد اِس منزل کے حصول میں کس قسم کی رُکاوٹیں پیش آسکتی ہیں، اور ان سے نجات پانے کا کیا طریقہ ہوگا؟ چونکہ فرشتوں کے مقابلے میں انسان کا امتیاز ہی یہ تھا کہ اس میں اچھائی اور بُرائی دونوں کی صلاحیت رکھی گئی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ اسے زمین پر بھیجنے سے پہلے ایسے تجربے سے گذارا جائے۔ پیغمبر چونکہ معصوم ہوتے ہیں اور ان سے کوئی بڑا گناہ سرزد نہیں ہوسکتا، اس لئے آدم علیہ السلام کی یہ غلطی درحقیقت اِجتہادی غلطی (Bonafide Mistake) تھی، یعنی سوچ کی یہ غلطی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو شیطان کے بہکانے سے ایک خاص وقت تک محدود سمجھ لیا، ورنہ اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کا ہرگز ان سے تصوّر نہیں کیا جاسکتا۔ تاہم چونکہ یہ قصور بھی ایک پیغمبر کے شایانِ شان نہ تھا اس لئے اسے بعض آیات میں گناہ یا حکم عدولی سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر توبہ کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ساتھ ہی زیرِ نظر آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی، اور اس طرح اس عیسائی عقیدے کی تردید فرمادی گئی ہے جس کا کہنا یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا یہ گناہ ہمیشہ کے لئے انسان کی سرشت میں داخل ہو گیا تھا جس کے نتیجے میں ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گناہگار پیدا ہوتا ہے، اور اس مشکل کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ کو اپنا بیٹا دُنیا میں بھیج کر اسے قربان کرنا پڑا تاکہ وہ ساری دُنیا کے لئے کفارہ بن سکے۔ قرآنِ کریم نے دوٹوک الفاظ میں اعلان فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمالی تھی اس لئے نہ وہ گناہ باقی رہا تھا، نہ اس کے اولادِ آدم کی طرف منتقل ہونے کا کوئی سوال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ عدل میں ایک شخص کے گناہ کا بوجھ دوسرے کے سر پر نہیں ڈالا جاتا۔

قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِيۡعًا ‌ۚ فَاِمَّا يَاۡتِيَنَّكُمۡ مِّنِّىۡ هُدًى فَمَنۡ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ‌ۚ وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾

ہم نے کہا: ''اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ پھر اگر میری طرف سے کوئی ہدایت تمہیں پہنچے، تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ ﴿۳۸﴾ اور جو لوگ کفر کا ارتکاب کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہ دوزخ والے لوگ ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔'' ﴿۳۹﴾

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور تم مجھ سے کیا ہوا عہد پورا کرو، تاکہ میں بھی تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں، اور تم (کسی اور سے نہیں، بلکہ) صرف مجھی سے ڈرو[۳۷] ﴿۴۰﴾

(۳۷) ''اسرائیل'' حضرت یعقوب علیہ السلام کا دوسرا نام ہے، ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ تمام تر یہودی اور اکثر عیسائی اسی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ مدینہ منورہ میں یہودیوں کی اچھی خاصی تعداد آباد تھی، اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد نہ صرف ان کو اِسلام کی دعوت دی تھی، بلکہ ان سے امن کا معاہدہ بھی فرمایا تھا۔ لہٰذا اس مدنی سورت میں زیرِ نظر آیت سے آیت ۱۴۳ تک مسلسل بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے جس میں انہیں اسلام کی دعوت بھی دی گئی ہے اور ان کو نصیحت کرنے کے ساتھ ان کی بدعنوانیوں پر متنبہ بھی کیا گیا ہے۔ شروع میں ان کو یاد دِلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر کیسے کیسے انعامات فرمائے تھے، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے شکرگذار ہوکر اس عہد کو پورا کرتے جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا کہ وہ تورات پر ٹھیک ٹھیک عمل کریں گے اور اللہ کے بھیجے ہوئے ہر نبی پر اِیمان لائیں گے۔ لیکن انہوں نے تورات پر عمل کرنے کے بجائے اس کی من مانی تاویلیں شروع کردیں اور اس کے اَحکام کو بدل ڈالا۔ چونکہ اس طرزِ عمل کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حق کو قبول کرنے کی صورت میں انہیں اپنے ہم مذہب لوگوں کا ڈر تھا کہ وہ کہیں ان سے بدظن نہ ہوجائیں، اس لئے ان دو آیتوں کے آخر میں فرمایا گیا ہے کہ مخلوق سے ڈرنے کے بجائے انہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے، اور اللہ کے سوا کسی کا خوف دِل میں نہیں رکھنا چاہئے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿٤١﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿٤٣﴾

اور جو کلام میں نے نازل کیا ہے اس پر ایمان لاؤ، جبکہ وہ اُس کتاب (یعنی تورات) کی تصدیق بھی کر رہا ہے جو تمہارے پاس ہے، اور تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ۔ اور میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، اور (کسی اور کے بجائے) صرف میرا خوف دِل میں رکھو[(٣٨)] ﴿٤١﴾ اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ جبکہ (اصل حقیقت) تم اچھی طرح جانتے ہو ﴿٤٢﴾ اور نماز قائم کرو، اور زکوۃ ادا کرو، اور رُکوع کرنے والوں کے ساتھ رُکوع کرو[(٣٩)] ﴿٤٣﴾

---

(٣٨) بنی اسرائیل کو یاد دِلایا جا رہا ہے کہ قرآنِ کریم وہی دعوت لے کر آیا ہے جو تورات اور اِنجیل کی دعوت تھی اور جن آسمانی کتابوں پر وہ ایمان رکھتے ہیں، قرآنِ کریم انہیں جھٹلانے کے بجائے دو طرح سے ان کی تصدیق کرتا ہے: ایک اس لحاظ سے کہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ کتابیں اللہ ہی کی نازل کی ہوئی تھیں، (یہ اور بات ہے کہ بعد کے لوگوں نے ان میں کافی رَدّ و بدل کر ڈالا جس کی حقیقت قرآن نے واضح فرمائی) اور دوسرے قرآن اس حیثیت سے ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے کہ ان کتابوں میں آخری نبی کی تشریف آوری کی جو پیشینگوئیاں کی گئی تھیں قرآنِ کریم نے انہیں سچا کر دکھایا۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل عرب کے بت پرستوں سے پہلے اس پر ایمان لاتے، لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جس تیز رفتاری سے بت پرست اسلام لا رہے ہیں اس رفتار سے یہودی ایمان نہیں لا رہے، اور اس طرح گویا بنی اسرائیل قرآن کی تکذیب کرنے میں پیش پیش ہیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ: ''تم ہی سب سے پہلے اس کے منکر نہ بن جاؤ''۔ بعض یہودیوں کا طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ رِشوت لے کر تورات کی تشریح عام لوگوں کی خواہشات کے مطابق کر دیا کرتے تھے، اور بعض اوقات اس کے اَحکام کو چھپا لیتے تھے۔ ان کے اس طرزِ عمل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا: ''میری آیتوں کو معمولی سی قیمت لے کر نہ بیچو، ... اور حق کو باطل کے ساتھ گڈمڈ نہ کرو، اور نہ حق بات کو چھپاؤ''۔

(٣٩) رُکوع کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا گیا کہ یہودیوں کی نماز میں رُکوع نہیں ہوتا تھا۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

کیا تم (دوسرے) لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو، اور خود اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو! کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں؟ ﴿۴۴﴾
اور صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔ نماز بھاری ضرور معلوم ہوتی ہے، مگر اُن لوگوں کو نہیں جو خشوع (یعنی دھیان اور عاجزی) سے پڑھتے ہیں ﴿۴۵﴾ جو اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے والے ہیں، اور ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ﴿۴۶﴾ اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۴۷﴾ اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، نہ کسی سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ لیا جائے گا، اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی ﴿۴۸﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی جو تمہیں بڑا عذاب دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ (۴۰)
اور اس ساری صورتِ حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا بڑا امتحان تھا ﴿۴۹﴾

(۴۰) فرعون مصر کا بادشاہ تھا جہاں بنی اسرائیل بڑی تعداد میں آباد تھے، اور فرعون کی غلامی میں دن گذار

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور (یاد کرو) جب ہم نے تمہاری خاطر سمندر کو پھاڑ ڈالا تھا، چنانچہ تم سب کو بچالیا تھا اور فرعون کے لوگوں کو (سمندر میں) غرق کرڈالا تھا،(۴۱) اور تم یہ سارا نظارہ دیکھ رہے تھے ﴿۵۰﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا تھا، پھر تم نے ان کے پیچھے (اپنی جانوں پر) ظلم کرکے بچھڑے کو معبود بنالیا(۴۲) ﴿۵۱﴾ پھر اس سب کے بعد بھی ہم نے تم کو معاف کردیا تاکہ تم شکر ادا کرو ﴿۵۲﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور حق و باطل میں تمیز کا معیار (بخشا) تاکہ تم راہِ راست پر آؤ ﴿۵۳﴾

رہے تھے۔ فرعون کے سامنے کسی نجومی نے یہ پیشینگوئی کردی کہ اس سال بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو اس کی بادشاہی کا خاتمہ کردے گا۔ یہ سن کر اس نے یہ حکم دے دیا کہ اسرائیلیوں میں جو کوئی بچہ پیدا ہو اسے قتل کردیا جائے، البتہ لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے تاکہ ان سے خدمت لی جاسکے۔ اس طرح بہت سے نوزائیدہ بچے قتل کئے گئے، اگرچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی سال پیدا ہوئے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو محفوظ رکھا۔ اس کا مفصل واقعہ سورۂ طٰہٰ اور سورۃ القصص میں خود قرآنِ کریم نے ذکر فرمایا ہے۔

(۴۱) اس کا واقعہ بھی مذکورہ بالا دو سورتوں میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

(۴۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ کوہِ طور پر آکر چالیس دن اِعتکاف کریں تو انہیں تورات عطا کی جائے گی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر تشریف لے گئے۔ ان کی غیر موجودگی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے سامری جادوگر نے ایک گائے کا بچھڑا بنایا اور بنی اسرائیل کو اسے اپنا معبود قرار دینے اور اس کی عبادت کرنے پر آمادہ کرلیا، اور اس طرح وہ شرک میں مبتلا ہوگئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع ہوئی تو وہ گھبرا کر واپس تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو توبہ کی تلقین فرمائی۔ اس توبہ کا ایک حصہ یہ تھا کہ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ: ''اے میری قوم! حقیقت میں تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر خود اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے، لہٰذا اب اپنے خالق سے توبہ کرو، اور اپنے آپ کو قتل کرو۔ تمہارے خالق کے نزدیک یہی تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' اس طرح اللہ نے تمہاری توبہ قبول کرلی۔ بیشک وہی ہے جو اِتنا معاف کرنے والا، اِتنا رحم کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ اور جب تم نے کہا تھا: ''اے موسیٰ! ہم اُس وقت تک ہرگز تمہارا یقین نہیں کریں گے جب تک اللہ کو ہم خود کھلی آنکھوں نہ دیکھ لیں'' نتیجہ یہ ہوا کہ کڑکے نے تمہیں اس طرح آپکڑا کہ تم دیکھتے رہ گئے ﴿۵۵﴾ پھر ہم نے تمہیں تمہارے مرنے کے بعد دوسری زندگی دی تاکہ تم شکر گذار بنو۔(۴۳) ﴿۵۶﴾

بنی اسرائیل میں سے جو لوگ اس شرک میں ملوّث نہیں ہوئے تھے وہ ملوّث ہونے والوں کو قتل کریں۔ چنانچہ ان کی ایک بڑی تعداد قتل کی گئی، اور اس طرح ان کی توبہ قبول ہوئی۔ یہ واقعات اِن شاء اللہ تفصیل سے سورۂ اَعراف اور سورۂ طٰہٰ میں آئیں گے۔

(۴۳) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور سے تورات لے کر تشریف لائے تو بنی اسرائیل نے ان سے کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ واقعی اللہ نے ہمیں اس کتاب پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے؟ شروع میں ان پر حجت تمام کرنے کے لئے انہیں اللہ تعالیٰ نے براہِ راست خطاب فرما کر تورات پر عمل کا حکم دیا، مگر وہ کہنے لگے کہ جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہ دیکھ لیں گے ہمیں یقین نہ آئے گا۔ اُن کے اس گستاخانہ طرزِ عمل پر ایک بجلی کے کڑکے نے انہیں آگھیرا اور وہ بعض روایات کے مطابق مر گئے، اور بعض کے مطابق بے ہوش ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندگی دی۔ اس واقعے کی تفصیل بھی اِن شاء اللہ سورۂ اَعراف میں آئے گی۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور ہم نے تم کو بادل کا سایہ عطا کیا، اور تم پر من وسلویٰ نازل کیا (اور کہا کہ:) ''جو پاکیزہ رزق ہم نے تمہیں بخشا ہے (شوق سے) کھاؤ۔''(۴۴) اور (یہ نافرمانیاں کرکے) انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ہی ظلم کرتے رہے ﴿۵۷﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ: ''اِس بستی میں داخل ہوجاؤ اور اِس میں جہاں سے چاہو جی بھر کر کھاؤ، اور (بستی کے) دروازے میں جھکے سروں کے ساتھ داخل ہونا، اور یہ کہتے جانا کہ (یااللہ!) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں، (اس طرح) ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں گے، اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے۔'' ﴿۵۸﴾

(۴۴) جیسا کہ سورۂ مائدہ میں آئے گا، بنی اسرائیل نے جہاد کے ایک حکم کی نافرمانی کی تھی جس کی پاداش میں انہیں صحرائے سینا میں مقید کردیا گیا تھا، لیکن اس سزایابی کے دوران بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں جن نعمتوں سے نوازا یہاں اُن کا ذکر ہورہا ہے۔ صحرا میں چونکہ کوئی چھت ان کے سروں پر نہیں تھی اس لئے ان کو دُھوپ کی تمازت سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمایا کہ ایک بادَل ان پر مسلسل سایہ کئے رہتا تھا۔ اسی صحرا میں جہاں کوئی غذا دستیاب نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے غیب سے من وسلویٰ کی شکل میں انہیں بہترین خوراک مہیا فرمائی۔ بعض روایات کے مطابق من سے مراد ترنجبین ہے جو اس علاقے میں افراط سے پیدا کردی گئی تھی، اور سلویٰ سے مراد بٹیریں ہیں جو بنی اسرائیل کی قیام گاہوں کے آس پاس کثرت سے منڈلاتی رہتیں، اور کوئی انہیں پکڑنا چاہتا تو وہ بالکل مزاحمت نہیں کرتی تھیں۔ بنی اسرائیل نے ان تمام نعمتوں کی بُری طرح ناقدری کی اور اس طرح خود اپنی جانوں پر ظلم کیا۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۶۰﴾

مگر ہوا یہ کہ جو بات اُن سے کہی گئی تھی، ظالموں نے اُسے بدل کر ایک اور بات بنالی۔(۴۵) نتیجہ یہ کہ جو نافرمانیاں وہ کرتے آرہے تھے ہم نے اُن کی سزا میں اِن ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا ﴿۵۹﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا: ''اپنی لاٹھی پتھر پر مارو'' چنانچہ اس (پتھر) سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔(۴۶) ہر ایک قبیلے نے اپنے پانی لینے کی جگہ معلوم کرلی۔ (ہم نے کہا:) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو، اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرنا ﴿۶۰﴾

---

(۴۵) اسی صحرا میں رہتے ہوئے جب مدّت گذر گئی اور بنی اسرائیل من وسلویٰ سے بھی اُکتا گئے تو انہوں نے یہ مطالبہ کیا کہ ہم ایک ہی قسم کے کھانے پر گذارہ نہیں کرسکتے۔ ہم زمین کی ترکاریاں وغیرہ کھانا چاہتے ہیں۔ ان کا یہ مطالبہ آگے آیت ۶۱ میں آرہا ہے۔ اس موقع پر ان کی یہ خواہش بھی پوری کی گئی اور یہ اعلان فرمایا گیا کہ اب تمہیں صحرا کی خاک چھاننے سے نجات دی جاتی ہے۔ سامنے ایک شہر ہے اس میں چلے جاؤ، لیکن اپنے گناہوں پر ندامت کے اظہار کے طور پر سر جھکائے ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے شہر میں داخل ہو، وہاں اپنی رغبت کے مطابق جو حلال غذا چاہو کھا سکو گے۔ لیکن ان ظالموں نے پھر ضد کا مظاہرہ کیا۔ شہر میں داخل ہوتے ہوئے سر تو کیا جھکاتے، سینے تان تان کر داخل ہوئے، اور معافی مانگنے کے لئے اُنہیں جو اَلفاظ کہنے کی تلقین کی گئی تھی ان کا مذاق بنا کر ان سے ملتے جلتے ایسے نعرے لگاتے ہوئے داخل ہوئے جن کا مقصد مسخرہ پن کے سوا کچھ نہ تھا۔ جو لفظ انہیں معافی مانگنے کے لئے سکھایا گیا تھا وہ تھا: ''حِطّۃ'' (یا اللہ! ہمارے گناہ بخش دے) انہوں نے اسے بدل کر جس لفظ کے نعرے لگائے وہ تھا: ''حِنطۃ'' یعنی گندم!

(۴۶) یہ واقعہ بھی اس وقت کا ہے جب بنی اسرائیل میدانِ تیہ (صحرائے سینا) میں محصور تھے، وہاں پانی کا کوئی

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ط قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ط اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ط وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ق وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ع ﴿٦١﴾

اور (وہ وقت بھی) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ! ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے، لہٰذا ہماری خاطر اپنے پروردگار سے مانگئے کہ وہ ہمارے لئے کچھ وہ چیزیں پیدا کرے جو زمین اُگایا کرتی ہے، یعنی زمین کی ترکاریاں، اس کی ککڑیاں، اس کا گندم، اس کی دالیں اور اس کی پیاز۔ موسیٰ نے کہا: ''جو (غذا) بہتر تھی کیا تم اُس کو ایسی چیزوں سے بدلنا چاہتے ہو جو گھٹیا درجے کی ہیں؟ (خیر!) ایک شہر میں جا اُترو، تو وہاں تمہیں وہ چیزیں مل جائیں گی جو تم نے مانگی ہیں۔(۴۷)'' اور ان (یہودیوں) پر ذِلت اور بیکسی کا ٹھپہ لگا دیا گیا، اور وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کا اِنکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر دیتے تھے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی، اور وہ بیحد زیادتیاں کرتے تھے ﴿۶۱﴾

چشمہ نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک معجزے کے طور پر پتھر سے بارہ چشمے پیدا فرما دیئے۔ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے، ہر بیٹے کی اولاد ایک مستقل قبیلہ بن گئی، اور اس طرح بنی اسرائیل بارہ قبیلوں میں تقسیم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر قبیلے کے لئے الگ چشمہ جاری فرما دیا تاکہ کوئی اُلجھن پیش نہ آئے۔

(۴۷) یہ وہی واقعہ ہے جو اُوپر حاشیہ نمبر ۴۵ میں بیان کیا گیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٔيۡنَ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًـا فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿٦٢﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ ؕ

حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا نصرانی یا صابی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے، اور ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔ (۴۸) ﴿۶۲﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے (تورات پر عمل کرنے کا) عہد لیا تھا، اور کوہِ طور کو تمہارے اوپر اُٹھا کھڑا کیا تھا

---

(۴۸) بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے انعامات اور ان کی نافرمانیوں کے تذکرے کے بیچ میں یہ آیت کریمہ بنی اسرائیل کے ایک باطل گھمنڈ کی تردید کے لئے آئی ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ صرف اُنہی کی نسل اللہ کے منتخب اور لاڈلے بندوں پر مشتمل ہے۔ ان کے خاندان سے باہر کا کوئی آدمی اللہ کے اِنعامات کا مستحق نہیں ہے۔ (آج بھی یہودیوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اسی لئے یہودی مذہب ایک نسل پرست مذہب ہے، اور اس نسل کے باہر کا کوئی شخص یہودی مذہب اختیار کرنا بھی چاہے تو یا اختیار کر ہی نہیں سکتا یا اُن حقوق کا مستحق نہیں ہوسکتا جو ایک نسلی یہودی کو حاصل ہیں)۔ اِس آیت نے واضح فرمایا کہ حق کسی ایک نسل میں محدود نہیں ہے۔ اصل اہمیت ایمان اور نیک عمل کو حاصل ہے، جو شخص بھی اللہ اور آخرت پر اِیمان لانے اور عمل صالح کی بنیادی شرطیں پوری کردے گا، خواہ وہ پہلے کسی بھی مذہب یا نسل سے تعلق رکھتا ہو، اللہ کے نزدیک اجر کا مستحق ہوگا۔ یہودیوں اور نصرانیوں کے علاوہ عرب میں کچھ ستارہ پرست لوگ رہتے تھے جنہیں ''صابی'' کہا جاتا تھا، اس لئے ان کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اللہ پر اِیمان لانے میں اس کے تمام رسولوں پر اِیمان لانا بھی داخل ہے، لہٰذا نجات پانے کے لئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ پیچھے آیت ۴۰-۴۱ میں اسی لئے تمام بنی اسرائیل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مزید دیکھئے قرآنِ کریم کی آیات ۵:۶۵ تا ۶۸، ۷:۱۵۵ تا ۱۵۷۔

خُذُوْا مَآ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۶۶﴾

(کہ) جو (کتاب) ہم نے تمہیں دی ہے اس کو مضبوطی سے تھامو،(49) اور اس میں جو کچھ (لکھا) ہے اُس کو یاد رکھو، تاکہ تمہیں تقویٰ حاصل ہو ﴿۶۳﴾ اس سب کے باوجود تم دوبارہ (راہِ راست سے) پھر گئے۔ چنانچہ اگر اللہ کا فضل اور رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم ضرور سخت نقصان اُٹھانے والوں میں شامل ہو جاتے ﴿۶۴﴾

اور تم اپنے ان لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہو جو سنیچر (سبت) کے معاملے میں حد سے گذر گئے تھے، چنانچہ ہم نے اُن سے کہا تھا کہ تم دُھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ(50) ﴿۶۵﴾ پھر ہم نے اِس واقعے کو اُس زمانے کے اور اُس کے بعد کے لوگوں کے لئے عبرت، اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت کا سامان بنادیا ﴿۶۶﴾

---

(۴۹) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے تو بنی اسرائیل نے دیکھا کہ اس کے بعض اَحکام بہت سخت ہیں، اس لئے اس سے بچنے کے بہانے تلاش کرنے شروع کردیئے۔ پہلے تو اُنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود کہے کہ تورات پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مطالبہ اگرچہ نامعقول تھا مگر اُن پر حجت تمام کرنے کے لئے اُن میں سے ستر آدمی منتخب کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہِ طور پر بھیجے گئے (جیسا کہ قرآنِ کریم نے سورۂ اَعراف ۷:۱۵۵ میں بیان فرمایا ہے) جن کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست تورات پر عمل کا حکم دیا۔ مگر جب یہ واپس لوٹے تو اُنہوں نے اپنی قوم کے سامنے تصدیق تو کی کہ اللہ تعالیٰ نے تورات پر عمل کا حکم دیا ہے، لیکن ایک بات اپنی طرف سے بڑھادی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جتنا تم سے ہو سکے

اُتنا عمل کر لینا، لیکن جو نہ ہو سکے وہ ہم معاف کر دیں گے، چنانچہ تورات کے جس حکم میں بھی اُنہیں کچھ مشکل نظر آتی وہ یہ بہانہ تراش لیتے کہ یہ حکم بھی اُسی چھوٹ میں داخل ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور ان کے سروں پر بلند کر دیا کہ تورات کے تمام اَحکام کو تسلیم کرو، جب انہیں یہ اندیشہ ہوا کہ کہیں پہاڑ اُن پر گرا نہ دیا جائے، تب ان لوگوں نے تورات کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کا عہد کیا۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ کوہِ طور کو ان کے سروں پر بلند کرنے کی یہ صورت بھی ممکن ہے کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا ہو، جیسا کہ حافظ ابنِ جریر رحمہ اللہ نے متعدّد تابعین سے نقل کیا ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کچھ بھی بعید نہیں ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی اور ایسی صورت پیدا فرما دی گئی ہو کہ ان لوگوں کو ایسا محسوس ہوا ہو کہ پہاڑ اُن پر آ گرے گا، مثلاً کوئی زلزلہ آ گیا ہو جس سے انہیں ایسا لگا کہ پہاڑ گرنے والا ہے۔ چنانچہ سورۂ اَعراف (آیت ۱۷۱) میں اس واقعے کے بارے میں الفاظ یہ ہیں: وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۔ اس میں لفظ "نتق" استعمال ہوا ہے جس کے معنی لغت میں زور زور سے ہلانے کے آتے ہیں۔ (دیکھئے: قاموس اور مفردات القرآن) لہٰذا آیت کا یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ: ''جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اُوپر زور سے اس طرح ہلایا کہ ان کو یہ گمان ہوا کہ وہ ان پر گر پڑے گا'' یہاں یہ بات واضح رہے کہ کسی شخص کو اِیمان قبول کرنے پر تو زبردستی مجبور نہیں کیا جا سکتا، لیکن جب ایک شخص ایمان لے آئے تو اسے نافرمانی پر سزا بھی دی جا سکتی ہے اور ڈرا دھمکا کر حکم ماننے پر آمادہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ بنی اسرائیل چونکہ ایمان پہلے ہی لا چکے تھے اس لئے ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرا کر فرمانبرداری پر آمادہ کیا گیا۔

(۵۰) سنیچر کو عربی اور عبرانی زبان میں ''سبت'' کہتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے اسے ایک مقدس دن قرار دیا گیا تھا جس میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں۔ جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہے وہ (غالباً حضرت داوٗد علیہ السلام کے زمانے میں) کسی سمندر کے کنارے رہتے تھے اور مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ان کے لئے ناجائز تھا، مگر شروع میں انہوں نے کچھ حیلے کر کے اس حکم کی خلاف ورزی کرنی چاہی، اور پھر کھلم کھلا مچھلیاں پکڑنی شروع کر دیں۔ کچھ نیک لوگوں نے انہیں سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ان پر عذاب آیا اور ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں بندر بنا دیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل سورۂ اَعراف (۷:۱۶۳-۱۶۶) میں آنے والی ہے۔

وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِہٖۤ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تَذۡبَحُوۡا بَقَرَۃً ؕ قَالُوۡۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰہِلِیۡنَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا هِیَ ؕ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوۡلُ اِنَّہَا بَقَرَۃٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِکۡرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَیۡنَ ذٰلِکَ ؕ فَافۡعَلُوۡا مَا تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا لَوۡنُہَا ؕ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوۡلُ اِنَّہَا بَقَرَۃٌ صَفۡرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوۡنُہَا تَسُرُّ النّٰظِرِیۡنَ ﴿۶۹﴾ قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنۡ لَّنَا مَا هِیَ ۙ اِنَّ الۡبَقَرَ تَشٰبَہَ عَلَیۡنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ لَمُہۡتَدُوۡنَ ﴿۷۰﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہمارا مذاق بناتے ہیں؟[51] موسیٰ نے کہا: میں اِس بات سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں (ایسے) نادانوں میں شامل ہوں (جو مذاق میں جھوٹ بولیں) ﴿۶۷﴾ انہوں نے کہا کہ آپ ہماری خاطر اپنے رَبّ سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اس نے کہا: ''اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو کہ نہ بہت بوڑھی ہو نہ بالکل بچی، (بلکہ) ان دونوں کے بیچ بیچ میں ہو۔ بس اب جو حکم تمہیں دیا گیا ہے اس پر عمل کرلو'' ﴿۶۸﴾ کہنے لگے: آپ ہماری خاطر اپنے رَبّ سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ نے کہا: ''اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسے تیز زرد رنگ کی گائے ہو جو دیکھنے والوں کا دِل خوش کردے'' ﴿۶۹﴾ اُنہوں نے (پھر) کہا کہ آپ ہماری خاطر اپنے رَبّ سے درخواست کیجئے کہ ہمیں صاف صاف بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو؟ اِس گائے نے تو ہمیں شبہے میں ڈال دیا ہے۔ اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور اس کا پتہ لگالیں گے ﴿۷۰﴾

---

(۵۱) جیسا کہ نیچے آیت ۷۲ میں آرہا ہے، یہ حکم ایک مقتول کا قاتل دریافت کرنے کے لئے دیا گیا تھا اس لئے بنی اسرائیل نے اس کو مذاق سمجھا کہ گائے ذبح کرنے سے قاتل کیسے معلوم ہوگا؟

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾

موسیٰ نے کہا: اللہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جو کام میں جت کر زمین نہ گاہتی ہو، اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو، پوری طرح صحیح سالم ہو جس میں کوئی داغ نہ ہو۔ انہوں نے کہا: ہاں! اب آپ ٹھیک ٹھیک پتہ لے کر آئے۔ اس کے بعد انہوں نے اُسے ذبح کیا، جبکہ لگتا نہیں تھا کہ وہ کر پائیں گے[(۵۲)] ﴿۷۱﴾ اور (یاد کرو) جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اور اُس کے بعد اُس کا اِلزام ایک دوسرے پر ڈال رہے تھے، اور اللہ کو وہ راز نکال باہر کرنا تھا جو تم چھپائے ہوئے تھے ﴿۷۲﴾ چنانچہ ہم نے کہا کہ اس (مقتول) کو اس (گائے) کے ایک حصے سے مارو۔[(۵۳)] اِسی طرح اللہ مردوں کو زندہ کرتا ہے، اور تمہیں (اپنی قدرت کی) نشانیاں دِکھاتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو ﴿۷۳﴾

(۵۲) مطلب یہ ہے کہ شروع میں جب انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم ہوا تھا تو کسی خاص قسم کی گائے نہیں بتائی گئی تھی، چنانچہ وہ کوئی بھی گائے ذبح کر دیتے تو حکم پورا ہو جاتا۔ لیکن انہوں نے خواہ مخواہ کھود کرید شروع کر دی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے بھی نت نئی شرطیں عائد فرمائیں، اور ایسی گائے تلاش کرنا مشکل ہو گیا جو ان شرطوں کو پورا کرتی ہو۔ یہاں تک کہ ایک مرحلے پر ایسا محسوس ہونے لگا کہ شاید وہ ایسی گائے تلاش کر کے ذبح کرنے کے قابل نہ ہوں۔ اس واقعے میں سبق یہ دیا گیا ہے کہ بلا وجہ غیر ضروری کھوج میں پڑنا ٹھیک نہیں۔ جو بات جتنی سادہ ہو اس پر اتنی ہی سادگی سے عمل کر لینا چاہئے۔

(۵۳) اس واقعے کی تفصیل تاریخی روایات میں یہ آئی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے ایک بھائی کو اس کی میراث حاصل کرنے کی خاطر قتل کیا اور اس کی لاش سڑک پر ڈال دی، پھر خود ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس شکایت لے کر پہنچ گیا کہ قاتل کو پکڑ کر سزا دی جائے۔ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انہیں گائے ذبح کرنے کو کہا جس کا واقعہ اُوپر گذرا۔ جب گائے ذبح ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ گائے کا

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

اس سب کے بعد تمہارے دِل پھر سخت ہوگئے، یہاں تک کہ وہ ایسے ہوگئے جیسے پتھر! بلکہ سختی میں کچھ اُن سے بھی زیادہ۔ (کیونکہ) پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ بہتی ہیں، اور انہی میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو خود پھٹ پڑتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے، اور انہی میں وہ (پتھر) بھی ہیں جو اللہ کے خوف سے لڑھک جاتے ہیں۔[۵۴] اور (اس کے برخلاف) جو کچھ تم کررہے ہو، اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے ﴿۷۴﴾

کوئی عضو اُٹھا کر مقتول کی لاش پر مارو تو وہ زندہ ہوکر قاتل کا نام بتادے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس طرح قاتل کا پول کھل گیا، اور وہ پکڑا گیا۔ قاتل کی دریافت کے لئے یہ طریقہ اختیار کرنے کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ قاتل کو کوئی بہانہ بنانے کا ہر راستہ بند ہوگیا، اور دوسرا فائدہ یہ کہ مردوں کو زندہ کرنے کی خدائی طاقت کا عملی مظاہرہ کرکے ان لوگوں کی زبانیں بند کردی گئیں جو دوسری زندگی کو ناممکن سمجھتے تھے۔ غالباً اس واقعے کے بعد ہی بنی اسرائیل میں یہ طریقہ جاری ہوا کہ جب کوئی شخص مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل رہا ہو تو ایک گائے ذبح کرکے اس پر اپنے ہاتھ دھوئیں اور قسم کھائیں کہ ہم نے اسے قتل نہیں کیا، جس کا ذکر بائبل کی کتاب استثناء ۲۱-۱ تا ۸ میں آیا ہے۔

(۵۴) یعنی بعض مرتبہ تو پتھروں سے چشمے نکل آتے ہیں، جیسا کہ بنی اسرائیل خود دیکھ چکے تھے کہ کس طرح ایک سنگلاخ چٹان سے پانی کے چشمے بہہ پڑے تھے، (دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۶۰) اور بعض اوقات بھاری مقدار میں تو پانی نہیں نکلتا، مگر پتھر شق ہوکر تھوڑا بہت پانی نکال دیتا ہے، اور کچھ پتھر اللہ کے خوف سے لڑھک بھی پڑتے ہیں، مگر ان کے دِل ایسے سخت ہیں کہ ذرا نہیں پسیجتے۔ کسی زمانے میں یہ بات کچھ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ پتھر جیسی بے جان چیز میں خوف کا کیا تصوّر ہوسکتا ہے؟ لیکن قرآنِ کریم نے کئی جگہوں پر یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ جن چیزوں کو ہم بظاہر بے جان یا بے شعور سمجھتے ہیں ان میں بھی کچھ نہ کچھ شعور موجود ہے۔ مثلاً دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل (۱۷:۴۴) اور سورۂ اَحزاب (۳۳:۷۲) لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ یہ فرمارہا ہے کہ کچھ پتھر اللہ کے خوف سے

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

(مسلمانو!) کیا اب بھی تمہیں یہ لالچ ہے کہ یہ لوگ تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کے لوگ اللہ کا کلام سنتے تھے، پھر اس کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد بھی جانتے بوجھتے اس میں تحریف کر ڈالتے تھے ﴿۷۵﴾ اور جب یہ لوگ ان (مسلمانوں) سے ملتے ہیں جو پہلے ایمان لا چکے ہیں تو (زبان سے) کہہ دیتے ہیں کہ ہم (بھی) ایمان لے آئے ہیں، اور جب یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں جاتے ہیں تو (آپس میں ایک دوسرے سے) کہتے ہیں کہ: ''کیا تم اِن (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تا کہ یہ (مسلمان) تمہارے پروردگار کے پاس جا کر انہیں تمہارے خلاف دلیل کے طور پر پیش کریں(۵۵)؟ کیا تمہیں اتنی بھی عقل نہیں؟'' ﴿۷۶﴾

لڑھک جاتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ آج تو سائنس بھی رفتہ رفتہ اس نتیجے پر پہنچ رہی ہے کہ جمادات میں بھی نمو اور شعور کی کچھ نہ کچھ صلاحیت موجود ہے۔

(۵۵) تورات میں آخر زمانے میں آنے والے نبی کی جو پیشینگوئیاں موجود تھیں وہ تمام تر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی تھیں، بعض منافق یہودی جو مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے یہ پیشینگوئیاں مسلمانوں کو سنا دیتے تھے، اس پر دوسرے یہودی تنہائی میں ان کو ملامت کرتے تھے کہ مسلمان ان پیشینگوئیوں کو جان لیں گے تو قیامت میں ہمارے خلاف استعمال کریں گے اور ہمارے پاس ان کا کوئی جواب نہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ یہ انتہائی بے وقوفی کی بات تھی، کیونکہ اگر مسلمانوں سے یہ پیشینگوئیاں چھپا بھی لی جائیں تو اللہ سے تو نہیں چھپ سکتیں۔

اَوَلَا يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ مَا يُسِرُّوۡنَ وَمَا يُعۡلِنُوۡنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِىَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَظُنُّوۡنَ ﴿۷۸﴾ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾

کیا یہ لوگ (جو ایسی باتیں کرتے ہیں) یہ نہیں جانتے کہ اللہ کو اُن ساری باتوں کا خوب علم ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں؟ ﴿۷۷﴾ اور اِن میں سے کچھ لوگ اَن پڑھ ہیں جو کتاب (تورات) کا علم تو رکھتے نہیں، البتہ کچھ آرزوئیں پکائے بیٹھے ہیں، اور اُن کا کام بس یہ ہے کہ وہم و گمان باندھتے رہتے ہیں ﴿۷۸﴾ لہٰذا تباہی ہے اُن لوگوں کی جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں، پھر (لوگوں سے) کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس کے ذریعے تھوڑی سی آمدنی کمالیں۔(۵۶) پس تباہی ہے ان لوگوں پر اُس تحریر کی وجہ سے بھی جو ان کے ہاتھوں نے لکھی، اور تباہی ہے اُن پر اُس آمدنی کی وجہ سے بھی جو وہ کماتے ہیں ﴿۷۹﴾

اور یہودیوں نے کہا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے علاوہ آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔ آپ اُن سے کہئے کہ کیا تم نے اللہ کی طرف سے کوئی عہد لے رکھا ہے جس کی بنا پر وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا، یا تم اللہ کے ذمے وہ بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں کچھ پتہ نہیں؟ ﴿۸۰﴾

---

(۵۶) یہاں قرآنِ کریم نے ترتیب یہ رکھی ہے کہ پہلے ان یہودی علماء کا ذکر فرمایا ہے جو تورات میں جان بوجھ کر رَدّ و بدل کرتے تھے، پھر اُن اَن پڑھ یہودیوں کا جنہیں تورات کا علم تو تھا نہیں، مگر انہیں مذکورہ بالا علماء نے اِن جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا کر رکھا تھا کہ سارے یہودی اللہ کے لاڈلے ہیں، اور وہ بہر صورت جنت میں

بَلٰى مَنۡ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيۡٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ لَا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَاناً وَّذِى الۡقُرۡبٰى وَالۡيَتٰمٰى وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَقُوۡلُوۡا لِلنَّاسِ حُسۡنًا وَّاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّکٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ لَا تَسۡفِكُوۡنَ دِمَآءَكُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ مِّنۡ دِيَارِکُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ ﴿۸۴﴾

ع ۹ / ۱۱

(آگ تمہیں) کیوں نہیں (چھوئے گی)؟ جو لوگ بھی بدی کماتے ہیں اور ان کی بدی انہیں گھیر لیتی ہے[(۵۷)] تو ایسے لوگ ہی دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۸۱﴾ اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں، تو وہ جنت کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے ﴿۸۲﴾ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا عہد لیا تھا کہ: "تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرو گے، اور والدین سے اچھا سلوک کرو گے، اور رشتہ داروں سے بھی اور یتیموں اور مسکینوں سے بھی۔ اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا۔" (مگر) پھر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا باقی سب (اس عہد سے) منہ موڑ کر پھر گئے ﴿۸۳﴾ اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے پکا عہد لیا تھا کہ: "تم ایک دوسرے کا خون نہیں بہاؤ گے، اور اپنے آدمیوں کو اپنے گھروں سے نہیں نکالو گے" پھر تم نے اقرار کیا تھا، اور تم خود اس کے گواہ ہو ﴿۸۴﴾

جائیں گے۔ ان کا سارا علم اسی قسم کے گمانوں پر مشتمل تھا۔ چونکہ ان کے اس گمان کی بنیادی وجہ علماء کی تحریفات تھیں اس لئے آیت ۸۶ میں ان کی تباہی کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔

(۵۷) بدی کے گھیرے میں لینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی ایسے گناہ کا ارتکاب کریں جس کے بعد کوئی نیک عمل آخرت میں کارآمد نہ ہو، اور وہ گناہ کفر اور شرک ہے۔

ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ؕ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ ؕ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾

اس کے بعد (آج) تم ہی وہ لوگ ہو کہ اپنے ہی آدمیوں کو قتل کرتے ہو، اور اپنے ہی میں سے کچھ لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے ہو، اور اُن کے خلاف گناہ اور زیادتی کا ارتکاب کرکے (ان کے دُشمنوں کی) مدد کرتے ہو، اور اگر وہ (دُشمنوں کے) قیدی بن کر تمہارے پاس آجاتے ہیں تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو، حالانکہ ان کو (گھر سے) نکالنا ہی تمہارے لئے حرام تھا۔(۵۸) تو کیا تم کتاب (تورات) کے کچھ حصے پر تو ایمان رکھتے ہو اور کچھ کا اِنکار کرتے ہو؟ اب بتاؤ کہ جو شخص ایسا کرے اُس کی سزا اِس کے سوا کیا ہے کہ دُنیوی زندگی میں اُس کی رُسوائی ہو؟ اور قیامت کے دن ایسے لوگوں کو سخت ترین عذاب کی طرف بھیج دیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے ﴿۸۵﴾

---

(۵۸) اس کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منوّرہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، بنوقریظہ اور بنونضیر۔ دوسری طرف بُت پرستوں کے بھی دو قبیلے تھے، اوس اور خزرج۔ قریظہ کی دوستی اوس قبیلے سے تھی، اور بنونضیر کی خزرج سے۔ جب اوس اور خزرج میں لڑائی ہوتی تو قریظہ اوس کا ساتھ دیتے، اور بنونضیر خزرج کا۔ نتیجہ یہ کہ یہودیوں کے دونوں قبیلے بالواسطہ ایک دوسرے کے مدِمقابل آجاتے اور ان لڑائیوں میں جہاں اوس اور خزرج کے آدمی مارے جاتے وہاں قریظہ اور نضیر کے یہودی بھی قتل ہوتے، یا اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور ہوتے۔ اس طرح اگرچہ بنوقریظہ اور بنونضیر دونوں قبیلے یہودی تھے، مگر وہ ایک دوسرے کے دُشمنوں کی امداد کرکے آپس میں ایک دوسرے کے قتل اور خانماں بربادی میں حصہ دار ہوتے تھے۔ ہاں اگر کوئی یہودی دُشمن کے ہاتھوں قید ہوجاتا تو وہ سب مل کر اس کا فدیہ ادا کرتے اور اسے چھڑا لیتے جس کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ ہمیں تورات نے یہ حکم دیا ہے کہ اگر کوئی یہودی دُشمن کی قید میں چلا جائے تو اسے چھڑائیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جس تورات نے یہ حکم دیا

أُولَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ ٱشۡتَرَوُاْ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا بِٱلۡأٓخِرَةِۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ ٱلۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنصَرُونَ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدۡ ءَاتَيۡنَا مُوسَى ٱلۡكِتَٰبَ وَقَفَّيۡنَا مِنۢ بَعۡدِهِۦ بِٱلرُّسُلِۖ وَءَاتَيۡنَا عِيسَى ٱبۡنَ مَرۡيَمَ ٱلۡبَيِّنَٰتِ وَأَيَّدۡنَٰهُ بِرُوحِ ٱلۡقُدُسِۗ أَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُولُۢ بِمَا لَا تَهۡوَىٰٓ أَنفُسُكُمُ ٱسۡتَكۡبَرۡتُمۡ فَفَرِيقٗا كَذَّبۡتُمۡ وَفَرِيقٗا تَقۡتُلُونَ ﴿٨٧﴾ وَقَالُواْ قُلُوبُنَا غُلۡفُۢۚ بَل لَّعَنَهُمُ ٱللَّهُ بِكُفۡرِهِمۡ فَقَلِيلٗا مَّا يُؤۡمِنُونَ ﴿٨٨﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دُنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا ہے، لہٰذا نہ اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف ہوگی اور نہ اُن کی مدد کی جائیگی ﴿۸۶﴾ اور بیشک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کو کھلی کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی تائید کی۔[۵۹] پھر یہ آخر کیا معاملہ ہے کہ جب کبھی کوئی رسول تمہارے پاس کوئی ایسی بات لے کر آیا جو تمہاری نفسانی خواہشات کو پسند نہیں تھی تو تم اکڑ گئے؟ چنانچہ بعض (انبیاء) کو تم نے جھٹلایا، اور بعض کو قتل کرتے رہے ﴿۸۷﴾

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''ہمارے دِل غلاف میں ہیں''۔[۶۰] نہیں! بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس لئے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں ﴿۸۸﴾

ہے اسی نے یہ حکم بھی تو دیا تھا کہ نہ ایک دوسرے کو قتل کرنا، نہ ایک دوسرے کو گھر سے نکالنا۔ ان اَحکام کو تو تم نے چھوڑ دیا اور صرف فدیہ کے حکم پر عمل کرلیا۔

(۵۹) ''روح القدس'' کے لفظی معنیٰ ہیں: مقدس روح، اور قرآنِ کریم میں یہ لقب حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لئے استعمال کیا گیا ہے، (دیکھئے: سورۂ نحل ۱۶: ۱۰۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام کی یہ تائید حاصل تھی کہ وہ ان کے دُشمنوں سے ان کی حفاظت کے لئے ان کے ساتھ رہتے تھے۔

(۶۰) ان کے اس جملے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی شیخی بگھارتے تھے کہ ہمارے دِلوں پر ایک حفاظتی غلاف ہے جس کی وجہ سے کوئی غلط بات ہمارے دِلوں میں گھر نہیں کرسکتی۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے آپ سے مایوس کرنے کے لئے طنزاً یہ کہتے تھے کہ آپ تو بس یہ سمجھ لو کہ ہمارے دِلوں پر غلاف

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آئی (یعنی قرآن) جو اُس (تورات) کی تصدیق بھی کرتی ہے جو پہلے سے اِن کے پاس ہے، (تو ان کا طرزِ عمل دیکھو!) باوجودیکہ یہ خود شروع میں کافروں (یعنی بت پرستوں) کے خلاف (اس کتاب کے حوالے سے) اللہ سے فتح کی دُعائیں مانگا کرتے تھے، (۶۱) مگر جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جسے انہوں نے پہچان بھی لیا، تو اس کا انکار کر بیٹھے۔ پس پھٹکار ہے اللہ کی ایسے کافروں پر! ﴿۸۹﴾

بُری ہے وہ قیمت جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے، کہ یہ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کا صرف اس جلن کی بنا پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ اپنے فضل کا کوئی حصہ (یعنی وحی) اپنے بندوں میں سے جس پر چاہ رہا ہے (کیوں) اُتار رہا ہے؟ چنانچہ یہ (اپنی اس جلن کی وجہ سے) غضب بالائے غضب لے کر لوٹے ہیں۔ (۶۲) اور کافر لوگ ذِلت آمیز سزا کے مستحق ہیں۔ ﴿۹۰﴾

چڑھا ہوا ہے، اور ہمیں اسلام کی دعوت دینے کی فکر میں نہ پڑو۔

(۶۱) جب یہودیوں کی بت پرستوں سے جنگ ہوتی یا بحث ومباحثہ ہوتا تو وہ یہ دُعائیں مانگا کرتے تھے کہ یا اللہ! آپ نے تورات میں جس آخری نبی کی خبر دی ہے اسے جلدی بھیج دیجئے تاکہ ہم ان کے ساتھ مل کر بت پرستوں پر فتح حاصل کریں۔ مگر جب وہ نبی (حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے تو وہ اس حسد میں مبتلا ہوگئے کہ انہیں بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں کیوں بھیجا گیا؟ چنانچہ یہ جان لینے کے باوجود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ ساری علامتیں صادق آتی ہیں جو تورات میں نبی آخرالزمان کی بیان کی گئی ہیں انہوں نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

(۶۲) یعنی ایک غضب کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی وجہ سے تھے، دوسرا غضب ان پر حسد اور ضد کی وجہ سے ہوا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنبِيَاءَ اللَّهِ مِن قَبْلُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَاءَكُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ وَأَنتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٩٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا ۖ قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام اُتارا ہے اس پر ایمان لے آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو (صرف) اُسی کلام پر ایمان رکھیں گے جو ہم پر نازل کیا گیا، (یعنی تورات) اور وہ اس کے سوا (دوسری آسمانی کتابوں) کا انکار کرتے ہیں، حالانکہ وہ بھی حق ہیں، (اور) جو کتاب اِن کے پاس ہے وہ اُس کی تصدیق بھی کرتی ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم ان سے کہو کہ اگر تم واقعی (تورات پر) ایمان رکھتے تھے تو اللہ کے نبیوں کو پہلے زمانے میں کیوں قتل کرتے رہے؟ ﴿۹۱﴾ اور خود موسیٰ تمہارے پاس روشن نشانیاں لے کر آئے، پھر تم نے ان کے پیٹھ پیچھے یہ ستم ڈھایا کہ گائے کے بچھڑے کو معبود بنا لیا ﴿۹۲﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اُوپر طور کو بلند کر دیا (اور یہ کہا کہ) ''جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے اس کو مضبوطی سے تھامو[(۶۳)] اور (جو کچھ کہا جائے اسے ہوش سے) سنو۔'' کہنے لگے: ''ہم نے (پہلے بھی) سن لیا تھا، مگر عمل نہیں کیا تھا (اب بھی ایسا ہی کریں گے)'' اور (دراصل) اُن کے کفر کی نحوست سے اُن کے دِلوں میں بچھڑا بسا ہوا تھا۔ آپ (اُن سے) کہئے کہ اگر تم مؤمن ہو تو کتنی بُری ہیں وہ باتیں جو تمہارا ایمان تمہیں تلقین کر رہا ہے! ﴿۹۳﴾

---

(۶۳) اس واقعے کی تفصیل اسی سورت میں پیچھے آیت نمبر ۶۳ کے حاشیہ میں گذر چکی ہے، اور بچھڑے کا واقعہ آیت ۵۱ کے تحت۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٩٤﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٩٥﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٦﴾ ع قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٧﴾

معانقة ٢

آپ (اُن سے) کہئے کہ: ''اگر اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہے (جیسا کہ تمہارا کہنا ہے) تو موت کی تمنا تو کر کے دِکھاؤ، اگر واقعی سچے ہو'' ﴿۹۴﴾ اور (ہم بتائے دیتے ہیں کہ) انہوں نے اپنے جو کرتوت آگے بھیج رکھے ہیں، ان کی وجہ سے یہ کبھی ایسی تمنا نہیں کریں گے۔(۶۴) اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۹۵﴾

(بلکہ) یقیناً تم اِن لوگوں کو پاؤ گے کہ انہیں زندہ رہنے کی حرص دوسرے تمام انسانوں سے زیادہ ہے، یہاں تک کہ مشرکین سے بھی زیادہ۔ ان میں کا ایک ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ ایک ہزار سال عمر پائے، حالانکہ کسی کا بڑی عمر پالینا اسے عذاب سے دُور نہیں کرسکتا۔ اور یہ جو عمل بھی کرتے ہیں اللہ اسے اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۹۶﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ اگر کوئی شخص جبرئیل کا دُشمن ہے(۶۵) تو (ہوا کرے) انہوں نے تو یہ کلام اللہ کی اجازت سے تمہارے دِل پر اُتارا ہے جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کر رہا ہے، اور ایمان والوں کے لئے مجسم ہدایت اور خوشخبری ہے ﴿۹۷﴾

(۶۴) یہ بھی قرآنِ کریم کی طرف سے ایک چیلنج تھا جسے قبول کرلینا ان کے لئے کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ وہ بآسانی کم ازکم زبان سے علی الاعلان موت کی تمنا کر کے دِکھا سکتے تھے، لیکن چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ خدائی چیلنج ہے، اس لئے ایسی تمنا کا اظہار انہیں فوراً قبر میں پہنچا دے گا، اس لئے کسی نے ایسی جرأت نہیں کی۔

(۶۵) بعض یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے ہیں

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَاۗءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَھُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ كَاَنَّھُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اگر کوئی شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں اور رسولوں کا، اور جبرئیل اور میکائیل کا دُشمن ہے تو (وہ سن رکھے کہ) اللہ کافروں کا دُشمن ہے ﴿۹۸﴾ اور بیشک ہم نے آپ پر ایسی آیتیں اُتاری ہیں جو حق کو آشکار کرنے والی ہیں، اور اُن کا اِنکار وہی لوگ کرتے ہیں جو نافرمان ہیں ﴿۹۹﴾ یہ آخر کیا معاملہ ہے کہ ان لوگوں نے جب کوئی عہد کیا، ان کے ایک گروہ نے اسے ہمیشہ توڑ پھینکا؟ بلکہ ان میں سے اکثر لوگ ایمان لاتے ہی نہیں ﴿۱۰۰﴾ اور جب اِن کے پاس اللہ کی طرف سے ایک رسول آئے جو اُس (تورات) کی تصدیق کر رہے تھے جو اِن کے پاس ہے، تو اہلِ کتاب میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب (تورات و اِنجیل) کو اس طرح پسِ پشت ڈال دیا گویا وہ کچھ جانتے ہی نہ تھے (کہ اس میں نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا ہدایات دی گئی تھیں) ﴿۱۰۱﴾

وہ چونکہ ہمارے لئے بڑے سخت اَحکام لایا کرتے تھے اس لئے ہم انہیں اپنا دُشمن سمجھتے ہیں۔ اگر کوئی اور فرشتہ وحی لارہا ہوتا تو ہم کچھ غور کر سکتے تھے۔ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی ہے، اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ جبرئیل علیہ السلام تو محض پیغام پہنچانے والے ہیں، جو کچھ لاتے ہیں اللہ کے حکم سے لاتے ہیں۔ لہٰذا نہ ان سے دُشمنی کی کوئی معقول وجہ ہے اور نہ اس کی وجہ سے اللہ کے کلام کو رَدّ کرنے کے کوئی معنیٰ ہیں۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۟ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور یہ (بنی اسرائیل) اُن (منتروں) کے پیچھے لگ گئے جو سلیمان (علیہ السلام) کی سلطنت کے زمانے میں شیاطین پڑھا کرتے تھے۔ اور سلیمان (علیہ السلام) نے کوئی کفر نہیں کیا تھا، البتہ شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دے کر کفر کا ارتکاب کرتے تھے۔(۶۶) نیز (یہ بنی اسرائیل) اُس چیز کے پیچھے لگ گئے جو شہر بابل میں ہاروت اور ماروت نامی دو فرشتوں پر نازل کی گئی تھی۔(۶۷) یہ دو فرشتے کسی کو اس وقت تک کوئی تعلیم نہیں دیتے تھے جب تک اس سے یہ نہ کہہ دیں کہ: ''ہم محض آزمائش کے لئے (بھیجے گئے) ہیں، لہٰذا تم (جادو کے پیچھے لگ کر) کفر اختیار نہ کرنا۔'' پھر بھی یہ لوگ اُن سے وہ چیزیں سیکھتے تھے جس کے ذریعے مرد اور اس کی بیوی میں جدائی پیدا کر دیں۔ (ویسے یہ واضح رہے کہ) وہ اس کے ذریعے کسی کو اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔(۶۸) (مگر) وہ ایسی باتیں سیکھتے تھے جو اُن کے لئے نقصان دہ تھیں، اور فائدہ مند نہ تھیں۔ اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو شخص اِن چیزوں کا خریدار بنے گا، آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چیز بہت بُری تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچ ڈالیں۔ کاش کہ ان کو (اِس بات کا حقیقی) علم ہوتا۔(۶۹) ﴿۱۰۲﴾

(۶۶) ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی ایک اور بدعملی کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور وہ یہ کہ جادو ٹونے

کے پیچھے لگنا شرعاً ناجائز تھا، بالخصوص اگر جادو میں شرکیہ کلمات منتر کے طور پر پڑھے جائیں تو ایسا جادو کفر کے مرادف ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں کچھ شیاطین نے، جن میں انسان اور جنات دونوں شامل ہو سکتے ہیں، بعض یہودیوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا سارا راز جادو میں مضمر ہے، اور اگر تم جادو سیکھ لوگے تو تمہیں بھی حیرت انگیز اِقتدار نصیب ہوگا۔ چنانچہ یہ لوگ جادو سیکھنے اور اُس پر عمل کرنے میں لگ گئے، حالانکہ جادو پر عمل کرنا نہ صرف ناجائز تھا، بلکہ اس کی بعض قسمیں کفر تک پہنچتی تھیں۔ دوسرا غضب یہودیوں نے یہ کیا کہ خود حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر قرار دے کر ان کے بارے میں یہ مشہور کر دیا کہ انہوں نے آخری عمر میں بتوں کو پوجنا شروع کر دیا تھا۔ ان کے بارے میں یہ جھوٹی داستانیں انہوں نے اپنی مقدس کتابوں میں شامل کر دیں جو آج تک بائبل میں درج چلی آتی ہیں۔ چنانچہ بائبل کی کتاب سلاطین اول ۱۱-۱ تا ۲۱ میں ان کے معاذ اللہ مرتد ہونے کا بیان آج بھی موجود ہے۔ قرآنِ کریم نے اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر اس ناپاک بہتان کی تردید فرمائی ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جن لوگوں نے قرآنِ کریم پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں سے ماخوذ ہے، وہ کتنا غلط الزام ہے۔ یہاں قرآنِ کریم صریح الفاظ میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی تردید کر رہا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جس سے وہ یہ خود معلوم کر سکتے کہ یہودیوں کی کتابوں میں کیا لکھا ہے۔ اس بات کا علم آپ کو وحی کے سوا کسی اور راستے سے نہیں ہو سکتا تھا۔ لہٰذا یہ آیت بذاتِ خود آپ کے صاحبِ وحی رسول ہونے کی واضح دلیل ہے کہ آپ نے نہ صرف یہ بتلایا کہ یہودیوں کی کتابوں میں حضرت سلیمان علیہ السلام پر کیا بہتان لگایا گیا ہے، بلکہ اس قدر جم کر اس کی تردید فرمائی ہے۔

(۶۷) بابل عراق کا مشہور شہر تھا۔ ایک زمانے میں وہاں جادو کا بڑا چرچا ہو گیا تھا، اور یہودی بھی اس ناجائز کام میں بُری طرح ملوّث ہو گئے تھے۔ انبیائے کرام اور دوسرے نیک لوگ انہیں جادو سے منع کرتے تو وہ بات نہ مانتے تھے۔ اس سے بھی خطرناک بات یہ تھی کہ لوگوں نے جادوگروں کے شعبدوں کو معجزے سمجھ کر انہیں اپنا دِینی مقتدا بنا لیا تھا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے دو فرشتے جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا دُنیا میں انسانی شکل میں بھیجے تاکہ وہ لوگوں کو جادو کی حقیقت سے آگاہ کریں، اور یہ بتائیں کہ خدائی معجزات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ معجزہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جس میں کسی ظاہری سبب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس جادو کے ذریعے جو کوئی شعبدہ دِکھایا جاتا ہے وہ اسی عالمِ اسباب کا ایک حصہ ہے۔ یہ بات واضح کرنے کے لئے ان فرشتوں کو جادو کے مختلف طریقے بھی بتانے پڑتے تھے تاکہ یہ دِکھایا جا سکے کہ کس طرح وہ سبب اور مسبب کے رشتے سے منسلک ہیں، لیکن جب وہ ان طریقوں کی تشریح کرتے تو ساتھ ساتھ لوگوں کو متنبہ بھی کر دیتے تھے کہ

یاد رکھو! یہ طریقے ہم اس لئے نہیں بتا رہے ہیں کہ تم ان پر عمل شروع کر دو، بلکہ اس لئے بتا رہے ہیں کہ تم پر جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو، اور تم جادو سے پرہیز کرو۔ اس لحاظ سے ہمارا وجود تمہارے لئے ایک امتحان ہے کہ ہماری باتوں کو سمجھ کر تم جادو سے پرہیز کرتے ہو یا ہم سے جادو کے طریقے سیکھ کر ان پر عمل شروع کر دیتے ہو۔ یہ کام انبیاء کے بجائے فرشتوں سے بظاہر اس بنا پر لیا گیا کہ جادو کے فارمولے بتانا، خواہ وہ صحیح مقصد سے کیوں نہ ہو، انبیائے کرام کو زیب نہیں دیتا تھا۔ اس کے برعکس فرشتے چونکہ غیر مکلف ہوتے ہیں، اس لئے ان سے بہت سے تکوینی کام لئے جا سکتے ہیں۔ بہر حال! نافرمان لوگوں نے ان فرشتوں کی طرف سے کہی ہوئی باتوں کو تو نظر انداز کر دیا، اور ان کے بتائے ہوئے فارمولوں کو جادو کرنے میں استعمال کیا اور وہ بھی ایسے گھناؤنے مقاصد کے لئے جو ویسے بھی حرام تھے، مثلاً میاں بیوی میں پھوٹ ڈال کر نوبت طلاق تک پہنچا دینا۔

(۶۸) یہاں سے جملۂ معترضہ کے طور پر ایک اور اُصولی غلطی پر متنبہ کیا جا رہا ہے، اور وہ یہ کہ جادو پر ایمان رکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ جادو میں بذاتِ خود ایسی تاثیر موجود ہے جس سے مطلوبہ نتیجہ خود بخود اللہ کے حکم کے بغیر بھی برآمد ہو جاتا ہے، گویا اللہ چاہے یا نہ چاہے، وہ نتیجہ پیدا ہو کر رہے گا۔ یہ عقیدہ بذاتِ خود کفر تھا۔ اس لئے یہ واضح کر دیا گیا کہ دُنیا کے دوسرے اسباب کی طرح جادو بھی محض ایک سبب ہے اور دُنیا میں کوئی سبب بھی اپنا مسبّب یا نتیجہ اس وقت تک ظاہر نہیں کر سکتا جب تک اللہ کی مشیت اس کے ساتھ متعلق نہ ہو۔ کائنات کی کسی چیز میں بذاتِ خود نہ کسی کو نفع پہنچانے کی طاقت ہے نہ نقصان پہنچانے کی۔ لہٰذا اگر کوئی ظالم کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو وہ اللہ کی قدرت اور مشیت کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔ البتہ چونکہ یہ دُنیا ایک امتحان کی جگہ ہے اس لئے یہاں اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کوئی گناہ کرنا چاہتا ہے یا کسی پر ظلم کرنا چاہتا ہے تو اگر اللہ تعالیٰ تکوینی مصلحت کے مطابق سمجھتا ہے تو اپنی مشیت سے وہ کام کرا دیتا ہے۔ اسی کے نتیجے میں ظالم کو گناہ اور مظلوم کو ثواب ملتا ہے، ورنہ اگر اللہ اسے اس کام کی قدرت ہی نہ دے تو امتحان کیسے ہو؟ لہٰذا جتنے گناہ کے کام دُنیا میں ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت اور مشیت سے ہوتے ہیں، اگرچہ اس کی رضا مندی ان کو حاصل نہیں ہوتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کی رضا مندی میں فرق یہی ہے کہ مشیت اچھے بُرے ہر کام سے متعلق ہو سکتی ہے، مگر رضا مندی صرف جائز اور ثواب کے کاموں سے مخصوص ہے۔

(۶۹) اس آیت کے شروع میں تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جو مشرکانہ جادو کا خریدار ہوگا اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں، لیکن آیت کے آخری حصے میں فرمایا ہے کہ ’’کاش وہ علم رکھتے‘‘ جس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس حقیقت کا علم نہیں ہے۔ بظاہر دونوں باتیں متضاد لگتی ہیں، لیکن درحقیقت اس اندازِ بیان سے یہ عظیم

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

اور (اِس کے برعکس) اگر وہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ کے پاس سے ملنے والا ثواب یقیناً کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔ کاش کہ اُن کو (اِس بات کا بھی حقیقی) علم ہوتا ﴿۱۰۳﴾

ایمان والو! (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر) "رَاعِنَا" نہ کہا کرو، اور "اُنْظُرْنَا" کہہ دیا کرو۔ (۷۰) اور سنا کرو۔ اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۰۴﴾ کافر لوگ، خواہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے، یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی بھلائی تم پر نازل ہو، حالانکہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے مخصوص فرمالیتا ہے۔ اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۱۰۵﴾

سبق دیا گیا ہے کہ نرا علم جس پر عمل نہ ہو حقیقت میں علم کہلانے کا مستحق نہیں، بلکہ وہ کالعدم ہے۔ لہٰذا اگر وہ یہ بات جانتے تو ہیں مگر ان کا عمل اس کے برخلاف ہے تو وہ علم کس کام کا؟ کاش کہ وہ حقیقی علم رکھتے تو اس پر ان کا عمل بھی ہوتا۔

(۷۰) مدینہ میں رہنے والے بعض یہودیوں کی ایک شرارت یہ تھی کہ وہ جب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ سے کہتے تھے: رَاعِنَا۔ عربی میں اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ "ہماری رعایت فرمایئے" اس لحاظ سے یہ لفظ ٹھیک تھا اور اس میں گستاخی کے کوئی معنیٰ نہیں تھے۔ لیکن عبرانی زبان میں جو یہودیوں کی مذہبی زبان تھی، اس سے ملتا جلتا ایک لفظ بد دُعا اور گالی کے طور پر استعمال ہوتا تھا، نیز اگر اسی لفظ میں عین کو ذرا کھینچ کر بولا جائے تو وہ رَاعِینَا بن جاتا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں: "ہمارے چرواہے!" غرض یہودیوں کی اصل نیت اس لفظ کو خراب معنیٰ

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿۱۰۷﴾

ہم جب بھی کوئی آیت منسوخ کرتے ہیں یا اسے بھلا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا اُسی جیسی (آیت) لے آتے ہیں۔(۷۱) کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے؟ ﴿۱۰۶﴾ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ وہ ذات ہے کہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت تنہا اُسی کی ہے، اور اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا رکھوالا ہے نہ مددگار؟ ﴿۱۰۷﴾

میں استعمال کرنے کی تھی، لیکن چونکہ عربی میں بظاہر اس کا مطلب ٹھیک تھا، اس لئے بعض مخلص مسلمانوں نے بھی یہ لفظ بولنا شروع کر دیا۔ یہودی اس بات سے بڑے خوش ہوتے اور اندر اندر مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ اس لئے اس آیت نے مسلمانوں کو اس شرارت پر متنبہ بھی کر دیا، آئندہ اس لفظ کے استعمال پر پابندی بھی لگا دی اور یہ سبق بھی دے دیا کہ ایسے الفاظ کا استعمال مناسب نہیں ہے جن میں کسی غلط مفہوم کا احتمال ہو، یا ان سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہو۔ نیز اگلی آیت میں اس سارے عناد کی اصل وجہ بھی بتا دی کہ درحقیقت ان کو یہ حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوّت کی نعمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں عطا فرما دی ہے۔ رَاعِنَا کے بجائے اُنۡظُرۡنَا کا لفظ سکھا دیا کیونکہ اس کے معنی ہیں ''ہم پر (شفقت کی) نظر فرمایئے'' اس میں کسی اور معنی کا اِحتمال نہیں۔

(۷۱) اللہ تعالیٰ کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ مختلف زمانوں کے حالات کی مناسبت سے شریعت کے فروعی اَحکام میں تبدیلی فرماتے رہے ہیں۔ اگرچہ دِین کے بنیادی عقائد مثلاً توحید، رسالت، آخرت وغیرہ ہر دور میں ایک رہے ہیں، لیکن جو عملی اَحکام حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے تھے ان میں سے بعض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں تبدیل کر دیئے گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان میں مزید تبدیلیاں واقع ہوئیں۔ اسی طرح جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع میں نبوّت عطا ہوئی تو آپ کی دعوت کو مختلف مراحل سے گذرنا تھا، مسلمانوں کو طرح طرح کے مسائل درپیش تھے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اَحکام میں تدریج اختیار فرمائی۔ کسی وقت ایک حکم دیا گیا، بعد میں اس کی جگہ دوسرا حکم آ گیا، جیسا کہ قبلے کے تعین میں اَحکام بدلے گئے جن کی کچھ تفصیل آگے آیت ۱۱۵ میں آ رہی ہے۔ فروعی اَحکام میں ان حکیمانہ تبدیلیوں کو اصطلاح میں ''نسخ'' کہتے ہیں۔

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُىِٕلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے اُسی قسم کے سوال کرو جیسے پہلے موسیٰ سے کئے جا چکے ہیں؟(۷۲) اور جو شخص ایمان کے بدلے کفر اختیار کرے وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیا ﴿۱۰۸﴾ (مسلمانو!) بہت سے اہلِ کتاب اپنے دِلوں کے حسد کی بنا پر یہ چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں پلٹا کر پھر کافر بنا دیں، باوجودیکہ حق اُن پر واضح ہو چکا ہے۔ چنانچہ تم معاف کرو اور درگذر سے کام لو یہاں تک کہ اللہ خود اپنا فیصلہ بھیج دے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۰۹﴾ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور (یاد رکھو کہ) جو بھلائی کا عمل بھی تم خود اپنے فائدے کے لئے آگے بھیج دو گے اُس کو اللہ کے پاس پاؤ گے۔ بیشک جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے ﴿۱۱۰﴾

یہودیوں نے بالخصوص اور دوسرے کافروں نے بالعموم اس پر یہ اعتراض اُٹھایا کہ اگر یہ سارے اَحکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان میں یہ تبدیلیاں کیوں ہو رہی ہیں؟ یہ آیتِ کریمہ اس سوال کے جواب میں نازل ہوئی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق بدلتے ہوئے حالات میں یہ تبدیلیاں کرتے ہیں، اور جو حکم بھی منسوخ کیا جاتا ہے اس کی جگہ ایسا حکم لایا جاتا ہے جو بدلے ہوئے حالات میں زیادہ مناسب اور بہتر ہوتا ہے، یا کم از کم اتنا ہی بہتر ہوتا ہے جتنا بہتر پہلا حکم تھا۔

(۷۲) یہ خطاب یہودیوں کو بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے بجائے طرح طرح کے مطالبے پیش کرتے تھے، اور ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور یہ (یعنی یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ: ''جنت میں سوائے یہودیوں یا عیسائیوں کے کوئی بھی ہرگز داخل نہیں ہوگا۔'' (۷۳) یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں۔ آپ اِن سے کہئے کہ اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل لے کر آؤ ﴿۱۱۱﴾ کیوں نہیں؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو شخص بھی اپنا رُخ اللہ کے آگے جھکا دے، اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو، اُسے اپنا اَجر اپنے پروردگار کے پاس ملے گا۔ اور ایسے لوگوں کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۱۲﴾ اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں (کے مذہب) کی کوئی بنیاد نہیں، حالانکہ یہ سب (آسمانی) کتاب پڑھتے ہیں۔ اسی طرح وہ (مشرکین) جن کے پاس کوئی (آسمانی) علم ہی سرے سے نہیں ہے، انہوں نے بھی اِن (اہلِ کتاب) کی جیسی باتیں کہنی شروع کر دی ہیں۔ چنانچہ اللہ ہی قیامت کے دن اِن کے درمیان اُن باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں یہ اختلاف کرتے رہے ہیں ﴿۱۱۳﴾

پر ایمان لانے کے باوجود یہودی ان سے نامعقول اور غیر ضروری سوالات اور مطالبے کرتے رہے ہیں، تم ایسا نہ کرنا۔

(۷۳) یعنی یہودی کہتے ہیں کہ صرف یہودی جنت میں جائیں گے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ صرف عیسائی۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگادے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔(٧٤) ایسے لوگوں کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے، اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہوگا ﴿١١٤﴾

---

(٧٤) اُوپر یہود ونصاریٰ اور مشرکینِ عرب تینوں گروہوں کا ذکر آیا ہے۔ یہ تینوں گروہ کسی نہ کسی زمانے میں اور کسی نہ کسی شکل میں اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ مثلاً عیسائیوں نے شاہ طیطوس کے زمانے میں بیت المقدس پر حملہ کر کے اسے تاخت وتاراج کیا۔ ابرہہ نے جو عیسائی ہونے کا مدعی تھا بیت اللہ پر حملہ کر کے اُسے ویران کرنے کی کوشش کی۔ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں نماز پڑھنے سے روکتے رہے، اور یہودیوں نے بیت اللہ کے تقدس سے انکار کر کے عملاً لوگوں کو اس کی طرف رُخ کرنے سے روکا۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ ایک طرف ان میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ ہے کہ تنہا وہی جنت کا حق دار ہے، اور دوسری طرف ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت میں رُکاوٹ ڈالنے یا عبادت گاہوں کو ویران کرنے کے درپے رہے ہیں۔ اسی آیت کا اگلا جملہ ذو معنیٰ ہے۔ اس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا خوف لے کر داخل ہوتے، نہ یہ کہ متکبرانہ انداز میں انہیں ویران کریں، یا لوگوں کو وہاں اللہ کی عبادت سے روکیں۔ لیکن ساتھ ہی اس میں یہ لطیف اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب یہ متکبر لوگ جو اللہ کی مسجدوں سے لوگوں کو روک رہے ہیں، حق پرستوں کے سامنے ایسے مغلوب ہوں گے کہ انہیں خود ان جگہوں پر ڈر ڈر کر داخل ہونا پڑے گا۔ چنانچہ فتحِ مکہ کے موقع پر کفارِ مکہ کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اور مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ہیں۔ لہٰذا جس طرف بھی تم رُخ کرو گے، وہیں اللہ کا رُخ ہے۔ (۷۵) بیشک اللہ بہت وسعت والا، بڑا علم رکھنے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کوئی بیٹا بنایا ہوا ہے، (حالانکہ) اس کی ذات (اس قسم کی چیزوں سے) پاک ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اُسی کا ہے۔ سب کے سب اس کے فرماں بردار ہیں ﴿۱۱۶﴾

---

(۷۵) اُوپر جن تین گروہوں کا ذکر ہوا ہے ان کے درمیان ایک اختلاف قبلے کا بھی تھا۔ اہلِ کتاب بیت المقدس کی طرف رُخ کرتے تھے اور مشرکین بیت اللہ کو قبلہ سمجھتے تھے۔ مسلمان بھی اسی کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے، اور یہ بات یہودیوں کو ناگوار تھی۔ ایک مختصر عرصے کے لئے مسلمانوں کو بیت المقدس کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا تو یہودیوں نے خوشی کا اظہار کیا کہ دیکھو! مسلمان ہماری بات ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ پھر دوبارہ بیت اللہ کو مستقل قبلہ بنادیا گیا جس کی تفصیل اِن شاء اللہ اگلے پارے کے شروع میں آنے والی ہے۔ یہ آیت بظاہر اُس موقع پر نازل ہوئی ہے جب مسلمان بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ کوئی بھی سمت اپنی ذات میں کسی تقدس کی حامل نہیں۔ مشرق و مغرب سب اللہ کی مخلوق اور اسی کی تابعِ فرمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی ایک جہت میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ موجود ہے، چنانچہ وہ جس سمت کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیدے، بندوں کا کام یہ ہے کہ اسی حکم کی تعمیل کریں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جگہ ہو جہاں قبلے کی صحیح سمت پتہ نہ چل رہی ہو تو وہاں وہ اپنے اندازے سے جس سمت کو قبلہ سمجھ کر نماز پڑھے گا اس کی نماز ہو جائے گی، یہاں تک کہ اگر بعد میں پتہ چلے کہ جس رُخ پر نماز پڑھی ہے وہ صحیح رُخ نہیں تھا تب بھی نماز دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس شخص نے اپنی طاقت کے مطابق اللہ کے حکم کی تعمیل کر لی۔ دراصل کسی بھی جگہ یا کسی بھی سمت میں اگر کوئی تقدس آتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ قبلے

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے، اور جب وہ کسی بات کا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے بارے میں بس اتنا کہتا ہے کہ: ''ہوجا'' چنانچہ وہ ہوجاتی ہے[(۷۶)] ﴿۱۱۷﴾ اور جو لوگ علم نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ ہم سے (براہِ راست) کیوں بات نہیں کرتا؟ یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ جو لوگ اِن سے پہلے گذرے ہیں وہ بھی اسی طرح کی باتیں کہتے تھے جیسی یہ کہتے ہیں۔ ان سب کے دِل ایک جیسے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ یقین کرنا چاہیں اُن کے لئے ہم نشانیاں پہلے ہی واضح کرچکے ہیں ﴿۱۱۸﴾ (اے پیغمبر!) بے شک ہم نے تمہیں کو حق دے کر اس طرح بھیجا ہے کہ تم (جنت کی) خوشخبری دو اور (جہنم سے) ڈراؤ۔ اور جو لوگ (اپنی مرضی سے) جہنم (کا راستہ) اختیار کرچکے ہیں ان کے بارے میں آپ سے کوئی باز پُرس نہیں ہوگی ﴿۱۱۹﴾

کے تعین میں اپنے احکام بدل رہا ہے تو اس میں کسی فریق کی ہار جیت کا سوال نہیں۔ یہ تبدیلی یہی دِکھانے کے لئے آرہی ہے کہ کوئی سمت اپنی ذات میں مقصود نہیں۔ مقصود اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی ہے۔ اگر آئندہ اللہ تعالیٰ دوبارہ بیت اللہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیدے تو یہ بات نہ قابلِ تعجب ہونی چاہئے نہ قابلِ اعتراض۔

(۷۶) عیسائی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہی ہیں۔ بعض یہودی بھی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، اور مشرکینِ مکہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ یہ آیت ان سب کی تردید کررہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اولاد کی ضرورت اسے ہوسکتی ہے جو دوسروں کی مدد کا محتاج ہو، اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا مالک ہے، اور اسے کسی کام میں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ پھر وہ اولاد کا محتاج کیوں ہو؟ اسی دلیل کو اگر منطقی پیرائے

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اور یہود و نصاریٰ تم سے اس وقت تک ہرگز راضی نہیں ہوں گے جب تک تم اُن کے مذہب کی پیروی نہیں کرو گے۔ کہہ دو کہ حقیقی ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے۔ اور تمہارے پاس (وحی کے ذریعے) جو علم آ گیا ہے، اگر کہیں تم نے اس کے بعد بھی ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کر لی تو تمہیں اللہ سے بچانے کے لئے نہ کوئی حمایتی ملے گا نہ کوئی مددگار[۷۷] ﴿۱۲۰﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، جبکہ وہ اس کی تلاوت اس طرح کرتے ہوں جیسا اس کی تلاوت کا حق ہے، تو وہ لوگ ہی (درحقیقت) اس پر اِیمان رکھتے ہیں۔[۷۸] اور جو اس کا اِنکار کرتے ہوں، تو ایسے لوگ ہی نقصان اُٹھانے والے ہیں ﴿۱۲۱﴾

میں بیان کیا جائے تو وہ اس طرح ہوگی کہ اولاد اپنے باپ کا جزء ہوتی ہے، اور ہر کُل اپنے جزء کا محتاج ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چونکہ ہر اِحتیاج سے پاک ہے اس لئے اس کی ذات بسیط ہے جسے کسی جزء کی حاجت نہیں۔ لہٰذا اس کی طرف اولاد منسوب کرنا اسے محتاج قرار دینے کے مرادف ہے۔

(۷۷) اگرچہ حضورِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ناقابلِ تصوّر تھی کہ آپ کفار کی خواہشات کے پیچھے چلیں، لیکن اس آیت نے فرضِ محال کے طور پر یہ بات کہہ کر اُصول یہ بتلا دیا کہ اللہ کے نزدیک شخصیات کی اہمیت ان کی ذات کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی اطاعت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوقات میں سب سے افضل اسی بنا پر ہیں کہ اللہ کے سب سے زیادہ فرماں بردار ہیں۔

(۷۸) بنی اسرائیل میں جہاں سرکش لوگ بڑی تعداد میں تھے وہاں بہت سے لوگ ایسے مخلص بھی تھے جنہوں نے تورات اور اِنجیل کو صرف پڑھا ہی نہیں تھا، بلکہ اس کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے حق کی ہر بات کو قبول کرنے کے لئے اپنے سینوں کو کشادہ رکھا تھا، چنانچہ جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۭ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی، اور یہ بات (یاد کرو) کہ میں نے تم کو سارے جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۱۲۲﴾ اور اُس دن سے ڈرو جس دن کوئی شخص بھی کسی کے کچھ کام نہیں آئے گا، نہ کسی سے کسی قسم کا فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ اُس کو کوئی سفارش فائدہ دے گی، اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی۔ (۷۹) ﴿۱۲۳﴾

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے کئی باتوں سے آزمایا، اور انہوں نے وہ ساری باتیں پوری کیں۔ اللہ نے (اُن سے) کہا: "میں تمہیں تمام انسانوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔" ابراہیم نے پوچھا: "اور میری اولاد میں سے؟" اللہ نے فرمایا: "میرا (یہ) عہد ظالموں کو شامل نہیں ہے۔" (۸۰) ﴿۱۲۴﴾

انہوں نے کسی عناد کے بغیر اسے قبول کیا۔ اس آیت میں ان حضرات کی تعریف کی گئی ہے اور سبق یہ دیا گیا ہے کہ کسی آسمانی کتاب کی تلاوت کا حق یہ ہے کہ اس کے تمام اَحکام کو دِل سے مان کر ان کی تعمیل کی جائے۔ درحقیقت تورات پر ایمان رکھنے والے وہی ہیں جو اس کے اَحکام کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لاتے ہیں۔

(۷۹) بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور ان کے مقابلے میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا جو ذکر اُوپر سے چلا آرہا ہے، اس کا آغاز آیت ۴۷ اور ۴۸ میں تقریباً انہی الفاظ سے کیا گیا تھا۔ اب سارے واقعات تفصیل سے یاد دِلانے کے بعد پھر وہی بات ناصحانہ انداز میں ارشاد فرمائی گئی ہے کہ ان سب باتوں کو یاد دِلانے کا اصل مقصد تمہاری خیر خواہی ہے، اور تمہیں ان واقعات سے اس نتیجے تک پہنچ جانا چاہئے۔

(۸۰) یہاں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کچھ حالات و واقعات شروع ہورہے ہیں، اور پچھلی آیتوں سے ان واقعات کا دو طرح گہرا تعلق ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ یہودی، عیسائی اور عرب کے بت پرست، یعنی تینوں وہ گروہ جن کا ذکر اُوپر آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا پیشوا مانتے تھے، مگر ہر گروہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وہ اُسی کے مذہب کے حامی تھے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں صحیح صورتِ حال واضح کی جائے۔ قرآنِ کریم نے یہاں یہ بتلایا ہے کہ اُن کا تینوں گروہوں کے باطل عقائد سے کوئی تعلق نہیں تھا، ان کی ساری زندگی توحید کی تبلیغ میں خرچ ہوئی، اور انہیں اس راستے میں بڑی بڑی آزمائشوں سے گذرنا پڑا جن میں وہ پورے اُترے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے، حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل (علیہما السلام)۔ حضرت اسحاق علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا دوسرا نام اسرائیل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبوّت کا سلسلہ انہی کی اولاد یعنی بنی اسرائیل میں چلا آرہا تھا جس کی بنا پر وہ یہ سمجھتے تھے کہ دُنیا بھر کی پیشوائی کا حق صرف انہی کو حاصل ہے۔ کسی اور نسل میں کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو اُن کے لئے واجب الاتباع ہو۔ قرآنِ کریم نے یہاں یہ غلط فہمی دُور کرتے ہوئے یہ واضح فرمایا ہے کہ دِینی پیشوائی کا منصب کسی خاندان کی لازمی میراث نہیں ہے، اور یہ بات خود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے صریح لفظوں میں کہہ دی گئی تھی۔ انہیں جب اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے آزمالیا اور یہ ثابت ہوگیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم پر بڑی سے بڑی قربانی کے لئے ہمیشہ تیار رہے، انہیں توحید کے عقیدے کی پاداش میں آگ میں ڈالا گیا، انہیں وطن چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، انہیں اپنی بیوی اور نوزائیدہ بچے کو مکہ کی خشک وادی میں تنہا چھوڑنے کا حکم ملا اور وہ بلا تأمل یہ ساری قربانیاں دیتے چلے گئے، تب اللہ تعالیٰ نے انہیں دُنیا بھر کی پیشوائی کا منصب دینے کا اعلان فرمایا۔ اُسی موقع پر جب انہوں نے اپنی اولاد کے بارے میں پوچھا تو صاف طور پر بتلا دیا گیا کہ ان میں جو لوگ ظالم ہوں گے یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرکے اپنی جانوں پر ظلم کریں گے وہ اس منصب کے حق دار نہیں ہوں گے۔ بنی اسرائیل کو صدیوں آزمانے کے بعد ثابت یہ ہوا ہے کہ وہ اس لائق نہیں ہیں کہ قیامت تک پوری انسانیت کی دِینی پیشوائی ان کو دی جائے۔ اس لئے نبیِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے صاحبزادے یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں بھیجے جارہے ہیں جن کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ وہ اہلِ مکہ میں سے بھیجے جائیں۔ اب چونکہ دِینی پیشوائی منتقل کی جارہی ہے، اس لئے اب قبلہ بھی اس بیت اللہ کو بنایا جانے والا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا۔ اس مناسبت سے آگے تعمیرِ کعبہ کا واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ یہاں سے آیت نمبر ۱۵۲ تک جو سلسلۂ کلام آرہا ہے اس کو اِس پسِ منظر میں سمجھنا چاہئے۔

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لئے ایسی جگہ بنایا جس کی طرف وہ لوٹ لوٹ کر جائیں اور جو سراپا امن ہو۔ (۸۱) اور تم مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالو۔ (۸۲) اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو یہ تاکید کی کہ: ''تم دونوں میرے گھر کو اُن لوگوں کے لئے پاک کرو جو (یہاں) طواف کریں اور اِعتکاف میں بیٹھیں اور رُکوع اور سجدہ بجالائیں'' ﴿۱۲۵﴾ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ: ''اے میرے پروردگار! اس کو ایک پُر امن شہر بنا دیجئے، اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر اِیمان لائیں اُنہیں قسم قسم کے پھلوں سے رزق عطا فرمایئے۔'' اللہ نے کہا: ''اور جو کفر اختیار کرے گا اس کو بھی میں کچھ عرصے کے لئے لطف اُٹھانے کا موقع دوں گا، (مگر) پھر اُسے دوزخ کے عذاب کی طرف کھینچ لے جاؤں گا۔ اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔'' ﴿۱۲۶﴾

---

(۸۱) اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی یہ حرمت رکھی ہے کہ نہ صرف مسجدِ حرام میں بلکہ اُس کے اردگرد کے وسیع علاقے میں جسے حرم کہا جاتا ہے، نہ کسی انسان کو قتل کیا جاسکتا ہے، نہ شدید دِفاعی ضرورت کے بغیر جنگ کرنا جائز ہے، نہ کسی جانور کا شکار حلال ہے، نہ کوئی خودرو پودا اُکھاڑنے کی اجازت ہے، نہ کسی جانور کو قید رکھا جاسکتا ہے۔ اس طرح یہ صرف انسانوں کے لئے ہی نہیں، حیوانات اور نباتات کے لئے بھی امن کی جگہ ہے۔

(۸۲) مقامِ ابراہیم اُس پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تھا۔ یہ پتھر آج بھی موجود ہے، اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو بیت اللہ کا طواف کرے، سات چکر لگانے کے بعد اس پتھر کے سامنے کھڑا ہوکر بیت اللہ کا رُخ کرے اور دو رکعتیں پڑھے۔ ان رکعتوں کا اسی جگہ پڑھنا افضل ہے۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ ع ۱۵ ۸ ۱۵

اور اُس وقت کا تصوّر کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے،(۸۳) اور اسماعیل بھی (ان کے ساتھ شریک تھے، اور دونوں یہ کہتے جاتے تھے کہ:) "اے ہمارے پروردگار! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، ہر ایک کی سننے والا، ہر ایک کو جاننے والا ہے ﴿۱۲۷﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا مکمل فرماں بردار بنالے، اور ہماری نسل سے بھی ایسی اُمت پیدا کر جو تیری پوری تابع دار ہو۔ اور ہم کو ہماری عبادتوں کے طریقے سکھادے، اور ہماری توبہ قبول فرمالے۔ بیشک تو، اور صرف تو ہی، معاف کردینے کا خوگر (اور) بڑی رحمت کا مالک ہے ﴿۱۲۸﴾ اور ہمارے پروردگار! اِن میں ایک ایسا رسول بھی بھیجنا جو اِنہی میں سے ہو، جو اِن کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے۔(۸۴) بیشک تیری، اور صرف تیری، ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل" ﴿۱۲۹﴾

(۸۳) بیت اللہ جسے کعبہ بھی کہتے ہیں درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے تعمیر چلا آتا ہے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں وہ حوادثِ روزگار سے منہدم ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسے ازسرِنو انہی بنیادوں پر تعمیر کرنے کا حکم ہوا تھا جو پہلے سے موجود تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی آپ کو بتادی تھیں۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ وہ بیت اللہ تعمیر کررہے تھے، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ وہ اس کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے۔

(۸۴) دِل سے نکلی ہوئی اس دُعا کی تاثیر کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں منتقل نہیں کی جاسکتی، چنانچہ

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور کون ہے جو اِبراہیم کے طریقے سے انحراف کرے؟ سوائے اُس شخص کے جوخود اپنے آپ کو حماقت میں مبتلا کر چکا ہو! حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے دُنیا میں اُنہیں (اپنے لئے) چن لیا تھا، اور آخرت میں اُن کا شمار صالحین میں ہوگا ﴿۱۳۰﴾ جب ان کے پروردگار نے ان سے کہا کہ: ''سرِ تسلیم خم کردو[۸۵]!'' تو وہ (فوراً) بولے: ''میں نے رَبّ العالمین کے (ہر حکم کے) آگے سر جھکا دیا'' ﴿۱۳۱﴾

ترجمہ صرف اس کا مفہوم ہی ادا کرسکتا ہے۔ یہاں اس دُعا کونقل کرنے کا مقصد ایک تو یہ دِکھانا ہے کہ انبیائے کرام اپنے بڑے سے بڑے کارنامے پر بھی مغرور ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور اور زیادہ عجز و نیاز کا مظاہرہ فرماتے ہیں، اور اپنے کارنامے کا تذکرہ کرنے کے بجائے اپنی اُن کوتاہیوں پر توبہ مانگتے ہیں جو اس کام کی ادائیگی میں ان سے سرزد ہونے کا امکان ہو۔ دوسرے اُن کا ہر کام صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہوتا ہے، لہٰذا وہ اُس پر مخلوق سے تعریف کرانے کی فکر کے بجائے اللہ تعالیٰ سے اس کی قبولیت کی دُعا مانگتے ہیں۔ تیسرے یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا میں شامل تھی، اور اس طرح خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ تجویز دی تھی کہ آپ بنی اسماعیل میں سے مبعوث ہوں، نہ کہ بنی اسرائیل میں سے۔ اس دُعا میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بنیادی مقاصد بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ ان مقاصد کو قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے، اور ان کی تشریح اِن شاء اللہ آگے اسی سورت کی آیت ۱۵۱ میں آئے گی۔

(۸۵) یہاں سرِ تسلیم خم کرنے کے لئے قرآنِ کریم نے ''اسلام'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جس کے لفظی معنیٰ سر جھکانے اور کسی کے مکمل تابعِ فرمان ہوجانے کے ہیں۔ ہمارے دِین کا نام بھی اسلام اسی لئے رکھا گیا ہے کہ اس

وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور اسی بات کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی، اور یعقوب نے بھی (اپنے بیٹوں کو) کہ: ''اے میرے بیٹو! اللہ نے یہ دِین تمہارے لئے منتخب فرمالیا ہے، لہٰذا تمہیں موت بھی آئے تو اس حالت میں آئے کہ تم مسلم ہو'' ﴿۱۳۲﴾ کیا اُس وقت تم خود موجود تھے جب یعقوب کی موت کا وقت آیا تھا، (۸۶) جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ اُن سب نے کہا تھا کہ ہم اُسی ایک خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے۔ اور ہم صرف اُسی کے فرماں بردار ہیں ﴿۱۳۳﴾ وہ ایک اُمت تھی جو گذر گئی۔ جو کچھ اُنہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے، اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے ﴿۱۳۴﴾

کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے ہر قول و فعل میں اللہ تعالیٰ ہی کا تابعدار بنے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ شروع ہی سے مؤمن تھے اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ کا مقصد ان کو ایمان لانے کی تلقین کرنا نہیں تھا، اسی لئے یہاں اس لفظ کا ترجمہ اسلام لانے سے نہیں کیا گیا۔ البتہ اگلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو وصیت اپنی اولاد کے لئے مذکور ہے وہاں اسلام کے مفہوم میں دونوں باتیں داخل ہیں، دِینِ برحق پر ایمان رکھنا بھی اور اس کے بعد اللہ کے ہر حکم کی تابعداری بھی۔ اس لئے وہاں لفظ ''مسلم'' ہی استعمال کیا گیا ہے۔

(۸۶) بعض یہودیوں نے کہا تھا کہ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ یہودیت کے دِین پر رہیں۔ یہ آیت اس کا جواب ہے۔ اس آیت کو سورۂ آلِ عمران کی آیت ۶۵ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو بات اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

اور یہ (یہودی اور عیسائی مسلمانوں سے) کہتے ہیں کہ: ''تم یہودی یا عیسائی ہو جاؤ، راہِ راست پر آجاؤ گے۔'' کہہ دو کہ: ''نہیں، بلکہ (ہم تو) ابراہیم کے دِین کی پیروی کریں گے جو ٹھیک ٹھیک سیدھی راہ پر تھے، اور وہ اُن لوگوں میں سے نہ تھے جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔'' ﴿۱۳۵﴾ (مسلمانو!) کہہ دو کہ: ''ہم اللہ پر اِیمان لائے ہیں، اور اُس کلام پر بھی جو ہم پر اُتارا گیا اور اُس پر بھی جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اُتارا گیا، اور اُس پر بھی جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا گیا اور اُس پر بھی جو دوسرے پیغمبروں کو اُن کے پروردگار کی طرف سے عطا ہوا۔ ہم ان پیغمبروں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے، اور ہم اُسی (ایک خدا) کے تابعِ فرمان ہیں۔'' ﴿۱۳۶﴾ اس کے بعد اگر یہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے ہو تو یہ راہِ راست پر آجائیں گے۔ اور اگر یہ منہ موڑ لیں تو درحقیقت وہ دُشمنی میں پڑ گئے ہیں۔ اب اللہ تمہاری حمایت میں عنقریب ان سے نمٹ لے گا، اور وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۱۳۷﴾ (اے مسلمانو! کہہ دو کہ:) ''ہم پر تو اللہ نے اپنا رنگ چڑھا دیا ہے، اور کون ہے جو اللہ سے بہتر رنگ چڑھائے؟ اور ہم صرف اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔''(۸۷) ﴿۱۳۸﴾

---

(۸۷) اس میں عیسائیوں کی رسم بپتسمہ (Baptism) کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جسے اصطباغ (رنگ

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٠﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤١﴾ ع ۱۶

کہہ دو کہ: ’’کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو؟ حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ (یہ) اور (بات ہے کہ) ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں، اور تمہارے عمل تمہارے لئے۔ اور ہم نے تو اپنی بندگی اُسی کے لئے خالص کرلی ہے‘‘﴿۱۳۹﴾ بھلا کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولادیں یہودی یا نصرانی تھیں؟ (مسلمانو! ان سے) کہو: کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اُس کے پاس اللہ کی طرف سے پہنچی ہو؟ (۸۸) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے ﴿۱۴۰﴾ (بہرحال!) وہ ایک اُمت تھی جو گذر گئی۔ جو کچھ اُنہوں نے کمایا وہ اُن کا ہے، اور جو کچھ تم نے کمایا وہ تمہارا ہے، اور تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے؟﴿۱۴۱﴾

چڑھانا) بھی کہا جاتا ہے۔ کسی شخص کو عیسائی بناتے وقت وہ اسے غسل دیتے ہیں جو بعض اوقات رنگا ہوا پانی ہوتا ہے۔ اُن کے خیال میں اس طرح اُس پر عیسائی مذہب کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ یہ بپتسمہ پیدا ہونے والے بچوں کو بھی دیا جاتا ہے کیونکہ ان کے عقیدے کے مطابق ہر بچہ ماں کے پیٹ سے گنہگار پیدا ہوتا ہے، اور جب تک وہ بپتسمہ نہ لے گنہگار رہتا ہے اور یسوع مسیح کے کفارے کا حق دار نہیں ہوتا۔ قرآنِ کریم کا ارشاد ہے کہ اس بے سروپا خیال کی کوئی حقیقت نہیں۔ رنگ چڑھانا ہے تو اللہ کا رنگ چڑھاؤ جو توحیدِ خالص کا رنگ ہے۔

(۸۸) یعنی یہ حقیقت دراصل اِن کو بھی معلوم ہے کہ یہ تمام انبیائے کرام توحیدِ خالص کا درس دیتے رہے ہیں،

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾

اب یہ بے وقوف لوگ کہیں گے کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس نے اِن (مسلمانوں) کو اُس قبلے سے رُخ پھیرنے پر آمادہ کر دیا جس کی طرف وہ منہ کرتے چلے آرہے تھے؟ آپ کہہ دیجئے کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کی ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ کی ہدایت کر دیتا ہے (۸۹) ﴿۱۴۲﴾ اور (مسلمانو!) اِسی طرح تو ہم نے تم کو ایک معتدل اُمت بنایا ہے تاکہ تم دوسرے لوگوں پر گواہ بنو، اور رسول تم پر گواہ بنے۔ (۹۰) اور جس قبلے پر تم پہلے کاربند تھے، اُسے ہم نے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف یہ دیکھنے کے لئے مقرّر کیا تھا کہ کون رسول کا حکم مانتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے؟ (۹۱) اور اِس میں شک نہیں کہ یہ بات تھی بڑی مشکل، لیکن اُن لوگوں کے لئے (ذرا بھی مشکل نہ ہوئی) جن کو اللہ نے ہدایت دے دی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو ضائع کر دے۔ (۹۲) درحقیقت اللہ لوگوں پر بہت شفقت کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۴۳﴾

اور ان بے بنیاد عقیدوں سے انبیائے کرام کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود ان کی کتابوں میں یہ حقیقت واضح طور پر لکھی ہوئی موجود ہے، اور اُن میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں بھی موجود ہیں جو اِن کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں، مگر یہ ظالم اُن کو چھپائے بیٹھے ہیں۔

(۸۹) یہاں سے قبلے کی تبدیلی اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا تفصیلی بیان شروع ہو رہا ہے۔ واقعات کا

پس منظر یہ ہے کہ مکہ مکرّمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے۔ جب آپ مدینہ منوّرہ تشریف لائے تو آپ کو بیت المقدس کا رُخ کرنے کا حکم دیا گیا جس پر آپ تقریباً سترہ مہینے تک عمل فرماتے رہے۔ اس کے بعد دوبارہ بیت اللہ شریف کو قبلہ قرار دے دیا گیا۔ تبدیلی کا یہ حکم آگے آیت نمبر ۱۴۴ میں آرہا ہے۔ یہ آیت پیشینگوئی کر رہی ہے کہ یہودی اور عیسائی اس تبدیلی پر بڑے اعتراضات کریں گے، حالانکہ یہ حقیقت اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والے ہر شخص کے لئے کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ قبلے کی کوئی خاص سمت مقرّر کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ قبلے کی سمت میں تشریف فرما ہے۔ وہ تو ہر سمت اور ہر جگہ موجود ہے اور مشرق ہو یا مغرب، شمال ہو یا جنوب، یہ ساری جہتیں اسی کی بنائی ہوئی ہیں۔ البتہ چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کرتے وقت تمام مؤمنوں کے لئے کوئی ایک سمت مقرّر کر دی جائے، اِس لئے یہ سمت اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت کے تحت مقرّر فرماتا ہے، اِس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ سمت بذاتِ خود مقدس یا مقصود ہے۔ جو کچھ تقدس کسی قبلے یا اس کی سمت میں آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے آتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنی حکمت کے مطابق جب چاہے جس سمت کو چاہے قبلہ قرار دے سکتا ہے۔ ایک مؤمن کا سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے ہر حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر دے۔ آیت کے آخر میں سیدھی راہ کا جو ذکر ہے اس سے مراد اسی حقیقت کا ادراک ہے۔

(۹۰) یعنی جس طرح ہم نے اس آخری زمانے میں تمام دوسری جہتوں کو چھوڑ کر کعبے کی سمت کو قبلہ بننے کا شرف عطا فرمایا، اور تمہیں اسے دِل وجان سے قبول کرنے کی ہدایت دی، اسی طرح ہم نے تم کو دوسری اُمتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ معتدل اور متوازن اُمت بنایا ہے۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ اس اُمت کی شریعت میں ایسے مناسب اَحکام رکھے گئے ہیں جو قیامِ قیامت تک انسانیت کی صحیح رہنمائی کرسکیں۔ معتدل اُمت کی یہ خصوصیت بھی اِس آیت میں بیان فرمائی گئی ہے کہ اس اُمت کو قیامت کے دن انبیائے کرام کے گواہ کے طور پر پیش کیا جائے گا۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک حدیث میں یہ بیان ہوئی ہے کہ جب پچھلے انبیاء کی اُمتوں میں سے کافر لوگ صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا تھا تو اُمتِ محمدیہ کے لوگ انبیائے کرام کے حق میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے رسالت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنی اپنی اُمتوں کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیا تھا، اور اگرچہ ہم خود اُس موقع پر موجود نہیں تھے لیکن ہمارے نبیِ کریم محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی سے باخبر ہو کر ہم کو یہ بات بتلا دی تھی اور ہمیں اُن کی بات پر اپنے ذاتی مشاہدے سے زیادہ اعتماد ہے۔

دوسری طرف رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کی اس بات کی تصدیق فرمائیں گے۔ نیز بعض مفسرین نے اُمتِ محمدیہ کے گواہ ہونے کے یہ معنیٰ بھی بیان کئے ہیں کہ شہادت سے مراد حق کی دعوت وتبلیغ ہے، اور یہ اُمت پوری انسانیت کو اسی طرح حق کا پیغام پہنچائے گی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہنچایا تھا۔ باتیں دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور ان میں کوئی تعارض بھی نہیں۔

(۹۱) مطلب یہ ہے کہ پہلے کچھ عرصے کے لئے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا جو حکم ہم نے دیا تھا اس کا مقصد یہ امتحان لینا تھا کہ کون قبلے کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے اور کون ہے جو کسی ایک قبلے کو بذاتِ خود ہمیشہ کے لئے مقدس مان کر اللہ کے بجائے اُسی کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔ قبلے کی تبدیلی سے یہی واضح کرنا مقصود تھا کہ عبادت بیت اللہ کی نہیں، اللہ کی کرنی ہے، ورنہ اس میں اور بت پرستی میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اگلے جملے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ جو لوگ صدیوں سے بیت اللہ کو قبلہ مانتے چلے آرہے تھے، اُن کے لئے اچانک بیت المقدس کی طرف رُخ موڑ دینا کوئی آسان بات نہ تھی کیونکہ صدیوں سے دِلوں پر حکمرانی کرنے والے اعتقادات کو یکایک بدل لینا بڑا مشکل ہوتا ہے، لیکن جن لوگوں کو اللہ نے یہ سمجھ عطا فرمائی کہ کسی بھی چیز میں کوئی ذاتی تقدس نہیں، اور اصل تقدس اللہ تعالیٰ کے حکم کو حاصل ہے ان کو نئے قبلے کی طرف رُخ کرنے میں ذرا بھی دِقت پیش نہیں آئی کیونکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ہم پہلے بھی اللہ کے بندے اور اس کے تابعِ فرمان تھے اور آج بھی اسی کے حکم پر ایسا کر رہے ہیں۔

(۹۲) اس سلسلۂ کلام میں اِس جملے کا ایک مطلب تو حضرت حسن بصریؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگرچہ نئے قبلے کو اختیار کر لینا مشکل تھا لیکن جن لوگوں نے اپنی قوتِ ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بے چون وچرا مان لیا اللہ تعالیٰ ان کے اس ایمانی جذبے کو ضائع نہیں کرے گا، بلکہ انہیں اِس کا عظیم اجر ملے گا۔ (تفسیرِ کبیر) دوسرے یہ جملہ ایک سوال کا جواب بھی ہے جو بعض صحابہ کے دِل میں پیدا ہوا تھا، اور وہ یہ کہ جو مسلمان اُس وقت انتقال فرما گئے تھے جب قبلہ بیت المقدس تھا تو کہیں ایسا تو نہیں کہ اُن کی وہ نمازیں جو انہوں نے بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے پڑھی تھیں، قبلے کی تبدیلی کے بعد ضائع اور کالعدم ہو جائیں؟ آیت نے جواب دے دیا کہ نہیں، چونکہ انہوں نے اپنے ایمانی جذبے کے تحت وہ نمازیں اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی تعمیل میں پڑھی تھیں اس لئے وہ نمازیں ضائع نہیں ہوں گی۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

(اے پیغمبر!) ہم تمہارے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اُٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ہم تمہارا رُخ ضرور اُس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو تمہیں پسند ہے۔[۹۳] لو اَب اپنا رُخ مسجدِ حرام کی سمت کرلو۔ اور (آئندہ) جہاں کہیں تم ہو اپنے چہروں کا رُخ (نماز پڑھتے ہوئے) اُسی کی طرف رکھا کرو۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ یہی بات حق ہے جو ان کے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔[۹۴] اور جو کچھ یہ کررہے ہیں اللہ اُس سے غافل نہیں ہے۔ ﴿۱۴۴﴾

(۹۳) جب بیت المقدس کو قبلہ بنایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندازہ تھا کہ یہ حکم عارضی ہے، اور چونکہ بیت اللہ بیت المقدس کے مقابلے میں زیادہ قدیم بھی تھا اور اُس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یادیں بھی وابستہ تھیں، اس لئے آپ کی طبعی خواہش بھی یہی تھی کہ اُسی کو قبلہ بنایا جائے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلے کی تبدیلی کے انتظار اور اشتیاق میں کبھی کبھی آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر دیکھتے تھے۔ اس آیت میں آپ کی اسی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔

(۹۴) یعنی اہلِ کتاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبلے کی تبدیلی کا جو حکم دیا گیا ہے وہ بالکل برحق ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مانتے تھے، اور یہ بات تاریخی طور پر ثابت تھی کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں کعبہ تعمیر کیا تھا، بلکہ بعض مؤرخین نے خود تورات کے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تمام اولاد (بشمول حضرت اسحاق علیہ السلام) کا قبلہ کعبہ ہی تھا۔ (اس کی تحقیق کے لئے دیکھئے مولانا حمید الدین فراہی کا رسالہ ''ذبیح کون ہے؟'' ص ۳۵ تا ۳۸)۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی اگر تم ان کے پاس ہر قسم کی نشانیاں لے آؤ تب بھی یہ تمہارے قبلے کی پیروی نہیں کریں گے۔ اور نہ تم ان کے قبلے پر عمل کرنے والے ہو، نہ یہ ایک دوسرے کے قبلے پر عمل کرنے والے ہیں۔(۹۵) اور جو علم تمہارے پاس آچکا ہے اس کے بعد اگر کہیں تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کر لی تو اس صورت میں یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا ﴿۱۴۵﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔(۹۶) اور یقین جانو کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے حق کو جان بوجھ کر چھپا رکھا ہے۔ ﴿۱۴۶﴾ اور حق وہی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آیا ہے، لہٰذا شک کرنے والوں میں ہرگز شامل نہ ہو جانا۔ ﴿۱۴۷﴾

(۹۵) یہودی بیت المقدس کو اپنا قبلہ مانتے تھے، اور عیسائی بیت اللحم کو جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔

(۹۶) اس کے یہ معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ کعبے کے قبلہ ہونے کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جیسا کہ اُوپر گذرا، اور یہ معنیٰ بھی ممکن ہیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ یہ وہی رسول ہیں جن کی خبر پچھلے انبیائے کرام کے صحیفوں میں دی جا چکی ہے۔ لیکن ضد کی بنا پر ان حقائق کو تسلیم نہیں کر رہے ہیں۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۗ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

اور ہر گروہ کی ایک سمت ہے جس کی طرف وہ رُخ کرتا ہے۔ لہٰذا تم نیک کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ تم جہاں بھی ہوگے، اللہ تم سب کو (اپنے پاس) لے آئے گا۔(۹۷) یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۴۸﴾ اور تم جہاں سے بھی (سفر کے لئے) نکلو، اپنا منہ (نماز کے وقت) مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور یقیناً یہی بات حق ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے آئی ہے۔(۹۸) اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں ہے۔ ﴿۱۴۹﴾

(۹۷) جو لوگ قبلے کی تبدیلی پر اعتراض کر رہے تھے اُن پر حجت تمام کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ ہر مذہب کے لوگوں نے اپنے اپنے قبلے الگ الگ بنا رکھے ہیں، اور تمہارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس دُنیا میں اُن کو کسی ایک قبلے پر جمع کرسکو۔ لہٰذا اب ان لوگوں سے قبلے کی بحث میں پڑنے کے بجائے تمہیں اپنے کام میں لگ جانا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ اپنے نامۂ اعمال میں زیادہ سے زیادہ نیکیوں کا اضافہ کرو، اور اس کام میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو۔ آخری انجام یہ ہوگا کہ تمام مذہبوں والوں کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس بلائے گا اور اُس وقت ان سب کی تُرکی تمام ہوجائے گی۔ وہاں سب کا قبلہ ایک ہی ہوجائے گا، کیونکہ سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

(۹۸) اللہ تعالیٰ نے مسجدِ حرام کی طرف رُخ کرنے کا حکم ان آیتوں میں تین مرتبہ دُہرایا ہے۔ اس سے ایک تو حکم کی اہمیت اور تاکید جتلانی مقصود ہے۔ دوسرے یہ بھی بتانا ہے کہ قبلے کا رُخ کرنا صرف اس حالت میں نہیں ہے جب کوئی شخص بیت اللہ کے سامنے موجود ہو، بلکہ جب مکہ مکرّمہ سے نکلا ہوا ہو تب بھی یہی حکم ہے، اور کہیں دُور چلا جائے تب بھی یہ فریضہ ختم نہیں ہوتا۔ البتہ یہاں اللہ تعالیٰ نے ''سمت'' کا لفظ استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ کردیا ہے کہ کعبے کا رُخ کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان کعبے کی سو فی صد سیدھ میں ہو۔ بلکہ اگر سمت وہی ہے تو کعبے کی طرف رُخ کرنے کا حکم پورا ہوجائے گا۔ اور انسان اس معاملے میں اتنا ہی مکلّف ہے کہ وہ اپنے بہترین ذرائع استعمال کرکے سمت صحیح متعین کرلے۔ ایسا کرلینے کے بعد اس کی نماز ہوجائے گی۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾ كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿١٥٢﴾

معانقۃ ۳ — ع ۱۸ / ۵ / ۲

اور جہاں سے بھی تم نکلو، اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کرو۔ اور تم جہاں کہیں ہو، اپنے چہرے اُسی کی طرف رکھو، تاکہ لوگوں کو تمہارے خلاف حجت بازی کا موقع نہ ملے[99] ۔۔۔۔۔ البتہ اُن میں جو لوگ ظلم کے خوگر ہیں، (وہ کبھی خاموش نہ ہوں گے) سو اُن کا کچھ خوف نہ رکھو، ہاں میرا خوف رکھو ۔۔۔۔۔ اور تاکہ میں تم پر اپنا انعام مکمل کردوں، اور تاکہ تم ہدایت حاصل کرلو ﴿۱۵۰﴾ (یہ انعام ایسا ہی ہے) جیسے ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہارے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کرتا ہے، اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے، اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے،[100] اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے ﴿۱۵۱﴾ لہٰذا مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور میرا شکر ادا کرو، اور میری ناشکری نہ کرو ﴿۱۵۲﴾

(۹۹) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک بیت المقدس قبلہ تھا، یہودی یہ حجت کرتے تھے کہ دیکھو ہمارا دین برحق ہے، اسی لئے یہ لوگ ہمارے قبلے کو اختیار کرنے پر مجبور ہوئے ہیں، اور مشرکینِ مکہ یہ بحث کرتے تھے کہ مسلمان اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا متبع کہتے ہیں مگر انہوں نے ابراہیمی قبلے کو چھوڑ کر اُن سے سنگین انحراف کرلیا ہے۔ اب جبکہ قبلے کی تبدیلی میں جو مصلحت تھی وہ حاصل ہوگئی اور اس کے بعد مسلمان ہمیشہ کے لئے کعبے کو قبلہ قرار دے کر اس پر عمل پیرا ہوں گے تو ان دونوں کی حجتیں ختم ہوجائیں گی۔ البتہ وہ کٹ حجت لوگ جنہوں نے

اعتراض کرتے رہنے کی قسم ہی کھا رکھی ہے، ان کی زبانیں کوئی نہیں روک سکتا، لیکن مسلمانوں کو ان سے خوف کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں اللہ کے سوا کسی سے ڈرنا نہیں چاہئے۔

(۱۰۰) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبے کی تعمیر کے وقت دو دُعائیں کی تھیں: ایک یہ کہ ہماری نسل سے ایسی اُمت پیدا فرمایئے جو آپ کی مکمل فرماں بردار ہو۔ اور دوسری یہ کہ ان میں ایک رسول بھیجئے (دیکھئے پیچھے آیات ۱۲۸-۱۲۹) اللہ تعالیٰ نے پہلی دُعا اس طرح قبول فرمائی کہ اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام) کو ''معتدل اُمت'' قرار دے کر پیدا فرمایا (دیکھئے آیت ۱۴۳) اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعا قبول کرتے ہوئے تم پر یہ اِنعام فرمایا کہ تمہیں معتدل اُمت بنا کر آئندہ ہمیشہ کے لئے انسانیت کی رہنمائی تمہیں عطا کر دی جس کی ایک اہم علامت یہ بھی ہے کہ ہمیشہ کے لئے کعبے کو قبلہ بنا دیا گیا ہے، اسی طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری دُعا قبول کرتے ہوئے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے درمیان بھیج دیا ہے جو انہی خصوصیات اور فرائضِ منصبی کے حامل ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے مانگے تھے۔ ان میں سے پہلا فریضہ تلاوتِ آیات ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کی آیات کو تلاوت کرنا بذاتِ خود ایک مقصد اور ایک نیکی ہے، خواہ وہ تلاوت بغیر سمجھے کی جائے، کیونکہ قرآن کے معنی کی تعلیم آگے ایک مستقل فریضے کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ دوسرا مقصد قرآنِ کریم کی تعلیم ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے بغیر قرآنِ کریم کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا ممکن نہیں، اور یہ کہ صرف ترجمہ پڑھ لینے سے قرآنِ کریم کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ اہلِ عرب عربی زبان سے خوب واقف تھے، انہیں ترجمہ سکھانے کے لئے کسی اُستاد کی ضرورت نہیں تھی۔ تیسرے آپ کا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ ''حکمت'' کی تعلیم دیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حکمت، دانائی اور عقلمندی وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی۔ اس سے نہ صرف آپ کی احادیث کا حجت ہونا معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اگر آپ کا کوئی حکم کسی کو اپنی عقل کے لحاظ سے حکمت کے خلاف محسوس ہو تو اعتبار اُس کی عقل کا نہیں، بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھائی ہوئی حکمت کا ہے۔ چوتھا فریضہ یہ بتایا گیا ہے کہ آپ لوگوں کو پاکیزہ بنائیں۔ اس سے مراد آپ کی عملی تربیت ہے جس کے ذریعے آپ نے صحابۂ کرام کے اخلاق اور باطنی صفات کو گندے جذبات سے پاک کر کے انہیں اعلیٰ درجے کی خصوصیات سے آراستہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وسنت کا صرف کتابی علم بھی انسان کی اصلاح کے لئے کافی نہیں ہے جب تک اس نے اس علم کو اپنی زندگی میں نافذ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو۔[(۱۰۱)] بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۱۵۳﴾ اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوں ان کو مردہ نہ کہو۔ دراصل وہ زندہ ہیں، مگر تم کو (ان کی زندگی کا) احساس نہیں ہوتا ﴿۱۵۴﴾ اور دیکھو ہم تمہیں آزمائیں گے ضرور، (کبھی) خوف سے، اور (کبھی) بھوک سے، اور (کبھی) مال و جان اور پھلوں میں کمی کر کے۔ اور جو لوگ (ایسے حالات میں) صبر سے کام لیں اُن کو خوشخبری سنا دو ﴿۱۵۵﴾

کرنے کی عملی تربیت نہ لی ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اپنی صحبت سے سرفراز فرما کر ان کی تربیت فرمائی، پھر صحابہ نے تابعین کی، اور تابعین نے تبع تابعین کی اسی طرح تربیت کی اور یہ سلسلہ صدیوں سے اسی طرح چلا آتا ہے۔ باطنی اخلاق کی اسی تربیت کا علم ''علم احسان'' یا تزکیہ کہلاتا ہے اور تصوف بھی درحقیقت اسی علم کا نام تھا، اگرچہ بعض نااہلوں نے اس میں غلط خیالات کی ملاوٹ کر کے بعض مرتبہ اسے خراب بھی کر دیا، لیکن اس کی اصل یہی تزکیہ ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم نے یہاں فرمایا ہے، اور ہر دور میں تصوّف کی اصل حقیقت کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے والے ہمیشہ موجود رہے ہیں۔

(۱۰۱) اس سورت کی آیت نمبر ۴۰ سے بنی اسرائیل سے متعلق جو سلسلۂ کلام شروع ہوا تھا، وہ پورا ہو گیا، اور آخر میں مسلمانوں کو ہدایت کر دی گئی کہ وہ فضول بحثوں میں اُلجھنے کے بجائے اپنے دِین پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ چنانچہ اب مختلف اسلامی عقائد اور اَحکام کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ اس بیان کا آغاز صبر کی تاکید سے ہوا ہے، کیونکہ یہ دور وہ ہے جس میں مسلمانوں کو اپنے دِین پر عمل اور اس کی تبلیغ میں دُشمنوں کی طرف

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿١٥٧﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ''ہم سب اللہ ہی کے ہیں، اور ہم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''(۱۰۲) ﴿۱۵۶﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کی طرف سے خصوصی عنایتیں ہیں، اور رحمت ہے۔ اور یہی لوگ ہیں جو ہدایت پر ہیں ﴿۱۵۷﴾

سے طرح طرح کی رُکاوٹیں پیش آرہی تھیں، اسی زمانے میں جنگوں کا سلسلہ بھی جاری تھا، اور بہت سی سختیاں برداشت کرنی پڑرہی تھیں۔ جنگوں میں اپنے عزیز رشتہ دار اور دوست شہید بھی ہورہے تھے یا ہونے والے تھے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کو تلقین کی جارہی ہے کہ دِینِ حق کے راستے میں یہ آزمائشیں تو پیش آنی ہیں۔ ایک مؤمن کا کام یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر راضی رہ کر صبر کا مظاہرہ کرے۔ واضح رہے کہ صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کسی تکلیف یا صدمے پر روئے نہیں۔ صدمے کی بات پر رنج کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے اس لئے شریعت نے اس پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ جو رونا بے اختیار آجائے وہ بھی بے صبری میں داخل نہیں۔ البتہ صبر کا مطلب یہ ہے کہ صدمے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کوئی شکوہ نہ ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر انسان عقلی طور پر راضی رہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ڈاکٹر آپریشن کرے تو انسان کو تکلیف تو ہوتی ہے اور بعض اوقات اس تکلیف کی وجہ سے انسان بیساختہ چلا بھی اُٹھتا ہے، لیکن اسے ڈاکٹر سے شکایت نہیں ہوتی، کیونکہ اسے یقین ہے کہ وہ جو کچھ کررہا ہے اس کی ہمدردی میں اور اس کی مصلحت کی خاطر کررہا ہے۔

(۱۰۲) اس فقرے میں پہلے تو اس حقیقت کا اظہار ہے کہ چونکہ ہم سب اللہ کی ملکیت میں ہیں اس لئے اسے ہمارے بارے میں ہر فیصلہ کرنے کا اختیار ہے، اور چونکہ ہم اس کے ہیں، اور کوئی بھی اپنی چیز کا بُرا نہیں چاہتا، اس لئے ہمارے بارے میں اس کا ہر فیصلہ خود ہماری مصلحت میں ہوگا، چاہے فی الحال ہمیں وہ مصلحت سمجھ میں نہ آرہی ہو۔ دوسری طرف اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ایک دن ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے پاس اسی جگہ جانا ہے جہاں ہمارا کوئی عزیز یا دوست گیا ہے، لہٰذا یہ جدائی عارضی ہے ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، اور جب ہم اس کے پاس لوٹ کر جائیں گے تو ہمیں اس صدمے یا تکلیف پر ان شاء اللہ ثواب بھی ملنا ہے۔ جب یہ اعتقاد دِل میں ہو تو اسی کا نام صبر ہے، خواہ اس کے ساتھ ساتھ بے اختیار آنسو بھی نکل رہے ہوں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

بیشک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہٰذا جو شخص بھی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس کے لئے اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے۔(۱۰۳) اور جو شخص خوشی سے کوئی بھلائی کا کام کرے تو اللہ یقیناً قدر دان (اور) جاننے والا ہے ﴿۱۵۸﴾

بیشک وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی روشن دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں، باوجودیکہ ہم انہیں کتاب میں کھول کھول کر لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں،(۱۰۴) تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت بھیجتا ہے اور دوسرے لعنت کرنے والے بھی لعنت بھیجتے ہیں ﴿۱۵۹﴾ ہاں وہ لوگ جنہوں نے توبہ کر لی ہو اور اپنی اصلاح کر لی ہو اور (چھپائی ہوئی باتوں کو) کھول کھول کر بیان کر دیا ہو تو میں ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہوں۔ اور میں توبہ قبول کرنے کا خوگر ہوں، بڑا رحمت والا ﴿۱۶۰﴾

---

(۱۰۳) صفا اور مروہ مکہ مکرمہ میں دو پہاڑیاں ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہؓ کو اپنے دُودھ پیتے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ چھوڑ کر گئے تو حضرت ہاجرہؓ پانی کی تلاش میں ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں۔ حج اور عمرے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان سعی کرنا واجب قرار دیا ہے۔ اگرچہ سعی واجب ہے مگر یہاں ''کوئی گناہ نہیں'' کے الفاظ اس لئے استعمال فرمائے گئے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں یہاں دو بت رکھ دیئے گئے تھے جو اگرچہ بعد میں ہٹا لئے گئے، مگر بعض صحابہ کو یہ شک ہوا کہ شاید ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا جاہلیت کی نشانی ہونے کی وجہ سے گناہ ہو۔ آیت نے یہ شک دُور کر دیا۔

(۱۰۴) اشارہ ان یہودیوں اور عیسائیوں کی طرف ہے جو پچھلی آسمانی کتابوں میں مذکور ان بشارتوں کو چھپاتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازل ہوئی تھیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے ﴿۱۶۱﴾ وہ ہمیشہ اسی پھٹکار میں رہیں گے۔ نہ ان پر سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا، اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی ﴿۱۶۲﴾ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں جو سب پر مہربان، بہت مہربان ہے۔ ﴿۱۶۳﴾

بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں، رات دن کے لگا تار آنے جانے میں، اُن کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدے کا سامان لے کر سمندر میں تیرتی ہیں، اُس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اُتارا اور اس کے ذریعے زمین کو اُس کے مردہ ہو جانے کے بعد زندگی بخشی اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے، اور ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع دار بن کر کام میں لگے ہوئے ہیں، اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہی نشانیاں ہیں جو اپنی عقل سے کام لیتے ہیں۔(۱۰۵) ﴿۱۶۴﴾

(۱۰۵) اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں جگہ جگہ کائنات کے ان حقائق کی طرف توجہ دِلائی ہے جو ہماری آنکھوں کے سامنے پھیلے پڑے ہیں، اور اگر اُن پر معقولیت کے ساتھ غور کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾

اور (اس کے باوجود) لوگوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کی خدائی میں اس طرح شریک قرار دیتے ہیں کہ ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسے اللہ کی محبت (رکھنی چاہئے)۔ اور جو لوگ ایمان لاچکے ہیں وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھتے ہیں۔ اور کاش کہ یہ ظالم جب (دُنیا میں) کوئی تکلیف دیکھتے ہیں اُسی وقت یہ سمجھ لیا کریں کہ تمام تر طاقت اللہ ہی کو حاصل ہے، اور یہ کہ اللہ کا عذاب (آخرت میں) اُس وقت بڑا سخت ہوگا ﴿۱۶۵﴾

پر دلالت کرتے ہیں۔ چونکہ روزمرہ ان کو دیکھتے دیکھتے ہماری نگاہیں ان کی عادی ہوگئی ہیں، اس لئے ان میں کوئی حیرت کی بات ہمیں محسوس نہیں ہوتی، ورنہ ان میں سے ایک ایک چیز ایسے محیر العقول نظام کا حصہ ہے جس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سوا کائنات کی کسی طاقت کے بس میں نہیں ہے۔ آسمان اور زمین کی تمام مخلوقات جس طرح کام کررہی ہیں، چاند اور سورج جس طرح ایک لگے بندھے نظام الاوقات کے تحت دن رات سفر میں ہیں، سمندر جس طرح نہ صرف پانی کا ذخیرہ کئے ہوئے ہے بلکہ کشتیوں کے ذریعے خشکی کے مختلف حصوں کو جوڑے ہوئے ہے، اور ان کی ضرورت کا سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کررہا ہے، بادل اور ہوائیں جس انداز میں انسانوں کی زندگی کا سامان مہیا کررہے ہیں، ان سب چیزوں کے بارے میں بدترین حماقت کے بغیر یہ سمجھنا ممکن نہیں ہے کہ یہ سب کچھ خود بخود کسی خالق کے بغیر ہورہا ہے۔ مشرکینِ عرب بھی یہ مانتے تھے کہ یہ ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے، لیکن ساتھ ہی وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ ان تمام کاموں میں کئی دیوتا اُس کے مددگار ہیں۔ قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ جس ذات کی قدرت اتنی عظیم ہے کہ یہ سارا نظامِ کائنات اس نے بلاشرکتِ غیرے پیدا کردیا ہے، آخر اسے چھوٹے چھوٹے کاموں کے لئے کسی شریک یا مددگار کی کیا ضرورت ہے؟ لہٰذا جو شخص بھی اپنی عقل کو کام میں لائے گا، اسے کائنات کی ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی توحید کی دلیل نظر آئے گی۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

جب وہ (پیشوا) جن کے پیچھے یہ لوگ چلتے رہے ہیں، اپنے پیروکاروں سے مکمل بے تعلقی کا اعلان کریں گے، اور یہ سب لوگ عذاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیں گے، اور ان کے تمام باہمی رشتے کٹ کر رہ جائیں گے ﴿۱۶۶﴾ اور جنہوں نے ان (پیشواؤں) کی پیروی کی تھی وہ کہیں گے کہ کاش ہمیں ایک مرتبہ پھر (دُنیا میں) لوٹنے کا موقع دے دیا جائے، تو ہم بھی ان (پیشواؤں) سے اسی طرح بے تعلقی کا اعلان کریں جیسے انہوں نے ہم سے بے تعلقی کا اعلان کیا ہے۔ اس طرح اللہ انہیں دِکھا دے گا کہ ان کے اعمال (آج) اُن کے لئے حسرت ہی حسرت بن چکے ہیں، اور اِب وہ کسی صورت دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں ﴿۱۶۷﴾

اے لوگو! زمین میں جو حلال پاکیزہ چیزیں ہیں وہ کھاؤ،(۱۰۶) اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو کہ وہ تمہارے لئے ایک کھلا دُشمن ہے ﴿۱۶۸﴾ وہ تو تم کو یہی حکم دے گا کہ تم بدی اور بے حیائی کے کام کرو اور اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جن کا تمہیں علم نہیں ہے ﴿۱۶۹﴾

---

(۱۰۶) مشرکینِ عرب کی ایک گمراہی یہ تھی کہ انہوں نے کسی آسمانی تعلیم کے بغیر مختلف چیزوں کے بارے میں حلال وحرام کے فیصلے خود گھڑ رکھے تھے۔ مثلاً مردار جانور کو کھانا ان کے نزدیک جائز تھا، مگر بہت سے حلال جانوروں کو انہوں نے اپنے اُوپر حرام کر رکھا تھا، جس کی تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ انعام میں آئے گی۔ یہ آیات ان کی اسی گمراہی کی تردید میں نازل ہوئی ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْـًٔا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۷۳﴾

اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ اس کلام کی پیروی کرو جو اللہ نے اُتارا ہے، تو وہ کہتے ہیں کہ نہیں! ہم تو ان باتوں کی پیروی کریں گے جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے۔ بھلا کیا اس صورت میں بھی (ان کو یہی چاہئے) جب ان کے باپ دادے (دین کی) ذرا بھی سمجھ نہ رکھتے ہوں، اور انہوں نے کوئی (آسمانی) ہدایت بھی حاصل نہ کی ہو؟ ﴿۱۷۰﴾ اور جن لوگوں نے کفر کو اپنا لیا ہے ان (کو حق کی دعوت دینے) کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے کوئی شخص اُن (جانوروں) کو زور زور سے بلائے جو ہانک پکار کے سوا کچھ نہیں سنتے۔ یہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں، لہٰذا کچھ نہیں سمجھتے ﴿۱۷۱﴾

اے ایمان والو! جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں، ان میں سے (جو چاہو) کھاؤ، اور اللہ کا شکر ادا کرو، اگر واقعی تم صرف اسی کی بندگی کرتے ہو ﴿۱۷۲﴾ اُس نے تو تمہارے لئے بس مردار جانور، خون، اور سور حرام کیا ہے، نیز وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ (۱۰۷) ہاں اگر کوئی شخص انتہائی مجبوری کی حالت میں ہو (اور ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) جبکہ اس کا مقصد نہ لذت حاصل کرنا ہو اور نہ وہ (ضرورت کی) حد سے آگے بڑھے، تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ﴿۱۷۳﴾

---

(۱۰۷) اس آیت میں تمام حرام چیزوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں، بلکہ مقصد یہ جتلانا ہے کہ جن جانوروں کو تم نے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولٰٓئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷٦﴾ ع

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت وصول کر لیتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ کے سوا کچھ نہیں بھر رہے۔ قیامت کے دن اللہ ان سے کلام بھی نہیں کرے گا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ﴿۱۷۴﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی، اور مغفرت کے بدلے عذاب کی خریداری کر لی ہے۔ چنانچہ (اندازہ کرو کہ) یہ دوزخ کی آگ سہنے کے لئے کتنے تیار ہیں! ﴿۱۷۵﴾ یہ سب کچھ اِس لئے ہوگا کہ اللہ نے حق پر مشتمل کتاب اُتاری ہے، اور جن لوگوں نے ایسی کتاب کے بارے میں مخالفت کا رویہ اختیار کیا ہے وہ ضدا ضدی میں بہت دُور نکل گئے ہیں ﴿۱۷٦﴾

حرام سمجھ رکھا ہے وہ تو اللہ نے حرام نہیں کئے، تم خواہ مخواہ ان کی حرمت اللہ کے ذمے لگا رہے ہو، البتہ کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو تم حرام نہیں سمجھتے، مگر اللہ نے انہیں حرام قرار دیا ہے۔ حرام چیزیں وہ نہیں ہیں جو تم سمجھ رہے ہو، حرام تو وہ ہیں جنہیں تم نے حلال سمجھا ہوا ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

نیکی بس یہی تو نہیں ہے کہ اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کرلو،(۱۰۸) بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں پر ایمان لائیں، اور اللہ کی محبت میں اپنا مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور سائلوں کو دیں، اور غلاموں کو آزاد کرانے میں خرچ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جب کوئی عہد کرلیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے کے عادی ہوں، اور تنگی اور تکلیف میں، نیز جنگ کے وقت، صبر و استقلال کے خوگر ہوں۔ ایسے لوگ ہیں جو سچے (کہلانے کے مستحق) ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو متقی ہیں ﴿۱۷۷﴾

---

(۱۰۸) روئے سخن ان اہلِ کتاب کی طرف ہے جنہوں نے قبلے کے مسئلے پر بحث ومباحثہ اس انداز سے شروع کررکھا تھا جیسے دِین میں اس سے زیادہ اہم کوئی اور مسئلہ نہیں ہے۔ مسلمانوں سے کہا جارہا ہے کہ قبلے کے مسئلے کی جتنی وضاحت ضروری تھی وہ ہوچکی ہے۔ اب آپ کو دِین کے دوسرے اہم مسائل کی طرف توجہ دینی چاہئے، اور اہلِ کتاب سے بھی یہ کہنا چاہئے کہ قبلے کے مسئلے پر بحث سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ اپنا ایمان درست کرو، اور وہ صفات پیدا کرو جو اِیمان کو مطلوب ہیں۔ اس سلسلے میں آگے قرآنِ کریم نے نیکی کے مختلف شعبے بیان فرمائے ہیں، اور اسلامی قانون کے مختلف اَحکام کی وضاحت کی ہے جو ایک ایک کرکے آگے آرہے ہیں۔

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ؕ﴿۱۸۰﴾

اے ایمان والو! جو لوگ (جان بوجھ کر ناحق) قتل کر دیئے جائیں ان کے بارے میں تم پر قصاص (کا حکم) فرض کر دیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، اور عورت کے بدلے عورت (ہی کو قتل کیا جائے)[۱۰۹]۔ پھر اگر قاتل کو اس کے بھائی (یعنی مقتول کے وارث) کی طرف سے کچھ معافی دے دی جائے[۱۱۰] تو معروف طریقے کے مطابق (خوں بہا کا) مطالبہ کرنا (وارث کا) حق ہے، اور اسے خوش اُسلوبی سے ادا کرنا (قاتل کا) فرض ہے۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک آسانی پیدا کی گئی ہے اور ایک رحمت ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی زیادتی کرے تو وہ دردناک عذاب کا مستحق ہے[۱۱۱] ﴿۱۷۸﴾ اور اے عقل رکھنے والو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی (کا سامان ہے) اُمید ہے کہ تم (اس کی خلاف ورزی سے) بچو گے۔ ﴿۱۷۹﴾

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے پیچھے مال چھوڑ کر جانے والا ہو تو جب اس کی موت کا وقت قریب آجائے، وہ اپنے والدین اور قریبی رشتہ داروں کے حق میں دستور کے مطابق وصیت کرے۔[۱۱۲] یہ متقی لوگوں کے ذمے ایک لازمی حق ہے ﴿۱۸۰﴾

(۱۰۹) قصاص کا مطلب ہے برابر کا بدلہ لینا۔ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر کسی شخص کو جان بوجھ کر ناحق قتل

کر دیا جائے اور قاتل کا جرم ثابت ہو جائے تو مقتول کے وارث کو حق حاصل ہے کہ وہ قاتل سے قصاص کا مطالبہ کرے۔ جاہلیت کے زمانے میں اگرچہ قصاص تو لیا جاتا تھا، لیکن اس میں ناانصافی یہ تھی کہ انہوں نے مختلف انسانوں کے جو درجے اپنے خیال میں مقرّر کر رکھے تھے، ان کے لحاظ سے اگر نچلے درجے کے کسی شخص نے اُونچے درجے کے کسی آدمی کو قتل کر دیا تو ورثاء کا مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ قاتل کے بجائے اس کے قبیلے کے کسی دوسرے آدمی کو قتل کیا جائے جو رُتبے میں مقتول کے برابر ہو۔ چنانچہ اگر ایک غلام نے کسی آزاد آدمی کو قتل کر دیا ہو تو مطالبہ یہ ہوتا تھا کہ ہم قاتل غلام کے بجائے کسی آزاد آدمی کو قتل کریں گے، اسی طرح اگر قاتل عورت ہو اور مقتول مرد، تو کہا جاتا تھا کہ قاتل عورت کے بجائے قبیلے کا کوئی مرد قتل کیا جائے۔ اس کے برعکس اگر قاتل مقتول سے اُوپر کے درجے کا ہو، مثلاً قاتل مرد ہو اور مقتول عورت، تو قاتل کا قبیلہ کہتا تھا کہ ہماری کسی عورت کو قتل کر دو، قاتل مرد سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اِس آیت نے جاہلیت کی اس ظالمانہ رسم کو ختم فرما دیا اور اعلان کیا کہ جان ہر ایک کی برابر ہے، اور قصاص ہر صورت میں قاتل ہی سے لیا جائے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، غلام ہو یا آزاد۔

(۱۱۰) بنی اسرائیل کے قانون میں قصاص تو تھا، لیکن دِیت یا خوں بہا کا کوئی تصوّر نہیں تھا۔ اِس آیت نے مقتول کے ورثاء کو یہ حق دیا کہ اگر وہ چاہیں تو مقتول کا قصاص معاف کر کے خوں بہا کے طور پر کچھ رقم کا مطالبہ کریں۔ ایسی صورت میں ان کو چاہئے کہ رقم کی مقدار معقولیت کی حد میں رکھیں، اور قاتل کو چاہئے کہ خوش اُسلوبی سے اس کی ادائیگی کرے۔

(۱۱۱) مطلب یہ ہے کہ اگر خوں بہا لے کر وارثوں نے قصاص معاف کر دیا ہو تو اب ان کے لئے قاتل کی جان لینا جائز نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو یہ زیادتی ہوگی جس کی بنا پر وہ دُنیا اور آخرت دونوں میں سزا کے مستحق ہوں گے۔

(۱۱۲) یہ آیت اُس دور میں نازل ہوئی تھی جب مرنے والے کے ترکے میں وارثوں کے حصے متعین نہیں ہوئے تھے، چنانچہ سارا ترکہ مرنے والے کے لڑکوں کو مل جاتا تھا۔ اس آیت نے یہ فرض قرار دیا کہ ہر انسان مرنے سے پہلے اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کر کے جائے، اور یہ واضح کرے کہ ان میں سے کس کو کتنا حصہ دیا جائے گا۔ بعد میں سورۂ نساء کی آیات نمبر ۱۱ تا ۱۴ میں تمام وارثوں کی تفصیل اور اُن کے حصے خود اللہ تعالیٰ نے مقرّر فرما دیئے۔ اس کے بعد جس وصیت کا اِس آیت میں ذکر ہے وہ فرض تو نہیں رہی، البتہ اگر کسی شخص کے ذمے کوئی حق ہو تو اس کی وصیت کرنا اب بھی فرض ہے۔ نیز جو لوگ شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں، ان کے لئے اپنے ترکے کے ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنا اب بھی جائز ہے۔

فَمَنۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ

پھر جو شخص اِس وصیت کو سننے کے بعد اس میں کوئی تبدیلی کرے گا، تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس میں تبدیلی کریں گے۔[۱۱۳] یقین رکھو کہ اللہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے ﴿۱۸۱﴾ ہاں اگر کسی شخص کو یہ اندیشہ ہو کہ کوئی وصیت کرنے والا بے جا طرف داری یا گناہ کا اِرتکاب کر رہا ہے، اور وہ متعلقہ آدمیوں کے درمیان صلح کرادے تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔[۱۱۴] بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۸۲﴾

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کردیئے گئے ہیں، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو ﴿۱۸۳﴾ گنتی کے چند دِن روزے رکھنے ہیں۔ پھر بھی اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے۔

---

(۱۱۳) یعنی جن لوگوں نے مرنے والے کی زبان سے کوئی وصیت سنی ہو اُن کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اس میں کوئی کمی بیشی کریں۔ اس کے بجائے ان کے لئے وصیت پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۱۱۴) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی وصیت کرنے والا ناانصافی سے کام لے اور کوئی اسے سمجھا بجھا کر اپنی وصیت میں مرنے سے پہلے پہلے تبدیلی کرنے پر آمادہ کردے تو یہ جائز ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٨٥﴾

اور جو لوگ اس کی طاقت رکھتے ہوں وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر (روزے کا) فدیہ ادا کردیں۔(۱۱۵) اس کے علاوہ اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو یہ اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور اگر تم کو سمجھ ہو تو روزے رکھنے میں تمہارے لئے زیادہ بہتری ہے ﴿۱۸۴﴾ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے سراپا ہدایت، اور ایسی روشن نشانیوں کا حامل ہے جو صحیح راستہ دِکھاتی اور حق و باطل کے درمیان دوٹوک فیصلہ کردیتی ہیں، لہٰذا تم میں سے جو شخص بھی یہ مہینہ پائے، وہ اس میں ضرور روزہ رکھے۔ اور اگر کوئی شخص بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے۔ اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے، اور تمہارے لئے مشکل پیدا کرنا نہیں چاہتا، تاکہ (تم روزوں کی) گنتی پوری کرلو، اور اللہ نے تمہیں جو راہ دِکھائی اس پر اللہ کی تکبیر کہو،(۱۱۶) اور تاکہ تم شکر گذار بنو ﴿۱۸۵﴾

---

(۱۱۵) شروع میں جب روزے فرض کئے گئے تو یہ آسانی بھی دی گئی تھی کہ اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے بجائے فدیہ ادا کردے تو یہ بھی جائز ہے۔ بعد میں آیت نمبر ۱۸۵ نازل ہوئی جو آگے آرہی ہے، اس آیت نے اس سہولت کو واپس لے لیا، اور یہ حتمی حکم دے دیا گیا کہ جو شخص بھی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزے ضرور رکھے۔ تاہم فدیہ کی سہولت ان لوگوں کے لئے اب بھی باقی رکھی گئی ہے جو نہایت بوڑھے ہوں اور ان میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہ ہو، اور آئندہ ایسی طاقت پیدا ہونے کی اُمید بھی نہ ہو۔

(۱۱۶) اس آیت میں ایک لطیف اشارہ ان تکبیرات کی طرف بھی ہے جو رمضان کے فوراً بعد عید کی نماز میں کہی جاتی ہیں۔

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾ اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠

اور (اے پیغمبر!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (آپ ان سے کہہ دیجئے کہ) میں اتنا قریب ہوں کہ جب کوئی مجھے پکارتا ہے تو میں پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں۔(۱۱۷) لہٰذا وہ بھی میری بات دِل سے قبول کریں، اور مجھ پر اِیمان لائیں، تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔﴿۱۸۶﴾ تمہارے لئے حلال کردیا گیا ہے کہ روزوں کی رات میں تم اپنی بیویوں سے بے تکلف صحبت کرو۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں، اور تم اُن کے لئے لباس ہو۔ اللہ کو علم تھا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کررہے تھے، پھر اس نے تم پر عنایت کی اور تمہاری غلطی معاف فرمادی،(۱۱۸) چنانچہ اب تم ان سے صحبت کرلیا کرو، اور جو کچھ اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے اسے طلب کرو،(۱۱۹)

---

(۱۱۷) رمضان کے ذکر کے عین درمیان اس آیت کو لانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ پیچھے رمضان کی گنتی پوری کرنے کا جو ذکر آیا تھا، اس سے کسی کو خیال ہوسکتا تھا کہ رمضان گذرنے کے بعد شاید اللہ تعالیٰ سے وہ قرب باقی نہ رہے جو اس مبارک مہینے میں حاصل ہوا تھا۔ اس آیت نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے واضح فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ ہر آن اپنے بندوں سے قریب ہے اور ان کی پکار سنتا ہے۔

(۱۱۸) شروع شروع میں حکم یہ تھا کہ اگر کوئی شخص روزہ اِفطار کرنے کے بعد ذرا سا بھی سوجائے تو اس کے لئے رات کے وقت بھی نہ کھانا جائز ہوتا تھا، نہ جماع کرنا۔ بعض حضرات سے اس حکم کی خلاف ورزی سرزد ہوئی اور انہوں نے رات کے وقت اپنی بیویوں سے جماع کرلیا۔ یہ آیت اس خلاف ورزی کی طرف اشارہ کررہی ہے، اور ساتھ ہی جن حضرات سے یہ غلطی ہوئی تھی ان کی معافی کا اعلان کرکے آئندہ کے لئے یہ پابندی اُٹھا رہی ہے۔

(۱۱۹) اس کا مطلب اکثر مفسرین نے یہ بتایا ہے کہ بیوی سے جماع کرنے میں وہ اولاد حاصل کرنے کی نیت رکھنی چاہئے جو اللہ نے تقدیر میں لکھ دی ہے۔ اور بعض حضرات نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ جماع کے

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع يَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ

اوراس وقت تک کھاؤ پیو جب تک صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے ممتاز ہوکرتم پر واضح (نہ) ہوجائے۔اس کے بعدرات آنے تک روزے پورے کرو۔اوران (اپنی بیویوں) سے اس حالت میں مباشرت نہ کروجب تم مسجدوں میں اعتکاف میں بیٹھے ہو۔یہ اللہ کی (مقرّر کی ہوئی) حدود ہیں، لہٰذا اِن (کی خلاف ورزی) کے قریب بھی مت جانا۔اسی طرح اللہ اپنی نشانیاں لوگوں کے سامنے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں ﴿۱۸۷﴾
اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق طریقوں سے نہ کھاؤ، اور نہ ان کا مقدمہ حاکموں کے پاس اس غرض سے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا کوئی حصہ جانتے بوجھتے ہڑپ کرنے کا گناہ کرو ﴿۱۸۸﴾
لوگ آپ سے نئے مہینوں کے چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ انہیں بتادیجئے کہ یہ لوگوں کے (مختلف معاملات کے) اور حج کے اوقات متعین کرنے کے لئے ہیں۔

دوران وہی لذت طلب کرنی چاہئے جو اللہ نے جائز قرار دی ہے، ناجائز طریقوں مثلاً غیر فطری طریقوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

اور یہ کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں اُن کی پشت کی طرف سے داخل ہو،(۱۲۰) بلکہ نیکی یہ ہے کہ انسان تقویٰ اختیار کرے، اور تم گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔ ﴿۱۸۹﴾ اور اُن لوگوں سے اللہ کے راستے میں جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی نہ کرو۔ یقین جانو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(۱۲۱) ﴿۱۹۰﴾

---

(۱۲۰) بعض اہلِ عرب کا یہ معمول تھا کہ اگر حج کا اِحرام باندھنے کے بعد انہیں کسی ضرورت سے گھر واپس جانا پڑتا تو وہ گھر کے عام دروازے سے داخل ہونے کو ناجائز سمجھتے تھے، اور ایسی صورت میں گھر کے پچھلے حصے سے داخل ہوتے تھے، خواہ اس کے لئے انہیں گھر میں نقب ہی کیوں نہ لگانی پڑے۔ یہ آیت اس فضول رسم کو بے بنیاد قرار دے رہی ہے۔

(۱۲۱) یہ آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب مکہ کے مشرکین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو صلحِ حدیبیہ کے موقع پر عمرہ ادا کرنے سے روک دیا تھا، اور یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ اگلے سال آکر عمرہ کریں گے۔ جب اگلے سال عمرے کا ارادہ کیا گیا تو کچھ صحابہ کو یہ خطرہ ہوا کہ کہیں مشرکینِ مکہ عہد شکنی کرکے ہم سے لڑائی شروع نہ کردیں۔ اگر ایسا ہوا تو مسلمانوں کو یہ مشکل پیش آئے گی کہ حدودِ حرم میں، اور خاص طور پر ذیقعدہ کے مہینے میں لڑائی کیسے کریں جبکہ اس مہینے میں جنگ ناجائز ہے۔ ان آیات نے وضاحت فرمائی کہ اپنی طرف سے تو جنگ نہ کی جائے، البتہ اگر کفار معاہدہ توڑ کر خود جنگ شروع کردیں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے جنگ جائز ہے، اور اگر وہ حدودِ حرم اور محترم مہینے کی حرمت کا لحاظ کئے بغیر حملہ آور ہو جائیں تو مسلمانوں کے لئے بھی ان کی زیادتی کا بدلہ دینا درست ہے۔

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور تم ان لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کرو، اور انہیں اس جگہ سے نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین بُرائی ہے۔[۱۲۲] اور تم ان سے مسجدِ حرام کے پاس اُس وقت تک لڑائی نہ کرو جب تک وہ خود اس میں تم سے لڑائی شروع نہ کریں۔ ہاں اگر وہ تم سے اس میں لڑائی شروع کردیں تو تم ان کو قتل کرسکتے ہو۔ ایسے کافروں کی سزا یہی ہے ﴿۱۹۱﴾ پھر اگر وہ باز آجائیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۹۲﴾ اور تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین اللہ کا ہوجائے۔[۱۲۳] پھر اگر وہ باز آجائیں تو (سمجھ لو کہ) تشدّد سوائے ظالموں کے کسی پر نہیں ہونا چاہئے ﴿۱۹۳﴾

---

(۱۲۲) لفظ ''فتنہ'' قرآنِ کریم میں مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے ایک معنیٰ ظلم اور تشدّد کے بھی ہیں، اور شاید یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں۔ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کو اپنے دِین پر عمل سے روکنے کے لئے بدترین تشدّد روا رکھا ہوا تھا۔ لہٰذا بظاہر یہاں مقصد یہ ہے کہ اگرچہ کسی کو قتل کرنا اپنی ذات میں کوئی اچھی بات نہیں ہے، لیکن فتنہ اس کے مقابلے میں زیادہ سخت بُرائی ہے، اور جہاں فتنے کا سدِّباب قتل کے بغیر ممکن نہ ہو وہاں قتل کے سوا چارہ نہیں ہے۔

(۱۲۳) یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ شرعاً جہاد کا اصل مقصد کسی کو اِسلام پر مجبور کرنا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ عام حالات میں کوئی شخص کفر پر اِصرار کرے تب بھی جزیہ کے ذریعے اسلامی حکومت کے قوانین کی اطاعت کرکے

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۚۛ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

ملع

حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے، اور حرمتوں پر بھی بدلے کے اَحکام جاری ہوتے ہیں۔[۱۲۴] چنانچہ اگر کوئی شخص تم پر کوئی زیادتی کرے تو تم بھی ویسی ہی زیادتی اس پر کرو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اچھی طرح سمجھ لو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو اس کا خوف دِل میں رکھتے ہیں ﴿۱۹۴﴾ اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرو، اور اپنے آپ کو خود اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو،[۱۲۵] اور نیکی اختیار کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ﴿۱۹۵﴾

اپنے مذہب پر قائم رہ سکتا ہے۔ لیکن جزیرۂ عرب کا حکم مختلف ہے۔ یہ وہ ملک ہے جہاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست بھیجا گیا، اور جہاں کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اپنی آنکھوں سے دیکھے اور آپ کی تعلیمات براہِ راست سنیں۔ ایسے لوگ اگر اِیمان نہ لائیں تو پچھلے انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں انہیں عذابِ عام کے ذریعے ہلاک کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عذابِ عام تو موقوف فرمادیا گیا، لیکن یہ حکم دیا گیا کہ جزیرۂ عرب میں کوئی کافر مستقل شہری کی حیثیت میں نہیں رہ سکتا۔ یہاں اس کے لئے تین ہی راستے ہیں، یا اسلام لائے، یا جزیرۂ عرب سے باہر چلا جائے، یا جنگ میں قتل ہو جائے۔

(۱۲۴) یعنی اگر کوئی شخص مہینے کی حرمت پامال کر کے تم سے لڑائی کرے تو تم بھی اس سے بدلہ لے سکتے ہو۔

(۱۲۵) اشارہ یہ ہے کہ اگر تم نے جہاد میں خرچ کرنے سے بخل سے کام لیا اور اس کی وجہ سے جہاد کے مقاصد حاصل نہ ہو سکے تو یہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے کے مرادف ہوگا، کیونکہ اس کے نتیجے میں دُشمن مضبوط ہو کر تمہاری ہلاکت کا سبب بنے گا۔

وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ ۚ

اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا پورا اَدا کرو، ہاں اگر تمہیں روک دیا جائے تو جو قربانی میسر ہو، (اللہ کے حضور پیش کردو)۔ (۱۲۶) اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ ہاں اگر تم میں سے کوئی شخص بیمار ہو، یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو روزوں یا صدقے یا قربانی کا فدیہ دے۔ (۱۲۷)

---

(۱۲۶) مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرے کا اِحرام باندھ لے تو جب تک حج یا عمرے کے اعمال پورے نہ ہوجائیں، اِحرام کھولنا جائز نہیں۔ البتہ کسی کو ایسی مجبوری پیش آسکتی ہے کہ اِحرام باندھنے کے بعد مکہ مکرّمہ تک پہنچنا ممکن ہی نہ رہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صورت پیش آئی کہ آپ اور آپ کے صحابہ عمرے کا اِحرام باندھ کر روانہ ہوئے، لیکن جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکینِ مکہ نے آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اسی موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں، اور ان میں ایسی صورتِ حال کا یہ حل بتایا گیا کہ ایسی صورت میں قربانی کرکے اِحرام کھولا جاسکتا ہے۔ اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک میں یہ قربانی حدودِ حرم میں ہونی چاہئے، جیسا کہ اگلے جملے میں فرمایا گیا ہے: ’’اور اپنے سر اس وقت تک نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی جگہ نہ پہنچ جائے‘‘۔ نیز اس کے بعد جس حج یا عمرے کا اِحرام باندھا تھا اس کی قضا بھی ضروری ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمرے کی قضا اگلے سال فرمائی۔

(۱۲۷) اِحرام کی حالت میں سر منڈانا جائز نہیں ہوتا، لیکن اگر کسی شخص کو بیماری یا کسی تکلیف کی وجہ سے سر منڈانا پڑجائے تو اس کو یہ فدیہ دینا ہوگا جو یہاں مذکور ہے۔ احادیث کی روشنی میں اس کی تفصیل یہ ہے کہ یا تین روزے رکھے جائیں یا چھ مسکینوں کو صدقۃ الفطر کے برابر صدقہ کیا جائے یا ایک بکری قربان کی جائے۔

فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ ۟ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ‌ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الۡحَجِّ وَسَبۡعَةٍ اِذَا رَجَعۡتُمۡ‌ؕ تِلۡكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ‌ؕ ذٰلِكَ لِمَنۡ لَّمۡ يَكُنۡ اَهۡلُهٗ حَاضِرِى الۡمَسۡجِدِ الۡحَـرَامِ‌ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع ۲۴ ۸

پھر جب تم امن حاصل کرلو تو جو شخص حج کے ساتھ عمرے کا فائدہ بھی اُٹھائے، وہ جو قربانی میسر ہو (اللہ کے حضور پیش کرے)۔ ہاں اگر کسی کے پاس اس کی طاقت نہ ہو تو وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے، اور سات (روزے) اُس وقت جب تم (گھروں کو) لوٹ جاؤ۔ اس طرح یہ کُل دس روزے ہوں گے۔[۱۲۸] یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر والے مسجدِ حرام کے پاس نہ رہتے ہوں۔[۱۲۹] اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۹۶﴾

---

(۱۲۸) اُوپر اس صورت میں قربانی کا حکم بیان ہوا تھا جب کسی شخص کو دُشمن نے روک دیا ہو، اب یہ بتایا جارہا ہے کہ قربانی امن کے عام حالات میں بھی واجب ہوسکتی ہے جب کوئی شخص حج کے ساتھ عمرہ بھی جمع کرے، یعنی قران یا تمتع کا اِحرام باندھے۔ (اگر صرف حج کا اِحرام باندھا ہو، جسے اِفراد کہتے ہیں، تو قربانی واجب نہیں ہے) البتہ اگر کوئی شخص قران یا تمتع کے باوجود قربانی کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو وہ قربانی کے بدلے دس روزے رکھ سکتا ہے جن میں سے تین روزے عرفہ کے دن (یعنی ۹ ذوالحجہ) تک پورے ہوجانے چاہئیں، اور سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھنے ہوں گے۔

(۱۲۹) یعنی تمتع یا قران کے ذریعے حج اور عمرہ دونوں کو جمع کرنا صرف ان لوگوں کے لئے جائز ہے جو باہر سے حج کے لئے آئیں، جو لوگ حدودِ حرم، یا حنفی مسلک کے مطابق حدودِ میقات میں رہتے ہوں، وہ صرف اِفراد کرسکتے ہیں، تمتع یا قران نہیں کرسکتے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حج کے چند متعین مہینے ہیں۔ چنانچہ جو شخص ان مہینوں میں (اِحرام باندھ کر) اپنے اُوپر حج لازم کرلے تو حج کے دوران نہ وہ کوئی فحش بات کرے، نہ کوئی گناہ، نہ کوئی جھگڑا۔ اور تم جو کوئی نیک کام کروگے، اللہ اسے جان لے گا۔ اور (حج کے سفر میں) زادِ راہ ساتھ لے جایا کرو، کیونکہ بہترین زادِراہ تقویٰ ہے۔[۱۳۰] اور اے عقل والو! میری نافرمانی سے ڈرتے رہو ﴿۱۹۷﴾ تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم (حج کے دوران تجارت یا مزدوری کے ذریعے) اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔[۱۳۱] پھر جب تم عرفات سے روانہ ہو تو مشعرِ حرام کے پاس (جو مزدلفہ میں واقع ہے) اللہ کا ذکر کرو،

(۱۳۰) بعض لوگ حج کو روانہ ہوتے وقت اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان ساتھ نہیں رکھتے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہوئے حج کریں گے، لیکن جب راستے میں کھانے کی ضرورت پڑتی تو بسا اوقات وہ لوگوں سے مانگنے پر مجبور ہوجاتے تھے۔ اس آیتِ کریمہ نے یہ بتلایا کہ توکل کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، بلکہ اسباب کو اِختیار کرنا شریعت کا تقاضا ہے، اور بہترین زادِراہ تقویٰ ہے، یعنی وہ زادِ راہ جس کے ذریعے انسان دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رہے۔

(۱۳۱) بعض حضرات حج کے سفر میں کوئی تجارت کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ یہ آیت ان کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، اور اس نے بتادیا کہ سفرِ حج میں روزی کمانے کا کوئی مشغلہ اختیار کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے حج کے ضروری کام متأثر نہ ہوں۔

وَاذۡكُرُوۡهُ كَمَا هَدٰٮكُمۡ‌ۚ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيۡنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيۡضُوۡا مِنۡ حَيۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۹۹﴾ فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا‌ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

اور اس کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے،(۱۳۲) جبکہ اس سے پہلے تم بالکل ناواقف تھے ﴿۱۹۸﴾ اس کے علاوہ (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) تم اسی جگہ سے روانہ ہو جہاں سے عام لوگ روانہ ہوتے ہیں۔(۱۳۳) اور اللہ سے مغفرت مانگو۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۹۹﴾ پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا اس طرح ذکر کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرو۔(۱۳۴) اب بعض لوگ تو وہ ہیں جو (دُعا میں بس) یہ کہتے ہیں کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھلائی عطا فرما'' اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا ﴿۲۰۰﴾

---

(۱۳۲) حج کے دوران عرفات سے آکر مزدلفہ میں رات گذاری جاتی ہے، اور اگلی صبح طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے وقوف کیا جاتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور دُعائیں مانگی جاتی ہیں۔ جاہلیت میں بھی اہلِ عرب اللہ کا ذکر تو کرتے تھے، مگر اس کے ساتھ اپنے دیوتاؤں کا ذکر بھی شامل کر لیتے تھے۔ بتایا یہ جارہا ہے کہ مؤمن کا ذکر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہی ہونا چاہئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے۔

(۱۳۳) جاہلیت میں اہلِ عرب نے یہ طریقہ مقرّر کر رکھا تھا کہ اور تمام انسان تو ۹ ذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں وقوف کرتے تھے، مگر قریش اور بعض دوسرے قبائل جو حرم کے قریب رہتے تھے اور ''حمس'' کہلاتے تھے، عرفات جانے کے بجائے مزدلفہ میں رہتے تھے، اور وہیں وقوف کرتے تھے، ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم حرم کے مجاور ہیں اور عرفات چونکہ حدودِ حرم سے باہر ہے اس لئے ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ عام لوگوں کو نویں تاریخ کا دن عرفات میں گذارنے کے بعد رات کو مزدلفہ کے لئے روانہ ہونا پڑتا تھا، مگر قریش وغیرہ شروع ہی سے مزدلفہ میں ہوتے تھے، اور ان کو عرفات سے آنا نہیں پڑتا تھا۔ اس آیت نے یہ رسم ختم کر دی، اور قریش کے لوگوں کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ عرفات میں وقوف کریں، اور انہی کے ساتھ روانہ ہو کر مزدلفہ آئیں۔

(۱۳۴) جاہلیت میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ حج کے بنیادی ارکان سے فارغ ہو کر جب منیٰ میں جمع ہوتے تو

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور انہی میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں دُنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے'' ﴿۲۰۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اپنے اعمال کی کمائی کا حصہ (ثواب کی صورت میں) ملے گا، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۲۰۲﴾ اور اللہ کو گنتی کے (ان چند) دنوں میں (جب تم منیٰ میں مقیم ہو) یاد کرتے رہو۔ پھر جو شخص دو ہی دن میں جلدی چلا جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اور جو شخص (ایک دن) بعد میں جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔[۱۳۵] یہ (تفصیل) اس کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور تم سب تقویٰ اختیار کرو، اور یقین رکھو کہ تم سب کو اسی کی طرف لے جاکر جمع کیا جائے گا ﴿۲۰۳﴾

بعض لوگ ایک پورا دن اپنے آباء واجداد کی تعریفیں کرنے اور ان کے کارنامے بیان کرنے میں گذارا کرتے تھے۔ یہ اشارہ اس رسم کی طرف ہے۔ اور بعض لوگ دُعائیں تو مانگتے، مگر چونکہ وہ آخرت کے قائل نہیں تھے اس لئے ان کی دُعا صرف دُنیا کی بہتری تک محدود ہوتی تھی۔ اگلے جملے میں بتایا گیا ہے کہ ایک مؤمن کو دُنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہئے۔

(۱۳۵) منیٰ میں تین دن گذارنا سنت ہے، اور اس دوران جمرات پر کنکریاں مارنا واجب ہے۔ البتہ ۱۲ تاریخ کے بعد منیٰ سے چلا جانا جائز ہے، ۱۳ تاریخ تک رُکنا ضروری نہیں۔ اور اگر کوئی رُکنا چاہے تو ۱۳ تاریخ کو بھی رَمی کرکے واپس جاسکتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اورلوگوں میں ایک وہ شخص بھی ہے کہ دُنیوی زندگی کے بارے میں اس کی باتیں تمہیں بڑی اچھی لگتی ہیں، اور جو کچھ اس کے دِل میں ہے اُس پر وہ اللہ کو گواہ بھی بناتا ہے، حالانکہ وہ (تمہارے) دُشمنوں میں سب سے زیادہ کٹر ہے ﴿۲۰۴﴾ اور جب اُٹھ کر جاتا ہے تو زمین میں اس کی دوڑ دُھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ وہ اس میں فساد مچائے، اور فصلیں اور نسلیں تباہ کرے، حالانکہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا[۱۳۶] ﴿۲۰۵﴾ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا خوف کر، تو نخوت اس کو گناہ پر اور آمادہ کردیتی ہے۔ چنانچہ ایسے شخص کو تو جہنم ہی راس آئے گی، اور یقین کرو وہ بہت بُرا بچھونا ہے ﴿۲۰۶﴾ اور (دوسری طرف) لوگوں میں وہ شخص بھی ہے جو اللہ کی خوشنودی کی خاطر اپنی جان کا سودا کرلیتا ہے،[۱۳۷] اور اللہ (ایسے) بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ ﴿۲۰۷﴾

---

(۱۳۶) بعض روایات میں ہے کہ اخنس بن شریق نامی ایک شخص مدینہ منوّرہ آیا تھا، اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر بڑی چکنی چپڑی باتیں کیں اور اللہ کو گواہ بناکر اپنے ایمان لانے کا اظہار کیا، لیکن جب واپس گیا تو راستے میں مسلمانوں کی کھیتیاں جلادیں اور ان کے مویشیوں کو ذبح کرڈالا۔ یہ آیات اس پس منظر میں نازل ہوئی تھیں، البتہ یہ ہر قسم کے منافقوں پر پوری اُترتی ہیں۔

(۱۳۷) یہ اُن صحابۂ کرام کا ذکر ہے جنہوں نے اپنی جانیں اسلام کے مقاصد کے لئے کھپا رکھی تھیں۔ ایسے کئی صحابہ کے واقعات مفسرین نے ذکر کئے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

ع ۲۵ / ۱۴ / ۹

اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہوجاؤ، اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو وہ تمہارا کھلا دُشمن ہے ﴿۲۰۸﴾ پھر جو روشن دلائل تمہارے پاس آچکے ہیں، اگر تم اُن کے بعد بھی (راہِ راست سے) پھسل گئے تو یاد رکھو کہ اللہ اقتدار میں بھی کامل ہے، حکمت میں بھی کامل۔(۱۳۸) ﴿۲۰۹﴾ یہ (کفار ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ اللہ خود بادل کے سائبانوں میں ان کے سامنے آموجود ہو، اور فرشتے بھی (اس کے ساتھ ہوں) اور سارا معاملہ ابھی چکا دیا جائے؟(۱۳۹) حالانکہ آخرِ کار سارے معاملات اللہ ہی کی طرف تو لوٹ کر رہیں گے ﴿۲۱۰﴾ بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے ان کو کتنی ساری کھلی نشانیاں دی تھیں! اور جس شخص کے پاس اللہ کی نعمت آچکی ہو، پھر وہ اس کو بدل ڈالے، تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۲۱۱﴾

---

(۱۳۸) ان دو صفتوں کو ساتھ ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ چونکہ اس کا اقتدار کامل ہے اس لئے وہ کسی وقت بھی تمہاری بدعملی کی سزا دے سکتا ہے، لیکن چونکہ اس کی حکمت بھی کامل ہے، اس لئے وہی اپنی حکمت سے یہ طے کرتا ہے کہ کس کو کب اور کتنی سزا دینی ہے۔ لہٰذا اگر ایسے کافر فوری طور سے عذاب میں پکڑے نہیں جارہے تو اس سے یہ سمجھ بیٹھنا حماقت ہے کہ وہ سزا سے ہمیشہ کے لئے بچ گئے۔

(۱۳۹) مختلف کفار، اور خاص طور پر یہودِ مدینہ، اس قسم کے مطالبات کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ براہِ راست ہمیں نظر آکر ہمیں ایمان لانے کا حکم کیوں نہیں دیتا؟ یہ آیت اس قسم کے مطالبات کا جواب دے رہی ہے، اور وہ یہ کہ یہ

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کے لئے دُنیوی زندگی بڑی دِلکش بنادی گئی ہے، اور وہ اہلِ ایمان کا مذاق اُڑاتے ہیں، حالانکہ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے وہ قیامت کے دن ان سے کہیں بلند ہوں گے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ (۱۴۰) ﴿۲۱۲﴾ (شروع میں) سارے انسان ایک ہی دِین کے پیرو تھے۔ پھر (جب ان میں اختلاف ہوا تو) اللہ نے نبی بھیجے جو (حق والوں کو) خوشخبری سناتے، اور (باطل والوں کو) ڈراتے تھے، اور ان کے ساتھ حق پر مشتمل کتاب نازل کی، تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے جن میں ان کا اختلاف تھا۔

دُنیا اس آزمائش کے لئے بنائی گئی ہے کہ انسان اپنی عقل استعمال کرے اور کائنات میں پھیلے ہوئے واضح دلائل کی روشنی میں اللہ کی توحید اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اسی لئے اس آزمائش میں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ براہِ راست نظر آجائیں تو آزمائش کیا ہوئی؟ اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب غیب کی چیزیں انسان کو آنکھوں سے نظر آجائیں تو پھر ایمان معتبر نہیں ہوتا اور ایسا اُسی وقت ہوگا جب یہ کائنات ختم کر کے سزا اور جزا کا مرحلہ آجائے گا۔ معاملہ چکانے سے یہاں یہی مراد ہے۔

(۱۴۰) یہ فقرہ دراصل کفار کے اس باطل دعوے کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ ہمیں خوب رزق دے رہا ہے اس لئے یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ ہمارے عقائد اور اعمال سے ناراض نہیں ہے۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ دُنیا میں رزق کی فراوانی کسی کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں۔ دُنیوی رزق کے لئے اللہ کے نزدیک الگ معیار مقرّر ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دے دیتا ہے، خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔

وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾

اور (افسوس کی بات یہ ہے کہ) کسی اور نے نہیں بلکہ خود انہوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی تھی، روشن دلائل آجانے کے بعد بھی، صرف باہمی ضد کی وجہ سے اسی (کتاب) میں اختلاف نکال لیا۔ پھر جو لوگ ایمان لائے اللہ نے انہیں اپنے حکم سے حق کی ان باتوں میں راہِ راست تک پہنچایا جن میں انہوں نے اختلاف کیا تھا، اور اللہ جسے چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے ﴿۲۱۳﴾ (مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں (یونہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی تمہیں اس جیسے حالات پیش نہیں آئے جیسے اُن لوگوں کو پیش آئے تھے جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ ان پر سختیاں اور تکلیفیں آئیں، اور انہیں ہلا ڈالا گیا، یہاں تک کہ رسول اور ان کے ایمان والے ساتھی بول اُٹھے کہ ''اللہ کی مدد کب آئے گی؟''، یاد رکھو! اللہ کی مدد نزدیک ہے۔ ﴿۲۱۴﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لئے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ جو مال بھی تم خرچ کرو وہ والدین، قریبی رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہونا چاہئے۔ اور تم بھلائی کا جو کام بھی کرو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۲۱۵﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢١٦﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۚ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾

تم پر (دُشمنوں سے) جنگ کرنا فرض کیا گیا ہے، اور وہ تم پر گراں ہے۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو بُرا سمجھو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو، حالانکہ وہ تمہارے حق میں بُری ہو۔ اور (اصل حقیقت تو) اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ﴿۲۱۶﴾ لوگ آپ سے حرمت والے مہینے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے؟[۱۴۱] آپ کہہ دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، مگر لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنا، اس کے خلاف کفر کی رَوِش اختیار کرنا، مسجدِ حرام پر بندش لگانا اور اس کے باسیوں کو وہاں سے نکال باہر کرنا اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سنگین چیز ہے۔ اور یہ (کافر) تم لوگوں سے برابر جنگ کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ اگر ان کا بس چلے تو یہ تم کو تمہارا دِین چھوڑنے پر آمادہ کردیں۔ اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنا دِین چھوڑ دے، اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، تو ایسے لوگوں کے اعمال دُنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہوجائیں گے۔ ایسے لوگ دوزخ والے ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے ﴿۲۱۷﴾

(۱۴۱) سورۂ توبہ (۳۶:۹) میں چار مہینوں کو "اَشہرِ حرم" کہا گیا ہے، یعنی حرمت والے مہینے۔ آنحضرت صلی اللہ

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۱۸﴾ یَسۡئَلُوۡنَكَ عَنِ الۡخَمۡرِ وَالۡمَیۡسِرِ ؕ قُلۡ فِیۡهِمَاۤ اِثۡمٌ كَبِیۡرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثۡمُهُمَاۤ اَكۡبَرُ مِنۡ نَّفۡعِهِمَا ؕ

(اس کے برخلاف) جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، تو وہ بیشک اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۱۸﴾ لوگ آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ بھی ہے، اور لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں، اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ (۱۴۲)

علیہ وسلم نے ان کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ چار مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں۔ ان مہینوں میں جنگ منع ہے، البتہ اگر کوئی دُشمن حملہ کردے تو اپنا دِفاع کیا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ ایک سفر کے دوران چند صحابہ کی کچھ مشرکین سے جھڑپ ہوگئی، اور مشرکین میں سے ایک آدمی عمرو بن اُمیہ ضمری مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ یہ واقعہ جمادی الثانیہ کی ۲۹ تاریخ کی شام کو واقع ہوا، لیکن اس شخص کے قتل ہوتے ہی رجب کا چاند نظر آگیا۔ اس پر مشرکین نے مسلمانوں کے خلاف ایک طوفان مچادیا کہ یہ لوگ حرمت والے مہینوں کا بھی پاس نہیں کررہے ہیں۔ یہ آیت اس پروپیگنڈے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو عمرو بن اُمیہ کا قتل غلط فہمی میں ہوا، جان بوجھ کر حرمت والے مہینے میں قتل نہیں کیا گیا، لیکن جو لوگ اس واقعے پر طوفان کھڑا کئے ہوئے ہیں، انہوں نے اس سے کہیں بڑے گناہوں کا ارتکاب کیا ہوا ہے۔ وہ لوگوں کو نہ صرف مسجدِ حرام سے روکتے ہیں، بلکہ جو لوگ حقیقۃً مسجدِ حرام میں عبادت کے اہل ہیں ان کے لئے زندگی اجیرن بنا کر انہیں یہاں سے نکلنے پر مجبور کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کی رَوِش اختیار کئے ہوئے ہیں۔

(۱۴۲) چونکہ اہلِ عرب صدیوں سے شراب کے عادی تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کے اعلان میں تدریج سے کام لیا۔ پہلے سورۂ نحل (۱۶:۶۷) میں ایک لطیف اشارہ دیا کہ نشہ لانے والی شراب اچھی چیز نہیں ہے۔ پھر سورۂ بقرہ کی اس آیت میں قدرے وضاحت سے فرمایا کہ شراب پینے کے نتیجے میں انسان سے بہت سی ایسی حرکتیں سرزد ہوجاتی ہیں جو گناہ ہیں، اور اگرچہ اس میں کچھ فائدے بھی ہیں، مگر گناہ کے امکانات

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

اورلوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ (اللہ کی خوشنودی کے لئے) کیا خرچ کریں؟ آپ کہہ دیجئے کہ ''جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو۔''(۱۴۳) اللہ اسی طرح اپنے اَحکام تمہارے لئے صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ تم غور وفکر سے کام لو ﴿۲۱۹﴾ دُنیا کے بارے میں بھی اور آخرت کے بارے میں بھی۔ اورلوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ ان کی بھلائی چاہنا نیک کام ہے، اور اگر تم ان کے ساتھ مل جل کر رہو تو (کچھ حرج نہیں کیونکہ) وہ تمہارے بھائی ہی تو ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ کون معاملات بگاڑنے والا ہے اور کون سنوارنے والا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈال دیتا۔(۱۴۴) یقیناً اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۲۲۰﴾

زیادہ ہیں۔ پھر سورۂ نساء (۴۳:۴) میں یہ حکم آیا کہ نشے کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ بالآخر سورۂ مائدہ (۵:۹۰-۹۱) میں شراب کو ناپاک اور شیطانی عمل قرار دے کر اس سے مکمل پرہیز کرنے کا صاف صاف حکم دے دیا گیا۔

(۱۴۳) بعض صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے صدقے کا ثواب سن کر اپنی ساری پونجی صدقہ کر دی یہاں تک کہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ نہ چھوڑا، اور گھر والے بھوکے رہ گئے۔ اس آیت نے بتلایا کہ صدقہ وہی درست ہے جو اپنی اور اپنے گھر والوں کی ضرورتِ پوری کرنے کے بعد کیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں اس پر زور دیا ہے کہ صدقہ اتنا ہونا چاہئے کہ گھر والے محتاج نہ ہوجائیں۔

(۱۴۴) جب قرآنِ کریم نے یتیموں کا مال کھانے پر سخت وعید سنائی (دیکھئے سورۂ نساء ۴: ۲و۱۰) تو بعض صحابہ جن کی سرپرستی میں کچھ یتیم تھے، اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا الگ پکواتے، اور انہیں الگ ہی کھلاتے،

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ

ع ۲۷ ۵ ۱۱

اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ یقیناً ایک مؤمن باندی کسی بھی مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک عورت تمہیں پسند آرہی ہو۔ اور اپنی عورتوں کا نکاح مشرک مردوں سے نہ کراؤ جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ اور یقیناً ایک مؤمن غلام کسی بھی مشرک مرد سے بہتر ہے، خواہ وہ مشرک مرد تمہیں پسند آرہا ہو۔ یہ سب دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، جبکہ اللہ اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے، اور اپنے احکام لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ﴿۲۲۱﴾

اور لوگ آپ سے حیض کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے، لہٰذا حیض کی حالت میں عورتوں سے الگ رہو، اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں، ان سے قربت (یعنی جماع) نہ کرو۔

یہاں تک کہ اگر ان کا کچھ کھانا بچ جاتا تو سڑ جاتا تھا۔ اس میں تکلیف بھی تھی اور نقصان بھی۔ اس آیت نے واضح کر دیا کہ اصل مقصد یہ ہے کہ یتیموں کی مصلحت کا پورا خیال رکھا جائے، سرپرستوں کو مشکل میں ڈالنا مقصد نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا کھانا ساتھ پکانے اور ساتھ کھلانے میں کوئی حرج نہیں ہے، بشرطیکہ معقولیت اور انصاف کے ساتھ ان کے مال سے ان کے کھانے کا خرچ وصول کیا جائے۔ پھر اگر غیر ارادی طور پر کچھ کمی بیشی ہو بھی جائے تو معاف ہے۔ ہاں جان بوجھ کر ان کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔ رہی یہ بات کہ کون انصاف اور اصلاح سے کام لے رہا ہے اور کس کی نیت خراب ہے، اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

ہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس اسی طریقے سے جاؤ جس طرح اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔ بیشک اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی طرف کثرت سے رُجوع کریں، اور ان سے محبت کرتا ہے جو خوب پاک صاف رہیں ﴿۲۲۲﴾ تمہاری بیویاں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں؛ لٰہذا اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو جاؤ،[۱۴۵] اور اپنے لئے (اچھے عمل) آگے بھیجو، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور یقین رکھو کہ تم اس سے جا کر ملنے والے ہو۔ اور مؤمنوں کو خوشخبری سنا دو ﴿۲۲۳﴾

---

(۱۴۵) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک لطیف کنایہ استعمال کر کے میاں بیوی کے خصوصی ملاپ کے بارے میں چند حقائق بیان فرمائے ہیں۔ پہلی بات تو یہ واضح فرمائی ہے کہ میاں بیوی کا یہ ملاپ صرف لذّت حاصل کرنے کے مقصد سے نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اسے انسانی نسل کی بڑھوتری کا ذریعہ سمجھنا چاہئے۔ جس طرح ایک کاشتکار اپنی کھیتی میں بیج ڈالتا ہے تو اس کا اصل مقصد پیداوار کا حصول ہوتا ہے، اسی طرح یہ عمل بھی دراصل انسانی نسل باقی رکھنے کا ایک ذریعہ ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان فرمائی ہے کہ جب اس عمل کا اصل مقصد یہ ہے تو یہ عمل نسوانی جسم کے اسی حصے میں ہونا چاہئے جو اس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پیچھے کا جو حصہ اس کام کے لئے نہیں بنایا گیا، اس کو فطرت کے خلاف جنسی لذّت کے لئے استعمال کرنا حرام ہے۔ تیسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ نسوانی جسم کا جو اگلا حصہ اس غرض کے لئے بنایا گیا ہے، اس تک پہنچنے کے لئے راستہ کوئی بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ اس حصے میں مباشرت کرنے کے لئے بس ایک ہی طریقہ جائز ہے، یعنی سامنے کی طرف سے۔ اگر مباشرت آگے ہی کے حصے میں ہو، لیکن اس تک پہنچنے کے لئے راستہ پیچھے کا اختیار کیا جائے تو وہ کہتے تھے کہ اولاد بھینگی پیدا ہوتی ہے۔ اس آیت نے یہ غلط فہمی دُور کر دی۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اور اللہ (کے نام) کو اپنی قسموں میں اس غرض سے استعمال نہ کرو کہ اس کے ذریعے نیکی اور تقویٰ کے کاموں اور لوگوں کے درمیان صلح صفائی کرانے سے بچ سکو۔(۱۴۶) اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے ﴿۲۲۴﴾ اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری گرفت نہیں کرے گا،(۱۴۷) البتہ جو قسمیں تم نے اپنے دِلوں کے ارادے سے کھائی ہوں گی ان پر گرفت کرے گا۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بُردبار ہے۔ ﴿۲۲۵﴾

---

(۱۴۶) بعض مرتبہ انسان کسی وقتی جذبے سے مغلوب ہو کر کوئی قسم کھا لیتا ہے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، حالانکہ وہ نیک کام ہوتا ہے، مثلاً ایک مرتبہ حضرت مسطحؓ سے ایک غلطی ہو گئی تھی تو حضرت صدیقِ اکبرؓ نے یہ قسم کھالی تھی کہ آئندہ وہ ان کی مالی مدد نہیں کریں گے، یا جیسے روح المعانی میں ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے اپنے بہنوئی کے بارے میں قسم کھالی تھی کہ وہ ان سے بات نہیں کریں گے، اور نہ ان کی بیوی سے ان کی صلح کرائیں گے۔ یہ آیت ایسی قسم کھانے سے منع کر رہی ہے، کیونکہ اس طرح اللہ کا نام ایک غلط مقصد میں استعمال ہوتا ہے۔ اور صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص ایسی نامناسب قسم کھالے تو اسے توڑ دینا چاہئے اور اس کا کفارہ ادا کرنا چاہئے۔

(۱۴۷) لغو قسم سے مراد ایک تو وہ قسم ہے جو قسم کھانے کے ارادے سے نہیں، بلکہ تکیہ کلام کے طور سے زبان پر آجائے، خاص طور پر عربوں میں اس کا بہت رواج تھا کہ بات بات میں وہ ''واللہ'' کہہ دیتے تھے۔ اسی طرح بعض اوقات انسان ماضی کے کسی واقعے پر قسم کے ارادے ہی سے قسم کھاتا ہے، لیکن اس کے اپنے خیال کے مطابق وہ قسم صحیح ہوتی ہے، جھوٹ بولنے کا ارادہ نہیں ہوتا، لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو بات قسم کھا کر کہی تھی، وہ حقیقت میں صحیح نہیں تھی۔ ان دونوں طرح کی قسموں کو لغو کہا جاتا ہے۔ اس آیت نے بتایا کہ اس پر گناہ نہیں ہوتا۔ البتہ انسان کو چاہئے کہ وہ قسم کھانے میں احتیاط سے کام لے، اور ایسی قسم سے بھی پرہیز کرے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

جولوگ اپنی بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں (یعنی ان کے پاس نہ جانے کی قسم کھالیتے ہیں) ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔(۱۴۸) چنانچہ اگر وہ (قسم توڑکر) رُجوع کرلیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۲۶﴾ اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو تو (بھی) اللہ سننے جاننے والا ہے ﴿۲۲۷﴾ اور جن عورتوں کو طلاق دے دی گئی ہو وہ تین مرتبہ حیض آنے تک اپنے آپ کو اِنتظار میں رکھیں۔(۱۴۹) اور اگر وہ اللہ پر اور آخرت کے دن پر اِیمان رکھتی ہوں تو ان کے لئے حلال نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ (حمل یا حیض) پیدا کیا ہے اسے چھپائیں۔

---

(۱۴۸) عربوں میں یہ ظالمانہ طریقہ رائج تھا کہ وہ یہ قسم کھابیٹھتے تھے کہ اپنی بیوی کے پاس نہیں جائیں گے۔ نتیجہ یہ کہ بیوی غیر معین مدت تک لٹکی رہتی تھی۔ نہ اسے بیوی جیسے حقوق ملتے تھے، اور نہ وہ کہیں اور شادی کرسکتی تھی۔ ایسی قسم کو ''ایلاء'' کہا جاتا ہے۔ اس آیت نے یہ قانون بنادیا کہ جو شخص ایلاء کرے، وہ یا تو چار مہینے کے اندر اندر اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کردے اور اپنی بیوی سے معمول کے ازدواجی تعلقات بحال کرلے، ورنہ چار مہینے تک اگر اس نے قسم نہ توڑی تو بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی۔ آیت میں جو کہا گیا ہے کہ ''اور اگر انہوں نے طلاق ہی کی ٹھان لی ہو''، اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ چار مہینے قسم توڑے بغیر گزاردیں تو نکاح خود بخود ختم ہوجائے گا۔

(۱۴۹) یہ مطلقہ عورتوں کی عدت کا بیان ہے، یعنی طلاق کے بعد انہیں تین مرتبہ اَیامِ ماہواری پورے ہونے تک عدت گذارنی ہوگی جس کے بعد وہ کہیں اور نکاح کرسکیں گی۔ لیکن سورۂ اَحزاب (۴۹:۳۳) میں واضح کردیا گیا ہے کہ عدت گذارنا اسی وقت واجب ہے جب میاں بیوی کے درمیان خلوَت ہوچکی ہو۔ اگر اس سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو عدت واجب نہیں۔ نیز سورۂ طلاق (۴:۶۵) میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کا حیض ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا ہو یا ابھی آنا شروع نہ ہوا ہو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور اگر عورت حاملہ ہو تو اس کی عدت بچے کی پیدائش پر ختم ہوجائے گی۔

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ

ع ۲۸ / ۷ / ۱۲

اور اس مدت میں اگر ان کے شوہر حالات بہتر بنانا چاہیں تو ان کو حق ہے کہ وہ ان عورتوں کو (اپنی زوجیت میں) واپس لے لیں۔ اور ان عورتوں کو معروف طریقے کے مطابق ویسے ہی حقوق حاصل ہیں جیسے (مردوں کو) اُن پر حاصل ہیں۔ ہاں مردوں کو ان پر ایک درجہ فوقیت ہے۔(۱۵۰) اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے ﴿۲۲۸﴾ طلاق (زیادہ سے زیادہ) دو بار ہونی چاہئے۔ اس کے بعد (شوہر کے لئے دو ہی راستے ہیں) یا تو قاعدے کے مطابق (بیوی کو) روک رکھے (یعنی طلاق سے رجوع کرلے) یا خوش اُسلوبی سے چھوڑ دے (یعنی رجوع کے بغیر عدت گذر جانے دے)۔ اور (اے شوہرو!) تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم نے ان (بیویوں) کو جو کچھ دیا ہو وہ (طلاق کے بدلے) ان سے واپس لو، اِلا یہ کہ دونوں کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ (نکاح باقی رہنے کی صورت میں) اللہ کی مقرّر کی ہوئی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔(۱۵۱)

---

(۱۵۰) جاہلیت کے دور میں عورت کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ شوہر اور بیوی کے حقوق ایک دوسرے کے برابر ہیں، البتہ اتنا ضرور ہے کہ زندگی کے سفر میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو امیر اور نگراں بنایا ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم نے سورۂ نساء (۴: ۳۴) میں واضح فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے اس کو ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔

(۱۵۱) اس آیت نے ایک ہدایت تو یہ دی ہے کہ اگر طلاق دینی ہی پڑ جائے تو زیادہ سے زیادہ دو طلاقیں دینی چاہئیں، کیونکہ اس طرح میاں بیوی کے درمیان تعلقات بحال ہونے کا امکان رہتا ہے۔ چنانچہ عدت کے دوران شوہر کو طلاق سے رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، اور عدت کے بعد دونوں کی باہمی رضامندی سے نیا نکاح نئے مہر کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے، تین طلاقوں کے بعد دونوں راستے بند

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٢٩﴾ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾

چنانچہ اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں کے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت مالی معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کرلے۔ یہ اللہ کی مقرّر کی ہوئی حدود ہیں؛ لہٰذا ان سے تجاوز نہ کرو۔ اور جو لوگ اللہ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ بڑے ظالم لوگ ہیں ﴿۲۲۹﴾ پھر اگر شوہر (تیسری) طلاق دیدے تو وہ (مطلقہ عورت) اس کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرے۔ ہاں اگر وہ (دوسرا شوہر بھی) اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پاس (نیا نکاح کرکے) دوبارہ واپس آجائیں، بشرطیکہ انہیں یہ غالب گمان ہو کہ اب وہ اللہ کی حدود قائم رکھیں گے۔ اور یہ سب اللہ کی حدود ہیں جو وہ ان لوگوں کے لئے واضح کررہا ہے جو سمجھ رکھتے ہوں ﴿۲۳۰﴾

ہوجاتے ہیں اور تعلقات کی بحالی کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہتا۔ دوسری ہدایت یہ دی گئی ہے کہ شوہر طلاق سے رجوع کا فیصلہ کرے یا علیحدگی کا، دونوں صورتوں میں معاملات خوش اُسلوبی سے طے کرنے چاہئیں۔ عام حالات میں شوہر کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ طلاق کے بدلے مہر واپس کرنے یا معاف کرنے کا مطالبہ کرے۔ ہاں اگر طلاق کا مطالبہ عورت کی طرف سے ہو اور شوہر کی کسی زیادتی کے بغیر ہو، مثلاً بیوی شوہر کو پسند نہ کرتی ہو اور اس بنا پر دونوں کو یہ اندیشہ ہو کہ وہ خوشگواری کے ساتھ نکاح کے حقوق ادا نہ کرسکیں گے، تو اس صورت میں یہ جائز قرار دے دیا گیا ہے کہ عورت مالی معاوضے کے طور پر مہر یا اس کا کچھ حصہ واپس کردے یا اگر اس وقت تک وصول نہ کیا ہو تو معاف کردے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۳۱ ع وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ

ع ۲۹ / ۱۲

اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدّت کے قریب پہنچ جائیں، تو یا تو ان کو بھلائی کے ساتھ (اپنی زوجیت میں) روک رکھو، یا انہیں بھلائی کے ساتھ چھوڑ دو۔ اور انہیں ستانے کی خاطر اس لئے روک کر نہ رکھو کہ ان پر ظلم کرسکو۔ (۱۵۲) اور جو شخص ایسا کرے گا وہ خود اپنی جان پر ظلم کرے گا۔ اور اللہ کی آیتوں کو مذاق مت بناؤ اور اللہ نے تم پر جو اِنعام فرمایا ہے اُسے، اور تم پر جو کتاب اور حکمت کی باتیں تمہیں نصیحت کرنے کے لئے نازل کی ہیں انہیں یاد رکھو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿۲۳۱﴾ اور جب تم نے عورتوں کو طلاق دے دی ہو، اور وہ اپنی عدّت کو پہنچ جائیں، تو (اے میکے والو!) انہیں اس بات سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے (پہلے) شوہروں سے (دوبارہ) نکاح کریں، بشرطیکہ وہ بھلائی کے ساتھ ایک دوسرے سے راضی ہوگئے ہوں۔ (۱۵۳)

(۱۵۲) جاہلیت میں ایک ظالمانہ طریقہ یہ تھا کہ لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دیتے اور جب عدت گذرنے کے قریب ہوتی تو رجوع کرلیتے، تاکہ وہ دوسرا نکاح نہ کرسکے، پھر اس کے حقوق ادا کرنے کے بجائے کچھ عرصے کے بعد پھر طلاق دیتے، اور عدت گذرنے سے پہلے پھر رجوع کرلیتے، اور اس طرح وہ غریب بیچ میں لٹکی رہتی، نہ کسی اور سے نکاح کرسکتی، اور نہ شوہر سے اپنے حقوق حاصل کرسکتی۔ یہ آیت اس ظالمانہ طریقے کو حرام قرار دے رہی ہے۔

(۱۵۳) بعض مرتبہ طلاق اور اس کی عدت گذرنے کے بعد میاں بیوی کو سبق مل جاتا اور وہ از سرِ نو نئی زندگی شروع

ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ

ان باتوں کی نصیحت تم میں سے ان لوگوں کو کی جارہی ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہوں۔ یہی تمہارے لئے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ طریقہ ہے۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿۲۳۲﴾ اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال تک دودھ پلائیں۔ یہ مدت ان کے لئے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہیں۔ اور جس باپ کا وہ بچہ ہے اس پر واجب ہے کہ وہ معروف طریقے پر ان ماؤں کے کھانے اور لباس کا خرچ اُٹھائے۔(۱۵۴)

کرنے کے لئے آپس میں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے تھے، چونکہ طلاقیں تین نہیں ہوئی ہوتی تھیں، اس لئے شرعاً نیا نکاح جائز بھی تھا اور عورت بھی اس پر راضی ہوتی تھی، لیکن عورت کے میکے والے خودساختہ غیرت کی بنا پر اسے اپنے پہلے شوہر سے نکاح کرنے سے روکتے تھے۔ یہ آیت اس غلط رسم کو ناجائز قرار دے رہی ہے۔

(۱۵۴) طلاق کے اَحکام کے درمیان بچے کو دودھ پلانے کا ذکر اس مناسبت سے آیا ہے کہ بعض اوقات یہ مسئلہ ماں باپ کے درمیان جھگڑے کا سبب بن جاتا ہے۔ لیکن جو اَحکام یہاں بیان کئے گئے ہیں، وہ طلاق کی صورت کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں، بلکہ تمام حالات کے لئے ہیں۔ پہلی بات تو اس میں یہ واضح کی گئی ہے کہ دودھ زیادہ سے زیادہ دو سال تک پلایا جاسکتا ہے، اس کے بعد ماں کا دودھ چھڑانا ہوگا۔ دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ اگر ماں باپ بچے کی مصلحت سمجھیں تو پہلے بھی دودھ چھڑا سکتے ہیں، دو سال پورے کرنا شرعاً واجب نہیں ہے۔ تیسری بات یہ کہ دودھ پلانے والی ماں کا خرچ اس کے شوہر یعنی بچے کے باپ پر واجب ہے۔ اگر نکاح قائم ہو تب تو یہ خرچ نکاح کی وجہ سے واجب ہے، اور اگر طلاق ہوگئی ہو تو عدت کے دوران دودھ پلانا مطلقہ ماں پر واجب ہے، اور اس دوران اس کا نفقہ طلاق دینے والے شوہر پر ہے۔ عدت کے بعد نفقہ تو ختم ہوجائے گا، لیکن مطلقہ ماں عدت کے بعد دودھ پلانے کی اُجرت کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

(ہاں) کسی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ نہ تو ماں کو اپنے بچے کی وجہ سے ستایا جائے، اور نہ باپ کو اپنے بچے کی وجہ سے۔[155] اور اسی طرح کی ذمہ داری وارث پر بھی ہے۔[156] پھر اگر وہ دونوں (یعنی والدین) آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے (دو سال گذرنے سے پہلے ہی) دُودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں بھی ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر تم یہ چاہو کہ اپنے بچوں کو کسی انا سے دُودھ پلواؤ تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں، جبکہ تم نے جو اُجرت ٹھہرائی تھی وہ (دُودھ پلانے والی انا کو) بھلے طریقے سے دے دو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سارے کاموں کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۳﴾

---

(۱۵۵) یعنی ماں اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے دُودھ نہ پلائے، تو اسے مجبور نہ کیا جائے، دوسری طرف اگر بچہ ماں کے سوا کسی اور کا دُودھ نہ لیتا ہو تو ماں کے لئے انکار جائز نہیں، کیونکہ اس صورت میں یہ انکار باپ کو بلاوجہ ستانے کے مرادف ہے۔

(۱۵۶) یعنی اگر کسی بچے کا باپ زندہ نہ ہو تو دُودھ پلانے کے سلسلے میں جو ذمہ داری باپ کی ہے، وہ بچے کے وارثوں پر عائد ہوگی۔ یعنی جو لوگ بچے کے مرنے کی صورت میں اس کے ترکے کے حق دار ہوں گے، انہی پر یہ بھی واجب ہے کہ وہ اس بچے کو دُودھ پلانے اور اس کا خرچ برداشت کرنے کی ذمہ داری اُٹھائیں۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاۗءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْھُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ ع

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں، اور بیویاں چھوڑ کر جائیں تو وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں گی۔ پھر جب وہ اپنی (عدت کی) میعاد کو پہنچ جائیں تو وہ اپنے بارے میں جو کارروائی (مثلاً دوسرا نکاح) قاعدے کے مطابق کریں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۲۳۴﴾ اور (عدت کے دوران) اگر تم ان عورتوں کو اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا (ان سے نکاح کا ارادہ) دِل میں چھپائے رکھو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ان (سے نکاح) کا خیال تو دِل میں لاؤ گے، لیکن ان سے نکاح کا دوطرفہ وعدہ مت کرنا، اِلا یہ کہ مناسب طریقے سے کوئی بات کہہ دو۔[157] اور نکاح کا عقد پکا کرنے کا اس وقت تک ارادہ بھی مت کرنا جب تک عدت کی مقررہ مدت اپنی میعاد کو نہ پہنچ جائے۔ اور یاد رکھو کہ جو کچھ تمہارے دِلوں میں ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے؛ لہٰذا اس سے ڈرتے رہو؛ اور یاد رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۲۳۵﴾

(۱۵۷) جو عورت عدت گذار رہی ہو اس کو صاف لفظوں میں نکاح کا پیغام دینا اور یہ بات پکی کر لینا جائز نہیں

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٣٦﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾

تم پر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم عورتوں کو ایسے وقت طلاق دو جبکہ ابھی تم نے ان کو چھوا بھی نہ ہو، اور نہ ان کے لئے کوئی مہر مقرر کیا ہو۔ اور (ایسی صورت میں) ان کو کوئی تحفہ دو،(۱۵۸) خوشحال شخص اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق بھلے طریقے سے یہ تحفہ دے۔ یہ نیک آدمیوں پر ایک لازمی حق ہے ﴿۲۳۶﴾ اور اگر تم نے انہیں چھونے سے پہلے ہی اس حالت میں طلاق دی ہو جبکہ ان کے لئے (نکاح کے وقت) کوئی مہر مقرر کر لیا تھا تو جتنا مہر تم نے مقرر کیا تھا اس کا آدھا دینا (واجب ہے) اِلا یہ کہ وہ عورتیں رعایت کر دیں (اور آدھے مہر کا بھی مطالبہ نہ کریں) یا وہ (شوہر) جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، رعایت کرے (اور پورا مہر دیدے) اور اگر تم رعایت کرو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔ اور آپس میں فراخ دِلی کا برتاؤ کرنا مت بھولو۔ جو عمل بھی تم کرتے ہو، اللہ یقیناً اسے دیکھ رہا ہے ﴿۲۳۷﴾

ہے کہ عدت کے بعد تم مجھ سے نکاح کروگی۔ البتہ اس آیت نے کوئی مناسب اشارہ دینے کی اجازت دی ہے جس سے وہ عورت سمجھ جائے کہ اس شخص کا ارادہ عدت کے بعد پیغام دینے کا ہے۔ مثلاً کوئی اتنا کہلوا دے کہ میں بھی کسی مناسب رشتے کی تلاش میں ہوں۔

(۱۵۸) یہ وہ صورت ہے جس میں دو مرد وعورت نے نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا تھا، اور پھر دونوں کے درمیان خلوَت کی نوبت آنے سے پہلے ہی طلاق ہوگئی: اس صورت میں شوہر پر مہر تو واجب نہیں ہوتا، لیکن کم از کم ایک جوڑا کپڑا دینا واجب ہے، اور کچھ مزید تحفہ دیدے تو زیادہ بہتر ہے۔ (اس تحفے کو اِصطلاح میں متعہ کہا جاتا ہے) اور اگر نکاح کے وقت مہر کی مقدار طے کر لی گئی تھی، پھر خلوت سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو اس صورت میں آدھا مہر واجب ہوگا۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ع ۳۱/۷ ۱۵

تمام نمازوں کا پورا پورا خیال رکھو، اور (خاص طور پر) بیچ کی نماز کا۔(۱۵۹) اور اللہ کے سامنے باادب فرماں بردار بن کر کھڑے ہوا کرو ﴿۲۳۸﴾ اور اگر تمہیں (دُشمن کا) خوف لاحق ہو تو کھڑے کھڑے یا سوار ہونے کی حالت ہی میں (نماز پڑھ لو)(۱۶۰) پھر جب تم امن کی حالت میں آجاؤ تو اللہ کا ذکر اس طریقے سے کرو جو اس نے تمہیں سکھایا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے ﴿۲۳۹﴾ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جایا کریں کہ ایک سال تک وہ (ترکے سے نفقہ وصول کرنے کا) فائدہ اُٹھائیں گی اور ان کو (شوہر کے گھر سے) نکالا نہیں جائے گا۔(۱۶۱) ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی ﴿۲۴۰﴾ اور مطلقہ عورتوں کو قاعدے کے مطابق فائدہ پہنچانا متقیوں پر ان کا حق ہے(۱۶۲) ﴿۲۴۱﴾ اللہ اپنے احکام اسی طرح وضاحت سے تمہارے سامنے بیان کرتا ہے، تاکہ تم سمجھ داری سے کام لو۔ ﴿۲۴۲﴾

---

(۱۵۹) آیت نمبر ۱۵۳ سے اسلامی عقائد اور اَحکام کا جو بیان شروع ہوا تھا (دیکھئے اس آیت پر ہمارا حاشیہ) وہ اب ختم ہو رہا ہے۔ آیت نمبر ۱۵۳ میں یہ بیان نماز کی تاکید سے شروع ہوا تھا، اب آخر میں دوبارہ نماز کی یہ اہمیت

بیان کی جارہی ہے کہ جنگ کے شدید حالات میں بھی امکان کی آخری حد تک اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔
''بیچ کی نماز'' سے مراد عصر کی نماز ہے۔ اس کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور سے اس وقت لوگ اپنا کاروبار سمیٹنے میں مشغول ہوتے ہیں، اور اس مشغولیت میں بے پروائی ہونے کا امکان زیادہ ہے۔
(۱۶۰) جنگ کی حالت میں جب باقاعدہ نماز پڑھنے کا موقع نہ ہو اس بات کی اجازت ہے کہ انسان کھڑے کھڑے اشارے سے نماز پڑھ لے۔ البتہ چلتے ہوئے پڑھنا جائز نہیں۔ اگر کھڑا ہونے کا بھی موقع نہ ہو تو نماز قضا کرنا بھی جائز ہے۔
(۱۶۱) آخر میں طلاق کے جو مسائل چل رہے تھے ان کا ایک تکملہ ضمنی طور پر بیان ہوا ہے جو مطلقہ عورتوں کے حقوق سے متعلق ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بیوہ عورت کی عدت ایک سال ہوتی تھی، لیکن اسلام نے پیچھے آیت نمبر ۲۳۴ میں عدت کی مدت گھٹا کر چار مہینے دس دن مقرر کردی۔ جس وقت زیرِ نظر آیت نازل ہوئی ہے اُس وقت تک میراث کے اَحکام نہیں آئے تھے، اور جیسا کہ اُوپر آیت نمبر ۱۸۰ میں گذرا، لوگوں پر یہ واجب تھا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے حق میں وصیت کیا کریں کہ ان کے ترکے سے کس کو کتنا دیا جائے۔ لہٰذا اس آیت میں اسی اُصول کے تحت یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگرچہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے لیکن اس کے شوہر کو چاہئے کہ وہ اپنی بیوی کے حق میں یہ وصیت کر جایا کرے کہ اسے سال بھر تک اس کے ترکے سے نفقہ بھی دیا جائے اور اس کے گھر میں رہائش بھی فراہم کی جائے۔ البتہ اگر وہ خود اپنا یہ حق چھوڑ دے اور چار مہینے دس دن کے بعد شوہر کے گھر سے چلی جائے تو کچھ حرج نہیں۔ ہاں چار مہینے دس دن سے پہلے اس کے لئے بھی شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگلے جملے میں جو کہا گیا ہے کہ ''ہاں اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنے حق میں قاعدے کے مطابق وہ جو کچھ بھی کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہوگا'' اس میں قاعدے سے مراد یہی ہے کہ وہ عدت پوری کرنے کے بعد نکلیں، پہلے نہیں۔ لیکن یہ سارا حکم میراث کے اَحکام آنے سے پہلے پہلے تھا۔ جب سورۂ نساء میں میراث کے اَحکام آگئے، اور بیوی کا حصہ ترکے میں مقرر کردیا گیا تو سال بھر کے نفقے اور رہائش کا یہ حق ختم ہوگیا۔
(۱۶۲) مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا لفظ بڑا عام ہے۔ اس میں عدت کے دوران کا نفقہ بھی داخل ہے، اور اگر ابھی مہر نہ دیا گیا ہو تو وہ بھی داخل ہے، نیز اُوپر آیت نمبر ۲۳۶ میں جس تحفے کا ذکر ہے وہ بھی اس میں شامل ہے۔ یہ تحفہ اس صورت میں تو واجب ہے جب کوئی مہر مقرر نہ ہوا ہو، اور خلوت سے پہلے طلاق ہوگئی ہو، لیکن جب مہر مقرر رہا ہو تو اس صورت میں بھی مستحب ہے کہ مطلقہ عورت کو مہر کے علاوہ یہ تحفہ بھی دیا جائے۔ ان تمام اَحکام سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ اوّل تو طلاق کوئی پسندیدہ چیز نہیں ہے اور اس کا اِقدام اسی وقت کرنا چاہئے جب کوئی اور صورت باقی نہ رہی ہو، دوسرے جب یہ اِقدام کیا جائے تو نکاح کے تعلق کا اِختتام بھی شرافت، فراخ دِلی اور اِحترام سے خوشگوار ماحول میں ہونا چاہئے، دُشمنی کے ماحول میں نہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۪ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾

کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا جو موت سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل آئے تھے، اور وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے؟ چنانچہ اللہ نے ان سے کہا: ''مرجاؤ'' پھر انہیں زندہ کیا۔ (۱۶۳) حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ﴿۲۴۳﴾ اور اللہ کے راستے میں جنگ کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿۲۴۴﴾

---

(۱۶۳) یہاں سے آیت نمبر ۲۶۰ تک دو مضمون ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ بنیادی مقصد جہاد کی ترغیب دینا ہے، لیکن بعض منافقین اور کمزور طبیعت کے لوگ جہاد میں جانے سے اس لئے کتراتے تھے کہ انہیں موت کا خوف تھا۔ اس لئے دوسرا مضمون ساتھ ساتھ بیان ہوا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ موت اور زندگی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ چاہے تو جنگ کے بغیر بھی موت دیدے، اور چاہے تو شدید جنگ کے درمیان بھی انسانوں کی حفاظت کرلے، بلکہ اس کی قدرت میں یہ بھی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی انسانوں کو زندہ کردے۔ اس قدرت کا عمومی مظاہرہ تو آخرت میں ہوگا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دُنیا میں بھی چند ایسے نمونے دُنیا کو دِکھادیئے ہیں جن میں بعض لوگوں کو مرنے کے بعد بھی زندہ کیا گیا۔ اس کی ایک مثال اس آیت ۲۴۳ میں دی گئی ہے۔ ایک اشارہ آیت نمبر ۲۵۳ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف کیا گیا ہے، جن کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے کئی مردوں کو زندہ کیا۔ تیسرا حوالہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کے مکالمے (آیت نمبر ۲۵۸) میں اللہ تعالیٰ کے موت اور زندگی دینے سے متعلق ہے۔ چوتھا واقعہ آیت نمبر ۲۵۹ میں حضرت عزیر علیہ السلام کا بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اس سے اگلی آیت (نمبر ۲۶۰) میں پانچواں واقعہ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ وہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں۔

زیرِ نظر آیت (۲۴۳) میں جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کی تفصیل قرآنِ کریم نے بیان نہیں فرمائی۔ صرف اتنا بتایا ہے کہ کسی زمانے میں کوئی قوم جو ہزاروں کی تعداد میں تھی، موت سے بچنے کے لئے اپنے گھروں سے نکل کھڑی

ہوئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی، اور پھر زندہ کر کے یہ دکھادیا کہ اگر موت سے بچنے کے لئے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کوئی تدبیر اختیار کرے تو ضروری نہیں کہ موت سے بچ ہی جائے، اللہ تعالیٰ اسے پھر بھی موت کے گھاٹ اُتار سکتا ہے۔ یہ لوگ کون تھے؟ کس زمانے میں تھے؟ وہ موت کا خوف کیا تھا جس کی بنا پر یہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے؟ یہ تفصیل قرآنِ کریم نے بیان نہیں فرمائی، کیونکہ قرآنِ کریم کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے، اس میں جو واقعات بیان ہوتے ہیں، وہ کوئی سبق دینے کے لئے ہوتے ہیں، لہٰذا اکثر ان کا صرف اتنا حصہ بیان کیا جاتا ہے جس سے وہ سبق مل جائے۔ اور اس واقعے سے مذکورہ بالا سبق لینے کے لئے اتنی بات کافی ہے جو یہاں بیان ہوئی ہے۔ البتہ جس انداز سے قرآنِ کریم نے اس واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قصہ اس وقت لوگوں میں مشہور و معروف تھا۔ آیت کے شروع میں یہ الفاظ کہ: ''کیا تمہیں ان لوگوں کا حال معلوم نہیں ہوا؟'' اس قصے کی شہرت پر دلالت کر رہے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بعض تابعین سے کئی روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بنو اسرائیل کے لوگوں کا ہے جو ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود یا تو کسی دُشمن کے مقابلے سے کترا کر اپنا گھر بار چھوڑ گئے تھے یا طاعون کی وبا سے گھبرا کر نکل کھڑے ہوئے تھے۔ جب یہ اس جگہ پہنچے جسے وہ پناہ گاہ سمجھتے تھے تو اللہ کے حکم سے موت نے وہیں ان کو آلیا۔ بعد میں جب وہ بوسیدہ ہڈیوں میں تبدیل ہوگئے تو حضرت حزقیل علیہ السلام کا وہاں سے گذر ہوا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ان ہڈیوں سے خطاب کریں، اور ان کے خطاب کے بعد وہ ہڈیاں پھر سے انسانی شکل میں زندہ ہو کر کھڑی ہوگئیں۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کا یہ قصہ موجودہ بائبل میں بھی مذکور ہے۔ (دیکھئے: حزقی ایل ۳۷:۱ تا ۱۵) اس لئے کچھ بعید نہیں ہے کہ یہ واقعہ مدینہ منورہ کے یہودیوں کے ذریعے مشہور ہوگیا ہو۔

واقعے کی یہ تفصیلات مستند ہوں یا نہ ہوں، لیکن اتنی بات قرآنِ کریم کے صاف اور صریح الفاظ سے واضح ہے کہ ان لوگوں کو حقیقی طور پر موت کے بعد زندہ کیا گیا تھا۔ ہمارے زمانے کے بعض مصنفین نے مردوں کے زندہ ہونے کو بعید از قیاس سمجھتے ہوئے اس آیت میں یہ تأویل کی ہے کہ یہاں موت سے مراد سیاسی اور اخلاقی موت ہے، اور دوبارہ زندہ ہونے سے مراد سیاسی غلبہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تأویل قرآنِ کریم کے صریح الفاظ سے میل نہیں کھاتی، اور عربیت اور قرآنِ کریم کے اُسلوب سے بھی بہت بعید ہے۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ایمان ہے تو اس قسم کے واقعات میں تعجب کی کیا بات ہے جس کی بنا پر یہ دُور از کار تأویلیں کی جائیں؟ بالخصوص یہاں سے آیت ۲۶۰ تک جو سلسلۂ کلام چل رہا ہے، اور جس کی تفصیل اُوپر بیان ہوئی ہے، اس کی روشنی میں یہاں موت اور زندگی سے حقیقی معنیٰ مراد ہونا ہی قرینِ قیاس ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ اَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾

کون ہے جو اللہ کو اچھے طریقے پر قرض دے، تاکہ وہ اسے اس کے مفاد میں اتنا بڑھائے چڑھائے کہ وہ بدرجہا زیادہ ہو جائے؟ (۱۶۴) اور اللہ ہی تنگی پیدا کرتا ہے، اور وہی وسعت دیتا ہے، اور اسی کی طرف تم سب کو لوٹایا جائے گا۔ ﴿۲۴۵﴾

کیا تمہیں موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے گروہ کے اس واقعے کا علم نہیں ہوا جب انہوں نے اپنے ایک نبی سے کہا تھا کہ ہمارا ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ (اس کے جھنڈے تلے) ہم اللہ کے راستے میں جنگ کرسکیں۔ (۱۶۵) نبی نے کہا: ''کیا تم لوگوں سے یہ بات کچھ بعید ہے کہ جب تم پر جنگ فرض کی جائے تو تم نہ لڑو؟'' انہوں نے کہا: ''بھلا ہمیں کیا ہو جائے گا جو ہم اللہ کے راستے میں جنگ نہ کریں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور اپنے بچوں کے پاس سے نکال باہر کیا گیا ہے۔'' پھر (ہوا یہی کہ) جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے تھوڑے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب پیٹھ پھیر گئے۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے ﴿۲۴۶﴾

---

(۱۶۴) اللہ کو قرض دینے سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ اس میں غریبوں کی امداد بھی داخل ہے، اور جہاد کے مقاصد میں خرچ کرنا بھی۔ اسے قرض مجازاً کہا گیا ہے، کیونکہ اس کا بدلہ ثواب کی صورت میں دیا جائے گا۔ اور ''اچھے طریقے'' کا مطلب یہ ہے کہ اِخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دیا

جائے، دِکھاوا یا دُنیا میں بدلہ لینا مقصود نہ ہو، اور اگر جہاد کے لئے یا کسی غریب کی مدد کے طور پر قرض ہی دیا جائے تو اس پر کسی سود کا مطالبہ نہ ہو۔ کفار اپنی جنگی ضروریات کے لئے سود پر قرض لیتے تھے۔ مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اوّل تو وہ قرض کے بجائے چندہ دیں، اور اگر قرض ہی دیں تو اصل سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں، کیونکہ اگرچہ دُنیا میں تو انہیں سود نہیں ملے گا، لیکن آخرت میں اللہ تعالیٰ اس کا ثواب اصل سے بدر جہا زیادہ عطا فرمائیں گے۔ جہاں تک اس خطرے کا تعلق ہے کہ اس طرح خرچ کرنے سے مال میں کمی ہوجائے گی، اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ تنگی اور وسعت اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔ جو شخص اللہ کے دِین کی خاطر اپنا مال خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو تنگی پیش آنے نہیں دیں گے، بشرطیکہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کرے۔

(۱۶۵) یہاں نبی سے مراد حضرت سموئیل علیہ السلام ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقریباً ساڑھے تین سو سال بعد پیغمبر بنائے گئے تھے۔ سورۂ مائدہ (۵:۲۴) میں مذکور ہے کہ فرعون سے نجات پانے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان عمالقہ سے جہاد کرنے کی دعوت دی تھی جو بنی اسرائیل کے وطن فلسطین پر قابض ہوگئے تھے، مگر بنی اسرائیل نے انکار کردیا جس کی سزا میں انہیں صحرائے سینا میں محصور کردیا گیا، اور اسی حالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی، بعد میں حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں فلسطین کا ایک بڑا علاقہ فتح ہوا۔ حضرت یوشع علیہ السلام آخر عمر تک ان کی نگرانی کرتے رہے، اور ان کے معاملات کے تصفیے کے لئے قاضی مقرر کئے۔ تقریباً تین سو سال تک نظام اسی طرح چلتا رہا کہ بنی اسرئیل کا کوئی بادشاہ یا حکمران نہیں تھا، بلکہ قبیلوں کے سردار اور حضرت یوشع علیہ السلام کے مقرر کئے ہوئے نظام کے تحت قاضی ہوا کرتے تھے۔ اسی لئے اس دور کو قاضیوں کا زمانہ کہا جاتا تھا۔ بائبل کی کتاب قضاۃ میں اسی زمانے کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ چونکہ اس دور میں پوری قوم کا کوئی متفقہ حکمران نہیں تھا، اس لئے آس پاس کی قومیں ان پر حملہ آور ہوتی رہتی تھیں۔ آخر میں فلسطین کی بت پرست قوم نے ان پر حملہ کرکے انہیں سخت شکست دی اور وہ متبرک صندوق بھی اُٹھا کر لے گئے جس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی کچھ یادگاریں، تورات کا نسخہ اور آسمانی غذا ''من'' کا مرتبان محفوظ تھا، اور جسے بنی اسرائیل تبرک کے لئے جنگوں کے موقع پر آگے رکھا کرتے تھے۔ حالات کے اس پس منظر میں ایک قاضی حضرت سموئیل علیہ السلام کو نبوّت کا منصب عطا ہوا۔ ان کے دور میں بھی فلسطینیوں کا ظلم و ستم جاری رہا تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کردیا جائے۔ اس کے نتیجے میں طالوت کو بادشاہ بنایا گیا جس کا واقعہ یہاں مذکور ہے۔ بائبل میں دو کتابیں حضرت سموئیل علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، ان میں سے پہلی کتاب میں بنی اسرائیل کی طرف سے بادشاہ مقرر کرنے کی فرمائش بھی ذکر کی گئی ہے، مگر بادشاہ کا نام طالوت کے بجائے ساؤل مذکور ہے۔ نیز بعض تفصیلات میں فرق بھی ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا ۚ قَالُوا أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ ۚ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۖ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٧﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٤٨﴾ ع ۳۲ ۱۶

اوران کے نبی نے ان سے کہا کہ: "اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ بنا کر بھیجا ہے۔" کہنے لگے: "بھلا اس کو ہم پر بادشاہت کرنے کا حق کہاں سے آگیا؟ ہم اس کے مقابلے میں بادشاہت کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور اس کو تو مالی وسعت بھی حاصل نہیں۔" نبی نے کہا: "اللہ نے ان کو تم پر فضیلت دے کر چنا ہے، اور انہیں علم اور جسم میں (تم سے) زیادہ وسعت عطا کی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ اور اللہ بڑی وسعت اور بڑا علم رکھنے والا ہے" ﴿۲۴۷﴾ اور ان سے ان کے نبی نے یہ بھی کہا کہ: "طالوت کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (واپس) آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے سکینت کا سامان ہے، اور موسیٰ اور ہارون نے جو اشیاء چھوڑی تھیں ان میں سے کچھ باقی ماندہ چیزیں ہیں۔ اسے فرشتے اُٹھائے ہوئے لائیں گے[۱۶۶] اگر تم مومن ہو تو تمہارے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔ ﴿۲۴۸﴾

(۱۶۶) جب بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ ماننے سے انکار کیا اور ان کے بادشاہ مقرر ہونے پر کوئی نشانی طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سموئیل علیہ السلام سے یہ کہلوایا کہ ان کے منجانب اللہ ہونے کی نشانی یہ ہوگی کہ اشدودی قوم کے لوگ جو متبرک صندوق اُٹھا کر لے گئے تھے، ان کے زمانے میں اللہ کے فرشتے وہ صندوق تمہارے پاس اُٹھا کر لے آئیں گے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ اشدودیوں نے وہ

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ ۚ فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۙ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ

چنانچہ جب طالوت لشکر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے (لشکر والوں سے) کہا کہ: "اللہ ایک دریا کے ذریعے تمہارا امتحان لینے والا ہے۔ جو شخص اس دریا سے پانی پیئے گا وہ میرا آدمی نہیں ہوگا، اور جو اسے نہیں چکھے گا وہ میرا آدمی ہوگا، اِلا یہ کہ کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو کچھ حرج نہیں)(۱۶۷)۔" پھر (ہوا یہ کہ) ان میں سے تھوڑے آدمیوں کے سوا باقی سب نے اس دریا سے (خوب) پانی پیا۔ چنانچہ جب وہ (یعنی طالوت) اور اس کے ساتھ ایمان رکھنے والے دریا کے پار اُترے، تو یہ لوگ (جنہوں نے طالوت کا حکم نہیں مانا تھا) کہنے لگے کہ: "آج جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی ہم میں بالکل طاقت نہیں ہے۔"

صندوق ایک مندر میں لے جا کر رکھا، مگر اس کے بعد وہ طرح طرح کی مصیبتوں سے دوچار ہونا شروع ہوگئے، کبھی ان کے بت اوندھے پڑے ہوئے ملتے، کبھی گلٹیوں کی وبا پھیل جاتی، کبھی چوہوں کی کثرت پریشان کرتی۔ آخر کار ان کے نجومیوں نے انہیں یہ مشورہ دیا کہ یہ ساری آفتیں اس صندوق کی وجہ سے ہیں، چنانچہ انہوں نے وہ صندوق بیل گاڑیوں پر رکھ کر انہیں شہر سے باہر کی طرف ہنکا دیا۔ بائبل میں فرشتوں کے صندوق لانے کا ذکر نہیں ہے، مگر قرآنِ کریم نے صاف کہا ہے کہ اسے فرشتے لے کر آئیں گے۔ اگر بائبل کی یہ روایت درست مانی جائے کہ ان لوگوں نے خود صندوق کو باہر نکال دیا تھا تو یہ ممکن ہے کہ بیل گاڑیوں نے اسے شہر سے باہر چھوڑ دیا ہو، اور وہاں سے اسے فرشتے اُٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لے آئے ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ بیل گاڑیوں پر ہنکانے کا قصہ ہی غلط ہو اور فرشتے اسے براہِ راست اُٹھا لائے ہوں۔ واللہ اعلم۔

(۱۶۷) یہ دریائے اُردن تھا، اور یہ امتحان بظاہر یہ دیکھنے کے لئے لیا گیا تھا کہ لشکر کے کتنے لوگ ہیں جو اپنے

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؕ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

(مگر) جن لوگوں کا ایمان تھا کہ وہ اللہ سے جا ملنے والے ہیں انہوں نے کہا کہ: ''نجانے کتنی چھوٹی جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آئی ہیں۔ اور اللہ ان لوگوں کا ساتھی ہے جو صبر سے کام لیتے ہیں'' ﴿۲۴۹﴾ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے آمنے سامنے ہوئے تو انہوں نے کہا: ''اے ہمارے پروردگار! صبر و استقلال کی صفت ہم پر اُنڈیل دے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور ہمیں اس کافر قوم کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا فرمادے'' ﴿۲۵۰﴾ چنانچہ انہوں نے اللہ کے حکم سے ان (جالوت کے ساتھیوں) کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا، (۱۶۸) اور اللہ نے اس کو سلطنت اور دانائی عطا کی، اور جو علم چاہا اس کو عطا فرمایا۔ اگر اللہ لوگوں کا ایک دوسرے کے ذریعے دِفاع نہ کرے تو زمین میں فساد پھیل جائے، لیکن اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے ﴿۲۵۱﴾ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کے سامنے ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں، اور آپ بیشک ان پیغمبروں میں سے ہیں جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ (۱۶۹) ﴿۲۵۲﴾

امیر کی اطاعت کا ایسا جذبہ رکھتے ہیں کہ اس پر اپنی خواہشات کو بھی قربان کردیں، کیونکہ اس طرح کی جنگ میں

ایسی مضبوط اطاعت کے بغیر کام نہیں چلتا۔

(۱۶۸) جالوت دُشمن کی فوج کا بڑا قوی ہیکل پہلوان تھا، سموئیل (علیہ السلام) کے نام پر جو پہلی کتاب بائبل میں ہے اس میں مذکور ہے کہ وہ کئی روز تک بنی اسرائیل کو چیلنج دیتا رہا کہ کوئی اس کے مقابلے کے لئے آئے، مگر کسی کو اس سے دوبدو لڑنے کی جرأت نہ ہوئی۔ داؤد علیہ السلام اس وقت نوعمر نوجوان تھے، ان کے تین بھائی جنگ میں شریک تھے، مگر وہ چونکہ سب سے چھوٹے تھے، اس لئے اپنے بوڑھے والد کی خدمت کے لئے ان کے پاس رہ گئے تھے۔ جب جنگ شروع ہوئے کئی دن گذر گئے تو ان کے والد نے انہیں اپنے تین بھائیوں کی خیر خبر لینے کے لئے میدانِ جنگ بھیجا، یہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ جالوت مسلسل چیلنج دے رہا ہے، اور کوئی اس سے لڑنے کے لئے آگے نہیں بڑھ رہا، تو انہیں غیرت آئی اور انہوں نے طالوت سے اجازت مانگی کہ وہ جالوت کے مقابلے کے لئے جانا چاہتے ہیں؛ ان کی نوعمری کے پیش نظر شروع میں طالوت اور دوسرے لوگوں کو بھی تردّد ہوا، لیکن ان کے اِصرار پر انہیں اجازت مل گئی۔ انہوں نے جالوت کے سامنے جاکر اللہ کا نام لیا اور ایک پتھر اس کی پیشانی پر مارا جو اس کے سر میں گھس گیا، اور وہ زمین پر گر پڑا۔ یہ اس کے پاس گئے اور خود اسی کی تلوار لے کر اس کا سر قلم کردیا۔ (۱-سموئیل، باب ۱۷) یہاں تک بائبل اور قرآنِ کریم کے بیان میں کوئی تعارض نہیں ہے، لیکن اس کے بعد بائبل میں یہ کہا گیا ہے کہ طالوت (یا ساؤل) کو حضرت داؤد علیہ السلام کی مقبولیت سے حسد ہوگیا تھا، چنانچہ بائبل میں ان کے خلاف بہت سی ناقابلِ یقین باتیں ذکر کی گئی ہیں۔ بظاہر یہ داستانیں ان بنی اسرائیل کی کارروائی ہے جو شروع سے طالوت کے مخالف تھے۔ قرآنِ کریم نے جن الفاظ میں طالوت کی تعریف کی ہے ان میں حسد جیسی بیماری کی گنجائش نہیں ہے۔ بہرحال حضرت داؤد علیہ السلام کے اس کارنامے نے انہیں ایسی مقبولیت عطا کی کہ بعد میں وہ بنی اسرائیل کے بادشاہ بھی بنے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوّت سے بھی سرفراز فرمایا، اور ان کے ذریعے پہلی بار ایسا ہوا کہ نبوّت اور بادشاہت ایک ہی ذات میں جمع ہوئیں۔

(۱۶۹) یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس طرف توجہ دِلائی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر ان آیات کا جاری ہونا آپ کے رسول ہونے کی دلیل ہے، اس لئے کہ آپ کے پاس ان واقعات کو جاننے کا وحی کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اور ''ٹھیک ٹھیک'' کے الفاظ سے شاید اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ اہلِ کتاب نے ان واقعات کو بیان کرنے میں کہیں مبالغے سے کام لیا ہے، اور کہیں من گھڑت قصے مشہور کردیئے ہیں۔ قرآنِ کریم ان میں سے صرف صحیح باتیں بیان کرتا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

یہ پیغمبر جو ہم نے (مخلوق کی اصلاح کے لئے) بھیجے ہیں، ان کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت عطا کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا، اور ان میں سے بعض کو اس نے بدر جہا بلندی عطا کی۔ (۱۷۰) اور ہم نے عیسیٰ ابنِ مریم کو کھلی نشانیاں دیں، اور روح القدس سے ان کی مدد فرمائی۔ (۱۷۱) اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے لوگ اپنے پاس روشن دلائل آجانے کے بعد آپس میں نہ لڑتے، لیکن انہوں نے خود اِختلاف کیا، چنانچہ ان میں سے کچھ وہ تھے جو اِیمان لائے، اور کچھ وہ جنہوں نے کفر اپنایا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے، لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے۔ (۱۷۲) ﴿۲۵۳﴾

(۱۷۰) مطلب یہ ہے کہ تھوڑی بہت فضیلت تو مختلف انبیائے کرام کو ایک دوسرے پر دی گئی ہے، لیکن بعض انبیائے کرام کو دوسروں پر بدر جہا زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔

(۱۷۱) یہی مضمون پیچھے آیت نمبر ۸۷ میں آچکا ہے۔ تشریح کے لئے اس آیت کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱۷۲) قرآنِ کریم نے بہت سے مقامات پر یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں یہ تھا کہ وہ تمام انسانوں کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور کر دیتا، اور اس صورت میں سب کا دِین ایک ہی ہو جاتا، اور کوئی اختلاف پیدا نہ ہوتا، لیکن اس سے وہ سارا نظام تلپٹ ہو جاتا جس کے لئے یہ دُنیا بنائی گئی ہے اور انسان کو اس میں بھیجا گیا ہے۔ انسان کو یہاں بھیجنے کا مقصد اس کا یہ امتحان لینا ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں سے ہدایت کا راستہ معلوم کرنے کے بعد کون ہے جو اس ہدایت پر اپنی مرضی سے چلتا ہے، اور کون ہے جو اس کو نظر انداز کر کے اپنی من گھڑت خواہشات کو اپنا رہنما بناتا ہے۔ اس لئے اللہ نے زبردستی لوگوں کو اِیمان پر مجبور نہیں کیا۔ چنانچہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْـحَيُّ الْقَيُّوْمُ ڬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِـيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـــوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اے ایمان والو! جو رزق ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے وہ دن آنے سے پہلے پہلے (اللہ کے راستے میں) خرچ کرلو جس دن نہ کوئی سودا ہوگا، نہ کوئی دوستی (کام آئے گی)، اور نہ کوئی سفارش ہو سکے گی۔(۱۷۳) اور ظالم وہ لوگ ہیں جو کفر اختیار کئے ہوئے ہیں ﴿۲۵۴﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے؛ جس کو نہ کبھی اُونگھ لگتی ہے، نہ نیند۔ آسمانوں میں جو کچھ ہے (وہ بھی) اور زمین میں جو کچھ ہے (وہ بھی)، سب اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کے حضور اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ سارے بندوں کے تمام آگے پیچھے کے حالات کو خوب جانتا ہے، اور وہ لوگ اُس کے علم کی کوئی بات اپنے علم کے دائرے میں نہیں لا سکتے، سوائے اُس بات کے جسے وہ خود چاہے۔ اس کی کرسی نے سارے آسمانوں اور زمین کو گھیرا ہوا ہے؛ اور اِن دونوں کی نگہبانی سے اسے ذرا بھی بوجھ نہیں ہوتا، اور وہ بڑا عالی مقام، صاحبِ عظمت ہے۔ ﴿۲۵۵﴾

آگے آیت نمبر ۲۵۶ میں صراحت کے ساتھ یہ بات کہہ دی گئی ہے کہ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ حق کے دلائل واضح کردیئے گئے ہیں، اس کے بعد جو کوئی حق کو اختیار کرے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لئے ایسا کرے گا، اور جو شخص اسے نظر انداز کر کے شیطان کے سکھائے ہوئے راستے پر چلے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔

(۱۷۳) اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۥ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۗ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾

دِین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت کا راستہ گمراہی سے ممتاز ہو کر واضح ہو چکا۔ اس کے بعد جو شخص طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے گا، اس نے ایک مضبوط کنڈا تھام لیا جس کے ٹوٹنے کا کوئی امکان نہیں۔ اور اللہ خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۲۵۶﴾ اللہ ایمان والوں کا رکھوالا ہے؛ وہ انہیں اندھیریوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، ان کے رکھوالے وہ شیطان ہیں جو انہیں روشنی سے نکال کر اندھیریوں میں لے جاتے ہیں۔ وہ سب آگ کے باسی ہیں؛ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۵۷﴾

کیا تم نے اس شخص (کے حال) پر غور کیا جس کو اللہ نے سلطنت کیا دے دی تھی کہ وہ اپنے پروردگار (کے وجود ہی) کے بارے میں ابراہیم سے بحث کرنے لگا؟ جب ابراہیم نے کہا کہ: "میرا پروردگار وہ ہے جو زندگی بھی دیتا ہے اور موت بھی" تو وہ کہنے لگا کہ: "میں بھی زندگی دیتا ہوں اور موت دیتا ہوں"۔ (۱۷۴) ابراہیم نے کہا: "اچھا! اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، تم ذرا اسے مغرب سے تو نکال کر لاؤ"۔ اس پر وہ کافر مبہوت ہو کر رہ گیا۔ اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿۲۵۸﴾

(۱۷۴) یہ بابل کا بادشاہ نمرود تھا جو خدائی کا بھی دعوے دار تھا۔ اس نے جو دعویٰ کیا کہ میں زندگی اور موت دیتا

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ

یا (تم نے) اس جیسے شخص (کے واقعے) پر (غور کیا) جس کا ایک بستی پر ایسے وقت گذر ہوا جب وہ چھتوں کے بل گری پڑی تھی؟ (۱۷۵) اس نے کہا کہ ''اللہ اس بستی کو اس کے مرنے کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟'' پھر اللہ نے اس شخص کو سو سال تک کے لئے موت دی، اور اس کے بعد زندہ کر دیا۔ (اور پھر) پوچھا کہ تم کتنے عرصے تک (اس حالت میں) رہے ہو؟ اس نے کہا: ''ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ!'' اللہ نے کہا: ''نہیں! بلکہ تم سو سال اسی طرح رہے ہو۔ اب اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ وہ ذرا نہیں سڑیں۔

ہوں اس کا مطلب یہ تھا کہ میں بادشاہ ہونے کی وجہ سے جس کو چاہوں موت کے گھاٹ اُتار دوں اور جس کو چاہوں موت کا مستحق ہونے کے باوجود معاف کر کے آزاد کر دوں، اور اس طرح اسے زندگی دے دوں۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ جواب قطعی طور پر غیر متعلق تھا، اس لئے کہ گفتگو زندگی اور موت کے اسباب سے نہیں ان کی تخلیق سے ہو رہی تھی، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ یا تو موت اور حیات کی تخلیق کا مطلب ہی نہیں سمجھتا یا کٹ حجتی پر اُتر آیا ہے، اس لئے انہوں نے ایک ایسی بات فرمائی جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ مگر لاجواب ہو کر حق کو قبول کرنے کے بجائے اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے قید کیا، پھر آگ میں ڈالنے کا حکم دیا جس کا ذکر قرآنِ کریم نے سورۂ انبیاء (۲۱:۶۸ تا ۷۱) سورۂ عنکبوت (۲۹:۲۴) اور سورۂ صافات (۳۷:۹۷) میں فرمایا ہے۔

(۱۷۵) آیت نمبر ۲۵۹ اور ۲۶۰ میں اللہ تعالیٰ نے دو ایسے واقعے ذکر فرمائے ہیں جن میں اس نے اپنے دو خاص بندوں کو اس دُنیا ہی میں مردوں کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کرایا۔ پہلے واقعے میں ایک ایسی بستی کا ذکر ہے جو مکمل طور پر تباہ ہو چکی تھی، اس کے تمام باشندے مر کھپ چکے تھے، اور مکانات چھتوں سمیت گر کر مٹی میں مل گئے تھے۔ ایک صاحب کا وہاں سے گذر ہوا تو انہوں نے دِل میں سوچا کہ اللہ تعالیٰ اس ساری بستی کو کس طرح زندہ کرے گا۔ بظاہر اس سوچ کا منشا خدانخواستہ کوئی شک کرنا نہیں تھا، بلکہ حیرت کا اظہار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی

وَانْظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾ وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ ع ۳۵

اور (دوسری طرف) اپنے گدھے کو دیکھو (کہ گل سڑ کر اس کا کیا حال ہو گیا ہے) اور یہ ہم نے اس لئے کیا تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے (اپنی قدرت کا) ایک نشان بنا دیں۔ اور (اب اپنے گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم کس طرح انہیں اُٹھاتے ہیں، پھر ان کو گوشت کا لباس پہناتے ہیں!'' چنانچہ جب حقیقت کھل کر اس کے سامنے آ گئی تو وہ بول اُٹھا کہ ''مجھے یقین ہے اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے'' ﴿۲۵۹﴾

اور (اس وقت کا تذکرہ سنو) جب ابراہیم نے کہا تھا کہ میرے پروردگار! مجھے دِکھایئے کہ آپ مردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں؟ اللہ نے کہا: ''کیا تمہیں یقین نہیں؟'' کہنے لگے: ''یقین کیوں نہ ہوتا؟ مگر (یہ خواہش اس لئے کی ہے) تاکہ میرے دِل کو پورا اطمینان حاصل ہو جائے''[۱۷۶]۔ اللہ نے کہا: ''اچھا! تو چار پرندے لو، اور انہیں اپنے سے مانوس کرلو، پھر (ان کو ذبح کر کے) ان کا ایک ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ، وہ چاروں تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے[۱۷۷]۔ اور جان رکھو کہ اللہ پوری طرح صاحبِ اقتدار بھی ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت والا بھی۔'' ﴿۲۶۰﴾

قدرت کا مشاہدہ اس طرح کرایا جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔ یہ صاحب کون تھے؟ اور یہ بستی کونسی تھی؟ یہ بات قرآنِ کریم نے نہیں بتائی، اور کوئی مستند روایت بھی ایسی نہیں ہے جس کے ذریعے یقینی طور پر ان باتوں کا تعین کیا جاسکے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ یہ بستی بیت المقدس تھی، اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب بخت نصر نے اس

پر حملہ کر کے اسے تباہ کر ڈالا تھا، اور یہ صاحب حضرت عزیر یا حضرت ارمیا علیہما السلام تھے۔ لیکن نہ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے، نہ اس کھوج میں پڑنے کی ضرورت ہے۔ قرآنِ کریم کا مقصد اس کے بغیر بھی واضح ہے۔ البتہ یہ بات تقریباً یقینی معلوم ہوتی ہے کہ یہ صاحب کوئی نبی تھے، کیونکہ اوّل تو اس آیت میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ہم کلام ہوئے، نیز اس طرح کے واقعات انبیائے کرام ہی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ دیکھئے نیچے حاشیہ ۱۷۷۔

(۱۷۶) اس سوال و جواب کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے یہ بات صاف کردی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ فرمائش خدانخواستہ کسی شک کی وجہ سے نہیں تھی، انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر پورا یقین تھا۔ لیکن آنکھوں سے دیکھنے کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ اس سے نہ صرف مزید اطمینان حاصل ہوتا ہے، بلکہ اس کے بعد انسان دوسروں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں، دلائل سے اس کا علم حاصل کرنے کے علاوہ آنکھوں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں۔

(۱۷۷) یعنی اگرچہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہر وقت مردے کو زندہ کرنے کا مشاہدہ کراسکتی ہے، مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک کو یہ مشاہدہ نہ کرایا جائے۔ اور بات دراصل یہ ہے کہ یہ دُنیا چونکہ امتحان کی جگہ ہے، اس لئے یہاں اصل قیمت ایمان بالغیب کی ہے، اور انسان سے مطلوب یہ ہے کہ وہ ان حقائق پر آنکھوں سے دیکھے بغیر دلائل کی بنیاد پر اِیمان لائے۔ البتہ انبیائے کرام کا معاملہ عام لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ جب غیب کے حقائق پر غیر متزلزل ایمان لاکر یہ ثابت کر چکے ہوتے ہیں کہ ان کا ایمان نہ کسی شک کی گنجائش رکھتا ہے اور نہ وہ آنکھ کے کسی مشاہدے پر موقوف ہے تو ان کے ایمان بالغیب کا امتحان اسی دُنیا میں پورا ہو جاتا ہے۔ پھر انہیں حکمتِ خداوندی کے تحت بعض غیبی حقائق آنکھوں سے بھی دِکھا دیئے جاتے ہیں، تاکہ ان کے علم و اطمینان کا معیار عام لوگوں سے زیادہ ہو، اور وہ ڈنکے کی چوٹ یہ کہہ سکیں کہ وہ جس بات کی دعوت دے رہے ہیں اس کی حقانیت انہوں نے آنکھوں سے بھی دیکھ رکھی ہے۔

بعض وہ لوگ جو خلافِ عادت باتوں کا اعتراف کرتے ہوئے ہچکچاتے ہیں، انہوں نے اس آیت میں بھی ایسی کھینچ تان کی ہے جس سے یہ نہ ماننا پڑے کہ وہ پرندے واقعۃً مر کر زندہ ہو گئے تھے۔ لیکن قرآنِ کریم کا پورا سیاق اور جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کا اُسلوب ایسی تأویلات کی تردید کرتا ہے۔ جو شخص عربی زبان کے محاورات اور اُسالیب سے واقف ہو وہ ان آیات کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں نکالے گا جو ترجمے میں بیان کیا گیا ہے۔

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۶۱﴾ اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتۡبِعُوۡنَ مَاۤ اَنۡفَقُوۡا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًی ۙ لَّهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوۡلٌ مَّعۡرُوۡفٌ وَّمَغۡفِرَةٌ خَیۡرٌ مِّنۡ صَدَقَةٍ یَّتۡبَعُهَاۤ اَذًی ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیۡمٌ ﴿۲۶۳﴾

جو لوگ اللہ کے راستے میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ سات بالیں اُگائے (اور) ہر بال میں سو دانے ہوں۔(۱۷۸) اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے (ثواب میں) کئی گنا اضافہ کردیتا ہے۔ اللہ بہت وسعت والا (اور) بڑے علم والا ہے ﴿۲۶۱﴾ جو لوگ اپنے مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ کوئی تکلیف پہنچاتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنا ثواب پائیں گے؛ نہ ان کو کوئی خوف لاحق ہوگا اور نہ کوئی غم پہنچے گا ﴿۲۶۲﴾ بھلی بات کہہ دینا اور درگذر کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد کوئی تکلیف پہنچائی جائے۔(۱۷۹) اور اللہ بڑا بے نیاز، بہت بردبار ہے ﴿۲۶۳﴾

(۱۷۸) یعنی اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے سات سو گنا ثواب ملتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جس کا ثواب چاہیں اور بڑھا سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ ''اللہ کے راستے میں خرچ'' کا قرآنِ کریم نے بار بار ذکر کیا ہے، اور اس سے مراد ہر وہ خرچ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس میں زکوٰۃ، صدقات، خیرات سب داخل ہیں۔

(۱۷۹) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سائل کسی سے مانگے اور وہ کسی وجہ سے دے نہ سکتا ہو تو اس سے نرم الفاظ میں معذرت کرلینا اور اگر وہ مانگنے پر ناروا اِصرار کرے تو اس کی غلطی سے درگذر کرنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ انسان دے تو دے، مگر بعد میں احسان جتلائے یا اسے ذلیل کرکے تکلیف پہنچائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۲۶۴﴾ وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۶۵﴾

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہنچا کر اُس شخص کی طرح ضائع مت کرو جو اپنا مال لوگوں کو دِکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ چنانچہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چکنی چٹان پر مٹی جمی ہو، پھر اس پر زور کی بارش پڑے اور اس (مٹی کو بہا کر چٹان) کو (دوبارہ) چکنی بنا چھوڑے۔ (۱۸۰) ایسے لوگوں نے جو کمائی کی ہوتی ہے وہ ذرا بھی ان کے ہاتھ نہیں لگتی۔ اور اللہ (ایسے) کافروں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۲۶۴﴾ اور جو لوگ اپنے مال اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے اور اپنے آپ میں پختگی پیدا کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ کسی ٹیلے پر واقع ہو؛ اس پر زور کی بارش برسے تو وہ دُگنا پھل لے کر آئے۔ اور اگر اس پر زور کی بارش نہ بھی برسے تو ہلکی پھوار بھی اس کے لئے کافی ہے۔ اور تم جو عمل بھی کرتے ہو اللہ اسے خوب اچھی طرح دیکھتا ہے ﴿۲۶۵﴾

---

(۱۸۰) چٹان پر اگر مٹی جمی ہو تو یہ اُمید ہوسکتی ہے کہ اس پر کوئی چیز کاشت کرلی جائے، لیکن اگر بارش مٹی کو بہالے جائے تو چٹان کے چکنے پتھر کاشت کے قابل نہیں رہتے۔ اسی طرح صدقہ خیرات سے آخرت کے ثواب کی اُمید ہوتی ہے، لیکن اگر اس کے ساتھ رِیاکاری یا احسان جتانے کی خرابی لگ جائے تو وہ صدقے کو بہالے جاتی ہے اور ثواب کی کوئی اُمید نہیں رہتی۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَ لَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚۖ فَاَصَابَهَاۤ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَ لَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں (اور) اس کو اس باغ میں اور بھی ہر طرح کے پھل حاصل ہوں، اور بڑھاپے نے اسے آپکڑا ہو، اور اس کے بچے ابھی کمزور ہوں؛ اتنے میں ایک آگ سے بھرا بگولا آ کر اس کو اپنی زد میں لے لے اور پورا باغ جل کر رہ جائے؟[(۱۸۱)] اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور کرو ﴿۲۶۶﴾ اے ایمان والو! جو کچھ تم نے کمایا ہو اور جو پیداوار ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالی ہو اس کی اچھی چیزوں کا ایک حصہ (اللہ کے راستے میں) خرچ کیا کرو؛ اور یہ نیت نہ رکھو کہ بس ایسی خراب قسم کی چیزیں (اللہ کے نام پر) دیا کرو گے جو (اگر کوئی دوسرا تمہیں دے تو نفرت کے مارے) تم اسے آنکھیں میچے بغیر نہ لے سکو۔ اور یاد رکھو کہ اللہ ایسا بے نیاز ہے کہ ہر قسم کی تعریف اسی کی طرف لوٹتی ہے ﴿۲۶۷﴾

---

(۱۸۱) صدقات کو برباد کرنے کی یہ دوسری مثال ہے۔ جس طرح ایک آگ سے بھرا بگولا ہرے بھرے باغ کو یکایک تباہ کرڈالتا ہے، اسی طرح ریاکاری یا صدقہ دے کر احسان جتلانا یا کسی اور طرح غریب آدمی کو ستانا صدقے کے عظیم ثواب کو برباد کرڈالتا ہے۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے؛ اور اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۲۶۸﴾ وہ جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کر دیتا ہے، اور جسے دانائی عطا ہوگئی اسے وافر مقدار میں بھلائی مل گئی۔ اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو سمجھ کے مالک ہیں ﴿۲۶۹﴾ اور تم جو کوئی خرچ کرو یا کوئی منّت مانو اللہ اسے جانتا ہے۔ اور ظالموں کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے ﴿۲۷۰﴾ اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تب بھی اچھا ہے؛ اور اگر ان کو چھپا کر فقراء کو دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں بہتر ہے۔ اور اللہ تمہاری برائیوں کا کفارہ کر دے گا؛ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۲۷۱﴾ (اے پیغمبر!) ان (کافروں) کو راہِ راست پر لے آنا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے راہِ راست پر لے آتا ہے۔ (۱۸۲)

---

(۱۸۲) بعض انصاری صحابہ کے کچھ غریب رشتہ دار تھے مگر چونکہ وہ کافر تھے اس لئے وہ ان کی امداد نہیں کرتے تھے، اور اس انتظار میں تھے کہ وہ اسلام لے آئیں تو ان کی امداد کریں۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ہدایت فرمائی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) اس طرح

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ ع اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

اور جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو وہ خود تمہارے فائدے کے لئے ہوتا ہے جبکہ تم اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے سوا کسی اور غرض سے خرچ نہیں کرتے۔ اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تم پر ذرا بھی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۷۲﴾ (مالی امداد کے بطور خاص) مستحق وہ فقراء ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں اس طرح مقید کر رکھا ہے کہ وہ (معاش کی تلاش کے لئے) زمین میں چل پھر نہیں سکتے۔ چونکہ وہ اتنے پاک دامن ہیں کہ کسی سے سوال نہیں کرتے، اس لئے ناواقف آدمی انہیں مال دار سمجھتا ہے۔ تم ان کے چہرے کی علامتوں سے ان (کی اندرونی حالت) کو پہچان سکتے ہو (مگر) وہ لوگوں سے لگ لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ (۱۸۳) اور تم جو مال بھی خرچ کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿۲۷۳﴾ جو لوگ اپنے مال دن رات خاموشی سے بھی اور علانیہ بھی خرچ کرتے ہیں وہ اپنے پروردگار کے پاس اپنا ثواب پائیں گے، اور نہ انہیں کوئی خوف لاحق ہوگا، نہ کوئی غم پہنچے گا ﴿۲۷۴﴾

مسلمانوں کو بتایا گیا کہ آپ پر ان کے اسلام لانے کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اگر آپ ان غریب کافروں پر بھی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کچھ خرچ کریں گے تو اس کا بھی پورا پورا ثواب ملے گا۔

(۱۸۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُہُ الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنۡ جَآءَہٗ مَوۡعِظَۃٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ فَانۡتَہٰی فَلَہٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمۡرُہٗۤ اِلَی اللّٰہِ ؕ وَ مَنۡ عَادَ فَاُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷۵﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ (قیامت میں) اُٹھیں گے تو اس شخص کی طرح اُٹھیں گے جسے شیطان نے چھوکر پاگل بنادیا ہو۔ یہ اس لئے ہوگا کہ انہوں نے کہا تھا کہ: "بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہوتی ہے۔"(۱۸۴) حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے پاس اس کے پروردگار کی طرف سے نصیحت آگئی اور وہ (سودی معاملات سے) باز آگیا تو ماضی میں جو کچھ ہوا وہ اسی کا ہے۔(۱۸۵) اور اس (کی باطنی کیفیت) کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔ اور جس شخص نے لوٹ کر پھر وہی کام کیا(۱۸۶) تو ایسے لوگ دوزخی ہیں۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ ﴿۲۷۵﴾

یہ وہ صحابہ تھے جنہوں نے اپنی زندگی علمِ دین حاصل کرنے کے لئے وقف کردی تھی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسجدِ نبوی سے متصل ایک چبوترے پر آپڑے تھے، طلبِ علم کی وجہ سے وہ کوئی معاشی مشغلہ اختیار نہیں کرسکتے تھے، مگر مفلسی کی سختیاں ہنسی خوشی برداشت کرتے تھے، کسی سے مانگنے کا سوال نہیں تھا۔ اس آیت نے بتایا کہ ایسے لوگ امداد کے زیادہ مستحق ہیں جو ایک نیک مقصد سے پوری اُمت کے فائدے کے لئے مقید ہوکر رہ گئے ہیں اور سختیاں جھیلنے کے باوجود اپنی ضرورت کسی کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔

آیت نمبر ۲۶۱ سے ۲۷۴ تک صدقات کی فضیلت اور اس کے اَحکام بیان ہوئے تھے۔ آگے آیت نمبر ۲۸۰ تک اس کی ضد یعنی سود کا بیان ہے۔ صدقات انسان کے جذبۂ سخاوت کی نشانی ہیں، اور سود بخل اور مال کی محبت کی علامت ہے۔

(۱۸۴) سود یا رِبا ہر اُس زیادہ رقم کو کہا جاتا ہے جو کسی قرض پر طے کرکے وصول کی جائے۔ مشرکین کا کہنا تھا کہ

جس طرح ہم کوئی سامان فروخت کر کے نفع کماتے ہیں اور اس کو شریعت نے حلال قرار دیا ہے، اسی طرح اگر قرض دے کر کوئی نفع کمائیں تو کیا حرج ہے؟ ان کے اس اعتراض کا جواب تو یہ تھا کہ سامانِ تجارت کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اسے بیچ کر نفع کمایا جائے، لیکن نقدی اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی کہ اسے سامانِ تجارت بنا کر اس سے نفع کمایا جائے۔ وہ تو ایک تبادلے کا ذریعہ ہے تاکہ اس کے ذریعے اشیائے ضرورت خریدی اور بیچی جاسکیں۔ نقدی کا نقدی سے تبادلہ کر کے اسے بذاتِ خود نفع کمانے کا ذریعہ بنالیا جائے تو اس سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔ (اس کی تفصیل دیکھنی ہو تو ربا کے موضوع پر میرا وہ فیصلہ ملاحظہ فرمایئے جو میں نے سپریم کورٹ آف پاکستان میں لکھا تھا اور اس کا اُردو ترجمہ بھی "سود پر تاریخی فیصلہ" کے نام سے شائع ہو چکا ہے) لیکن اللہ تعالیٰ نے یہاں بیع اور سود کے درمیان فرق کی تفصیل بیان کرنے کے بجائے ایک حاکمانہ جواب دیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام قرار دے دیا ہے تو ایک بندے کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس حکم کی حکمت اور اس کا فلسفہ پوچھتا پھرے اور گویا عملاً یہ کہے کہ جب تک مجھے اس کا فلسفہ سمجھ میں نہیں آجائے گا میں اس حکم پر عمل نہیں کروں گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں یقیناً کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ ہر شخص کی سمجھ میں بھی آجائے۔ لہٰذا اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے تو پہلے اس کے ہر حکم پر سرِ تسلیم خم کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اپنے مزید اطمینان کے لئے حکمت اور فلسفہ سمجھنے کی کوشش کرے تو کوئی حرج نہیں، لیکن اس پر اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کو موقوف رکھنا ایک مؤمن کا طرزِ عمل نہیں۔

(۱۸۵) مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے سود کی حرمت نازل ہونے سے پہلے لوگوں سے سود وصول کیا ہے، چونکہ اس وقت تک سود کے حرام ہونے کا اعلان نہیں ہوا تھا اس لئے وہ پچھلے معاملات معاف ہیں، اور ان کے ذریعے جو رقمیں وصول کی گئی ہیں وہ واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ حرمت کے اعلان کے وقت جو سود کسی پر واجب الأدا ہو وہ لینا جائز نہیں ہوگا بلکہ اسے چھوڑنا ہوگا، جیسا کہ آگے آیت نمبر ۲۷۸ میں حکم دیا گیا ہے۔

(۱۸۶) یعنی جن لوگوں نے حرمتِ سود کو تسلیم نہ کیا اور وہی اعتراض کرتے رہے کہ بیع اور سود میں کوئی فرق نہیں، وہ کافر ہونے کی وجہ سے ابدی عذاب کے مستحق ہوں گے۔ سود کے موضوع پر مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ان آیات کے تحت معارف القرآن اور مسئلۂ سود از حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور میرا مذکورہ بالا فیصلہ۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ ع

۳۸ ع ۸ ۲

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ اور اللہ ہر اس شخص کو ناپسند کرتا ہے جو ناشکرا گنہگار ہو ﴿۲۷۶﴾ (ہاں) وہ لوگ جو ایمان لائیں، نیک عمل کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں وہ اپنے رَبّ کے پاس اپنے اجر کے مستحق ہوں گے؛ نہ انہیں کوئی خوف لاحق ہوگا، نہ کوئی غم پہنچے گا ﴿۲۷۷﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم واقعی مؤمن ہو تو سود کا جو حصہ بھی (کسی کے ذمے) باقی رہ گیا ہو اسے چھوڑ دو ﴿۲۷۸﴾ پھر بھی اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ سن لو۔ اور اگر تم (سود سے) توبہ کرو تو تمہارا اصل سرمایہ تمہارا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو، نہ تم پر ظلم کیا جائے ﴿۲۷۹﴾ اور اگر کوئی تنگدست (قرض دار) ہو تو اس کا ہاتھ کھلنے تک مہلت دینی ہے۔ اور صدقہ ہی کر دو تو یہ تمہارے حق میں کہیں زیادہ بہتر ہے، بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو ﴿۲۸۰﴾ اور ڈرو اس دن سے جب تم سب اللہ کے پاس لوٹ کر جاؤ گے، پھر ہر ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا ہے پورا پورا دیا جائے گا، اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۸۱﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ ۚ فَلْيَكْتُبْ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ

اے ایمان والو! جب تم کسی معین میعاد کے لئے اُدھار کا کوئی معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تم میں سے جو شخص لکھنا جانتا ہو انصاف کے ساتھ تحریر لکھے، اور جو شخص لکھنا جانتا ہو، لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جب اللہ نے اسے یہ علم دیا ہے تو اسے لکھنا چاہئے۔ اور تحریر وہ شخص لکھوائے جس کے ذمے حق واجب ہو رہا ہو، اور اسے چاہئے کہ وہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے اور اس (حق) میں کوئی کمی نہ کرے۔[۱۸۷] ہاں اگر وہ شخص جس کے ذمے حق واجب ہو رہا ہے ناسمجھ یا کمزور ہو یا (کسی اور وجہ سے) تحریر نہ لکھوا سکتا ہو تو اس کا سرپرست انصاف کے ساتھ لکھوائے۔ اور اپنے میں سے دو مردوں کو گواہ بنالو، ہاں اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں میں سے ہو جائیں جنہیں تم پسند کرتے ہو، تاکہ اگر ان دو عورتوں میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ اور جب گواہوں کو (گواہی دینے کے لئے) بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں۔ اور جو معاملہ اپنی میعاد سے وابستہ ہو، چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، اسے لکھنے سے اُکتاؤ نہیں۔

(۱۸۷) یہ قرآنِ کریم کی سب سے طویل آیت ہے، اور اس میں سود کی حرمت بیان کرنے کے بعد اُدھار خرید و

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۬ؕ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ ع ۳۹ / ۷

یہ بات اللہ کے نزدیک زیادہ قرینِ انصاف اور گواہی کو درست رکھنے کا بہتر ذریعہ ہے، اور اس بات کی قریبی ضمانت ہے کہ تم آئندہ شک میں نہیں پڑو گے۔ ہاں اگر تمہارے درمیان کوئی نقد لین دین کا سودا ہو تو اس کو نہ لکھنے میں تمہارے لئے کچھ حرج نہیں ہے۔ اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ بنالیا کرو۔ اور نہ لکھنے والے کو کوئی تکلیف پہنچائی جائے، نہ گواہ کو۔ اور اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے نافرمانی ہوگی۔ اور اللہ کا خوف دِل میں رکھو۔ اللہ تمہیں تعلیم دیتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۲۸۲﴾ اور اگر تم سفر پر ہو اور تمہیں کوئی لکھنے والا نہ ملے تو (ادائیگی کی ضمانت کے طور پر) رہن قبضے میں رکھ لئے جائیں۔ ہاں اگر تم ایک دوسرے پر بھروسہ کرو تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے وہ اپنی امانت ٹھیک ٹھیک ادا کرے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ۔ اور جو گواہی کو چھپائے وہ گنہگار دِل کا حامل ہے۔ اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔ ﴿۲۸۳﴾

فروخت کے سلسلے میں اہم ہدایات دی گئی ہیں، جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام معاملات صفائی کے ساتھ ہوں۔ اگر کوئی اُدھار کسی کے ذمے واجب ہو رہا ہو تو اسے ایسی تحریر لکھنی یا لکھوانی چاہئے جو معاملے کی نوعیت کو واضح کردے۔ اس تحریر میں پوری بات لاگ لپیٹ کے بغیر لکھنی چاہئے اور کسی کا حق مارنے کے لئے تحریر میں کتر بیونت سے پرہیز کرنا چاہئے۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ اور جو باتیں تمہارے دِلوں میں ہیں، خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔(۱۸۸) پھر جس کو چاہے گا معاف کردے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا۔ اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ﴿۲۸۴﴾ یہ رسول (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس چیز پر اِیمان لائے ہیں جو ان کی طرف ان کے رَبّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور (ان کے ساتھ) تمام مسلمان بھی۔ یہ سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر اِیمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں کہ) ہم اس کے رسولوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے (کہ کسی پر اِیمان لائیں، کسی پر نہ لائیں) اور وہ یہ کہتے ہیں کہ: ''ہم نے (اللہ اور رسول کے اَحکام کو توجہ سے) سن لیا ہے، اور ہم خوشی سے (ان کی) تعمیل کرتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! ہم آپ کی مغفرت کے طلب گار ہیں۔ اور آپ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔'' ﴿۲۸۵﴾

---

(۱۸۸) آگے آیت نمبر ۲۸۶ کے پہلے جملے نے واضح کردیا کہ انسان کے اختیار کے بغیر جو خیالات اس کے دِل میں آجاتے ہیں، ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان جان بوجھ کر جو غلط عقیدے دِل میں رکھے، یا کسی گناہ کا سوچ سمجھ کر بالکل پکا ارادہ کرلے تو اس کا حساب ہوگا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ٚ وَاغْفِرْ لَنَا ٚ وَارْحَمْنَا ٚ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾ ع ۴۰ ۸

اللہ کسی بھی شخص کو اس کی وسعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں سونپتا۔ اس کو فائدہ بھی اسی کام سے ہوگا جو وہ اپنے ارادے سے کرے، اور نقصان بھی اسی کام سے ہوگا جو اپنے ارادے سے کرے۔ (مسلمانو! اللہ سے یہ دُعا کیا کرو کہ:) ''اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری گرفت نہ فرمائیے۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈالئے جیسا آپ نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اور اے ہمارے پروردگار! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالئے جسے اُٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ اور ہماری خطاؤں سے درگذر فرمائیے، ہمیں بخش دیجئے، اور ہم پر رحم فرمائیے۔ آپ ہی ہمارے حامی و ناصر ہیں، اس لئے کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں نصرت عطا فرمائیے۔'' ﴿۲۸۶﴾

الحمدللہ آج بتاریخ ۵ رجمادی الثانیہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۱۳ رجولائی ۲۰۰۵ء کراچی میں سورۂ بقرہ کے ترجمہ اور حواشی کی تکمیل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائیں اور باقی سورتوں کے ترجمہ اور تفسیر کو بھی آسان فرمادیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ آلِ عِمرَان

تعارف

عمرانؔ حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا نام ہے، اور ''آلِ عمران'' کا مطلب ہے ''عمران کا خاندان''۔ اس سورت کی آیات ۳۳ تا ۳۷ میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام ''سورۂ آل عمران'' ہے۔

اس سورت کے بیشتر حصے اُس دور میں نازل ہوئے ہیں جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، مگر یہاں بھی کفار کے ہاتھوں انہیں بہت سی مشکلات درپیش تھیں۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر معمولی فتح عطا فرمائی، اور کفارِ قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لئے اگلے سال اُنہوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا، اور غزوۂ اُحد پیش آیا، جس میں مسلمانوں کو عارضی پسپائی بھی اختیار کرنی پڑی۔ ان دونوں غزوات کا ذکر اس سورت میں آیا ہے، اور ان سے متعلق مسائل پر قیمتی ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں۔

مدینہ منورہ اور اس کے اَطراف میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے، سورۂ بقرہ میں ان کے عقائد و اعمال کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے، اور ضمناً عیسائیوں کا بھی تذکرہ آیا تھا۔ سورۂ آل عمران میں اصل رُوئے سخن عیسائیوں کی طرف ہے، اور ضمناً یہودیوں کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ عرب کے علاقے نجرانؔ میں عیسائی بڑی تعداد میں آباد تھے، اُن کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا۔ سورۂ آل عمران کا ابتدائی تقریباً آدھا حصہ اُنہی کے دلائل کے جواب اور حضرت مسیح علیہ السلام کی صحیح حیثیت بتانے میں صَرف ہوا ہے۔ نیز اس سورت میں زکوٰۃ، سود اور جہاد سے متعلق اَحکام بھی عطا فرمائے گئے ہیں، اور سورت کے آخر میں دعوت دی گئی ہے کہ اس کائنات میں پھیلی ہوئی قدرتِ خداوندی کی نشانیوں پر اِنسان کو غور کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر اِیمان لانا چاہئے، اور ہر حاجت کے لئے اُسی کو پکارنا چاہئے۔

اٰیاتھا ۲۰۰ ۳ سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ ۸۹ رکوعاتھا ۲۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٓمّٓ ۞۱ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۞۲ نَزَّلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىۃَ وَالْاِنْجِیْلَ ۞۳ مِنْ قَبْلُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۵ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَھُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ط وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ ۞۴ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ۞۵

سورۂ آلِ عمران مدنی ہے اور اس میں ۲۰۰ آیتیں اور ۲۰ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو سدا زندہ ہے، جو پوری کائنات سنبھالے ہوئے ہے: ﴿۲﴾ اس نے تم پر وہ کتاب نازل کی ہے جو حق پر مشتمل ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اور اسی نے تورات اور اِنجیل اُتاریں ﴿۳﴾ جو اس سے پہلے لوگوں کے لئے مجسم ہدایت بن کر آئی تھیں، اور اسی نے حق و باطل کو پرکھنے کا معیار نازل کیا۔[1] بیشک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا اِنکار کیا ہے ان کے لئے سخت عذاب ہے، اور اللہ زبردست اقتدار کا مالک اور بُرائی کا بدلہ دینے والا ہے ﴿۴﴾ یقین رکھو کہ اللہ سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، نہ زمین میں نہ آسمان میں ﴿۵﴾

(۱) یہاں قرآنِ کریم نے لفظ ''فرقان'' استعمال کیا ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو صحیح اور غلط کے درمیان فرق واضح کرنے والی ہو۔ قرآنِ کریم کا ایک نام ''فرقان'' بھی ہے، اس لئے کہ وہ حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے یہاں ''فرقان'' سے قرآن ہی مراد لیا ہے۔ دوسرے مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے مراد وہ معجزات ہیں جو انبیائے کرام کے ہاتھ پر ظاہر کئے گئے اور جنہوں نے ان کی نبوّت کا ثبوت فراہم کیا۔ نیز اس لفظ سے وہ تمام دلائل بھی مراد ہو سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتے ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

وہی ہے جو ماؤں کے پیٹ میں جس طرح چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ زبردست اقتدار کا بھی مالک ہے، اعلیٰ درجے کی حکمت کا بھی (۲) ﴿٦﴾ (اے رسول!) وہی اللہ ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی ہے جس کی کچھ آیتیں تو محکم ہیں جن پر کتاب کی اصل بنیاد ہے، اور کچھ دوسری آیتیں متشابہ ہیں۔ (۳)

---

(۲) اگر اِنسان اپنی پیدائش کے مختلف مراحل پر غور کرے کہ وہ ماں کے پیٹ میں کس طرح پرورش پاتا ہے، اور کس طرح اس کی صورت دوسرے اربوں انسانوں سے بالکل الگ بنتی ہے کہ کبھی دو آدمی سو فیصد ایک جیسے نہیں ہوتے تو اسے یہ تسلیم کرنے میں دیر نہ لگے کہ یہ سب کچھ خدائے واحد کی قدرت اور حکمت کے تحت ہو رہا ہے۔ اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کرکے اِللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور حکمت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ اس کے ساتھ اس سے ایک اور پہلو کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ شہر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تھا، اور اس نے اپنے عقائد کے بارے میں آپ سے گفتگو کی تھی۔ سورۂ آلِ عمران کی کئی آیات اسی پس منظر میں نازل ہوئی ہیں۔ اس وفد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے پر یہ دلیل بھی دی تھی کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ یہ آیت اس دلیل کی تردید بھی کر رہی ہے۔ اشارہ یہ کیا گیا ہے کہ ہر شخص کی تخلیق اور صورت گری اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے۔ اگرچہ اس نے معمول کا طریقہ یہ بنایا ہے کہ ہر بچہ کسی باپ کے ذریعے پیدا ہوتا ہے، لیکن وہ اس طریقے کا نہ پابند ہے نہ محتاج۔ لٰہذا وہ جب چاہے، جس کو چاہے بغیر باپ کے پیدا کر سکتا ہے، اور اس سے کسی کا خدا یا خدا کا بیٹا ہونا لازم نہیں آتا۔

(۳) اس آیت کو سمجھنے کے لئے پہلے اس حقیقت کا احساس ضروری ہے کہ اس کائنات کی بے شمار چیزیں ایسی ہیں جو اِنسان کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی وحدانیت تو ایک ایسی حقیقت ہے جو ہر انسان اپنی عقل سے معلوم کر سکتا ہے، لیکن اس کی ذات اور صفات کی تفصیلات انسان کی محدود عقل سے ماورا ہیں۔ قرآنِ کریم نے جہاں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر فرمایا ہے، ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ

بالغہ ظاہر کی گئی ہے، لیکن کوئی شخص ان صفات کی حقیقت اور کنہ کی فلسفیانہ کھوج میں پڑ جائے تو حیرانی یا گمراہی کے سوا اسے کچھ ہاتھ نہیں آئے گا، کیونکہ وہ اپنی محدود عقل سے اللہ تعالیٰ کی ان لامحدود صفات کا احاطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو اس کے ادراک سے باہر ہیں۔ مثلاً قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایک عرش ہے، اور یہ کہ وہ اس عرش پر مستوی ہوا۔ اب یہ بات کہ وہ عرش کیسا ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ کے مستوی ہونے کا کیا مطلب ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب انسان کی عقل اور سمجھ سے بالاتر ہے، اور انسان کی زندگی کا کوئی عملی مسئلہ اس پر موقوف بھی نہیں۔ ایسی آیات جن میں اس قسم کے حقائق بیان کئے گئے ہیں متشابہات کہلاتی ہیں۔ اسی طرح مختلف سورتوں کے شروع میں جو حروف الگ الگ نازل کئے گئے ہیں، (مثلاً اسی سورت کے شروع میں الف، لام، میم) اور جنہیں حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے وہ بھی متشابہات میں داخل ہیں۔ ان کے بارے میں قرآنِ کریم نے اس آیت میں یہ ہدایت دی ہے کہ ان کی کھود کرید میں پڑنے کے بجائے ان پر اِجمالی طور سے ایمان رکھ کر ان کا صحیح مطلب اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنا چاہئے۔ اس کے برعکس قرآنِ کریم کی دوسری آیتیں ایسی ہیں جن کا مطلب واضح ہے، اور درحقیقت وہی آیات ہیں جو اِنسان کے لئے عملی ہدایات فراہم کرتی ہیں، انہی آیات کو "محکم" آیتیں کہا گیا ہے۔ ایک مؤمن کو انہی پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔

متشابہات کے بارے میں صحیح طرزِ عمل بتلانا یوں بھی ضروری تھا، لیکن اس سورت میں اس وضاحت کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ نجران کے عیسائیوں کا جو وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا اور جس کا ذکر اُوپر کے حاشیہ میں گذرا ہے، اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا یا خدا کا بیٹا ہونے پر ایک دلیل یہ بھی پیش کی تھی کہ خود قرآن نے انہیں "کلمۃ اللہ" (اللہ کا کلمہ) اور "روح من اللہ" فرمایا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اللہ کی صفتِ کلام اور اللہ کی روح تھے۔ اس آیت نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ قرآنِ کریم ہی نے جگہ جگہ صاف لفظوں میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں ہوسکتی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خدا قرار دینا شرک اور کفر ہے۔ ان واضح آیتوں کو چھوڑ کر "کلمۃ اللہ" کے لفظ کو پکڑ بیٹھنا اور اس کی بنیاد پر ایسی تأویلیں کرنا جو قرآنِ کریم کی محکم آیات کے بالکل برخلاف ہیں، دِل کے ٹیڑھ کی علامت ہے۔ حقیقت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمۃ اللہ" کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ باپ کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے کلمہ "کن" سے پیدا ہوئے تھے (جیسا کہ قرآنِ کریم نے اسی سورت کی آیت: ۵۹ میں بیان فرمایا ہے۔ اور انہیں "روح من اللہ" اس لئے کہا گیا ہے کہ ان کی روح براہِ راست اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی تھی۔ اب یہ بات انسان کی سمجھ سے بالاتر ہے کہ "کن" سے پیدا کرنے کی کیفیت کیا تھی؟ اور براہِ راست ان کی روح کس طرح پیدا کی گئی؟ یہ اُمور متشابہات میں سے ہیں، اس لئے ان کی کھود کرید بھی منع ہے، (کیونکہ یہ باتیں انسان کی سمجھ میں آہی نہیں سکتیں) اور ان کی من مانی تأویل کرکے ان سے خدا کے بیٹے کا تصوّر برآمد کرنا بھی کج فہمی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؕۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝٧ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝٨ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝٩ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝١٠

وقف لازم — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اب جن لوگوں کے دِلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تاکہ فتنہ پیدا کریں اور ان آیتوں کی تاویلات تلاش کریں، حالانکہ ان آیتوں کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جن لوگوں کا علم پختہ ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ: "ہم اس (مطلب) پر ایمان لاتے ہیں (جو اللہ کو معلوم ہے)۔ سب کچھ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے۔" اور نصیحت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو عقل والے ہیں ﴿۷﴾ (ایسے لوگ یہ دُعا کرتے ہیں کہ:) "اے ہمارے رَبّ! تو نے ہمیں جو ہدایت عطا فرمائی ہے اس کے بعد ہمارے دِلوں میں ٹیڑھ پیدا نہ ہونے دے، اور خاص اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما۔ بیشک تیری، اور صرف تیری ذات وہ ہے جو بے انتہا بخشش کی خوگر ہے ﴿۸﴾ ہمارے پروردگار! تو تمام انسانوں کو ایک ایسے دن جمع کرنے والا ہے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔" بیشک اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا ﴿۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اللہ کے مقابلے میں نہ ان کی دولت ان کے کچھ کام آئے گی، نہ ان کی اولاد، اور وہی ہیں جو آگ کا ایندھن بن کر رہیں گے ﴿۱۰﴾

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَھُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑪ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُـؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ⑬

ان کا حال فرعون اور ان سے پہلے کے لوگوں کے معاملے جیسا ہے۔ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، چنانچہ اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ میں لے لیا، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۱﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان سے کہہ دو کہ تم مغلوب ہوگے(۴) اور تمہیں جمع کر کے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، اور وہ بہت بُرا بچھونا ہے ﴿۱۲﴾

تمہارے لئے ان دو گروہوں (کے واقعے) میں بڑی نشانی ہے جو ایک دوسرے سے ٹکرائے تھے۔ ان میں سے ایک گروہ اللہ کے راستے میں لڑ رہا تھا، اور دوسرا کافروں کا گروہ تھا جو اپنے آپ کو کھلی آنکھوں ان سے کئی گنا زیادہ دیکھ رہا تھا۔(۵) اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے۔ بیشک اس واقعے میں آنکھوں والوں کے لئے عبرت کا بڑا سامان ہے ﴿۱۳﴾

---

(۴) اس سے دُنیا میں کافروں کے مغلوب ہونے کی پیش گوئی بھی مراد ہو سکتی ہے، اور آخرت میں مغلوب ہونے کی بھی۔

(۵) پیچھے یہ پیشینگوئی کی گئی تھی کہ کفار مسلمانوں سے مغلوب ہوں گے۔ اب اس کی ایک مثال دینے کی غرض سے جنگِ بدر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں کافروں کا لشکر ایک ہزار مسلح لوگوں پر مشتمل تھا، اور مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ کافر کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے کہ ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور کافروں کو شکستِ فاش کا سامنا کرنا پڑا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿١٤﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿١٥﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾

لوگوں کے لئے ان چیزوں کی محبت خوشنما بنادی گئی ہے جو ان کی نفسانی خواہش کے مطابق ہوتی ہیں، یعنی عورتیں، بچے، سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر، نشان لگائے ہوئے گھوڑے، چوپائے اور کھیتیاں۔ یہ سب دُنیوی زندگی کا سامان ہے (لیکن) ابدی انجام کا حسن تو صرف اللہ کے پاس ہے۔ ﴿۱۴﴾ کہہ دو! کیا میں تمہیں وہ چیزیں بتاؤں جو ان سب سے کہیں بہتر ہیں؟ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے ان کے ربّ کے پاس وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور پاکیزہ بیویاں ہیں، اور اللہ کی طرف سے خوشنودی ہے۔ اور تمام بندوں کو اللہ اچھی طرح دیکھ رہا ہے ﴿۱۵﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: "اے ہمارے پروردگار! ہم آپ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اب ہمارے گناہوں کو بخش دیجئے، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالیجئے۔" ﴿۱۶﴾ یہ لوگ بڑے صبر کرنے والے ہیں، سچائی کے خوگر ہیں، عبادت گذار ہیں، (اللہ کی خوشنودی کے لئے) خرچ کرنے والے ہیں، اور سحری کے اوقات میں اِستغفار کرتے رہتے ہیں۔ ﴿۱۷﴾

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ

اللہ نے خود اس بات کی گواہی دی ہے، اور فرشتوں اور اہلِ علم نے بھی، کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے انصاف کے ساتھ (کائنات کا) انتظام سنبھالا ہوا ہے۔ اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جس کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۸﴾ بیشک (معتبر) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی انہوں نے الگ راستہ لاعلمی میں نہیں بلکہ علم آجانے کے بعد محض آپس کی ضد کی وجہ سے اختیار کیا، اور جو شخص بھی اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے تو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿۱۹﴾ پھر بھی اگر یہ تم سے جھگڑیں تو کہہ دو کہ: ''میں نے تو اپنا رُخ اللہ کی طرف کرلیا ہے، اور جنہوں نے میری اتباع کی ہے انہوں نے بھی۔'' اور اہلِ کتاب سے اور (عرب کے) اَن پڑھ (مشرکین) سے کہہ دو کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام لے آئیں تو ہدایت پا جائیں گے، اور اگر انہوں نے منہ موڑا تو تمہاری ذمہ داری صرف پیغام پہنچانے کی حد تک ہے، اور اللہ تمام بندوں کو خود دیکھ رہا ہے ﴿۲۰﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں، اور انصاف کی تلقین کرنے والے لوگوں کو بھی قتل کرتے ہیں،

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ز وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ص وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ قف وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ز وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط

ان کو دردناک عذاب کی ''خوشخبری'' سنادو۔ ﴿۲۱﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں غارت ہو چکے ہیں، اور ان کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہیں ہوں گے ﴿۲۲﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا کہ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، اس کے باوجود ان میں سے ایک گروہ منہ موڑ کر انحراف کر جاتا ہے ﴿۲۳﴾ یہ سب اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہوا ہے کہ ہمیں گنتی کے چند دنوں کے سوا آگ ہرگز نہیں چھوئے گی۔ اور انہوں نے جو جھوٹی باتیں تراش رکھی ہیں انہوں نے ان کے دین کے معاملے میں ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے ﴿۲۴﴾ بھلا اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب ہم انہیں ایک ایسے دن (کا سامنا کرنے) کے لئے جمع کرلائیں گے جس کے آنے میں ذرا بھی شک نہیں ہے، اور ہر ہر شخص نے جو کچھ کمائی کی ہوگی وہ اس کو پوری پوری دے دی جائے گی، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۲۵﴾ کہو کہ: ''اے اللہ! اے اقتدار کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے اقتدار بخشتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے اقتدار چھین لیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے عزّت بخشتا ہے اور جس کو چاہتا ہے رُسوا کر دیتا ہے، تمام تر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ج وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ط وَیُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ط وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾

یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۶﴾ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔(۶) اور تو ہی بے جان چیز میں سے جاندار کو برآمد کر لیتا ہے اور جاندار میں سے بے جان چیز نکال لاتا ہے،(۷) اور جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے ﴿۲۷﴾(۸) مؤمن لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا یار و مددگار نہ بنائیں۔ اور جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں، اِلا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو۔(۹) اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے۔ اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے ﴿۲۸﴾

---

(۶) جب غزوۂ احزاب کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشینگوئی فرمائی تھی کہ روم اور ایران کی سلطنتیں مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گی تو کفار نے بڑا مذاق اُڑایا کہ ان لوگوں کو اپنے دِفاع کے لئے خندق کھودنی پڑ رہی ہے اور ان پر فاقے گذر رہے ہیں، مگر دعوے یہ ہیں کہ یہ روم اور ایران فتح کرلیں گے۔ اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو یہ دُعا تلقین فرما کر ایک لطیف پیرائے میں ان کا جواب دے دیا گیا۔

(۷) سردیوں میں دن چھوٹا ہوتا ہے تو گرمیوں کے دن کا کچھ حصہ رات بن جاتا ہے، اور گرمیوں میں دن بڑا ہوتا ہے تو سردیوں کی رات کا کچھ حصہ دن میں داخل ہو جاتا ہے۔

(۸) مثلاً بے جان انڈے سے جاندار چوزہ نکل آتا ہے اور جاندار پرندے سے بے جان انڈا۔

(۹) ''یار و مددگار'' عربی لفظ ''ولی'' کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ ''ولی'' بنانے کو ''موالات'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس سے مراد ایسی دوستی اور قلبی محبت کا تعلق ہے جس کے نتیجے میں دو آدمیوں کا مقصدِ زندگی اور ان کا نفع و نقصان ایک ہو جائے۔

قُلۡ اِنۡ تُخۡفُوۡا مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ اَوۡ تُبۡدُوۡہُ یَعۡلَمۡہُ اللّٰہُ ؕ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۲۹﴾ یَوۡمَ تَجِدُ کُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَیۡرٍ مُّحۡضَرًا ۚۖۛ وَّ مَا عَمِلَتۡ مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَیۡنَہَا وَ بَیۡنَہٗۤ اَمَدًۢا بَعِیۡدًا ؕ

معانقۃ ۳

(اے رسول!) لوگوں کو بتادو کہ جو کچھ تمہارے دِلوں میں ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو، اللہ اسے جان لے گا۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ سب جانتا ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۲۹﴾ وہ دن یاد رکھو جس دن کسی بھی شخص نے نیکی کا جو کام کیا ہوگا اسے اپنے سامنے موجود پائے گا، اور بُرائی کا جو کام کیا ہوگا اس کو بھی (اپنے سامنے دیکھ کر) یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس کی بدی کے درمیان بہت دُور کا فاصلہ ہوتا!

اس قسم کا تعلق مسلمان کا صرف مسلمان ہی سے ہوسکتا ہے، اور کسی غیر مسلم سے ایسا تعلق رکھنا سخت گناہ ہے، اور اس آیت میں اسے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ یہی حکم سورۂ نساء (۴: ۱۳۹ و ۱۴۴)، سورۂ مائدہ (۵: ۵۱ و ۵۷ و ۸۱)، سورۂ توبہ (۹: ۲۳)، سورۂ مجادلہ (۵۸: ۲۲) اور سورۂ ممتحنہ (۶۰: ۱) میں بھی دیا گیا ہے۔ البتہ جو غیر مسلم جنگ کی حالت میں نہ ہوں ان کے ساتھ حسنِ سلوک، رواداری اور خیر خواہی کا معاملہ نہ صرف جائز بلکہ مطلوب ہے، جیسا کہ خود قرآنِ کریم نے سورۂ ممتحنہ (۶۰: ۸) میں واضح فرمادیا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پوری حیاتِ طیبہ میں یہ رہی ہے کہ آپ نے ہمیشہ ایسے لوگوں کے ساتھ احسان کا معاملہ فرمایا۔ اسی طرح ان کے ساتھ سیاسی اور اقتصادی تعاون کے وہ معاہدے اور تجارتی معاملات بھی کئے جاسکتے ہیں جن کو آج کل کی سیاسی اصطلاح میں دوستی کے معاہدے کہا جاتا ہے، بشرطیکہ یہ معاہدے یا معاملات اسلام اور مسلمانوں کی مصلحت کے خلاف نہ ہوں، اور ان میں کسی خلافِ شرع عمل کا ارتکاب لازم نہ آئے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد صحابۂ کرام نے ایسے معاہدات اور معاملات کئے ہیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ موالات کی ممانعت کرنے کے بعد قرآنِ کریم نے جو فرمایا ہے کہ: ''اِلا یہ کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لئے بچاؤ کا کوئی طریقہ اختیار کرو'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کفار کے ظلم وتشدد سے بچاؤ کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا پڑے جس سے بظاہر موالات معلوم ہوتی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ

اور اللہ تمہیں اپنے (عذاب) سے بچاتا ہے، اور اللہ بندوں پر بہت شفقت رکھتا ہے ﴿۳۰﴾ (اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خاطر تمہارے گناہ معاف کردے گا۔ اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۱﴾ کہہ دو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ پھر بھی اگر منہ موڑو گے تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۲﴾ اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان، اور عمران کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی ﴿۳۳﴾ یہ ایسی نسل تھی جس کے افراد (نیکی اور اخلاص میں) ایک دوسرے سے ملتے جلتے تھے۔[10] اور اللہ (ہر ایک کی بات) سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۳۴﴾ (چنانچہ اللہ کے دُعا سننے کا وہ واقعہ یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا تھا کہ: "یا ربّ! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے ہر کام سے آزاد کرکے تیرے لئے وقف رکھوں گی۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔

(۱۰) آیت کا یہ ترجمہ حضرت قتادہؒ کی تفسیر پر مبنی ہے (دیکھئے روح المعانی ۳:۱۷۶) واضح رہے کہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا بھی نام ہے، اور حضرت مریم علیہا السلام کے والد کا بھی، یہاں دونوں مراد ہوسکتے ہیں، لیکن چونکہ آگے حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ آرہا ہے، اس لئے ظاہر یہ ہے کہ یہاں حضرت مریم علیہا السلام ہی کے والد مراد ہیں۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰى ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْۤ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

بیشک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔'' ﴿۳۵﴾ پھر جب ان سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ (حسرت سے) کہنے لگیں: ''یا ربّ! یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہوگئی ہے'' ـــــ حالانکہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے ـــــ ''اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا۔ میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطانِ مردود سے حفاظت کے لئے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔'' ﴿۳۶﴾ چنانچہ اس کے رَبّ نے اس (مریم) کو بطریقِ اَحسن قبول کیا اور اسے بہترین طریقے سے پروان چڑھایا۔ اور زکریا اس کے سرپرست بنے۔[11] جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے، ان کے پاس کوئی رزق پاتے۔ انہوں نے پوچھا: ''مریم! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟'' وہ بولیں: ''اللہ کے پاس سے! اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔'' ﴿۳۷﴾

(۱۱) حضرت عمران بیت المقدس کے اِمام تھے؛ ان کی اہلیہ کا نام حنّہ تھا۔ ان کے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے انہوں نے نذر مانی تھی کہ اگر ان کے کوئی اولاد ہوگی تو وہ اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کردیں گی۔ جب حضرت مریم پیدا ہوئیں تو حضرت عمران کا انتقال ہوگیا، حضرت حنّہ کے بہنوئی زکریا علیہ السلام تھے جو حضرت مریم کے خالو ہوئے۔ حضرت مریم کی سرپرستی کا مسئلہ پیدا ہوا تو قرعہ اندازی کے ذریعے اس کا فیصلہ کیا گیا اور قرعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے نام نکلا جس کا ذکر آگے اسی سورت کی آیت نمبر ۴۴ میں آرہا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

اس موقع پر زکریا نے اپنے رَبّ سے دُعا کی، کہنے لگے: ''یا رَبّ! مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دے۔ بیشک تو دُعا کا سننے والا ہے۔''(۱۲) ﴿۳۸﴾ چنانچہ (ایک دن) جب زکریا عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، فرشتوں نے انہیں آواز دی کہ: ''اللہ آپ کو یحیٰی کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے جو اس شان سے پیدا ہوں گے کہ اللہ کے ایک کلمے کی تصدیق کریں گے،(۱۳) لوگوں کے پیشوا ہوں گے، اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے مکمل طور پر روکے ہوئے ہوں گے،(۱۴) اور نبی ہوں گے اور ان کا شمار راست بازوں میں ہوگا۔'' ﴿۳۹﴾

(۱۲) حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بے موسم کے پھل آیا کرتے تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے یہ دیکھا تو انہیں توجہ ہوئی کہ جو خدا ان کو بے موسم کے پھل دیتا ہے وہ مجھے اس بڑھاپے میں اولاد بھی دے سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ دُعا مانگی۔

(۱۳) ''اللہ کے کلمے'' سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ اس سورت کے شروع میں اُوپر واضح کیا گیا ہے انہیں ''کلمۃ اللہ'' اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ باپ کے بغیر اللہ کے کلمۂ ''کن'' سے پیدا ہوئے تھے۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام ان سے پہلے پیدا ہوئے اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کی تصدیق فرمائی۔

(۱۴) حضرت یحیٰی علیہ السلام کی یہ خاص صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی نفسانی خواہشات پر پورا قابو رکھنے والے ہوں گے۔ یہ صفت اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہے، لیکن ان کا خاص طور سے اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس درجہ مشغول رہتے تھے کہ ان کو نکاح کرنے کی طرف رغبت نہیں ہوئی۔ اگرچہ عام حالات میں نکاح سنت ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنے نفس پر اتنا قابو یافتہ ہو جیسے حضرت یحیٰی علیہ السلام تھے تو اس کے لئے کنوارا رہنا بلا کراہت جائز ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝۴۰ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۴۱ ع وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۴۲

ع ۱۱ ۱۲

زکریا نے کہا: "یا ربّ! میرے یہاں لڑکا کس طرح پیدا ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے[۱۵]؟" اللہ نے کہا: "اسی طرح! اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔" ﴿۴۰﴾ انہوں نے کہا: "پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کردیجئے۔" اللہ نے کہا: "تمہاری نشانی یہ ہوگی کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا کوئی بات نہیں کرسکو گے[۱۶]۔ اور اپنے ربّ کا کثرت سے ذکر کرتے رہو، اور ڈھلے دن کے وقت بھی اور صبح سویرے بھی اللہ کی تسبیح کیا کرو۔" ﴿۴۱﴾ اور (اب اس وقت کا تذکرہ سنو) جب فرشتوں نے کہا تھا کہ: "اے مریم! بیشک اللہ نے تمہیں چن لیا ہے، تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور دُنیا جہان کی ساری عورتوں میں تمہیں منتخب کر کے فضیلت بخشی ہے ﴿۴۲﴾

(۱۵) دُعا حضرت زکریا علیہ السلام نے خود مانگی تھی، اس لئے یہ سوال خدانخواستہ کسی بے یقینی کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ ایک غیر معمولی نعمت کی خبر سن کر تعجب کا اظہار تھا جو درحقیقت شکر کا ایک انداز ہے۔ نیز سوال کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کیا بچہ اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہوجائے گا یا ہماری جوانی لوٹادی جائے گی؟ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: "اسی طرح!" یعنی لڑکا اسی بڑھاپے کی حالت میں پیدا ہوگا۔

(۱۶) حضرت زکریا علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ کوئی ایسی نشانی معلوم ہوجائے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ اب حمل قرار پاگیا ہے، تاکہ وہ اسی وقت سے شکر ادا کرنے میں لگ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نشانی بتلائی کہ جب حمل قرار پائے گا تو تم پر ایسی حالت طاری ہوجائے گی کہ تم اللہ کے ذکر اور تسبیح کے سوا کسی سے کوئی بات نہیں کرسکو گے، اور بات کرنے کی ضرورت پیش آئی تو اشاروں سے کرنی ہوگی۔

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اے مریم! تم اپنے ربّ کی عبادت میں لگی رہو، اور سجدہ کرو اور رُکوع کرنے والوں کے ساتھ رُکوع بھی کیا کرو۔" ﴿۴۳﴾ (اے پیغمبر!) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تمہیں دے رہے ہیں۔ تم اُس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ یہ طے کرنے کے لئے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا،(۱۷) اور نہ اس وقت تم ان کے پاس تھے جب وہ (اس مسئلے میں) ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے ﴿۴۴﴾ (وہ وقت بھی یاد کرو) جب فرشتوں نے مریم سے کہا تھا کہ: "اے مریم! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ایک کلمے کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا،(۱۸) جو دُنیا اور آخرت دونوں میں صاحبِ وجاہت ہوگا، اور (اللہ کے) مقرب بندوں میں سے ہوگا ﴿۴۵﴾ اور وہ گہوارے میں بھی لوگوں سے بات کرے گا(۱۹) اور بڑی عمر میں بھی، اور راست باز لوگوں میں سے ہوگا۔" ﴿۴۶﴾

---

(۱۷) جیسا کہ اُوپر آیت نمبر ۳۷ میں ذکر کیا گیا، حضرت مریم علیہا السلام کے والد کی وفات کے بعد ان کی کفالت کے بارے میں اختلافِ رائے پیدا ہوا تو اس کا فیصلہ قرعہ اندازی کے ذریعے کیا گیا۔ اس زمانے میں قرعہ قلموں کے ذریعے ڈالا جاتا تھا اس لئے یہاں قلم ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۸) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ اُوپر حاشیہ نمبر ۱۳ میں گذر چکی ہے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی واضح کرنے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معجزے کے طور پر اس وقت بات کرنے کی قدرت عطا فرمائی تھی جب وہ دُودھ پیتے بچے تھے۔ اس کا ذکر سورۂ مریم (آیت نمبر ۲۹ تا ۳۳) میں آیا ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾

مریم نے کہا: "پروردگار! مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو جائے گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں؟" اللہ نے فرمایا: "اللہ اسی طرح جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ "ہو جا" بس وہ ہو جاتا ہے ﴿۴۷﴾ اور وہی (اللہ) اس کو (یعنی عیسیٰ ابن مریم کو) کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دے گا ﴿۴۸﴾ اور اسے بنی اسرائیل کے پاس رسول بنا کر بھیجے گا (جو لوگوں سے یہ کہے گا) کہ: "میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں، (اور وہ نشانی یہ ہے) کہ میں تمہارے سامنے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں، اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں، اور تم لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں کھاتے یا ذخیرہ کر کے رکھتے ہو میں وہ سب بتا دیتا ہوں[20]۔ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو ان تمام باتوں میں تمہارے لئے (کافی) نشانی ہے ﴿۴۹﴾

---

(۲۰) یہ سب معجزے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی نبوت کے ثبوت کے طور پر عطا فرمائے تھے، اور آپ نے ان کا عملی مظاہرہ فرمایا۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لئے بھیجا گیا ہوں) تا کہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لئے حلال کردوں۔[21] اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو ﴿۵۰﴾ بیشک اللہ میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یہی سیدھا راستہ ہے (کہ صرف اسی کی عبادت کرو)'' ﴿۵۱﴾ پھر جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ وہ کفر پر آمادہ ہیں، تو انہوں نے (اپنے پیروؤں سے) کہا: ''کون کون لوگ ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہوں؟''[22] حواریوں نے کہا: ''ہم اللہ (کے دِین) کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر اِیمان لاچکے ہیں، اور آپ گواہ رہئے کہ ہم فرماں بردار ہیں ﴿۵۲﴾ اے ہمارے رَبّ! آپ نے جو کچھ نازل کیا ہے ہم اس پر اِیمان لائے ہیں اور ہم نے رسول کی اتباع کی ہے، لہٰذا ہمیں ان لوگوں میں لکھ لیجئے جو (حق کی) گواہی دینے والے ہیں۔'' ﴿۵۳﴾

---

(۲۱) بنی اسرائیل کے لئے موسوی شریعت میں بعض چیزیں حرام کی گئی تھیں، مثلاً اُونٹ کا گوشت اور چربی، بعض پرندے اور مچھلیوں کی بعض اقسام۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں انہیں جائز قرار دے دیا گیا۔

(۲۲) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صحابہ کو حواری کہا جاتا ہے۔

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۖ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

اوران کافروں نے (عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف) خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ﴿۵۴﴾ (اس کی تدبیر اس وقت سامنے آئی) جب اللہ نے کہا تھا کہ: "اے عیسیٰ! میں تمہیں صحیح سالم واپس لے لوں گا، (۲۳) اور تمہیں اپنی طرف اُٹھالوں گا، اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے ان (کی ایذا) سے تمہیں پاک کردوں گا۔ اور جن لوگوں نے تمہاری اتباع کی ہے، ان کو قیامت کے دن تک ان لوگوں پر غالب رکھوں گا جنہوں نے تمہارا انکار کیا ہے۔ (۲۴) پھر تم سب کو میرے پاس لوٹ کر آنا ہے، اس وقت میں تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۵۵﴾

---

(۲۳) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخالفین نے انہیں سولی پر چڑھانے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھالیا اور جو لوگ آپ کو گرفتار کرنے آئے تھے ان میں سے ایک شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا، اور مخالفین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دھوکے میں اسے سولی پر چڑھا دیا۔ آیت کا جو ترجمہ یہاں کیا گیا ہے وہ عربی لفظ "توفی" کے لغوی معنیٰ پر مبنی ہے، اور مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں یہی معنیٰ مراد لئے ہیں۔ اس لفظ کی ایک اور تشریح بھی ممکن ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے بھی مروی ہے۔ اس کے لئے ملاحظہ ہو معارف القرآن ص: ۷۴ ج: ۲۔

(۲۴) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے والے (خواہ انہیں صحیح طور پر مانتے ہوں جیسے مسلمان، یا غلو کے ساتھ مانتے ہوں جیسے عیسائی) ان کے مخالفین پر ہمیشہ غالب رہیں گے۔ چنانچہ تاریخ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے، البتہ صدیوں کی تاریخ میں اگر کچھ مختصر عرصے کے لئے جزوی طور پر کہیں ان کے مخالفین کا غلبہ ہوگیا ہو تو وہ اس کے منافی نہیں ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۟ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

چنانچہ جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کو تو میں دُنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا، اور ان کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے ﴿۵۶﴾ البتہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو اللہ ان کا پورا پورا ثواب دے گا، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿۵۷﴾ (اے پیغمبر!) یہ وہ آیتیں اور حکمت بھرا ذکر ہے جو ہم تمہیں پڑھ کر سنا رہے ہیں ﴿۵۸﴾ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے؛ اللہ نے انہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر ان سے کہا: ''ہو جاؤ'' بس وہ ہو گئے ﴿۵۹﴾ حق وہی ہے جو تمہارے ربّ کی طرف سے آیا ہے، لہٰذا شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جانا ﴿۶۰﴾ تمہارے پاس (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا) جو صحیح علم آ گیا ہے اس کے بعد بھی جو لوگ اس معاملے میں تم سے بحث کریں تو ان سے کہہ دو کہ: ''آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو، اور ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو، اور ہم اپنے لوگوں کو اور تم اپنے لوگوں کو، پھر ہم سب مل کر اللہ کے سامنے گڑگڑائیں، اور جو جھوٹے ہوں ان پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔''(۲۵) ﴿۶۱﴾

---

(۲۵) اس عمل کو مباہلہ کہا جاتا ہے۔ جب بحث کا کوئی فریق دلائل کو تسلیم کرنے کے بجائے ہٹ دھرمی پر تل

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلْ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاۗءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَـيْـــًٔـا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

یقین جانو کہ واقعات کا سچا بیان یہی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور یقیناً اللہ ہی ہے جو اِقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۶۲﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو اللہ مفسدوں کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۶۳﴾ (مسلمانو! یہود و نصاریٰ سے) کہہ دو کہ: ''اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجاؤ جو ہم تم میں مشترک ہو، (اور وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور اللہ کو چھوڑ کر ہم ایک دوسرے کو رَبّ نہ بنائیں۔'' پھر بھی اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دو: ''گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔'' ﴿۶۴﴾

جائے تو آخری راستہ یہ ہے کہ اسے مباہلہ کی دعوت دی جائے جس میں دونوں فریق اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا کریں کہ ہم میں سے جو جھوٹا یا باطل پر ہو وہ ہلاک ہوجائے۔ جیسا کہ اس سورت کے شروع میں بیان ہوا ہے، شہر نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تھا، اس نے آپ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدائی پر بحث کی جس کا اطمینان بخش جواب قرآنِ کریم کی طرف سے پچھلی آیتوں میں دے دیا گیا۔ جب وہ کھلے دلائل کے باوجود اپنی گمراہی پر اصرار کرتے رہے تو اس آیت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ انہیں مباہلے کی دعوت دیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ دعوت دی اور خود اس کے لئے تیار ہو کر اپنے اہلِ بیت کو بھی جمع فرمالیا، لیکن عیسائیوں کا وفد مباہلے سے فرار اختیار کر گیا۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ مَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِیْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِیْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًاؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۶۷﴾

اے اہلِ کتاب! تم ابراہیم کے بارے میں کیوں بحث کرتے ہو حالانکہ تورات اور انجیل ان کے بعد ہی تو نازل ہوئی تھیں؛ کیا تمہیں اتنی بھی سمجھ نہیں ہے؟ ﴿۶۵﴾ دیکھو! یہ تم ہی تو ہو جنھوں نے اُن معاملات میں اپنی سی بحث کرلی ہے جن کا تمہیں کچھ نہ کچھ علم تھا۔(۲۶) اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمہیں سرے سے کوئی علم ہی نہیں ہے؟ اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ﴿۶۶﴾ ابراہیم نہ یہودی تھے، نہ نصرانی، بلکہ وہ تو سیدھے سیدھے مسلمان تھے، اور شرک کرنے والوں میں کبھی شامل نہیں ہوئے ﴿۶۷﴾

(۲۶) یہودی کہا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے، اور عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔ اوّل تو قرآنِ کریم نے فرمایا کہ یہ دونوں مذہب تورات اور انجیل کے نزول کے بعد وجود میں آئے، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت پہلے گذر چکے تھے، لہٰذا یہ انتہائی احمقانہ بات ہے کہ انہیں یہودی یا عیسائی کہا جائے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے فرمایا کہ جب تمہارے وہ دلائل جو کسی نہ کسی صحیح حقیقت پر مبنی تھے، تمہارے دعووں کو ثابت کرنے میں ناکام رہے ہیں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں یہ بے بنیاد اور جاہلانہ بات کیسے تمہارے دعوے کو ثابت کرسکتی ہے؟ مثلاً تمہیں یہ معلوم تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اور اس کی بنیاد پر تم نے ان کی خدائی کی دلیل پیش کرکے بحث کی، مگر کامیاب نہ ہوسکے کیونکہ بغیر باپ کے پیدا ہونا کسی کی خدائی کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے تھے، مگر ان کو تم بھی خدا یا خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ جب تمہاری وہ دلیلیں بھی کام نہ آسکیں جو اس صحیح واقعے پر مبنی تھیں تو یہ سراسر جاہلانہ بات کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نصرانی یا یہودی تھے، کیسے تمہارے لئے کارآمد ہوسکتی ہے؟

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ ج

ع ۸ / ۱۵

ابراہیم کے ساتھ تعلق کے سب سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی، نیز یہ نبی (آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ ہیں جو (ان پر) ایمان لائے ہیں۔ اور اللہ مؤمنوں کا کارساز ہے ﴿۶۸﴾ (مسلمانو!) اہلِ کتاب کا ایک گروہ یہ چاہتا ہے کہ تم لوگوں کو گمراہ کردے، حالانکہ وہ اپنے سوا کسی اور کو گمراہ نہیں کررہے، اگرچہ انہیں اس کا احساس نہیں ہے ﴿۶۹﴾ اے اہلِ کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو حالانکہ تم خود (ان کے من جانب اللہ ہونے کے) گواہ ہو؟ (۲۷) ﴿۷۰﴾ اے اہلِ کتاب! تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں گڈمڈ کرتے ہو اور کیوں جان بوجھ کر حق بات کو چھپاتے ہو؟ ﴿۷۱﴾ اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے (ایک دوسرے سے) کہا ہے کہ: ''جو کلام مسلمانوں پر نازل کیا گیا ہے، اس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آؤ، اور دن کے آخری حصے میں اس سے انکار کردینا، شاید اس طرح مسلمان (بھی اپنے دین سے) پھر جائیں۔'' (۲۸) ﴿۷۲﴾

(۲۷) یہاں آیتوں سے مراد تورات اور انجیل کی وہ آیتیں ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی گئی تھی، اور مطلب یہ ہے کہ ایک طرف تم تورات اور انجیل کے من جانب اللہ ہونے کی گواہی دیتے ہو، اور دوسری طرف ان پیشینگوئیوں کے مصداق یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا انکار کرتے ہو جو بالواسطہ ان آیتوں کا انکار ہے۔

(۲۸) بعض یہودیوں نے مسلمانوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ اسکیم بنائی تھی کہ ان میں سے کچھ

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ

مگر دِل سے اُن لوگوں کے سوا کسی کی نہ ماننا جو تمہارے دِین کے متبع ہیں۔'' آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ہدایت تو وہی ہدایت ہے جو اللہ کی دی ہوئی ہو۔ یہ ساری باتیں تم اس ضد میں کر رہے ہو کہ کسی کو اُس جیسی چیز (یعنی نبوت اور آسمانی کتاب) کیوں مل گئی جیسی کبھی تمہیں دی گئی تھی یا یہ (مسلمان) تمہارے رَبّ کے آگے تم پر غالب کیوں آ گئے!'' آپ کہہ دیجئے کہ فضیلت تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جس کو چاہتا ہے دے دیتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے ﴿۷۳﴾ وہ اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے خاص طور پر منتخب کر لیتا ہے، اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۷۴﴾ اہلِ کتاب میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس دولت کا ایک ڈھیر بھی امانت کے طور پر رکھوا دو تو وہ تمہیں واپس کر دیں گے، اور انہی میں سے کچھ ایسے ہیں کہ اگر ایک دِینار کی امانت بھی ان کے پاس رکھواؤ تو وہ تمہیں واپس نہیں دیں گے، اِلا یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو۔

لوگ صبح کے وقت اسلام لانے کا اعلان کر دیں، اور پھر شام کو یہ کہہ کر اِسلام سے پھر جائیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب سے جا کر دیکھ لیا، آپ وہ پیغمبر نہیں ہیں جن کی خبر تورات میں دی گئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح کچھ مسلمان یہ سوچ کر اِسلام سے برگشتہ ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ جو تورات کے عالم ہیں جب اسلام میں داخل ہونے کے بعد بھی اس نتیجے پر پہنچے ہیں تو ان کی بات میں ضرور وزن ہوگا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

ان کا یہ طرزِ عمل اس لئے ہے کہ انہوں نے یہ کہہ رکھا ہے کہ: ''اُمیوں (یعنی غیر یہودی عربوں) کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہماری کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔'' اور (اس طرح) وہ اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں ﴿۷۵﴾ بھلا پکڑ کیوں نہیں ہوگی؟ (قاعدہ یہ ہے کہ) جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اور گناہ سے بچے گا تو اللہ ایسے پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے ﴿۷۶﴾ (اس کے برخلاف) جو لوگ اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی کھائی ہوئی قسموں کا سودا کر کے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لیتے ہیں ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا، اور قیامت کے دن نہ اللہ ان سے بات کرے گا، نہ انہیں (رعایت کی نظر سے) دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کا حصہ تو بس عذاب ہوگا، انتہائی دردناک! ﴿۷۷﴾ اور انہی میں سے ایک گروہ کے لوگ ایسے ہیں جو کتاب (یعنی تورات) پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو مروڑتے ہیں تاکہ تم (ان کی مروڑ کر بنائی ہوئی) اس عبارت کو کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں ہوتی۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ (عبارت) اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتی۔ اور (اس طرح) وہ اللہ پر جانتے بوجھتے جھوٹ باندھتے ہیں ﴿۷۸﴾

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا
عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا
كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ
اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾ ع وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ ع ٨ ٩ ١٦
اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ
وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ
قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

یہ کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے، اور وہ اس کے باوجود لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ (۲۹) اس کے بجائے (وہ تو یہی کہے گا کہ) اللہ والے بن جاؤ، کیونکہ تم جو کتاب پڑھاتے رہے ہو اور جو کچھ پڑھتے رہے ہو، اس کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے ﴿۷۹﴾ اور نہ وہ تمہیں یہ حکم دے سکتا ہے کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا قرار دے دو۔ جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اس کے بعد وہ تمہیں کفر اختیار کرنے کا حکم دے گا؟ ﴿۸۰﴾ اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ: ''اگر میں تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤ گے، اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔'' اللہ نے (ان پیغمبروں سے) کہا تھا کہ: ''کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اُٹھاتے ہو؟'' انہوں نے کہا تھا: ''ہم اقرار کرتے ہیں۔'' اللہ نے کہا: ''تو پھر (ایک دُوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ، اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں ﴿۸۱﴾

---

(۲۹) یہ عیسائیوں کی تردید ہورہی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مان کر گویا یہ دعویٰ کرتے تھے کہ

فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۸۵﴾

اس کے بعد بھی جو لوگ (ہدایت سے) منہ موڑیں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے۔" ﴿۸۲﴾ اب کیا یہ لوگ اللہ کے دِین کے علاوہ کسی اور دِین کی تلاش میں ہیں؟ حالانکہ آسمانوں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں ان سب نے اللہ ہی کے آگے گردن جھکا رکھی ہے، (کچھ نے) خوشی سے اور (کچھ نے) ناچار ہوکر،(۳۰) اور اسی کی طرف وہ سب لوٹ کر جائیں گے ﴿۸۳﴾ کہہ دو کہ: "ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر اُتاری گئی اُس پر، اور اُس (ہدایت) پر جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور (ان کی) اولاد پر ان کے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی، اور اُن باتوں پر جو موسیٰ، عیسیٰ اور (دوسرے) پیغمبروں کو عطا کی گئیں۔ ہم ان (پیغمبروں) میں سے کسی کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، اور ہم اسی (ایک اللہ) کے آگے سر جھکائے ہوئے ہیں" ﴿۸۴﴾ جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دِین اختیار کرنا چاہے گا، تو اس سے وہ دِین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہوگا جو سخت نقصان اُٹھانے والے ہیں ﴿۸۵﴾

خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہی ان کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ یہی حال ان بعض یہودی فرقوں کا تھا جو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔

(۳۰) مطلب یہ ہے کہ پوری کائنات میں حکم اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے۔ اہلِ ایمان اللہ کے ہر حکم کو دِل و جان سے

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۫ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

اللہ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کرلیا؟ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول سچے ہیں، اور ان کے پاس (اس کے) روشن دلائل بھی آ چکے تھے۔ اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا ﴿۸۶﴾ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی پھٹکار ہے ﴿۸۷﴾ اسی (پھٹکار) میں یہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ ان کے لئے عذاب ہلکا کیا جائے گا، اور نہ انہیں کوئی مہلت دی جائیگی ﴿۸۸﴾ البتہ جو لوگ اس سب کے بعد بھی توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں، تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۸۹﴾ (اس کے برخلاف) جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی،[۳۱] ایسے لوگ راستے سے بالکل ہی بھٹک چکے ہیں ﴿۹۰﴾

بخوشی قبول کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کو مانتے بھی نہ ہوں ان کو بھی چار و ناچار اللہ کے ان فیصلوں کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے جو وہ اس کائنات کے انتظام کے لئے کرتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ اگر کسی کو بیمار کرنے کا فیصلہ فرمالے تو کوئی اسے پسند کرے یا ناپسند، ہر حال میں وہ فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے، اور کوئی مؤمن ہو یا کافر، اسے فیصلے کے آگے سر جھکائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

(۳۱) یعنی جب تک وہ کفر سے توبہ کر کے ایمان نہیں لائیں گے، دوسرے گناہوں سے ان کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٩١﴾ لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنفِقُوا مِن شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٩٢﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِ مِن قَبْلِ أَن تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ ۗ

جن لوگوں نے کفر اپنایا اور کافر ہونے کی حالت ہی میں مرے، ان میں سے کسی سے پوری زمین بھر کر سونا بھی قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ اپنی جان چھڑانے کے لئے اس کی پیشکش ہی کیوں نہ کرے۔ ان کو تو دردناک عذاب ہو کر رہے گا، اور ان کو کسی قسم کے مددگار میسر نہیں آئیں گے ﴿۹۱﴾

تم نیکی کے مقام تک اس وقت تک ہرگز نہیں پہنچو گے جب تک ان چیزوں میں سے (اللہ کے لئے) خرچ نہ کرو جو تمہیں محبوب ہیں۔(۳۲) اور جو کچھ بھی تم خرچ کرو، اللہ اسے خوب جانتا ہے ﴿۹۲﴾ تورات کے نازل ہونے سے پہلے کھانے کی تمام چیزیں (جو مسلمانوں کے لئے حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لئے (بھی) حلال تھیں، سوائے اُس چیز کے جو اِسرائیل (یعنی یعقوب علیہ السلام) نے اپنے اُوپر حرام کرلی تھی۔

---

(۳۲) پیچھے سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۶۷ میں یہ حکم گذرا ہے کہ صرف خراب اور ردّی قسم کی چیزیں صدقے میں نہ دیا کرو، بلکہ اچھی چیزوں میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کیا کرو۔ اب اس آیت میں مزید آگے بڑھ کر یہ کہا جارہا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ اچھی چیزیں اللہ کی خوشنودی کے لئے دو، بلکہ جن چیزوں سے تمہیں زیادہ محبت ہے، ان کو اس راہ میں نکالو تاکہ صحیح معنیٰ میں اللہ کے لئے قربانی کا مظاہرہ ہوسکے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے اپنی سب سے زیادہ پسندیدہ چیزیں صدقہ کرنی شروع کردیں جس کے بہت سے واقعات حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ ملاحظہ ہو معارف القرآن جلد دوم ص: ۱۰۷ و ۱۰۸۔

قُلْ فَأْتُوا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿٩٣﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ﴿٩٤﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٥﴾

اتباع ملت ابراہیم علیہ السلام

(اے پیغمبر! یہودیوں سے) کہہ دو کہ: ''اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو۔''(۳۳) ﴿۹۳﴾ پھر ان باتوں کے (واضح ہونے کے) بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں، تو ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں ﴿۹۴﴾ آپ کہئے کہ اللہ نے سچ کہا ہے، لہٰذا تم ابراہیم کے دِین کا اتباع کرو جو پوری طرح سیدھے راستے پر تھے، اور ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ کی خدائی میں کسی کو شریک مانتے ہیں ﴿۹۵﴾

(۳۳) بعض یہودیوں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں، حالانکہ آپ اُونٹ کا گوشت کھاتے ہیں، جو تورات کی رُو سے حرام ہے۔ ان آیات میں اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اُونٹ کا گوشت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دِین میں حرام نہیں تھا، بلکہ تورات نازل ہونے سے پہلے بنی اِسرائیل کے لئے بھی وہ سب چیزیں حلال تھیں جو آج مسلمانوں کے لئے حلال ہیں۔ البتہ ہوا یہ تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اُونٹ کا گوشت اپنے اُوپر حرام کرلیا تھا، جس کی وجہ حضرت ابنِ عباسؓ نے یہ بتائی ہے کہ ان کو عرق النساء کی بیماری تھی، اور انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ اگر مجھے اس بیماری سے شفا ہوگئی تو میں اپنے کھانے کی سب سے پسندیدہ چیز چھوڑ دوں گا۔ انہیں اُونٹ کا گوشت سب سے زیادہ پسند تھا، اس لئے شفا حاصل ہونے پر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ (روح المعانی بحوالہ مستدرک حاکم بسند صحیح) اب قرآنِ کریم نے یہاں صریح الفاظ میں یہ بات نہیں بتائی کہ آیا اس کے بعد یہ گوشت بنی اسرائیل پر بھی حرام کردیا گیا تھا یا نہیں، لیکن سورۂ نساء (۴:۱۶۰) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر بہت سی اچھی چیزیں بھی حرام کردی گئی تھیں۔ اور اسی سورت کی آیت نمبر ۵۰ میں گذر چکا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ: ''اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لئے بھیجا گیا ہوں) تاکہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لئے حلال کردوں۔'' نیز یہاں ''تورات نازل ہونے سے پہلے'' کے الفاظ بھی یہ بتا رہے ہیں کہ اُونٹ

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾

حقیقت یہ ہے کہ سب سے پہلا گھر جولوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا یقینی طور پر وہ ہے جو مکہ میں واقع ہے (اور) بنانے کے وقت ہی سے برکتوں والا اور دُنیا جہان کے لوگوں کے لئے ہدایت کا سامان ہے۔ (۳۴) ﴿۹۶﴾ اس میں روشن نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوتا ہے امن پا جاتا ہے۔ اور لوگوں میں سے جو لوگ اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں ان پر اللہ کے لئے اس گھر کا حج کرنا فرض ہے۔ اور اگر کوئی انکار کرے تو اللہ دُنیا جہان کے تمام لوگوں سے بے نیاز ہے۔ ﴿۹۷﴾

کا گوشت شاید تورات نازل ہونے کے بعد ان پر حرام کر دیا گیا تھا۔ اب جو چیلنج ان کو دیا گیا ہے کہ ''اگر تم سچے ہو تو تورات لے کر آؤ اور اس کی تلاوت کرو۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ تورات میں یہ کہیں مذکور نہیں ہے کہ اُونٹ کا گوشت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلا آتا ہے۔ اس کے برعکس یہ حکم صرف بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، چنانچہ اب بھی بائبل کی کتاب احبار میں جو یہودیوں اور عیسائیوں کی نظر میں تورات کا ایک حصہ ہے، اُونٹ کی حرمت بنی اسرائیل ہی کے لئے بیان ہوئی ہے: ''تم بنی اسرائیل سے کہو کہ...تم اِن جانوروں کو نہ کھانا، یعنی اُونٹ کو...سو وہ تمہارے لئے ناپاک ہے۔'' (احبار ۱۱: ۱-۴) خلاصہ یہ کہ اُونٹ کا گوشت اَصلاً حلال ہے، مگر حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے ان کی نذر کی وجہ سے اور بنی اسرائیل کے لئے ان کی نافرمانیوں کی بنا پر حرام کیا گیا تھا۔ اب اُمتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا السلام) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا اصل حکم لوٹ آیا ہے۔

(۳۴) یہ یہودیوں کے ایک اور اِعتراض کا جواب ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ بنی اسرائیل کے تمام انبیائے کرام بیت المقدس کو اپنا قبلہ قرار دیتے آئے ہیں، مسلمانوں نے اسے چھوڑ کر مکہ کے کعبہ کو کیوں قبلہ بنالیا۔ آیت نے جواب یہ دیا ہے کہ کعبہ تو بیت المقدس کی تعمیر سے بہت پہلے وجود میں آچکا تھا، اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نشانی ہے۔ لہٰذا اسے پھر سے قبلہ اور مقدس عبادت گاہ بنانا ہرگز قابلِ اعتراض نہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٨﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٩﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٠﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٠١﴾ ع ۱۰

کہہ دو کہ: ''اے اہلِ کتاب! اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو؟ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب کا گواہ ہے'' ﴿۹۸﴾ کہہ دو کہ: ''اے اہلِ کتاب! اللہ کے راستے میں ٹیڑھ پیدا کرنے کی کوشش کر کے ایک مؤمن کے لئے اس میں کیوں رُکاوٹ ڈالتے ہو جبکہ تم خود حقیقتِ حال کے گواہ ہو؟ (۳۵) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔'' ﴿۹۹﴾

اے ایمان والو! اگر تم اہلِ کتاب کے ایک گروہ کی بات مان لوگے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تم کو دوبارہ کافر بنا کر چھوڑیں گے ﴿۱۰۰﴾ اور تم کیسے کفر اپناؤ گے جبکہ اللہ کی آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کی جاتی ہیں اور اس کا رسول تمہارے درمیان موجود ہے؟ اور (اللہ کی سنت یہ ہے کہ) جو شخص اللہ کا سہارا مضبوطی سے تھام لے، وہ سیدھے راستے تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ ﴿۱۰۱﴾

(۳۵) یہاں سے آیت نمبر ۱۰۸ تک کی آیات ایک خاص واقعے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ مدینہ منورہ میں دو قبیلے اوس اور خزرج کے نام سے آباد تھے۔ اسلام سے پہلے ان کے درمیان سخت دُشمنی تھی، اور دونوں میں وقتاً فوقتاً جنگیں ہوتی رہتی تھیں جو بعض اوقات سالہا سال جاری رہتی تھیں۔ جب ان قبیلوں کے لوگ مسلمان ہوگئے تو اِسلام کی برکت سے ان کی یہ دُشمنی ختم ہوگئی اور اِسلام کے دامن میں آکر وہ شیر و شکر ہو کر رہنے لگے۔ بعض یہودیوں کو ان کا یہ اتحاد ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ ایک مرتبہ دونوں قبیلوں کے لوگ ایک مجلس میں جمع تھے،

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اے ایمان والو! دِل میں اللہ کا ویسا ہی خوف رکھو جیسا خوف رکھنا اس کا حق ہے، اور خبردار! تمہیں کسی اور حالت میں موت نہ آئے، بلکہ اسی حالت میں آئے کہ تم مسلمان ہو ﴿۱۰۲﴾ اور اللہ کی رَسّی کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رکھو، اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ نے تم پر جو اِنعام کیا ہے اسے یاد رکھو کہ ایک وقت تھا جب تم ایک دُوسرے کے دُشمن تھے، پھر اللہ نے تمہارے دِلوں کو جوڑ دیا اور تم اللہ کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے؛ اللہ نے تمہیں اس سے نجات عطا فرمائی۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی نشانیاں کھول کھول کر واضح کرتا ہے، تاکہ تم راہِ راست پر آجاؤ ﴿۱۰۳﴾

ایک یہودی شماس بن قیس نے اِن کے پیار محبت کا یہ منظر دیکھا تو اس سے نہ رہا گیا، اور اس نے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے یہ ترکیب کی کہ ایک شخص سے کہا کہ اس مجلس میں وہ اَشعار سنادو جو زمانۂ جاہلیت میں اوس اور خزرج کے شاعروں نے ایک لمبی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے خلاف کہے تھے۔ اس شخص نے وہ اَشعار سنانے شروع کردیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان اَشعار سے پرانی باتیں تازہ ہوگئیں، شروع میں دونوں قبیلوں کے لوگوں میں زبانی تکرار ہوئی، پھر بات بڑھ گئی اور آپس میں نئے سرے سے جنگ کی تاریخ اور وقت مقرر ہونے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ کو سخت صدمہ ہوا، آپ ان کے پاس تشریف لے گئے اور انہیں تنبیہ فرمائی کہ یہ سب شیطانی حرکت تھی۔ بالآخر آپ کے سمجھانے سے یہ فتنہ ختم ہوا۔ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو یہودیوں سے خطاب کرکے فرمایا ہے کہ اوّل تو تم کو خود اِیمان لانا چاہئے، اور اگر خود اس سعادت سے محروم ہو تو کم از کم ان لوگوں کے راستے میں رُکاوٹ تو نہ ڈالو جو اِیمان لاچکے ہیں۔ اس کے بعد بڑے مؤثر انداز میں مسلمانوں کو نصیحت فرمائی ہے، اور آخر میں باہمی جھگڑوں سے بچنے کا علاج یہ بتایا ہے کہ اپنے آپ کو دِین کی تبلیغ و دعوت میں مصروف کرلو تو اس سے اشاعتِ اسلام کے علاوہ یکجہتی بھی پیدا ہوگی۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور تمہارے درمیان ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جس کے افراد (لوگوں کو) بھلائی کی طرف بلائیں، نیکی کی تلقین کریں، اور برائی سے روکیں۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں ﴿۱۰۴﴾ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جن کے پاس کھلے کھلے دلائل آچکے تھے، اس کے بعد بھی انہوں نے آپس میں پھوٹ ڈال لی اور اختلاف میں پڑ گئے۔ ایسے لوگوں کو سخت سزا ہوگی ﴿۱۰۵﴾

اُس دن جب کچھ چہرے چمکتے ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ پڑ جائیں گے! چنانچہ جن لوگوں کے چہرے سیاہ پڑ جائیں گے اُن سے کہا جائے گا کہ: "کیا تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کرلیا؟ (۳۶) لو پھر اب مزہ چکھو اس عذاب کا، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔" ﴿۱۰۶﴾ دوسری طرف جن لوگوں کے چہرے چمکتے ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں جگہ پائیں گے۔ وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۰۷﴾

---

(۳۶) اگر یہ یہودیوں کا ذکر ہے تو ایمان سے مراد ان کا تورات پر ایمان لانا ہے، اور اگر منافقین مراد ہیں تو ایمان کا مقصد ان کا زبانی اعلان ہے جس کے ذریعے وہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ تیسرا احتمال یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو کسی بھی وقت اسلام سے مرتد ہوگئے تھے۔ پیچھے چونکہ مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خبردار اسلام کو چھوڑ نہ بیٹھنا، اس لئے یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ واقعۃً مرتد ہوجائیں گے، ان کا آخرت میں کیا حال ہوگا۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنا رہے ہیں، اور اللہ دُنیا جہان کے لوگوں پر کسی طرح کا ظلم کرنا نہیں چاہتا ﴿۱۰۸﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے اور اسی کی طرف تمام معاملات لوٹائے جائیں گے ﴿۱۰۹﴾ (مسلمانو!) تم وہ بہترین اُمت ہو جو لوگوں کے فائدے کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم نیکی کی تلقین کرتے ہو، برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ تو مؤمن ہیں، مگر ان کی اکثریت نافرمان ہے ﴿۱۱۰﴾ وہ تھوڑا بہت ستانے کے سوا تمہیں کوئی بڑا نقصان ہرگز نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر وہ تم سے لڑیں گے بھی تو تمہیں پیٹھ دِکھا جائیں گے، پھر انہیں کوئی مدد بھی نہیں پہنچے گی ﴿۱۱۱﴾ وہ جہاں کہیں پائے جائیں، ان پر ذِلت کا ٹھپہ لگا دیا گیا ہے، اِلّا یہ کہ اللہ کی طرف سے کوئی سبب پیدا ہو جائے یا انسانوں کی طرف سے کوئی ذریعہ نکل آئے جو ان کو سہارا دیدے؛ انجامِ کار وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹے ہیں، اور ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے، اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ (نیز) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے، اور ساری حدیں پھلانگ جایا کرتے تھے ﴿۱۱۲﴾ (لیکن) سارے اہلِ کتاب ایک جیسے نہیں ہیں۔ اہلِ کتاب ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو (راہ راست پر) قائم ہیں، جو رات کے اوقات میں اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرتے ہیں، اور جو (اللہ کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں (۳۷) ﴿۱۱۳﴾ یہ لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اچھائی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں کی طرف لپکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا شمار صالحین میں ہے ﴿۱۱۴﴾ وہ جو بھلائی بھی کریں گے، اس کی ہرگز ناقدری نہیں کی جائے گی، اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۵﴾ (اس کے برعکس) جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اللہ کے مقابلے میں نہ ان کے مال ان کے کچھ کام آئیں گے، نہ اولاد۔ وہ دوزخی لوگ ہیں؛ اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے ﴿۱۱۶﴾

(۳۷) اس سے مراد وہ اہلِ کتاب ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تھے، مثلاً یہودیوں میں سے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

جو کچھ یہ لوگ دُنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک سخت سردی والی تیز ہوا ہو جو ان لوگوں کی کھیتی کو جا لگے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر رکھا ہو، اور وہ اس کھیتی کو برباد کردے۔(۳۸) ان پر اللہ نے ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں۔ ﴿۱۱۷﴾ اے ایمان والو! اپنے سے باہر کے کسی شخص کو رازدار نہ بناؤ، یہ لوگ تمہاری بدخواہی میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتے۔(۳۹) ان کی دِلی خواہش یہ ہے کہ تم تکلیف اُٹھاؤ۔ بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے، اور جو کچھ (عداوت) ان کے سینے چھپائے ہوئے ہیں وہ کہیں زیادہ ہے۔ ہم نے پتے کی باتیں تمہیں کھول کھول کر بتا دی ہیں، بشرطیکہ تم سمجھ سے کام لو۔ ﴿۱۱۸﴾

---

(۳۸) کافر لوگ جو کچھ خیرات وغیرہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا صلہ انہیں دُنیا ہی میں دے دیتے ہیں، ان کے کفر کی وجہ سے اس کا ثواب آخرت میں نہیں ملتا۔ لہٰذا ان کے خیراتی اعمال کی مثال ایک کھیتی کی سی ہے، اور ان کے کفر کی مثال اس تیز آندھی کی ہے جس میں پالا بھی ہو اور وہ اچھی خاصی کھیتی کو برباد کرڈالے۔

(۳۹) مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج کے جو قبیلے آباد تھے، زمانۂ دراز سے یہودیوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات چلے آتے تھے۔ جب اوس اور خزرج کے لوگ مسلمان ہوگئے تو وہ ان یہودیوں کے ساتھ اپنی دوستی نبھاتے رہے، مگر یہودیوں کا حال یہ تھا کہ ظاہر میں تو وہ بھی دوستانہ انداز میں ملتے تھے اور ان میں سے کچھ لوگ

هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَاۤءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ‌ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ‌ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۱۹﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ‌ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـــًٔا ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

ع ۱۲ ۱۱ ۳

دیکھو! تم تو ایسے ہو کہ ان سے محبت رکھتے ہو، مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، اور تم تو تمام (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھتے ہو، اور (ان کا حال یہ ہے کہ) وہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (قرآن پر) ایمان لے آئے، اور جب تنہائی میں جاتے ہیں تو تمہارے خلاف غصّے کے مارے اپنی اُنگلیاں چباتے ہیں۔ (ان سے) کہہ دو کہ "اپنے غصّے میں خود مر رہو۔ اللہ سینوں میں چھپی ہوئی باتیں خوب جانتا ہے۔" ﴿۱۱۹﴾ اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو ان کو برا لگتا ہے، اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچے تو یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر اور تقویٰ سے کام لو تو ان کی چالیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گی۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے (علمِ اور قدرت کے) احاطے میں ہے ﴿۱۲۰﴾

یہ بھی ظاہر کرتے تھے کہ وہ بھی مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن ان کے دِل میں مسلمانوں کے خلاف بغض بھرا ہوا تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مسلمان ان کی دوستی پر بھروسہ کرتے ہوئے سادہ لوحی میں انہیں مسلمانوں کی کوئی راز کی بات بھی بتا دیتے تھے۔ اس آیتِ کریمہ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ ان پر بھروسہ نہ کریں اور انہیں رازدار بنانے سے مکمل پرہیز کریں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

(اے پیغمبر! جنگِ اُحد کا وہ وقت یاد کرو) جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے نکل کر مسلمانوں کو جنگ کے ٹھکانوں پر جمارہے تھے،(۴۰) ـــــ اور اللہ سب کچھ سننے جاننے والا ہے ـــــ ﴿۱۲۱﴾ جب تمہی میں کے دو گروہوں نے یہ سوچا تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں،(۴۱) حالانکہ اللہ ان کا حامی و ناصر تھا، اور مؤمنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ ﴿۱۲۲﴾

اللہ نے تو (جنگِ) بدر کے موقع پر ایسی حالت میں تمہاری مدد کی تھی جب تم بالکل بے سروسامان تھے۔(۴۲) لہٰذا (صرف) اللہ کا خوف دِل میں رکھو، تاکہ تم شکر گذار بن سکو۔ ﴿۱۲۳﴾

---

(۴۰) جنگِ اُحد میں تین ہزار کفارِ مکہ کا ایک لشکر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مقابلے کے لئے اُحد پہاڑ کے دامن میں تشریف لے گئے تھے جہاں یہ جنگ لڑی گئی۔ آنے والی آیات میں اس کے متعدد واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۴۱) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقابلے کے لئے مدینہ منورہ سے نکلے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار آدمی تھے، لیکن منافقین کا سردار عبداللہ بن اُبیّ راستے میں یہ کہہ کر اپنے تین سو آدمیوں سمیت واپس چلا گیا کہ ہماری رائے یہ تھی کہ دُشمن کا مقابلہ شہر کے اندر رہ کر کیا جائے۔ ہماری رائے کے خلاف آپ باہر نکل آئے ہیں، اس لئے ہم جنگ میں شریک نہیں ہوں گے۔ اس موقع پر سچے مسلمانوں کے دو قبیلے بنوحارثہ اور بنوسلمہ کے دِل بھی ڈگمگا گئے، اور ان کے دِل میں بھی خیال آیا کہ تین ہزار کے مقابلے میں صرف سات سو افراد بہت تھوڑے ہیں، اور ایسے میں جنگ لڑنے کے بجائے الگ ہوجانا چاہئے، لیکن پھر اللہ نے مدد فرمائی، اور وہ جنگ میں شامل ہوئے۔ اس آیت میں انہی کی طرف اشارہ ہے۔

(۴۲) جنگِ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی، اور ان کے پاس ستر اُونٹ، دو گھوڑے اور صرف آٹھ تلواریں تھیں۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اَلَنْ یَّكْفِیَكُمْ اَنْ یُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُنْزَلِیْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰۤى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَ لِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَ مَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِیَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ یَكْبِتَهُمْ فَیَنْقَلِبُوْا خَآىِٕبِیْنَ ﴿۱۲۷﴾

جب (بدر کی جنگ میں) تم مؤمنوں سے کہہ رہے تھے کہ: "کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اُتار کر تمہاری مدد کو بھیج دے؟ ﴿۱۲۴﴾ ہاں! بلکہ اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو اور وہ لوگ اپنے اسی ریلے میں اچانک تم تک پہنچ جائیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دے گا جنہوں نے اپنی پہچان نمایاں کی ہوئی ہوگی۔"(۴۳) ﴿۱۲۵﴾ اللہ نے یہ انتظام صرف اس لئے کیا تھا تاکہ تمہیں خوشخبری ملے، اور اس سے تمہارے دِلوں کو اِطمینان نصیب ہو، ورنہ فتح تو کسی اور کی طرف سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے جو مکمل اقتدار کا بھی مالک ہے، تمام تر حکمت کا بھی مالک ﴿۱۲۶﴾ (اور جنگِ بدر میں یہ مدد اللہ نے اُس لئے کی) تاکہ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ان کا ایک حصہ کاٹ کر رکھ دے، یا ان کو ایسی ذِلت آمیز شکست دے کہ وہ نامراد ہو کر واپس چلے جائیں۔ ﴿۱۲۷﴾

(۴۳) یہ سارا حوالہ جنگِ بدر کا ہے۔ اس جنگ میں شروع میں تو تین ہزار فرشتوں کی بشارت دی گئی تھی، لیکن بعد میں صحابۂ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ کُرز بن جابر اپنا لشکر لے کر کفارِ مکہ کے ساتھ شامل ہونے کے لئے آرہا ہے۔ کفار کی تعداد پہلے ہی مسلمانوں سے تین گنا زیادہ تھی، اب اس لشکر کے آنے کی اطلاع ملی تو مسلمانوں کو تشویش ہوئی۔ اس موقع پر یہ وعدہ کیا گیا کہ اگر کُرز کا لشکر اچانک آگیا تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیجے جائیں گے۔ لیکن پھر کُرز کا لشکر نہیں آیا، اس لئے پانچ ہزار فرشتے بھیجنے کی نوبت نہیں آئی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ ج وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ ج وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ج وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ ۙ

(اے پیغمبر!) تمہیں اس فیصلے کا کوئی اختیار نہیں کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے کیونکہ یہ ظالم لوگ ہیں(*) ﴿۱۲۸﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۲۹﴾ اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سُود مت کھاؤ، اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو(۴۴) ﴿۱۳۰﴾ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۱﴾ اور اللہ اور رسول کی بات مانو، تاکہ تم سے رحمت کا برتاؤ کیا جائے ﴿۱۳۲﴾ اور اپنے ربّ کی طرف سے مغفرت اور وہ جنت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دکھاؤ جس کی چوڑائی اتنی ہے کہ اس میں تمام آسمان اور زمین سما جائیں۔ وہ اُن پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی ہے ﴿۱۳۳﴾

(*) جنگِ اُحد کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہوئے تو آپؐ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ آئے کہ ایسی قوم کیسے فلاح پائے گی جس کا نبی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا ہو اور وہ اس سے جنگ کرے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۴۴) امام رازیؒ نے تفسیرِ کبیر میں فرمایا ہے کہ جنگِ اُحد کے موقع پر مکہ کے مشرکین نے سود پر قرضے لے کر جنگ کی تیاری کی تھی، اس لئے کسی مسلمان کے دِل میں بھی یہ خیال ہو سکتا تھا کہ مسلمان بھی جنگ کی تیاری میں یہی طریقہ اختیار کریں۔ اس آیت نے انہیں خبردار کر دیا کہ سود پر قرض لینا حرام ہے۔ یہاں سود کو کئی گنا بڑھا کر کھانے کا جو ذکر ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کم شرح پر سود کی اجازت ہے، بلکہ اس وقت چونکہ

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۫ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

جو خوشحالی میں بھی اور بدحالی میں بھی (اللہ کے لئے) مال خرچ کرتے ہیں، اور جو غصّے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کردینے کے عادی ہیں۔ اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۳۴﴾ اور یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر کبھی کوئی بے حیائی کا کام کر بھی بیٹھتے ہیں یا (کسی اور طرح) اپنی جان پر ظلم کر گذرتے ہیں تو فوراً اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں ـــــ اور اللہ کے سوا ہے بھی کون جو گناہوں کی معافی دے؟ ـــــ اور یہ اپنے کئے پر جانتے بوجھتے اِصرار نہیں کرتے ﴿۱۳۵﴾ یہ ہیں وہ لوگ جن کا صلہ ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے، اور وہ باغات ہیں جن کے نیچے دریا بہتے ہوں گے، جن میں انہیں دائمی زندگی حاصل ہوگی۔ کتنا بہترین بدلہ ہے جو کام کرنے والوں کو ملنا ہے! ﴿۱۳۶﴾

تم سے پہلے بہت سے واقعات گذر چکے ہیں۔ اب تم زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جنہوں نے (پیغمبروں کو) جھٹلایا تھا ان کا انجام کیسا ہوا؟ ﴿۱۳۷﴾ یہ تمام لوگوں کے لئے واضح اعلان ہے اور پرہیزگاروں کے لئے ہدایت اور نصیحت! ﴿۱۳۸﴾

سودی قرضوں میں بکثرت یہی ہوتا تھا کہ سود اصل سے کئی گنا بڑھ جاتا تھا اس لئے ایک واقعے کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے، ورنہ سورۂ بقرہ (آیت ۲۷۷ اور ۲۷۸) میں صاف واضح کردیا گیا ہے کہ اصل قرض پر جتنی بھی زیادتی ہو وہ سود میں داخل اور حرام ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٩﴾

(مسلمانو!) تم نہ تو کمزور پڑو، اور نہ غمگین رہو۔ اگر تم واقعی مؤمن رہو تو تم ہی سر بلند ہوگے۔ [۴۵] ﴿۱۳۹﴾

(۴۵) جنگِ اُحد کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ شروع میں مسلمان کافر حملہ آوروں پر غالب آگئے، اور کفار کا لشکر پسپا ہونے پر مجبور ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ شروع ہونے سے پہلے پچاس تیرانداز صحابہ کا ایک دستہ میدانِ جنگ کے ایک عقبی ٹیلے پر متعین فرمایا تھا، تاکہ دُشمن پیچھے سے حملہ نہ کرسکے۔ جب دُشمن پسپا ہوا اور میدانِ جنگ خالی ہوگیا تو صحابہ نے اس کا چھوڑا ہوا ساز و سامان مالِ غنیمت کے طور پر اِکٹھا کرنا شروع کردیا۔ تیراندازوں کے اس دستے نے جب یہ دیکھا کہ دُشمن بھاگ چکا ہے تو انہوں نے سمجھا کہ اب ہماری ذمہ داری پوری ہوچکی ہے اور ہمیں بھی مالِ غنیمت جمع کرنے میں حصہ لینا چاہئے۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے ٹیلہ چھوڑنے کی مخالفت کی، اور اپنے ساتھیوں کو یاد دِلایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر حال میں یہاں جمے رہنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر ان میں سے اکثر نے وہاں ٹھہرنے کو بے مقصد سمجھ کر ٹیلہ چھوڑ دیا۔ دُشمن نے جب دُور سے دیکھا کہ ٹیلہ خالی ہوگیا ہے اور مسلمان مالِ غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے ہیں تو انہوں نے موقع پاکر ٹیلے پر حملہ کردیا۔ حضرت عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھیوں نے اپنی بساط کے مطابق ڈٹ کر مقابلہ کیا، مگر وہ سب شہید ہوگئے، اور دُشمن اس ٹیلے سے اُتر کر ان بے خبر مسلمانوں پر حملہ آور ہوگیا جو مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف تھے۔ یہ حملہ اس قدر غیر متوقع اور ناگہانی تھا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑنے لگے۔ اسی دوران کسی نے یہ افواہ اُڑادی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے ہیں۔ اس افواہ سے بہت سے مسلمانوں کے حوصلے جواب دے گئے۔ ان میں سے بعض میدان چھوڑ گئے، بعض جنگ سے کنارہ کش ہوکر ایک طرف کھڑے رہ گئے۔ البتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہ کی ایک جماعت آپ کے اِردگرد ڈٹ کر مقابلہ کرتی رہی، کفار کا نرغہ اتنا سخت تھا کہ اس کشمکش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دانت شہید ہوگیا، اور چہرۂ مبارک لہولہان ہوگیا۔ بعد میں جب صحابہ کو پتہ چلا کہ آپ کی شہادت کی خبر غلط تھی اور ان کے حواس بجا ہوئے تو ان میں سے بیشتر میدان میں لوٹ آئے، اور پھر کفار کو بھاگنا پڑا، لیکن اس درمیانی عرصے میں ستر صحابۂ کرام شہید ہوچکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس واقعے سے تمام مسلمانوں کو شدید صدمہ ہوا۔ قرآنِ کریم ان آیتوں میں انہیں تسلی بھی دے رہا ہے کہ یہ زمانے کے نشیب و فراز ہیں جن سے مایوس اور دِل شکستہ نہ ہونا چاہئے، اور اس طرف بھی متوجہ کررہا ہے کہ یہ شکست کچھ غلطیوں کا نتیجہ تھی جن سے سبق لینے کی ضرورت ہے۔

اِنۡ یَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ؕ وَتِلۡكَ الۡاَ یَّامُ نُدَاوِلُهَا بَیۡنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعۡلَمَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَتَّخِذَ مِنۡكُمۡ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۴۰﴾ۙ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَیَمۡحَقَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا یَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ جٰهَدُوۡا مِنۡكُمۡ وَیَعۡلَمَ الصّٰبِرِیۡنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدۡ كُنۡتُمۡ تَمَنَّوۡنَ الۡمَوۡتَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَلۡقَوۡهُ ۖ فَقَدۡ رَاَیۡتُمُوۡهُ وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ ﴿۱۴۳﴾

ع ۱۴ ۱۴ ۵

اگر تمہیں ایک زخم لگا ہے تو ان لوگوں کو بھی اسی جیسا زخم پہلے لگ چکا ہے۔(۴۶) یہ تو آتے جاتے دن ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان باری باری بدلتے رہتے ہیں، اور مقصد یہ تھا کہ اللہ ایمان والوں کو جانچ لے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہید قرار دے، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۴۰﴾ اور مقصد یہ (بھی) تھا کہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے نکھار کر رکھ دے اور کافروں کو ملیا میٹ کر ڈالے ﴿۱۴۱﴾ بھلا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (یونہی) جنت کے اندر جا پہنچو گے؟ حالانکہ ابھی تک اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جانچ کر نہیں دیکھا جو جہاد کریں، اور نہ ان کو جانچ کر دیکھا ہے جو ثابت قدم رہنے والے ہیں ﴿۱۴۲﴾ اور تم تو خود موت کا سامنا کرنے سے پہلے (شہادت کی) موت کی تمنا کیا کرتے تھے۔(۴۷) چنانچہ اب تم نے کھلی آنکھوں اسے دیکھ لیا ہے ﴿۱۴۳﴾

---

(۴۶) جنگِ بدر کی طرف اشارہ ہے جس میں کفارِ مکہ کے ستر سردار مارے گئے تھے اور ستر قید کئے گئے تھے۔

(۴۷) جو لوگ جنگِ بدر میں شریک نہیں ہو سکے تھے وہ شہدائے بدر کی فضیلت سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہمیں بھی شہادت کا رُتبہ نصیب ہو۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔـا ؕ وَ سَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِىٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک رسول ہی تو ہیں؛ ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں۔ بھلا اگر ان کا انتقال ہو جائے یا انہیں قتل کر دیا جائے تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی اُلٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو ہرگز کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اور جو شکر گذار بندے ہیں اللہ ان کو ثواب دے گا ﴿۱۴۴﴾ اور یہ کسی بھی شخص کے اختیار میں نہیں ہے کہ اسے اللہ کے حکم کے بغیر موت آجائے، جس کا ایک معین وقت پر آنا لکھا ہوا ہے۔ اور جو شخص دُنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے اس کا حصہ دے دیں گے، اور جو آخرت کا ثواب چاہے گا ہم اسے اس کا حصہ عطا کر دیں گے،[(۴۸)] اور جو لوگ شکر گذار ہیں ان کو ہم جلد ہی ان کا اجر عطا کریں گے ﴿۱۴۵﴾

اور کتنے سارے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی! نتیجتاً انہیں اللہ کے راستے میں جو تکلیفیں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ وہ کمزور پڑے اور نہ انہوں نے اپنے آپ کو جھکایا۔ اللہ ایسے ثابت قدم لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۴۶﴾

---

(۴۸) اس سے اشارہ مالِ غنیمت کی طرف ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صرف مالِ غنیمت حاصل

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِيٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴۸﴾ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِنْ تُطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلٰٓى أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خٰسِرِينَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِينَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ أَشْرَكُوا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَأْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِينَ ﴿۱۵۱﴾

ان کے منہ سے جو بات نکلی وہ اس کے سوا نہیں تھی کہ وہ کہہ رہے تھے: ''ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بھی اور ہم سے اپنے کاموں میں جو زیادتی ہوئی ہو اس کو بھی معاف فرمادے، ہمیں ثابت قدمی بخش دے، اور کافر لوگوں کے مقابلے میں ہمیں فتح عطا فرمادے'' ﴿۱۴۷﴾ چنانچہ اللہ نے انہیں دُنیا کا اِنعام بھی دیا اور آخرت کا بہترین ثواب بھی۔ اور اللہ ایسے نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۴۸﴾ اے ایمان والو! جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے اگر تم ان کی بات مانو گے تو وہ تمہیں اُلٹے پاؤں (کفر کی طرف) لوٹا دیں گے، اور تم پلٹ کر سخت نقصان اُٹھاؤ گے ﴿۱۴۹﴾ (یہ لوگ تمہارے خیر خواہ نہیں) بلکہ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہے، اور وہ بہترین مددگار ہے ﴿۱۵۰﴾ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے ہم عنقریب ان کے دِلوں میں رُعب ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کی خدائی میں ایسی چیزوں کو شریک ٹھہرایا ہے جن کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نہیں اُتاری۔ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ ظالموں کا بدترین ٹھکانا ہے ﴿۱۵۱﴾

کرنے کی نیت سے جہاد میں شریک ہوگا، اسے مالِ غنیمت میں سے حصہ تو مل جائے گا، لیکن آخرت کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، اس کے برعکس اگر اصل نیت اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے کی ہوگی تو آخرت کا ثواب حاصل ہوگا، اور مالِ غنیمت بھی ایک اضافی فائدے کے طور پر ملے گا (روح المعانی)۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور اللہ نے یقیناً اس وقت اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا جب تم دُشمنوں کو اسی کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری دِکھائی اور حکم کے بارے میں باہم اختلاف کیا اور جب اللہ نے تمہاری پسندیدہ چیز تمہیں دِکھائی تو تم نے (اپنے امیر کا) کہنا نہیں مانا[(۴۹)] ـــــ تم میں سے کچھ لوگ وہ تھے جو دُنیا چاہتے تھے، اور کچھ وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے ـــــ پھر اللہ نے ان سے تمہارا رُخ پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے۔ البتہ اب وہ تمہیں معاف کر چکا ہے، اور اللہ مؤمنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے ﴿۱۵۲﴾ (وہ وقت یاد کرو) جب تم منہ اُٹھائے چلے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے، اور رسول تمہارے پیچھے سے تمہیں پکار رہے تھے، چنانچہ اللہ نے تمہیں (رسول کو) غم (دینے) کے بدلے (شکست کا) غم دیا، تاکہ آئندہ تم زیادہ صدمہ نہ کیا کرو،[(۵۰)] نہ اُس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے جاتی رہے، اور نہ کسی اور مصیبت پر جو تمہیں پہنچ جائے۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۵۳﴾

(۴۹) "پسندیدہ چیز" سے یہاں مراد مالِ غنیمت ہے جسے دیکھ کر عقبی ٹیلے کے اکثر حضرات اپنے امیر کے حکم کے خلاف ٹیلہ چھوڑ گئے تھے۔

(۵۰) یعنی اس قسم کے واقعات سے تمہارے اندر پختگی آئے گی، اور آئندہ جب کوئی تکلیف پیش آئے گی اس پر زیادہ پریشان اور مغموم رہنے کے بجائے تم صبر اور اِستقامت سے کام لوگے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

پھر اس غم کے بعد اللہ نے تم پر طمانینت نازل کی، ایک اُونگھ جو تم میں سے کچھ لوگوں پر چھا رہی تھی![51] اور ایک گروہ وہ تھا جسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی۔ وہ لوگ اللہ کے بارے میں ناحق ایسے گمان کر رہے تھے جو جہالت کے خیالات تھے۔ وہ کہہ رہے تھے: ''کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟'' کہہ دو کہ: ''اختیار تو تمام تر اللہ کا ہے۔'' یہ لوگ اپنے دِلوں میں وہ باتیں چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے۔[52] کہتے ہیں کہ: ''اگر ہمیں بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے۔'' کہہ دو کہ: ''اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن کا قتل ہونا مقدر میں لکھا جا چکا تھا وہ خود باہر نکل کر اپنی اپنی قتل گاہوں تک پہنچ جاتے۔

(۵۱) جنگِ اُحد میں جو غیر متوقع شکست ہوئی، اس پر صحابہ صدمے سے مغلوب ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دُشمن کے جانے کے بعد بہت سے صحابہ پر اُونگھ مسلط فرما دی جس سے غم غلط ہو گیا۔

(۵۲) یہ منافقین کا ذکر ہے۔ وہ جو کہہ رہے تھے کہ ''کیا ہمیں بھی کوئی اختیار حاصل ہے؟'' اس کا ظاہری مطلب تو یہ تھا کہ اللہ کی تقدیر کے آگے کسی کا اختیار نہیں چلتا، اور یہ بات صحیح تھی، لیکن ان کا اصل مقصد وہ تھا جو آگے قرآنِ کریم نے دُہرایا ہے، یعنی یہ کہ اگر ہماری بات مانی جاتی اور باہر نکل کر دُشمن کا مقابلہ کرنے کے بجائے شہر میں رہ کر دِفاع کیا جاتا تو اتنے سارے آدمیوں کے قتل کی نوبت نہ آتی۔

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢبِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾

اور یہ سب اس لئے ہوا تا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اللہ اسے آزمائے، اور جو کچھ تمہارے دِلوں میں ہے اس کا میل کچیل دُور کردے۔(۵۳) اللہ دِلوں کے بھید کو خوب جانتا ہے ﴿۱۵۴﴾ تم میں سے جن لوگوں نے اُس دن پیٹھ پھیری جب دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے، درحقیقت ان کے بعض اعمال کے نتیجے میں شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا تھا۔(۵۴) اور یقین رکھو کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے۔ یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۱۵۵﴾

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے کفر اختیار کرلیا ہے، اور جب ان کے بھائی کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں یا جنگ میں شامل ہوتے ہیں تو یہ اُن کے بارے میں کہتے ہیں کہ: ''اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے، اور نہ مارے جاتے۔'' (اِن کی اس بات کا) نتیجہ تو (صرف) یہ ہے کہ اللہ ایسی باتوں کو ان کے دِلوں میں حسرت کا سبب بنا دیتا ہے، (ورنہ) زندگی اور موت تو اللہ دیتا ہے۔ اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے ﴿۱۵۶﴾

(۵۳) اشارہ اس طرف ہے کہ اس طرح کے مصائب سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور باطنی بیماریاں دُور ہوتی ہیں۔

(۵۴) یعنی جنگ سے پہلے ان سے کچھ ایسے قصور ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر شیطان کو حوصلہ ہوا اور اس نے انہیں بہکا کر مزید غلطی میں مبتلا کر دیا۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۗ

اور اگر تم اللہ کے راستے میں قتل ہو جاؤ یا مر جاؤ، تب بھی اللہ کی طرف سے ملنے والی مغفرت اور رحمت اُن چیزوں سے کہیں بہتر ہے جو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں ﴿۱۵۷﴾ اور اگر تم مر جاؤ یا قتل ہو جاؤ تو اللہ ہی کے پاس تو لے جا کر اکٹھے کئے جاؤ گے! ﴿۱۵۸﴾ ان واقعات کے بعد اللہ کی رحمت ہی تھی جس کی بنا پر (اے پیغمبر!) تم نے اِن لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیا۔ اگر تم سخت مزاج اور سخت دِل والے ہوتے تو یہ تمہارے آس پاس سے ہٹ کر تتر بتر ہو جاتے۔ لہٰذا اِن کو معاف کر دو، اِن کے لئے مغفرت کی دُعا کرو، اور اِن سے (اہم) معاملات میں مشورہ لیتے رہو۔ پھر جب تم رائے پختہ کر کے کسی بات کا عزم کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ اللہ یقیناً توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۱۵۹﴾ اگر اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب آنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہیں تنہا چھوڑ دے تو کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟ اور مؤمنوں کو چاہئے کہ وہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں ﴿۱۶۰﴾ اور کسی نبی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مالِ غنیمت میں خیانت کرے، (۵۵)

(۵۵) شاید اس بات کو یہاں ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مالِ غنیمت اِکٹھا کرنے کے لئے اتنی جلدی کی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ جو مال بھی حاصل ہوتا، خواہ وہ کسی نے جمع کیا ہو، بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی اسے شرعی قاعدے سے انصاف کے ساتھ تقسیم فرماتے، اور ہر شخص کو اس کا حصہ مل جاتا، کیونکہ کوئی نبی مالِ غنیمت میں خیانت نہیں کر سکتا۔

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

نصف

اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن وہ چیز لے کر آئے گا جو اس نے خیانت کر کے لی ہوگی، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور کسی پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۶۱﴾ بھلا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو اللہ کی طرف سے ناراضی لے کر لوٹا ہو، اور جس کا ٹھکانا جہنم ہو؟ اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے! ﴿۱۶۲﴾ اللہ کے نزدیک اِن لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اللہ اس کو خوب دیکھتا ہے ﴿۱۶۳﴾

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں پر بڑا احسان کیا کہ اُن کے درمیان اُنہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اُنہیں پاک صاف بنائے اور اُنہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اِس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے ﴿۱۶۴﴾ جب تمہیں ایک ایسی مصیبت پہنچی جس سے دُگنی تم (دُشمن کو) پہنچا چکے تھے[۵۶] تو کیا تم ایسے موقع پر یہ کہتے ہو کہ "یہ مصیبت کہاں سے آ گئی؟" کہہ دو کہ "یہ خود تمہاری طرف سے آئی ہے۔" بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۱۶۵﴾

---

(۵۶) اشارہ جنگِ بدر کی طرف ہے جس میں کفارِ قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے اور ستر گرفتار ہوئے تھے،

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ۚ

اور تمہیں جو مصیبت اُس دن پہنچی جب دونوں لشکر ٹکرائے تھے، وہ اللہ کے حکم سے پہنچی، تا کہ وہ مؤمنوں کو بھی پرکھ کر دیکھ لے ﴿۱۶۶﴾ اور منافقین کو بھی دیکھ لے۔ اور اِن (منافقوں) سے کہا گیا تھا کہ ''آؤ اللہ کے راستے میں جنگ کرو یا دِفاع کرو'' تو انہوں نے کہا تھا کہ: ''اگر ہم دیکھتے کہ (جنگ کی طرح) جنگ ہوگی تو ہم ضرور آپ کے پیچھے چلتے۔''(۵۷) اُس دن (جب وہ یہ بات کہہ رہے تھے) وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنے منہ سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دِلوں میں نہیں ہوتی۔(۵۸) اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اُسے خوب جانتا ہے ﴿۱۶۷﴾

جبکہ جنگِ اُحد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ستر ضرور تھی مگر کوئی مسلمان گرفتار نہیں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے بدر میں مسلمانوں نے کفار کو جو نقصان پہنچایا تھا وہ اس نقصان سے دُگنا تھا جو کافروں نے اُحد میں مسلمانوں کو پہنچایا۔

(۵۷) ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور اس میں شریک ہوتے، لیکن یہاں تو مسلمانوں کا دُشمن سے کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ دُشمن کی تعداد تین گنے سے بھی زیادہ ہے، لہٰذا یہ جنگ نہیں، خودکشی ہے، اس میں ہم شامل نہیں ہو سکتے۔

(۵۸) یعنی زبان سے تو یہ کہتے ہیں کہ اگر برابر کی جنگ ہوتی تو ہم ضرور شامل ہوتے، لیکن یہ صرف ایک بہانہ ہے، درحقیقت ان کے دِل میں یہ ہے کہ برابر کی جنگ میں بھی مسلمانوں کا ساتھ نہیں دینا۔

اَلَّذِیۡنَ قَالُوۡا لِاِخۡوَانِہِمۡ وَ قَعَدُوۡا لَوۡ اَطَاعُوۡنَا مَا قُتِلُوۡا ؕ قُلۡ فَادۡرَءُوۡا عَنۡ اَنۡفُسِکُمُ الۡمَوۡتَ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۶۸﴾ وَ لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِیۡنَ بِمَاۤ اٰتٰہُمُ اللّٰہُ مِنۡ فَضۡلِہٖ ۙ وَ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِالَّذِیۡنَ لَمۡ یَلۡحَقُوۡا بِہِمۡ مِّنۡ خَلۡفِہِمۡ ۙ اَلَّا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۷۰﴾ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ بِنِعۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ وَ فَضۡلٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰہِ وَ الرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَہُمُ الۡقَرۡحُ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡہُمۡ وَ اتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۱۷۲﴾

وقف النبی ﷺ　ع ۱۷　۱۶　۸　مع

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے (شہید) بھائیوں کے بارے میں بیٹھے بیٹھے یہ باتیں بناتے ہیں کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کہ: ''اگر تم سچے ہو تو خود اپنے آپ ہی سے موت کو ٹال دینا'' ﴿۱۶۸﴾ اور (اے پیغمبر!) جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل ہوئے ہیں، انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، انہیں اپنے رَبّ کے پاس رزق ملتا ہے ﴿۱۶۹﴾ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دیا ہے، وہ اس پر مگن ہیں، اور ان کے پیچھے جو لوگ ابھی ان کے ساتھ (شہادت میں) شامل نہیں ہوئے، اُن کے بارے میں اِس بات پر بھی خوشی مناتے ہیں کہ (جب وہ ان سے آکر ملیں گے تو) نہ اُن پر کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۱۷۰﴾ وہ اللہ کی نعمت اور فضل پر بھی خوشی مناتے ہیں اور اس بات پر بھی کہ اللہ مؤمنوں کا اَجر ضائع نہیں کرتا ﴿۱۷۱﴾ وہ لوگ جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور رسول کی پکار کا فرماں برداری سے جواب دیا، ایسے نیک اور متقی لوگوں کے لئے زبردست اَجر ہے ﴿۱۷۲﴾

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

وہ لوگ جن سے کہنے والوں نے کہا تھا کہ: "یہ (مکہ کے کافر) لوگ تمہارے (مقابلے) کے لئے (پھر سے) جمع ہوگئے ہیں، لہٰذا ان سے ڈرتے رہنا۔ تو اس (خبر) نے ان کے ایمان میں اور اضافہ کردیا اور وہ بول اُٹھے کہ: "ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔"(۵۹) ﴿۱۷۳﴾ نتیجہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر اس طرح واپس آئے کہ انہیں ذرا بھی گزند نہیں پہنچی، اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے۔ اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۱۷۴﴾ درحقیقت یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، لہٰذا اگر تم مؤمن ہو تو ان سے خوف نہ کھاؤ، اور بس میرا خوف رکھو ﴿۱۷۵﴾

---

(۵۹) جب کفارِ مکہ اُحد کی جنگ سے واپس چلے گئے تو راستے میں انہیں پچھتاوا ہوا کہ ہم جنگ میں غالب آجانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس آگئے، اگر ہم کچھ اور زور لگاتے تو تمام مسلمانوں کا خاتمہ ہوسکتا تھا۔ اس خیال کی وجہ سے انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا۔ دوسری طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید ان کے ارادے سے باخبر ہو کر یا اُحد کے نقصان کی تلافی کے لئے جنگِ اُحد کے اگلے دن سویرے صحابہ میں یہ اعلان فرمایا کہ ہم دُشمن کے تعاقب میں جائیں گے، اور جو لوگ جنگِ اُحد میں شریک تھے صرف وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ صحابہ کرام اگرچہ اُحد کے واقعات سے زخم خوردہ تھے، اور تھکے ہوئے بھی تھے، مگر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت پر لبیک کہا جس کی تعریف اس آیت میں کی گئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے نکل کر حمراء الأسد کے مقام پر پہنچے تو وہاں قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص معبد آپ سے ملا جو کافر ہونے کے باوجود آپ سے ہمدردی رکھتا تھا، اس نے مسلمانوں کے حوصلے کا خود مشاہدہ کیا اور جب وہاں سے نکلا تو اس کی ملاقات کفارِ مکہ کے سردار ابوسفیان سے ہوگئی، اس نے ابوسفیان کو مسلمانوں کے

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تیزی دِکھا رہے ہیں، وہ تمہیں صدمے میں نہ ڈالیں۔ یقین رکھو وہ اللہ کا ذرا بھی نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ یہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے، اور اُن کے لئے زبردست عذاب (تیار) ہے ﴿۱۷۶﴾ جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر کو مول لے لیا ہے وہ اللہ کو ہرگز ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اُن کے لئے ایک دُکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے ﴿۱۷۷﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ ہم اُنہیں جو ڈھیل دے رہے ہیں وہ اُن کے لئے کوئی اچھی بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو انہیں صرف اِس لئے ڈھیل دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہ میں اور آگے بڑھ جائیں، اور (آخرکار) ان کے لئے ایسا عذاب ہوگا جو انہیں ذلیل کر کے رکھ دے گا۔ ﴿۱۷۸﴾

لشکر اور اس کے حوصلوں کے بارے میں بتایا اور مشورہ دیا کہ وہ لوٹ کر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے واپس چلا جائے۔ اس سے کفار پر رُعب طاری ہوا اور وہ واپس تو چلے گئے لیکن عبدالقیس کے ایک قافلے سے جو مدینہ منورہ جا رہا تھا یہ کہہ گئے کہ جب راستے میں ان کی ملاقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو ان سے یہ کہیں کہ ابوسفیان بہت بڑا لشکر جمع کر چکا ہے اور مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لئے ان پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ اس خبر سے مسلمانوں پر رُعب پڑے۔ چنانچہ یہ لوگ جب حمراء الاسد پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو یہی بات کہی، لیکن صحابہ کرام نے اس سے مرعوب ہونے کے بجائے وہ جملہ کہا جو اس آیت میں تعریف کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اللہ ایسا نہیں کر سکتا کہ مؤمنوں کو اُس حالت پر چھوڑے رکھے جس پر تم لوگ اِس وقت ہو، جب تک وہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے۔ اور (دُوسری طرف) وہ ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ تم کو (براہِ راست) غیب کی باتیں بتادے۔ ہاں! وہ (جتنا بتانا مناسب سمجھتا ہے اس کے لئے) اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ (۶۰) لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو۔ اور اگر ایمان رکھو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے تو زبردست ثواب کے مستحق ہوگے۔ ﴿۱۷۹﴾

---

(۶۰) آیت ۱۷۶ سے ۱۷۸ تک اس شبہے کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں تو انہیں دُنیا میں عیش وعشرت کی زندگی کیوں حاصل ہے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کو آخرت میں تو کوئی حصہ ملنا نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ انہیں دُنیا میں ڈھیل دیئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے یہ مزید گناہوں میں ملوث ہوتے جارہے ہیں۔ ایک وقت آنا ہے جب یہ اکٹھے عذاب میں دھر لئے جائیں گے۔ آیت ۱۷۹ میں اس کے مقابل اس شبہے کا جواب ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں، اس کے باوجود ان پر مصیبتیں کیوں آرہی ہیں؟ اس کا ایک جواب اس آیت میں یہ دیا گیا ہے کہ یہ آزمائشیں مسلمانوں پر اس لئے آرہی ہیں تاکہ مسلمانوں پر واضح ہوجائے کہ ایمان کے دعوے میں کون کھرا ہے اور کون کھوٹا؟ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس وضاحت کے بغیر نہیں چھوڑ سکتا، اور مشکلات ہی کے وقت یہ پتہ چلتا ہے کہ کون ثابت قدم رہتا ہے اور کون پھسل جاتا ہے؟ اس پر یہ سوال ہوسکتا تھا کہ یہ بات اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو مشکل میں ڈالے بغیر کیوں نہیں بتادیتا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں ہر ایک شخص کو نہیں بتاتا، بلکہ جتنی باتیں چاہتا ہے اپنے پیغمبر کو بتادیتا ہے۔ اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان منافقین کی بدعملی آنکھوں سے دیکھ کر ان کے بارے میں رائے قائم کریں، اس لئے یہ آزمائشیں پیش آرہی ہیں۔ آزمائشوں کی مزید حکمت آگے آیات ۱۸۵ اور ۱۸۶ میں بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

ع ۱۸ / ۹ — وقف لازم

اور جو لوگ اس (مال) میں بخل سے کام لیتے ہیں جو انہیں اللہ نے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے لئے کوئی اچھی بات ہے۔ اس کے برعکس یہ ان کے حق میں بہت بری بات ہے۔ جس مال میں انہوں نے بخل سے کام لیا ہوگا، قیامت کے دن وہ ان کے گلے کا طوق بنا دیا جائے گا۔ (۶۱) اور سارے آسمان اور زمین کی میراث صرف اللہ ہی کے لئے ہے، اور جو عمل بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۸۰﴾

اللہ نے اُن لوگوں کی بات سن لی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ''اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار ہیں۔'' (۶۲) ہم اُن کی یہ بات بھی (ان کے اعمال نامے میں) لکھے لیتے ہیں، اور انہوں نے انبیاء کو جو ناحق قتل کیا ہے، اس کو بھی، اور (پھر) کہیں گے کہ: ''دہکتی آگ کا مزہ چکھو ﴿۱۸۱﴾

(۶۱) وہ بخل جسے حرام قرار دیا گیا ہے یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ خرچ کرنے کا حکم دیں، انسان وہاں خرچ نہ کرے، مثلاً زکوۃ نہ دے۔ ایسی صورت میں جو مال انسان بچا کر رکھے گا، قیامت کے دن وہ اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ حدیث میں اس کی تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ ایسا مال ایک زہریلے سانپ کی شکل میں منتقل کر کے اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا جو اس کی باچھیں پکڑ کر کہے گا کہ: ''میں ہوں تیرا مال! میں ہوں تیرا جمع کیا ہوا خزانہ!''۔

(۶۲) جب زکوۃ وغیرہ کے اَحکام آئے تو بعض یہودیوں نے ان کا مذاق اُڑاتے ہوئے اس قسم کے گستاخانہ جملے کہے تھے۔ ظاہر ہے کہ عقیدہ تو ان کا بھی یہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ فقیر ہے، لیکن انہوں نے زکوۃ کے حکم کا مذاق اس طرح اُڑایا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس بیہودہ جملے کا کوئی جواب نہیں دیا، بلکہ اس پر عذاب کی وعید سنائی۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ط قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

یہ سب تمہارے ہاتھوں کے کرتوت کا نتیجہ ہے جو تم نے آگے بھیج رکھا تھا، ورنہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔'' ﴿۱۸۲﴾ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ''اللہ نے ہم سے یہ وعدہ لیا ہے کہ کسی پیغمبر پر اُس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی لے کر نہ آئے جسے آگ کھا جائے۔''(۶۳) تم کہو کہ: ''مجھ سے پہلے تمہارے پاس بہت سے پیغمبر کھلی نشانیاں بھی لے کر آئے اور وہ چیز بھی جس کے بارے میں تم نے (مجھ سے) کہا ہے۔ پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا اگر تم واقعی سچے ہو؟'' ﴿۱۸۳﴾

---

(۶۳) پچھلے انبیائے کرام کے زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے کوئی جانور قربان کرتا تو اس کو کھانا حلال نہیں ہوتا تھا، بلکہ وہ جانور ذبح کر کے کسی میدان میں یا ٹیلے پر رکھ دیتا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ قربانی قبول فرماتے تو آسمان سے ایک آگ آ کر اس قربانی کو کھا لیتی تھی۔ اس کو سوختنی قربانی کہا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں یہ طریقہ ختم کر دیا گیا اور قربانی کا گوشت انسانوں کے لئے حلال کر دیا گیا۔ یہودیوں نے کہا تھا کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسی قربانی لے کر نہیں آئے اس لئے ہم ان پر ایمان نہیں لاتے۔ چونکہ یہ محض وقت گذاری کا ایک بہانہ تھا اور حقیقت میں ایمان لانا پیشِ نظر نہیں تھا اس لئے انہیں یاد دِلایا گیا کہ ماضی میں ایسے نشانات تمہارے سامنے آئے تب بھی تم ایمان لانے کے بجائے انبیائے کرام کو قتل کرتے رہے ہو۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۫ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ز

(اے پیغمبر!) اگر پھر بھی یہ لوگ تمہیں جھٹلائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) تم سے پہلے بھی بہت سے اُن رسولوں کو جھٹلایا جاچکا ہے جو کھلی کھلی نشانیاں بھی لائے تھے، لکھے ہوئے صحیفے بھی اور ایسی کتاب بھی جو (حق کو) روشن کردینے والی تھی ﴿۱۸۴﴾ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم سب کو (تمہارے اعمال کے) پورے پورے بدلے قیامت ہی کے دن ملیں گے۔ پھر جس کسی کو دوزخ سے دُور ہٹالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا، وہ صحیح معنی میں کامیاب ہوگیا، اور یہ دُنیوی زندگی تو (جنت کے مقابلے میں) دھوکے کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں ﴿۱۸۵﴾ (مسلمانو!) تمہیں اپنے مال و دولت اور جانوں کے معاملے میں (اور) آزمایا جائے گا، اور تم اہلِ کتاب اور مشرکین دونوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔ اور اگر تم نے صبر اور تقویٰ سے کام لیا تو یقیناً یہی کام بڑی ہمت کے ہیں (جو تمہیں اختیار کرنے ہیں) ﴿۱۸۶﴾ اور (ان لوگوں کو وہ وقت نہ بھولنا چاہئے) جب اللہ نے اہلِ کتاب سے یہ عہد لیا تھا کہ: ’’تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے ضرور کھول کھول کر بیان کروگے، اور اس کو چھپاؤ گے نہیں‘‘

فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾ ع اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

پھر انہوں نے اس عہد کو پسِ پشت ڈال دیا اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کر لی۔ اس طرح کتنی بری ہے وہ چیز جو یہ مول لے رہے ہیں! ﴿۱۸۷﴾ یہ ہرگز نہ سمجھنا کہ جو لوگ اپنے کئے پر بڑے خوش ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف ان کاموں پر بھی کی جائے جو انہوں نے کئے ہی نہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز یہ نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ان کے لئے دردناک سزا (تیار) ہے ﴿۱۸۸﴾ اور آسمانوں اور زمین کی سلطنت صرف اللہ کی ہے، اور اللہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھتا ہے ﴿۱۸۹﴾ بیشک آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں اور رات دن کے باری باری آنے جانے میں اُن عقل والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں ﴿۱۹۰﴾ جو اُٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق پر غور کرتے ہیں، (اور انہیں دیکھ کر بول اُٹھتے ہیں کہ) ''اے ہمارے پروردگار! آپ نے یہ سب کچھ بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ آپ (ایسے فضول کام سے) پاک ہیں۔ پس ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے ﴿۱۹۱﴾

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَآ
اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى
رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ
رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ
فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ

اے ہمارے رَبّ! آپ جس کسی کو دوزخ میں داخل کردیں، اسے آپ نے یقیناً رُسوا ہی کر دیا۔ اور ظالموں کو کسی قسم کے مددگار نصیب نہ ہوں گے ﴿۱۹۲﴾ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کی طرف پکار رہا تھا کہ ''اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ'' چنانچہ ہم ایمان لے آئے۔ لہٰذا اے ہمارے پروردگار! ہماری خاطر ہمارے گناہ بخش دیجیے، ہماری برائیوں کو ہم سے مٹا دیجیے، اور ہمیں نیک لوگوں میں شامل کرکے اپنے پاس بلایئے ﴿۱۹۳﴾ اور اے ہمارے پروردگار! ہمیں وہ کچھ بھی عطا فرمایئے جس کا وعدہ آپ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ہم سے کیا ہے، اور ہمیں قیامت کے دن رُسوا نہ کیجیے۔ یقیناً آپ وعدے کی کبھی خلاف ورزی نہیں کیا کرتے۔'' ﴿۱۹۴﴾ چنانچہ اُن کے پروردگار نے ان کی دُعا قبول کی (اور کہا) کہ: ''میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔ لہٰذا جن لوگوں نے ہجرت کی، اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا، اور میرے راستے میں تکلیفیں دی گئیں، اور جنھوں نے (دِین کی خاطر) لڑائی لڑی اور قتل ہوئے، میں ان سب کی برائیوں کا ضرور کفارہ کردوں گا، اور انہیں ضرور بالضرور ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی؛

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾ لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۟ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

الربع

یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے اِنعام ہوگا، اور اللہ ہی ہے جس کے پاس بہترین اِنعام ہے ﴿۱۹۵﴾ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے ان کا شہروں میں (خوشحالی کے ساتھ) چلنا پھرنا تمہیں ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے ﴿۱۹۶﴾ یہ تو تھوڑا سا مزہ ہے (جو یہ اُڑا رہے ہیں) پھر ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بدترین بچھونا ہے ﴿۱۹۷﴾ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہوئے عمل کرتے ہیں، اُن کے لئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اللہ کی طرف سے میزبانی کے طور پر وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیک لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے ﴿۱۹۸﴾ اور بیشک اہلِ کتاب میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اللہ کے آگے عجز و نیاز کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں، اُس کتاب پر بھی جو تم پر نازل کی گئی ہے اور اُس پر بھی جو اُن پر نازل کی گئی تھی، اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑی سی قیمت لے کر بیچ نہیں ڈالتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے پاس اپنے اَجر کے مستحق ہیں۔ بیشک اللہ حساب جلد چکانے والا ہے۔ ﴿۱۹۹﴾

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱصْبِرُوا۟ وَصَابِرُوا۟ وَرَابِطُوا۟ قف وَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾ ع

اے ایمان والو! صبر اختیار کرو، مقابلے کے وقت ثابت قدمی دِکھاؤ، اور سرحدوں کی حفاظت کے لئے جمے رہو،(۶۴) اور اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔ ﴿۲۰۰﴾

(۶۴) قرآنی اصطلاح میں ''صبر'' بہت وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ اس کی ایک قسم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استقامت کا مظاہرہ ہے، دُوسری قسم گناہوں سے بچنے کے لئے اپنی خواہشات کو دبانا ہے، اور تیسری قسم تکلیفوں کو برداشت کرنا ہے۔ یہاں ان تینوں قسموں کے صبر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور سرحدوں کی حفاظت میں جغرافی سرحدوں کی حفاظت بھی داخل ہے، اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان تمام اَحکام پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

سورۂ آل عمران کا ترجمہ اور تشریحات بفضلہٖ تعالیٰ بروز بدھ مؤرخہ ۱۸/رجب ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۴/اگست ۲۰۰۵ء کو مکمل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ باقی حصے کو بھی اپنی رضا کے مطابق بآسانی مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ النِّسَآءِ

تعارف

یہ سورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد کے ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی، اوراس کا اکثر حصہ جنگِ بدر کے بعد نازل ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مدینہ منورہ کی نوزائیدہ مسلمان ریاست مختلف مسائل سے دوچار تھی۔ زندگی کا ایک نیا ڈھانچہ اُبھر رہا تھا جس کے لئے مسلمانوں کو اپنی عبادت کے طریقوں اور اخلاق ومعاشرت سے متعلق تفصیلی ہدایات کی ضرورت تھی، دشمن طاقتیں اسلام کی پیش قدمی کا راستہ روکنے کے لئے سرتوڑ کوششیں کررہی تھیں، اور مسلمانوں کو اپنی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے نت نئے مسائل کا سامنا تھا۔ سورۂ نساء نے ان تمام معاملات میں تفصیلی ہدایات فراہم کی ہیں۔ چونکہ ایک مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے، اس لئے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل اَحکام سے شروع ہوئی ہے۔ چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اس لئے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی اَحکام عطا فرمائے ہیں، اوراسی لئے اس کا نام سورۂ نساء ہے۔ جنگِ اُحد کے بعد بہت سی خواتین بیوہ اور بہت سے بچے یتیم ہوگئے تھے، اس لئے سورت نے شروع ہی میں یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام فرمایا ہے، اور آیت نمبر ١٤ تک میراث کے اَحکام تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ طرح طرح کے ظلم ہوتے تھے، ان مظالم کی ایک ایک کرکے نشاندہی کی گئی ہے، اور معاشرے سے ان کا خاتمہ کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ نکاح وطلاق کے مفصل اَحکام بیان کئے گئے ہیں، اور میاں بیوی کے حقوق متعین فرمائے گئے ہیں۔ یہ مضمون آیت نمبر ٣٥ تک چلا ہے جس کے بعد انسان کی باطنی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دِلائی گئی ہے۔ مسلمانوں کو عرب کے صحراؤں میں سفر کے دوران پانی کی قلّت پیش آتی تھی، لہٰذا آیت ٤٣ میں تیمّم کا طریقہ اور آیت ١٠١ میں سفر میں نماز قصر کرنے کی

سہولت عطا فرمائی گئی ہے۔ نیز جہاد کے دوران نمازِ خوف کا طریقہ آیت ۱۰۲ اور ۱۰۳ میں بتایا گیا ہے۔ مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کرنے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا، آیات ۴۴ تا ۵۷ اور ۱۵۳ تا ۱۷۵ میں ان کی بداعمالیوں کو واضح فرمایا گیا ہے، اور انہیں راہِ راست پر آنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ آیات ۱۷۱ تا ۱۷۵ میں ان کے ساتھ عیسائیوں کو بھی خطاب میں شامل کرلیا گیا ہے، اور انہیں تثلیث کے عقیدے کے بجائے خالص توحید اِختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آیات ۵۸ و ۵۹ میں سیاست اور حکمرانی سے متعلق ہدایات آئی ہیں۔ منافقین کی بداعمالیاں آیات ۶۰ تا ۷۰ اور پھر آیات ۱۳۷ تا ۱۵۲ میں واضح کی گئی ہیں۔ آیات ۷۱ تا ۹۶ نے جہاد کے اَحکام بیان کرکے منافقین کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اسی سیاق میں آیات ۹۲ و ۹۳ میں قتل کی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں۔ جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے اور کفار کے ہاتھوں مظالم جھیل رہے تھے، ان کی ہجرت کے مسائل آیات ۹۷ تا ۱۰۰ میں زیرِ بحث آئے ہیں۔ اسی دوران بہت سے تنازعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فیصلے کے لئے لائے گئے۔ آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵ میں ان کے فیصلے کا طریقہ آپ کو بتایا گیا ہے، اور مسلمانوں کو آپ کا فیصلہ دِل و جان سے قبول کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶ میں توحید کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ خاندانی نظام اور میراث کے بارے میں صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد سوالات پوچھے تھے، آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹ اور پھر ۱۷۶ میں ان سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ پوری سورت اَحکام اور تعلیمات سے بھری ہوئی ہے، اور شروع میں تقویٰ کا جو حکم دیا گیا تھا، کہا جاسکتا ہے کہ پوری سورت اس کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔

آیاتها ۱۷۶　۴ سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ۹۲　رکوعاتها ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ① وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②

سورۂ نساء مدنی ہے اور اس میں ایک سو چھہتر آیات اور چوبیس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اسی سے اس کی بیوی پیدا کی، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دُنیا میں) پھیلا دیئے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو،[1] اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی سے) ڈرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے ﴿۱﴾ اور یتیموں کو ان کے مال دے دو، اور اچھے مال کو خراب مال سے تبدیل نہ کرو، اور اُن (یتیموں) کا مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔[2] بیشک یہ بڑا گناہ ہے ﴿۲﴾

---

(۱) جب دُنیا میں لوگ ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو بکثرت یہ کہتے ہیں کہ ''خدا کے واسطے مجھے میرا حق دے دو'' آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے حقوق کے لئے اللہ کا واسطہ دیتے ہو تو دوسروں کا حق ادا کرنے میں بھی اللہ سے ڈرو، اور لوگوں کے حقوق پورے پورے ادا کرو۔

(۲) کسی مرنے والے کے بچے جب یتیم ہو جاتے ہیں تو ان کے باپ کی میراث میں ان کا بھی حصہ ہوتا ہے، مگر ان کی کم عمری کی وجہ سے وہ مال ان کے سپرد نہیں کیا جاتا، بلکہ ان کے سرپرست، مثلاً چچا، بھائی وغیرہ اسے بچوں

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ ﴿۳﴾

اور اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف سے کام نہیں لے سکو گے تو (ان سے نکاح کرنے کے بجائے) دوسری عورتوں میں سے کسی سے نکاح کرلو جو تمہیں پسند آئیں،[۳] دو دو سے، تین تین سے، اور چار چار سے۔[۴] ہاں! اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ تم (ان بیویوں) کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی پر اِکتفا کرو، یا ان کنیزوں پر جو تمہاری ملکیت میں ہیں۔ اس طریقے میں اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ تم بے انصافی میں مبتلا نہیں ہوگے ﴿۳﴾

کے بالغ ہونے تک اپنے پاس امانت کے طور پر رکھتے ہیں۔ اس آیت میں ایسے سرپرستوں کو تین ہدایتیں دی گئی ہیں: ایک یہ کہ جب بچے بالغ اور سمجھ دار ہوجائیں تو ان کی امانت دیانت داری سے ان کے حوالے کردو۔ دوسرے یہ کہ یہ بددیانتی نہ کرو کہ ان کو ان کے باپ کی طرف سے تو میراث میں اچھی قسم کا مال ملا تھا، مگر تم وہ مال خود رکھ کر گھٹیا قسم کی چیز اس کے بدلے میں دے دو۔ اور تیسرے ایسا نہ کرو کہ ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ گڈمڈ کرکے اس کا کچھ حصہ جان بوجھ کر یا بے پروائی سے خود استعمال کر بیٹھو۔

(۳) صحیح بخاری کی ایک حدیث میں حضرت عائشہؓ نے اس ہدایت کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ بعض اوقات ایک یتیم لڑکی اپنے چچا کے بیٹے کی سرپرستی میں ہوتی تھی، وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی اچھا خاصا ہوتا تھا۔ اس صورت میں اس کا چچازاد یہ چاہتا تھا کہ اس کے بالغ ہونے پر وہ خود اس سے نکاح کرلے، تاکہ اس کا مال اسی کے تصرف میں رہے، لیکن نکاح میں وہ اس کو اتنا مہر نہیں دیتا تھا جتنا اس جیسی لڑکی کو دینا چاہئے۔ دوسری طرف اگر لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس کے مال کی لالچ میں اس سے نکاح تو کرلیتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ اس کا مہر کم رکھتا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ایک محبوب بیوی جیسا سلوک بھی نہیں کرتا تھا۔ اس آیت نے ایسے لوگوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اگر تمہیں یتیم لڑکیوں کے ساتھ اس قسم کی بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ان سے نکاح مت کرو، بلکہ دوسری عورتوں سے نکاح کرو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔

(۴) جاہلیت کے زمانے میں بیویوں کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی۔ ایک شخص بیک وقت دس دس، بیس بیس عورتوں

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓــٴًـا مَّرِیْٓــٴًـا ۝۴ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں! اگر وہ خود اس کا کچھ حصہ خوش دِلی سے چھوڑ دیں تو اسے خوشگواری اور مزے سے کھالو ﴿۴﴾ اور ناسمجھ (یتیموں) کو اپنے وہ مال حوالے نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی کا سرمایہ بنایا ہے؛ ہاں اُن کو اِن میں سے کھلاؤ اور پہناؤ، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرلو۔(۵) ﴿۵﴾

کو نکاح میں رکھ لیتا تھا۔ اس آیت نے اس کی زیادہ سے زیادہ حد چار تک مقرر فرمادی، اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ انسان تمام بیویوں کے درمیان برابری کا سلوک کرے۔ اور اگر بے انصافی کا اندیشہ ہو تو ایک ہی بیوی پر اِکتفا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں ایک سے زیادہ نکاح کرنے کو منع فرمادیا گیا ہے۔

(۵) یتیموں کے سرپرستوں کی ذمہ داریاں بیان کی جارہی ہیں کہ ایک طرف تو انہیں یتیموں کے مال کو امانت سمجھ کر انتہائی احتیاط سے کام لینا ہے، دوسری طرف یہ بھی خیال رکھنا ہے کہ یتیموں کا پیسہ ایسے وقت ان کے حوالے کیا جائے جب ان میں روپے پیسے کی ٹھیک ٹھیک دیکھ بھال کی سمجھ اور اسے صحیح مصرف پر خرچ کرنے کا سلیقہ آچکا ہو۔ جب تک وہ ناسمجھ ہیں، ان کا مال ان کی تحویل میں نہیں دینا چاہئے، اور اگر وہ خود مطالبہ کریں کہ ان کا مال ان کے حوالے کردیا جائے تو انہیں مناسب انداز میں سمجھا دینا چاہئے۔ اگلی آیت میں اسی اُصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ وقتاً فوقتاً ان یتیم بچوں کو آزماتے رہنا چاہئے کہ آیا وہ اتنے سمجھ دار ہوگئے ہیں کہ انہیں اپنے مال کے صحیح استعمال کا سلیقہ آگیا ہے۔ یہ بھی واضح کردیا گیا ہے کہ صرف بالغ ہوجانا بھی کافی نہیں، بلوغ کے بعد بھی اگر وہ سمجھ دار نہ ہو پائے ہوں تو مال ان کے حوالے نہ کیا جائے، بلکہ جب یہ محسوس ہوجائے کہ ان میں سمجھ آگئی ہے تب مال ان کے حوالے کیا جائے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝

اور یتیموں کو جانچتے رہو، یہاں تک کہ جب وہ نکاح کے لائق عمر کو پہنچ جائیں، تو اگر تم یہ محسوس کرو کہ ان میں سمجھ داری آچکی ہے تو ان کے مال انہی کے حوالے کردو۔ اور یہ مال فضول خرچی کر کے اور یہ سوچ کر جلدی جلدی نہ کھا بیٹھو کہ وہ کہیں بڑے نہ ہو جائیں۔ اور (یتیموں کے سرپرستوں میں سے) جو خود مال دار ہو وہ تو اپنے آپ کو (یتیم کا مال کھانے سے) بالکل پاک رکھے، ہاں اگر وہ خود محتاج ہو تو معروف طریقِ کار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کھالے۔(۶) پھر جب تم ان کے مال انہیں دو تو ان پر گواہ بنالو۔ اور اللہ حساب لینے کے لئے کافی ہے ﴿۶﴾

مردوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، اور عورتوں کے لئے بھی اس مال میں حصہ ہے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، چاہے وہ (ترکہ) تھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔(۷) ﴿۷﴾

(۶) یتیموں کے سرپرست کو اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لئے بہت سی خدمات انجام دینی پڑتی ہیں۔ عام حالات میں جب سرپرست خود کھاتا پیتا شخص ہو، اس کے لئے ان خدمات کا کوئی معاوضہ لینا درست نہیں، یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک باپ اپنی اولاد کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ لیکن اگر وہ خود تنگدست ہے اور یتیم کی ملکیت میں اچھا خاصا مال ہے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنا ضروری خرچ بھی یتیم کے مال سے لے لے۔ مگر پوری احتیاط سے اتنا ہی لے جتنا عرف اور رواج کے مطابق ضروری ہے، اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

(۷) جاہلیت کے زمانے میں عورتوں کو میراث میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿٨﴾ وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴿١٠﴾ ع

اور جب (میراث کی) تقسیم کے وقت (غیر وارث) رشتہ دار، یتیم اور مسکین لوگ آ جائیں، تو ان کو بھی اس میں سے کچھ دے دو، اور ان سے مناسب انداز میں بات کرو۔(۸) ﴿۸﴾ اور وہ لوگ (یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے) ڈریں جو اگر اپنے پیچھے کمزور بچے چھوڑ کر جائیں تو ان کی طرف سے فکر مند رہیں گے۔(۹) لہٰذا وہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی سیدھی بات کہا کریں ﴿۹﴾ یقین رکھو کہ جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، اور انہیں جلد ہی ایک دہکتی آگ میں داخل ہونا ہوگا ﴿۱۰﴾

سامنے بعض ایسے واقعات پیش آئے کہ ایک شخص کا انتقال ہوا اور وہ بیوی اور نابالغ بچے چھوڑ کر گیا، اور اس کے سارے ترکے پر اس کے بھائیوں نے قبضہ کر لیا، بیوی کو تو عورت ہونے کی وجہ سے میراث سے محروم رکھا گیا، اور بچوں کو نابالغ ہونے کی وجہ سے کچھ نہ دیا گیا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں واضح کر دیا گیا کہ عورتوں کو میراث سے محروم نہیں رکھا جا سکتا، اللہ تعالیٰ نے آگے آیت نمبر ۱۱ سے شروع ہونے والے رُکوع میں تمام رشتہ دار مردوں اور عورتوں کے حصے بھی مقرر فرما دیئے۔

(۸) جب میراث تقسیم ہو رہی ہو تو بعض ایسے لوگ بھی موجود ہوتے ہیں جو شرعی اعتبار سے وارث نہیں ہیں، قرآنِ کریم نے یہ ہدایت دی ہے کہ ان کو بھی کچھ دے دینا بہتر ہے۔ مگر ایک تو یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس ہدایت پر عمل کرنا مستحب یعنی پسندیدہ ہے، واجب نہیں ہے۔ دوسرے اس پر عمل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ بالغ ورثاء ایسے لوگوں کو اپنے حصے میں سے دیں۔ نابالغ ورثاء کے حصے میں سے کسی اور کو دینا جائز نہیں ہے۔

(۹) یعنی جس طرح تمہیں اپنے بچوں کی فکر ہوتی ہے کہ ہمارے مرنے کے بعد ان کا کیا ہوگا، اسی طرح دوسروں کے بچوں کی بھی فکر کرو، اور یتیموں کے مال میں خرد برد کرنے سے ڈرو۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو حکم دیتا ہے کہ: مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔(۱۰) اور اگر (صرف) عورتیں ہی ہوں، دو یا دو سے زیادہ، تو مرنے والے نے جو کچھ چھوڑا ہو، انہیں اس کا دوتہائی حصہ ملے گا۔ اور اگر صرف ایک عورت ہو تو اسے (ترکے کا) آدھا حصہ ملے گا۔ اور مرنے والے کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملے گا، بشرطیکہ مرنے والے کی کوئی اولاد ہو، اور اگر اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور اس کے والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں تہائی حصے کی حق دار ہے۔

---

(۱۰) آیات ۱۱ و ۱۲ میں مختلف رشتہ داروں کے لئے میراث کے حصے بیان فرمائے گئے ہیں۔ جن رشتہ داروں کے حصے ان آیات میں مقرر فرما دیئے گئے ہیں ان کو "ذوی الفروض" کہا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی ہے کہ ان حصوں کی تقسیم کے بعد جو مال بچ جائے، وہ مرنے والے کے ان قریب ترین مذکر افراد میں تقسیم ہوگا جن کے حصے ان آیتوں میں متعین نہیں کئے گئے، جن کو "عصبات" کہا جاتا ہے۔ مثلاً بیٹے، اور اگرچہ بیٹیاں براہِ راست عصبات میں شامل نہیں ہیں، لیکن بیٹوں کے ساتھ مل کر بیٹیاں بھی عصبات میں شامل ہو جاتی ہیں، اس صورت میں یہ قاعدہ اس آیت نے مقرر فرمایا ہے کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ یہی حکم اس صورت میں بھی ہے جب مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور بہن بھائی ہوں تو بھائی کو بہن سے دُگنا حصہ دیا جائے گا۔

فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ

ہاں اگر اس کے کئی بھائی ہوں تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ دیا جائے گا، (اور یہ ساری تقسیم) اس وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی جو مرنے والے نے کی ہو، یا اگر اس کے ذمے کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کے بعد۔[11] تمہیں اس بات کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے کہ تمہارے باپ بیٹوں میں سے کون فائدہ پہنچانے کے لحاظ سے تم سے زیادہ قریب ہے؟[12] یہ تو اللہ کے مقرر کیے ہوئے حصے ہیں؛ یقین رکھو کہ اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۱۱﴾ اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ کر جائیں، اس کا آدھا حصہ تمہارا ہے، بشرطیکہ ان کی کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔ اور اگر ان کی کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو انہوں نے کی ہو، اور ان کے قرض کی ادائیگی کے بعد تمہیں ان کے ترکے کا چوتھائی حصہ ملے گا۔ اور تم جو کچھ چھوڑ کر جاؤ اس کا ایک چوتھائی اُن (بیویوں) کا ہے، بشرطیکہ تمہاری کوئی اولاد (زندہ) نہ ہو۔

---

(۱۱) یہ قاعدہ ان آیات میں بار بار دُہرایا گیا ہے کہ میراث کی تقسیم ہمیشہ میّت کے قرضوں کی ادائیگی اور اس کی وصیت پر عمل کرنے کے بعد ہوگی، یعنی اگر مرنے والے کے ذمے کچھ قرض ہو تو اس کے ترکے سے سب سے پہلے اس کے قرضے ادا کیے جائیں گے۔ اس کے بعد اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو کہ فلاں شخص کو جو وارث نہیں ہے، میرے ترکے سے اتنا دیا جائے تو ایک تہائی ترکے کی حد تک اس پر عمل کیا جائے گا، اس کے بعد میراث وارثوں میں تقسیم ہوگی۔

(۱۲) یہ تنبیہ اس بنا پر فرمائی گئی ہے کہ کوئی شخص یہ سوچ سکتا تھا کہ فلاں وارث کو زیادہ حصہ ملتا تو اچھا ہوتا، یا فلاں کو

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوٓا أَكْثَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

اور اگر تمہاری کوئی اولاد ہو تو اُس وصیت پر عمل کرنے کے بعد جو تم نے کی ہو، اور تمہارے قرض کی ادائیگی کے بعد ان کو تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ملے گا۔ اور اگر وہ مرد یا عورت جس کی میراث تقسیم ہونی ہے، ایسا ہو کہ نہ اس کے والدین زندہ ہوں نہ اولاد، اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن زندہ ہو تو ان میں سے ہر ایک چھٹے حصے کا حق دار ہے۔ اور اگر وہ اس سے زیادہ ہوں تو وہ سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، (مگر) جو وصیت کی گئی ہو اس پر عمل کرنے کے بعد اور مرنے والے کے ذمے جو قرض ہو اس کی ادائیگی کے بعد، بشرطیکہ (وصیت یا قرض کے اقرار کرنے سے) اس نے کسی کو نقصان نہ پہنچایا ہو۔ (۱۳) یہ سب کچھ اللہ کا حکم ہے، اور اللہ ہر بات کا علم رکھنے والا، بردبار ہے ﴿۱۲﴾

کم ملنا مناسب تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ تمہیں مصلحت کا ٹھیک ٹھیک علم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کا جو حصہ مقرر فرمادیا ہے، وہی مناسب ہے۔

(۱۳) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ قرض کی ادائیگی اور وصیت پر عمل کرنا میراث کی تقسیم پر مقدم ہے، لیکن مرنے والے کو کوئی ایسا کام نہ کرنا چاہئے جس کا مقصد اپنے جائز ورثاء کو نقصان پہنچانا ہو، مثلاً کوئی شخص اپنے وارثوں کو محروم کرنے یا ان کا حصہ کم کرنے کی خاطر اپنے کسی دوست کے لئے وصیت کردے، یا اس کے حق میں قرضے کا جھوٹا اقرار کرلے، اور مقصد یہ ہو کہ اس کا پورا ترکہ یا اس کا کافی حصہ اس کے پاس چلا جائے اور ورثاء کو نہ ملے یا بہت کم ملے تو ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے، اور اسی لئے شریعت نے یہ قاعدہ مقرر فرمادیا ہے کہ کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت نہیں ہوسکتی، نیز غیر وارث کے حق میں بھی ایک تہائی سے زیادہ وصیت نہیں کی جاسکتی۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع ۱۲ وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿۱۵﴾

یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود ہیں، اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ اس کو ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ایسے لوگ ہمیشہ ان (باغات) میں رہیں گے، اور یہ زبردست کامیابی ہے ﴿۱۳﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز کرے گا، اسے اللہ دوزخ میں داخل کرے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسا عذاب ہوگا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا ﴿۱۴﴾ تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کا ارتکاب کریں، ان پر اپنے میں سے چار گواہ بنالو۔ چنانچہ اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روک کر رکھو یہاں تک کہ انہیں موت اُٹھا کر لے جائے، یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کردے۔ (۱۴) ﴿۱۵﴾

---

(۱۴) عورت بدکاری کا ارتکاب کرے تو شروع میں حکم یہ دیا گیا تھا کہ اسے عمر بھر گھر میں مقید رکھا جائے، لیکن ساتھ ہی یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ بعد میں ان کے لئے کوئی اور سزا مقرر کی جائے گی۔ "یا اللہ ان کے لئے کوئی اور راستہ پیدا کردے" کا یہی مطلب ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں مرد اور عورت دونوں کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے مقرر کردی گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے لئے راستہ پیدا کردیا ہے، اور وہ یہ کہ غیر شادی شدہ مرد یا عورت کو سو کوڑے لگائے جائیں گے، اور شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے گا۔

وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْئٰنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۗ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۗ

اور تم میں سے جو دو مرد بدکاری کا ارتکاب کریں، ان کو اذیت دو۔ (۱۵) پھر اگر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے درگذر کرو۔ بیشک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۶﴾ اللہ نے توبہ قبول کرنے کی جو ذمہ داری لی ہے وہ ان لوگوں کے لئے ہے جو نادانی سے کوئی برائی کر ڈالتے ہیں، پھر جلدی ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اللہ ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے، اور اللہ ہر بات کو خوب جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی ﴿۱۷﴾ توبہ کی قبولیت ان کے لئے نہیں جو برے کام کئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت کا وقت آ کھڑا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کر لی ہے، اور نہ ان کے لئے ہے جو کفر ہی کی حالت میں مر جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے تو ہم نے دُکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۸﴾

اے ایمان والو! یہ بات تمہارے لئے حلال نہیں ہے کہ تم زبردستی عورتوں کے مالک بن بیٹھو،

---

(۱۵) یہ مردوں کے خلافِ فطرت ہم جنسی کے عمل کی طرف اشارہ ہے۔ اس کی کوئی متعین سزا مقرر کرنے کے بجائے صرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ایسے مردوں کو اذیت دی جائے جس کے مختلف طریقے فقہائے کرام نے تجویز کئے ہیں، مگر ان میں سے کوئی لازمی نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ اس کو حاکم کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْــٴًـا وَّ یَجْعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْــٴًـا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۲۰﴾

اوران کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ تم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس کا کچھ حصہ لے اُڑو، اِلا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔[(۱۶)] اوران کے ساتھ بھلے انداز میں زندگی بسر کرو، اوراگر تم انہیں پسند نہ کرتے ہوتو یہ عین ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور اللہ نے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو ﴿۱۹﴾ اوراگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہتے ہو، اوران میں سے ایک کو ڈھیر سارا مہر دے چکے ہو، تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔ کیا تم بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرکے (مہر) واپس لوگے؟[(۱۷)] ﴿۲۰﴾

---

(۱۶) زمانۂ جاہلیت میں یہ ظالمانہ رسم چلی آتی تھی کہ جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوجاتا تو اس کے ورثاء اس عورت کو بھی میراث کا حصہ سمجھ کر اس کے اس معنی میں مالک بن بیٹھتے تھے کہ وہ ان کی اجازت کے بغیر نہ دوسری شادی کرسکتی تھی، اور نہ زندگی کے دوسرے اہم فیصلے کرنے کا حق رکھتی تھی۔ اس آیت نے اس ظالمانہ رسم کو ختم فرمایا ہے۔ اسی طرح ایک ظالمانہ رواج یہ تھا کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا، لیکن ساتھ ہی یہ بھی چاہتا کہ جو مہر ان کو دے چکا ہے وہ اسے واپس مل جائے تو وہ اپنی بیوی کو طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کردیتا تھا، مثلاً وہ اس کو گھر میں اس طرح مقید رکھتا تھا کہ وہ اپنی جائز ضروریات کے لئے بھی گھر سے باہر نہیں جاسکتی تھی۔ اس طرح ستانے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ بیچاری مجبور ہوکر شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کے لئے اسے خود یہ پیشکش کرے کہ تم اپنا مہر واپس لے لو، اور مجھے طلاق دے کر میری جان چھوڑ دو۔ آیت کے دوسرے حصے میں اس رواج کو حرام قرار دیا گیا ہے۔

(۱۷) اُوپر آیت نمبر ۱۹ میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ عورتوں کو گلو خلاصی کے لئے اپنا مہر واپس کرنے پر مجبور کرنا صرف

وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ

اور آخر تم کیسے (وہ مہر) واپس لے سکتے ہو جبکہ تم ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو چکے تھے، اور انہوں نے تم سے بڑا بھاری عہد لیا تھا؟ ﴿۲۱﴾

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ دادا (کسی وقت) نکاح کر چکے ہوں، تم انہیں نکاح میں نہ لاؤ۔ البتہ پہلے جو کچھ ہو چکا وہ ہو چکا۔ (۱۸) یہ بڑی بے حیائی ہے، گھناؤنا عمل ہے، اور بے راہ روی کی بات ہے ﴿۲۲﴾

تم پر حرام کردی گئی ہیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپیاں، تمہاری خالائیں، اور بھتیجیاں اور بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے،

اس صورت میں جائز ہے جب انہوں نے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کیا ہو۔ اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم ان سے مہر واپس کرنے کا مطالبہ کرو گے تو یہ تمہاری طرف سے ان پر بہتان باندھنے کے مرادف ہوگا کہ انہوں نے کھلی بے حیائی کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ ان کو مہر کی واپسی پر مجبور کرنا اس صورت کے سوا کسی حالت میں جائز نہیں ہے۔

(۱۸) جاہلیت میں لوگ اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کو کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے۔ اس آیت نے اس بے شرمی کو ممنوع قرار دیا، البتہ جن لوگوں نے اسلام سے پہلے ایسا نکاح کیا تھا ان کے بارے میں فرمایا گیا کہ پچھلا گناہ معاف ہے، کیونکہ اسلام لانے سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، بشرطیکہ اس آیت کے نزول کے بعد نکاح کا یہ تعلق ختم کر لیا جائے۔

وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًاۙ ﴿۲۳﴾ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْۚ

اور تمہاری دُودھ شریک بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہارے زیرِ پرورِش تمہاری سوتیلی بیٹیاں[19] جو تمہاری ان بیویوں (کے پیٹ) سے ہوں جن کے ساتھ تم نے خلوَت کی ہو۔ ہاں اگر تم نے ان کے ساتھ خلوَت نہ کی ہو (اور انہیں طلاق دے دی ہو یا ان کا انتقال ہوگیا ہو) تو تم پر (ان کی لڑکیوں سے نکاح کرنے میں) کوئی گناہ نہیں ہے، نیز تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں بھی تم پر حرام ہیں، اور یہ بات بھی حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرو، البتہ جو کچھ پہلے ہو چکا وہ ہو چکا۔ بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۳﴾ نیز وہ عورتیں (تم پر حرام ہیں) جو دوسرے شوہروں کے نکاح میں ہوں، البتہ جو کنیزیں تمہاری ملکیت میں آجائیں (وہ مستثنیٰ ہیں)۔[20]

---

(۱۹) سوتیلی بیٹیاں چونکہ عام طور پر انسان کے زیرِ پرورِش ہوتی ہیں اس لئے یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، ورنہ اگر کوئی سوتیلی بیٹی زیرِ پرورِش نہ بھی ہو تو وہ بھی حرام ہے۔

(۲۰) جو کنیزیں جہاد کے دوران گرفتار کر کے دارالاسلام لائی جاتی تھیں، اور ان کے شوہر دارالحرب میں رہ جاتے تھے، ان کا نکاح ان شوہروں سے ختم ہو جاتا تھا۔ لہٰذا جب وہ دارالاسلام میں آنے کے بعد ایک حیض کی مدت پوری کر لیتیں، اور ان کو پچھلے شوہر سے حمل نہ ہوتا تو ان کا نکاح دارالاسلام کے کسی مسلمان سے جائز تھا۔ مگر یہ حکم انہی باندیوں کا ہے جو شرعی طور پر باندی بنائی گئی ہوں۔ آج کل ایسی کنیزوں یا باندیوں کا کہیں وجود نہیں ہے۔

كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۭ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

اللہ نے یہ اَحکام تم پر فرض کردیئے ہیں۔ ان عورتوں کو چھوڑ کر تمام عورتوں کے بارے میں یہ حلال کردیا گیا ہے کہ تم اپنا مال (بطور مہر) خرچ کر کے انہیں (اپنے نکاح میں لانا) چاہو، بشرطیکہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کا رشتہ قائم کر کے عفت حاصل کرو، صرف شہوت نکالنا مقصود نہ ہو۔(۲۱) چنانچہ جن عورتوں سے (نکاح کر کے) تم نے لطف اُٹھایا ہو، ان کو ان کا وہ مہر ادا کرو جو مقرر کیا گیا ہو۔ البتہ مہر مقرر کرنے کے بعد بھی جس (کمی بیشی) پر تم آپس میں راضی ہو جاؤ، اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ یقین رکھو کہ اللہ ہر بات کا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے ﴿۲۴﴾

اور تم میں سے جو لوگ اس بات کی طاقت نہ رکھتے ہوں کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکیں، تو وہ ان مسلمان کنیزوں میں سے کسی سے نکاح کر سکتے ہیں جو تمہاری ملکیت میں ہوں، اور اللہ کو تمہارے ایمان کی پوری حالت خوب معلوم ہے۔ تم سب آپس میں ایک جیسے ہو۔(۲۲)

(۲۱) مقصد یہ ہے کہ نکاح ایک دیرپا تعلق کا نام ہے جس کا مقصد صرف جنسی خواہش پوری کرنا نہیں ہے، بلکہ ایک مضبوط خاندانی نظام کا قیام ہے جس میں مرد اور عورت ایک دوسرے کے حقوق اور ذمہ داریوں کے پابند ہوتے ہیں، اور اس رشتے کو عفت و عصمت کے تحفظ اور بقائے نسل انسانی کا ذریعہ بناتے ہیں۔ صرف شہوت نکالنے کے لئے ایک عارضی تعلق پیدا کر لینا، خواہ وہ پیسے خرچ کر کے ہی کیوں نہ ہو، ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۲۲) چونکہ آزاد عورتوں کا مہر عام طور پر زیادہ ہوتا تھا، اور باندیوں کا مہر کم، اس لئے ایک طرف تو حکم یہ دیا گیا

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

لہٰذا ان کنیزوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو، اور ان کو قاعدے کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، بشرطیکہ ان سے نکاح کا رشتہ قائم کر کے انہیں پاک دامن بنایا جائے؛ نہ وہ صرف شہوت پوری کرنے کے لئے کوئی (ناجائز) کام کریں، اور نہ خفیہ طور پر ناجائز آشنائیاں پیدا کریں۔ پھر جب وہ نکاح کی حفاظت میں آجائیں، اور اس کے بعد کسی بڑی بے حیائی (یعنی زنا) کا ارتکاب کریں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا واجب ہوگی جو (غیر شادی شدہ) آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے۔ (۲۳) یہ سب (یعنی کنیزوں سے نکاح کرنا) تم میں سے ان لوگوں کے لئے ہے جن کو (نکاح نہ کرنے کی صورت میں) گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر تم صبر ہی کئے رہو تو یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۵﴾

ہے کہ باندیوں سے نکاح اسی وقت کیا جائے جب آزاد عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہ ہو، دوسری طرف یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جب کسی باندی سے نکاح کی نوبت آجائے تو پھر محض اس کے باندی ہونے کی وجہ سے اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں، کیونکہ فضیلت کا اصل دار و مدار تقویٰ پر ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کی ایمانی حالت زیادہ مضبوط ہے، ورنہ اولادِ آدم ہونے کے لحاظ سے سب ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

(۲۳) آزاد عورتیں اگر غیر شادی شدہ ہوں تو ان کے لئے زنا کی سزا سو کوڑے ہیں، جس کا ذکر سورۂ نور کی دوسری آیت میں آیا ہے۔ زیرِ نظر آیت میں باندیوں کے لئے اس کی آدھی سزا یعنی پچاس کوڑے مقرر فرمائی گئی ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے (اَحکام کی) وضاحت کردے، اور جو (نیک) لوگ تم سے پہلے گذرے ہیں، تم کو ان کے طور طریقوں پر لے آئے، اور تم پر (رحمت کے ساتھ) توجہ فرمائے، اور اللہ ہر بات کا جاننے والا بھی ہے، حکمت والا بھی ﴿۲۶﴾ اللہ تو چاہتا ہے کہ تمہاری طرف توجہ کرے، اور جو لوگ نفسانی خواہشات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ کر بہت دُور جا پڑو ﴿۲۷﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ آسانی کا معاملہ کرے، اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔(۲۴) ﴿۲۸﴾

اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقے سے نہ کھاؤ، اِلا یہ کہ کوئی تجارت باہمی رضامندی سے وجود میں آئی ہو (تو وہ جائز ہے)، اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔(۲۵) یقین جانو اللہ تم پر بہت مہربان ہے ﴿۲۹﴾

---

(۲۴) یعنی انسان فطری طور پر جنسی خواہش کا مقابلہ کرنے میں کمزور واقع ہوا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ خواہش جائز طریقے سے پورا کرنے سے نہیں روکا، بلکہ نکاح کو اس کے لئے آسان بنادیا ہے۔

(۲۵) اس کا سادہ مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح دوسرے کا مال ناحق طریقے سے کھانا حرام ہے، کسی کی جان لینا اس سے زیادہ حرام ہے۔ دوسرے کی جان لینے کو "اپنے آپ کو قتل کرنے" سے تعبیر کرکے اس طرف بھی اشارہ

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اور جو شخص زیادتی اور ظلم کے طور پر ایسا کرے گا، تو ہم اس کو آگ میں داخل کریں گے۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے ﴿۳۰﴾ اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرو جن سے تمہیں روکا گیا ہے تو تمہاری چھوٹی برائیوں کا ہم خود کفارہ کردیں گے،[۲۶] اور تم کو ایک باعزت جگہ داخل کریں گے ﴿۳۱﴾ اور جن چیزوں میں ہم نے تم کو ایک دوسرے پر فوقیت دی ہے، ان کی تمنا نہ کرو، مرد جو کچھ کمائی کریں گے ان کو اس میں سے حصہ ملے گا، اور عورتیں جو کچھ کمائی کریں گی ان کو اس میں سے حصہ ملے گا۔[۲۷] اور اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو۔ بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ﴿۳۲﴾

ہو گیا کہ کسی دوسرے کو قتل کرنا بالآخر اپنے آپ ہی کو قتل کرنا ہے، کیونکہ اس کے بدلے میں خود قاتل قتل ہو سکتا ہے، اور اگر یہاں قتل نہ بھی ہو تو آخرت میں اس کی جو سزا ملنی ہے وہ موت سے بھی بدتر ہوگی۔ اسی طرح اس تعبیر سے خودکشی کی ممانعت بھی واضح ہوگئی۔ دوسرے کسی کا مال ناحق کھانے کے ساتھ یہ جملہ لانے سے اس طرف بھی اشارہ ممکن ہے کہ جب ناحق مال کھانے کا رواج معاشرے میں عام ہو جائے تو اس کا نتیجہ اجتماعی خودکشی کی صورت میں نکلتا ہے۔

(۲۶) اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر انسان گناہِ کبیرہ سے پرہیز رکھے تو اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو اللہ تعالیٰ خود ہی معاف فرماتے رہتے ہیں۔ قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نیک عمل، مثلاً وضو، نماز، صدقات وغیرہ سے گناہِ صغیرہ معاف ہوتے رہتے ہیں۔

(۲۷) بعض خواتین نے اس تمنا کا اظہار کیا تھا کہ اگر وہ مرد ہوتیں تو وہ بھی جہاد وغیرہ میں حصہ لے کر مزید ثواب

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾ الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ

اور ہم نے ہر اس مال کے کچھ وارث مقرر کئے ہیں جو والدین اور قریب ترین رشتہ دار چھوڑ کر جائیں۔ اور جن لوگوں سے تم نے کوئی عہد باندھا ہوا ن کو ان کا حصہ دو۔(۲۸) بیشک اللہ ہر چیز کا گواہ ہے ﴿۳۳﴾ مرد عورتوں کے نگراں ہیں، کیونکہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور کیونکہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ چنانچہ نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں، مرد کی غیر موجودگی میں اللہ کی دی ہوئی حفاظت سے (اس کے حقوق کی) حفاظت کرتی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو تو (پہلے) انہیں سمجھاؤ، اور (اگر اس سے کام نہ چلے تو) انہیں خواب گاہوں میں تنہا چھوڑ دو، (اور اس سے بھی اصلاح نہ ہو تو) انہیں مار سکتے ہو۔

حاصل کرتیں۔ اس آیتِ کریمہ نے یہ اُصول واضح فرما دیا کہ جو باتیں انسان کے اختیار سے باہر ہیں ان میں اللہ نے کسی شخص کو کسی اعتبار سے فوقیت دے رکھی ہے اور کسی کو کسی اور حیثیت سے۔ مثلاً کوئی مرد ہے کوئی عورت، کوئی زیادہ طاقت ور ہے کوئی کم، کسی کا حسن دوسرے کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ یہ چیزیں چونکہ انسان کے اختیار میں نہیں ہیں، اس لئے ان کی تمنا کرنے سے فضول حسرت ہونے کے سوا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہنا چاہئے۔ البتہ جو اچھائیاں انسان کے اختیار میں ہیں انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے، اور ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جو شخص جیسا عمل کرتا ہے ویسا ہی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(۲۸) جب کوئی شخص اسلام لائے اور مسلمانوں میں اس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو تو وہ جس شخص کے ہاتھ پر مسلمان

فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ

پھر اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو ان کے خلاف کارروائی کا کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ سب کے اُوپر، سب سے بڑا ہے ﴿۳۴﴾ اور اگر تمہیں میاں بیوی کے درمیان پھوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو تو (ان کے درمیان فیصلہ کرانے کے لئے) ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک منصف عورت کے خاندان میں سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں اصلاح کرانا چاہیں گے تو اللہ دونوں کے درمیان اتفاق پیدا فرمادے گا۔ بیشک اللہ کو ہر بات کا علم اور ہر بات کی خبر ہے۔ ﴿۳۵﴾
اور اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دُور والے پڑوسی،[۲۹]

ہوا ہے بعض اوقات اس کے ساتھ یہ عہد کرلیتا تھا کہ وہ دونوں آپس میں بھائی بن گئے ہیں، لہٰذا وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے، اور اگر ان میں سے کسی پر کوئی تاوان آپڑا تو دوسرا اس کی ادائیگی میں اس کی مدد کرے گا۔ اس رشتے کو "موالاۃ" کہا جاتا تھا۔ یہاں اسی معاہدے کا ذکر ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس آیت کی بنا پر یہی ہے کہ یہ رشتہ اب بھی کسی نومسلم سے قائم ہوسکتا ہے، اور اگر دوسرے مسلمان رشتہ دار موجود نہ ہوں تو میراث میں بھی ان کا حصہ ہوگا۔

(۲۹) قرآن وسنت نے پڑوسیوں کے حقوق کی رعایت اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ پھر پڑوسیوں کے تین درجے اس آیت میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلے درجے کو "جار ذی القربیٰ" (قریب والا پڑوسی) اور دوسرے کو "الجار الجنب" کہا گیا ہے جس کا ترجمہ اُوپر "دُور والے پڑوسی" سے کیا گیا ہے۔ پہلے سے

وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے) ہوئے شخص (۳۰) اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلام باندیوں کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ رکھو)۔ بیشک اللہ کسی اِترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۶﴾
ایسے لوگ جو خود بھی کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی تلقین کرتے ہیں، اور اللہ نے ان کو اپنے فضل سے جو کچھ دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ اور ہم نے ایسے ناشکروں کے لئے ذلیل کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۳۷﴾ اور وہ لوگ جو اپنے مال لوگوں کو دِکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں، اور نہ اللہ پر اِیمان رکھتے ہیں، نہ روزِ آخرت پر۔ اور شیطان جس کا ساتھی بن جائے تو وہ بدترین ساتھی ہوتا ہے ﴿۳۸﴾

مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر اپنے گھر سے بالکل ملا ہوا ہو، اور دوسرے سے مراد وہ پڑوسی ہے جس کا گھر اتنا ملا ہوا نہ ہو۔ بعض حضرات نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ پہلے سے مراد وہ پڑوسی ہے جو رشتہ دار بھی ہو، اور دوسرے سے مراد وہ جو صرف پڑوسی ہو۔ نیز بعض مفسرین نے پہلے کا مطلب مسلمان پڑوسی اور دوسرے کا مطلب غیر مسلم پڑوسی بتایا ہے، قرآنِ کریم کے الفاظ میں ان سب معانی کی گنجائش ہے۔ خلاصہ یہ کہ پڑوسی چاہے رشتہ دار ہو یا اجنبی، مسلمان ہو یا غیر مسلم، اس کا گھر بالکل ملا ہوا ہو یا ایک دو گھر چھوڑ کر ہو، ان سب کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

(۳۰) یہ پڑوسی کی تیسری قسم ہے جس کو قرآنِ کریم نے ''صاحب بالجنب'' سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے مراد وہ شخص ہے جو عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لئے ساتھی بن گیا ہو، مثلاً سفر کے دوران ساتھ بیٹھا یا کھڑا ہو، یا کسی مجلس

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ۭ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — ع ۶ / ۹

بھلا ان کا کیا بگڑ جاتا اگر یہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان لے آتے، اور اللہ نے ان کو جو رزق عطا فرمایا ہے اس میں سے کچھ (نیک کاموں میں) خرچ کر دیتے؟ اور اللہ کو ان کا حال خوب معلوم ہے ﴿۳۹﴾ اللہ ذرّہ برابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرتا، اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے کئی گنا کر دیتا ہے، اور خود اپنے پاس سے عظیم ثواب دیتا ہے ﴿۴۰﴾ پھر (یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لے کر آئیں گے، اور (اے پیغمبر!) ہم تم کو اِن لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے؟(۳۱) ﴿۴۱﴾ جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے اور رسول کے ساتھ نافرمانی کا رویہ اختیار کیا ہے، اُس دن وہ یہ تمنا کریں گے کہ کاش انہیں زمین (میں دھنسا کر اُس) کے برابر کر دیا جائے، اور وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔ ﴿۴۲﴾

یا کسی لائن میں لگے ہوئے اپنے پاس ہو۔ وہ بھی ایک طرح کا پڑوسی ہے، اور اس کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ بلکہ اس سے بھی آگے ہر راہ گیر اور مسافر کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہ اپنا ساتھی یا پڑوسی نہ ہو۔

(۳۱) تمام انبیائے کرام قیامت کے روز اپنی اپنی اُمتوں کے اچھے برے اعمال پر گواہی دیں گے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے لوگوں پر گواہ بنا کر پیش کیا جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَاۗىِٕكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڭ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو اس وقت تک نماز کے قریب بھی نہ جانا جب تک تم جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھنے نہ لگو،(۳۲) اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک غسل نہ کرلو (نماز جائز نہیں) اِلّا یہ کہ تم مسافر ہو (اور پانی نہ ملے تو تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو)۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، پھر تم کو پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا (اس مٹی سے) مسح کرلو۔ بیشک اللہ بڑا معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ہے ﴿۴۳﴾

جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) گمراہی مول لے رہے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے بھٹک جاؤ ﴿۴۴﴾ اور اللہ تمہارے دُشمنوں کو خوب جانتا ہے، اور رکھوالا بننے کے لئے بھی اللہ کافی ہے، اور مددگار بننے کے لئے بھی اللہ کافی ہے ﴿۴۵﴾

---

(۳۲) یہ اس وقت کی بات ہے جب شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا۔ لیکن اسی آیت کے ذریعے یہ اشارہ دے دیا گیا تھا کہ وہ کوئی اچھی چیز نہیں ہے، کیونکہ اس کو پینے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے، لہٰذا کسی وقت اس کو بالکل حرام بھی کیا جاسکتا ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

یہودیوں میں سے کچھ وہ ہیں جو (تورات) کے الفاظ کو ان کے موقع محل سے ہٹا ڈالتے ہیں، اور اپنی زبانوں کو توڑ مروڑ کر اور دِین میں طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں، "سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا" اور "اسمع غیر مُسمَعٍ" اور "رَاعِنَا" حالانکہ اگر وہ یہ کہتے کہ "سمعنا واطعنا" اور "اسمع وانظرنا" تو ان کے لئے بہتر اور راست بازی کا راستہ ہوتا،(۳۳) لیکن ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال رکھی ہے، اس لئے تھوڑے سے لوگوں کے سوا وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۴۶﴾

(۳۳) اس آیت میں بعض یہودیوں کی دو شرارتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک شرارت یہ ہے کہ وہ تورات کے الفاظ کو اپنے موقع محل سے ہٹا کر اس میں لفظی یا معنوی تحریف کا ارتکاب کرتے ہیں، یعنی بعض اوقات اس کے الفاظ ہی کو کسی اور لفظ سے بدل دیتے ہیں اور بعض اوقات اس لفظ کو غلط معنی پہنا کر اس کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔ اور دوسری شرارت یہ ہے کہ جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں تو ایسے مبہم اور منافقانہ الفاظ استعمال کرتے ہیں جن کا ظاہری مفہوم بُرا نہیں ہوتا لیکن وہ اندرونی طور پر ان الفاظ سے وہ بُرے معنی مراد لیتے ہیں جو ان الفاظ میں چھپے ہوئے ہوتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس کی تین مثالیں اس آیت میں ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کہتے ہیں: "سَمِعنا وعَصَینا"، جس کے معنی یہ ہیں کہ "ہم نے آپ کی بات سن لی، اور نافرمانی کی" وہ ان الفاظ کا مطلب یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہم نے آپ کی بات سن لی ہے اور آپ کے مخالفین کی نافرمانی کی ہے، لیکن اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ہم نے آپ کی بات سن کر اسی بات کی نافرمانی کی ہے۔ دوسرے وہ کہتے تھے "اسمع غیر مُسمَعٍ" اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ "آپ ہماری بات سنیں، خدا کرے آپ کو کوئی بات سنائی نہ جائے" ظاہری طور پر وہ یہ دُعا دیتے تھے کہ آپ کو کوئی ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کی طبیعت کے خلاف ہو،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝۴۷ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ۝۴۸

اے اہلِ کتاب! جو (قرآن) ہم نے اب نازل کیا ہے، جو تمہارے پاس پہلے سے موجود کتاب کی تصدیق بھی کرتا ہے، اس پر ایمان لے آؤ، قبل اس کے کہ ہم کچھ چہروں کو مٹا کر انہیں گدی جیسا بنا دیں، یا ان پر ایسی پھٹکار ڈال دیں جیسی پھٹکار ہم نے سبت والوں پر ڈالی تھی۔ (۳۴) اور اللہ کا حکم ہمیشہ پورا ہو کر رہتا ہے۔ ﴿۴۷﴾

بیشک اللہ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر بات کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، (۳۵) اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے وہ ایسا بہتان باندھتا ہے جو بڑا زبردست گناہ ہے۔ ﴿۴۸﴾

لیکن اندر سے ان کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ خدا کرے آپ کو ایسی بات نہ سنائی جائے جو آپ کو خوش کرے۔ تیسرے وہ ایک لفظ ”رَاعِنَا“ استعمال کرتے تھے جس کے معنی عربی زبان میں تو یہ ہیں کہ ”ہمارا خیال رکھئے“ لیکن عبرانی زبان میں یہ ایک گالی کا لفظ تھا جو وہ اندرونی طور پر مراد لیتے تھے۔

(۳۴) ”سبت“، سنیچر کے دن کو کہتے ہیں۔ تورات میں بنی اسرائیل کو اس دن روزگار کا کوئی کام کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن ایک بستی کے لوگوں نے اس حکم کی نافرمانی کی جس کے نتیجے میں ان پر عذاب آیا اور ان کو مسخ کر دیا گیا۔ اس واقعے کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف (۷: ۱۶۳)۔

(۳۵) یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے توبہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کر سکتا ہے، لیکن شرک کی معافی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مشرک اپنے شرک سے سچی توبہ کر کے موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کر کے توحید پر ایمان لے آئے۔

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُزَکُّوۡنَ اَنۡفُسَہُمۡ ؕ بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿۴۹﴾ اُنۡظُرۡ کَیۡفَ یَفۡتَرُوۡنَ عَلَی اللّٰہِ الۡکَذِبَ ؕ وَ کَفٰی بِہٖۤ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۰﴾ اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَ الطَّاغُوۡتِ وَ یَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ہٰۤؤُلَآءِ اَہۡدٰی مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِیۡلًا ﴿۵۱﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ بتاتے ہیں؟ حالانکہ پاکیزگی تو اللہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، اور (اس عطا میں) ان پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوتا۔[۳۶] ﴿۴۹﴾ دیکھو یہ لوگ اللہ پر کیسے کیسے جھوٹے بہتان باندھتے ہیں، اور کھلا گناہ ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے۔ ﴿۵۰﴾ جن لوگوں کو کتاب (یعنی تورات کے علم) میں سے ایک حصہ دیا گیا تھا، کیا تم نے ان کو نہیں دیکھا کہ وہ (کس طرح) بتوں اور شیطان کی تصدیق کررہے ہیں اور کافروں (یعنی بت پرستوں) کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ مؤمنوں سے زیادہ سیدھے راستے پر ہیں۔[۳۷] ﴿۵۱﴾

---

(۳۶) یعنی پاکیزگی اور تقدس اللہ تعالیٰ انہی کو عطا فرماتا ہے جو اپنے اختیاری اعمال سے ایسا چاہتے ہیں، جن کو پاکیزگی اور تقدس نہیں ملتا، وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے اختیاری اعمال کے ذریعے خود نااہل بن جاتے ہیں، لہٰذا اگر اللہ انہیں تقدس عطا نہیں فرماتا تو اس میں ان پر کوئی ظلم نہیں ہے، کیونکہ انہوں نے خود اپنے اختیار سے اپنے آپ کو نااہل بنادیا ہے۔

(۳۷) یہ مدینہ منورہ میں آباد بعض یہودیوں کا تذکرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ وہ اور مسلمان آپس میں امن کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے خلاف کسی بیرونی دُشمن کی مدد بھی نہیں کریں گے، لیکن انہوں نے اس معاہدے کی بار بار خلاف ورزی کی، اور مسلمانوں کے دُشمن کفارِ مکہ کی حمایت اور درپردہ مدد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ان کا ایک بڑا سردار کعب بن اشرف تھا۔ جنگِ اُحد کے بعد وہ ایک اور یہودی سردار حیی بن اخطب کے ساتھ مکہ مکرمہ کے کافروں کے پاس گیا، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف تعاون کی پیشکش کی۔ کفارِ مکہ کے سردار ابوسفیان نے کہا کہ اگر تم واقعی اپنی پیشکش میں سچے ہو تو ہمارے دو بتوں کے سامنے سجدہ کرو، چنانچہ کعب بن اشرف نے ابوسفیان کا یہ مطالبہ بھی مان لیا، پھر ابوسفیان نے کعب سے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پھٹکار ڈال رکھی ہے، اور جس پر اللہ پھٹکار ڈال دے، اس کے لئے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے ﴿۵۲﴾ تو کیا ان کو (کائنات کی) بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہوا ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ لوگوں کو گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ (۳۸) ﴿۵۳﴾ یا یہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کو اپنا فضل (کیوں) عطا فرمایا ہے؟ سو ہم نے تو ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت عطا کی تھی اور انہیں بڑی سلطنت دی تھی۔ (۳۹) ﴿۵۴﴾

پوچھا کہ ہمارا مذہب اچھا ہے یا مسلمانوں کا؟ تو اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ تمہارا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے زیادہ بہتر ہے، حالانکہ وہ جانتا تھا کہ مکہ کے یہ لوگ بت پرست ہیں اور کسی آسمانی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے۔ لہٰذا ان کے مذہب کو بہتر قرار دینے کا مطلب بت پرستی کی تصدیق کرنا تھا۔ اس آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۸) یہودیوں کی مسلمانوں سے دُشمنی اور عناد کا سبب قرآنِ کریم نے یہ بیان فرمایا ہے کہ انہیں یہ توقع تھی کہ جس طرح پچھلے بہت سے انبیائے کرام بنی اسرائیل میں سے آئے ہیں، نبی آخر الزماں بھی انہی کے خاندان سے ہوں گے، لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مبعوث فرمائے گئے تو یہ لوگ حسد میں مبتلا ہو گئے، حالانکہ نبوت اور خلافت و حکومت تو اللہ تعالیٰ کا ایک فضل ہے، وہ جب جس کو مناسب سمجھتا ہے اپنے اس فضل سے سرفراز فرماتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر اعتراض کرے تو گویا وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ کائنات کی بادشاہی اس کے پاس ہے اور اسی کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند سے انبیاء کو منتخب کرے۔ اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ اگر کہیں بادشاہی واقعی ان کو مل گئی ہوتی تو یہ اتنے بخیل ہیں کہ کسی کو ذرہ برابر بھی کچھ نہ دیتے۔

(۳۹) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت جس کو مناسب سمجھتا ہے نبوت اور خلافت و حکومت کے اعزاز سے سرفراز فرماتا ہے، چنانچہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نبوت و حکمت عطا فرمائی اور ان کی اولاد میں یہ سلسلہ

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

چنانچہ ان میں سے کچھ ان پر ایمان لائے اور کچھ نے ان سے منہ موڑ لیا۔ اور جہنم ایک بھڑکتی آگ کی شکل میں (ان کافروں کی خبر لینے کے لئے) کافی ہے۔ ﴿۵۵﴾

بیشک جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا ہے، ہم انہیں آگ میں داخل کریں گے۔ جب بھی ان کی کھالیں جل جل کر پک جائیں گی، تو ہم انہیں ان کے بدلے دوسری کھالیں دے دیں گے تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں۔ بیشک اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی ﴿۵۶﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں، ان کو ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی، اور ہم انہیں گھنی چھاؤں میں داخل کریں گے۔[۴۰] ﴿۵۷﴾

جاری رکھا۔ چنانچہ ان میں سے بعض (مثلاً حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام) نبی ہونے کے ساتھ حکمران بھی بنے۔ اب تک ان کے ایک صاحبزادے (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی اولاد میں نبوت وحکومت کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ اب اگر ان کے دوسرے صاحبزادے (حضرت اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اعزاز بخش دیا گیا ہے تو اس میں اعتراض یا حسد کی کیا بات ہے؟

(۴۰) اشارہ اس طرف ہے کہ جنت میں روشنی ہوگی مگر دھوپ کی تپش نہیں ہوگی۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾ ع ۸

(مسلمانو!) یقیناً اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حق داروں تک پہنچاؤ، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ یقین جانو اللہ تم کو جس بات کی نصیحت کرتا ہے وہ بہت اچھی ہوتی ہے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو دیکھتا ہے۔ ﴿۵۸﴾

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی اطاعت کرو اور تم میں سے جو لوگ صاحبِ اختیار ہوں، اُن کی بھی۔(۴۱) پھر اگر تمہارے درمیان کسی چیز میں اختلاف ہو جائے تو اگر واقعی تم اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے اللہ اور رسول کے حوالے کر دو۔ یہی طریقہ بہترین ہے اور اس کا انجام بھی سب سے بہتر ہے ﴿۵۹﴾

(۴۱) "صاحبِ اختیار" سے مراد اکثر مفسرین کے مطابق مسلمان حکمران ہیں۔ جائز اُمور میں ان کے اَحکام کی اطاعت بھی مسلمانوں کا فرض ہے۔ البتہ یہ اطاعت اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ کسی ایسی بات کا حکم نہ دیں جو شرعاً ناجائز ہو۔ اس بات کو قرآنِ کریم نے دو طرح واضح فرمایا ہے۔ ایک تو اس طرح کہ اَصحابِ اختیار کی اطاعت کا ذکر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے بعد فرمایا ہے جس میں یہ اشارہ ہو گیا کہ حکمرانوں کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ دوسرے اگلے جملے میں مزید صراحت کے ساتھ بتا دیا گیا کہ اگر کسی معاملے میں یہ اختلاف پیدا ہو جائے کہ آیا حکمرانوں کا دیا ہوا حکم صحیح اور قابلِ طاعت ہے یا نہیں تو اسے اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دو جس کا مطلب یہ ہے کہ اس حکم کو قرآن اور سنت کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھو، اگر وہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ وہ اُس کلام پر بھی ایمان لے آئے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور اُس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، (لیکن) ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اپنا مقدمہ فیصلے کے لئے طاغوت کے پاس لے جانا چاہتے ہیں؟ (۴۲) حالانکہ ان کو حکم یہ دیا گیا تھا کہ وہ اس کا کھل کر انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انہیں بھٹکا کر پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا کردے ﴿۶۰﴾

قرآن و سنت کے خلاف ہو تو اس کی اطاعت واجب نہیں ہے اور حکمرانوں کا فرض ہے کہ وہ ایسا حکم واپس لے لیں، اور اگر وہ حکم قرآن و سنت کے کسی صریح یا اجماعی طور پر مسلم حکم کے خلاف نہیں ہے تو عام مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس پر عمل کریں۔

(۴۲) یہاں سے ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اصل میں دِل سے تو یہودی تھے، مگر مسلمانوں کو دِکھانے کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ ان کا حال یہ تھا کہ جس معاملے میں ان کو توقع ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فائدے کا فیصلہ کریں گے، ان کا مقدمہ تو آپ کے پاس لے جاتے، لیکن جس مسئلے میں ان کو خیال ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ان کے خلاف ہوگا، وہ مقدمہ آپ کے بجائے کسی یہودی سردار کے پاس لے جاتے جسے اس آیت میں ''طاغوت'' کہا گیا ہے۔ منافقین کی طرف سے ایسے کئی واقعات پیش آئے تھے جو متعدد روایات میں منقول ہیں۔ ''طاغوت'' کے لفظی معنی ہیں ''نہایت سرکش'' لیکن یہ لفظ شیطان کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اور ہر باطل کے لئے بھی۔ یہاں اس سے مراد وہ حاکم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کے اَحکام سے بے نیاز ہو کر یا ان کے خلاف فیصلہ کرے۔ آیت نے واضح کردیا کہ اگر کوئی شخص زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، لیکن اللہ اور اس کے رسول کے اَحکام پر کسی اور قانون کو ترجیح دے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتا۔

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ عِظْهُمْ وَ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ نے اُتارا ہے اور آؤ رسول کی طرف، تو تم ان منافقوں کو دیکھو گے کہ وہ تم سے پوری طرح منہ موڑ بیٹھتے ہیں ﴿۶۱﴾ پھر اُس وقت ان کا کیا حال بنتا ہے جب خود اپنے ہاتھوں کے کرتوت کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت آپڑتی ہے؟ اُس وقت یہ آپ کے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہمارا مقصد بھلائی کرنے اور ملاپ کرا دینے کے سوا کچھ نہ تھا۔(۴۳) ﴿۶۲﴾ یہ وہ ہیں کہ اللہ ان کے دِلوں کی ساری باتیں خوب جانتا ہے۔ لہٰذا تم انہیں نظر انداز کر دو، انہیں نصیحت کرو، اور ان سے خود ان کے بارے میں ایسی بات کہتے رہو جو دِل میں اُتر جانے والی ہو۔ ﴿۶۳﴾

اور ہم نے کوئی رسول اس کے سوا کسی اور مقصد کے لئے نہیں بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ اور جب اِن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر یہ اُس وقت تمہارے پاس آ کر اللہ سے مغفرت مانگتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دُعا کرتے تو یہ اللہ کو بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان پاتے۔ ﴿۶۴﴾

(۴۳) یعنی جب ان کا یہ معاملہ تمام لوگوں پر کھل جاتا ہے کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کے بجائے یا

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ۙ

نہیں، (اے پیغمبر!) تمہارے پروردگار کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتے جب تک یہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تمہیں فیصل نہ بنائیں، پھر تم جو کچھ فیصلہ کرو اس کے بارے میں اپنے دِلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں، اور اس کے آگے مکمل طور پر سرِ تسلیم خم کردیں ﴿۶۵﴾ اور اگر ہم ان کے لئے یہ فرض قرار دے دیتے کہ تم اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے سے لوگوں کے سوا کوئی اس پر عمل نہ کرتا۔ اور جس بات کی انہیں نصیحت کی جارہی ہے اگر یہ لوگ اس پر عمل کرلیتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، اور اُن میں خوب ثابت قدمی پیدا کردیتا (۴۴) ﴿۶۶﴾

اس کے خلاف کسی اور کو اپنا فیصل بنا رہے ہیں، اور اس کے نتیجے میں انہیں ملامت یا کسی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو یہ جھوٹی تاویل کرتے ہیں کہ ہم اس شخص کے پاس عدالتی فیصلہ کرانے نہیں گئے تھے، بلکہ مصالحت کا کوئی راستہ نکالنا چاہتے تھے جس سے جھگڑے کے بجائے میل ملاپ کی کوئی صورت پیدا ہوجائے۔

(۴۴) مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو تو بڑے سخت قسم کے اَحکام دیئے گئے تھے جن میں توبہ کے طور پر ایک دوسرے کو قتل کرنا بھی شامل تھا جس کا ذکر سورۂ بقرہ (آیت ۵۴) میں آیا ہے۔ اب اگر کوئی ایسا سخت حکم دیا جاتا تو ان میں سے کوئی بھی عمل نہ کرتا۔ اب تو اس سے بہت آسان حکم یہ دیا جارہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحکام کو دِل و جان سے تسلیم کرلو، لہٰذا عافیت کا راستہ یہی ہے کہ وہ آپ کے صحیح معنی میں فرماں بردار بن جائیں۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے یہ شیخی بھی بگھاری تھی کہ ہم تو ایسی فرماں بردار قوم ہیں کہ جب ہمارے آباء واجداد کو یہ حکم ہوا کہ وہ ایک دوسرے کو قتل کریں تو انہوں نے اس جیسے سخت حکم پر عمل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ یہ آیت ان کی اس بات کی طرف بھی اشارہ کررہی ہے۔

وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾

اور اُس صورت میں ہم انہیں خود اپنے پاس سے یقیناً اجرِ عظیم عطا کرتے ﴿۶۷﴾ اور اُنہیں ضرور بالضرور سیدھے راستے تک پہنچا دیتے ﴿۶۸﴾ اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے اِنعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں! ﴿۶۹﴾ یہ فضیلت اللہ کی طرف سے ملتی ہے، اور (لوگوں کے حالات سے) پوری طرح باخبر ہونے کے لئے اللہ کافی ہے۔ (۴۵) ﴿۷۰﴾

اے ایمان والو! (دُشمن سے مقابلے کے وقت) اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو، پھر الگ الگ دستوں کی شکل میں (جہاد کے لئے) نکلو، یا سب لوگ اِکٹھے ہو کر نکل جاؤ ﴿۷۱﴾ اور یقیناً تم میں کوئی ایسا بھی ضرور ہوگا جو (جہاد میں جانے سے) سستی دِکھائے گا، پھر اگر (جہاد کے دوران) تم پر کوئی مصیبت آجائے تو وہ کہے گا کہ اللہ نے مجھ پر بڑا اِنعام کیا کہ میں اِن لوگوں کے ساتھ موجود نہیں تھا ﴿۷۲﴾

---

(۴۵) یعنی وہ کسی کو یہ فضیلت معاذ اللہ بے خبری کے ساتھ نہیں دیتا بلکہ ہر شخص کے عملی حالات سے باخبر ہو کر دیتا ہے۔

وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾ؕ

اور اگر اللہ کی طرف سے کوئی فضل (یعنی فتح اور مالِ غنیمت) تمہارے ہاتھ آئے تو وہ کہے گا ـــــ گویا تمہارے اور اس کے درمیان کبھی کوئی دوستی تو تھی ہی نہیں (۴۶) ـــــ کہ '' کاش میں بھی ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تو بہت کچھ میرے بھی ہاتھ لگ جاتا!'' ﴿۷۳﴾ لہٰذا اللہ کے راستے میں وہ لوگ لڑیں جو دُنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ دیں۔ اور جو اللہ کے راستے میں لڑے گا، پھر چاہے قتل ہو جائے یا غالب آجائے، (ہر صورت میں) ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے۔ ﴿۷۴﴾

اور (اے مسلمانو!) تمہارے پاس کیا جواز ہے کہ اللہ کے راستے میں اور اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو یہ دُعا کر رہے ہیں کہ '' اے ہمارے پروردگار! ہمیں اِس بستی سے نکال لایئے جس کے باشندے ظلم توڑ رہے ہیں، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی حامی پیدا کر دیجئے، اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی مددگار کھڑا کر دیجئے'' ﴿۷۵﴾

---

(۴۶) مطلب یہ ہے کہ یوں تو وہ زبان سے مسلمانوں سے دوستی کا دم بھرتے ہیں، لیکن جنگ میں شرکت سے متعلق ان کے خیالات تمام تر خود غرضی پر مبنی ہوتے ہیں۔ خود تو جنگ میں شریک ہوتے نہیں، اور جب مسلمانوں کو جنگ میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو ان کو افسوس نہیں ہوتا بلکہ وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہم اس تکلیف سے بچ گئے، اور اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے، اور مالِ غنیمت حاصل ہوتا ہے تو یہ خوش ہونے کے بجائے حسرت کرتے ہیں کہ ہم اس مالِ غنیمت سے محروم رہ گئے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، اور جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ طاغوت کے راستے میں لڑتے ہیں۔ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم شیطان کے دوستوں سے لڑو۔ (یاد رکھو کہ) شیطان کی چالیں درحقیقت کمزور ہیں ﴿۷۶﴾ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے (مکی زندگی میں) کہا جاتا تھا کہ اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور نماز قائم کئے جاؤ اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ پھر جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ان میں سے ایک جماعت (دشمن) لوگوں سے ایسی ڈرنے لگی جیسے اللہ سے ڈرا جاتا ہے، یا اس سے بھی زیادہ ڈرنے لگی، اور ایسے لوگ کہنے لگے کہ ”اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہم پر جنگ کیوں فرض کردی، تھوڑی مدت تک ہمیں مہلت کیوں نہیں دی؟“ کہہ دو کہ دُنیا کا فائدہ تو تھوڑا سا ہے، اور جو شخص تقویٰ اختیار کرے اس کے لئے آخرت کہیں زیادہ بہتر ہے[۴۷]، اور تم پر ایک تاگے کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا ﴿۷۷﴾

---

(۴۷) مکہ مکرمہ میں جب مسلمان کفار کے سخت ظلم وستم کا سامنا کررہے تھے، اس وقت بہت سے حضرات کے دِل میں یہ جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ ان کافروں سے انتقام لینے کے لئے جنگ کریں، لیکن اُس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے جہاد کا حکم نہیں آیا تھا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی مصلحت اس میں تھی کہ وہ صبر وضبط کی بھٹی سے گذر کر اعلیٰ اخلاق سے آراستہ ہوں، اور پھر جہاد کریں تو وہ محض ذاتی انتقام کے جذبے سے نہ ہو بلکہ اللہ

اَیۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا یُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِیۡ بُرُوۡجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ یَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَیِّئَةٌ یَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الۡقَوۡمِ لَا یَكَادُوۡنَ یَفۡقَهُوۡنَ حَدِیۡثًا ﴿۷۸﴾ مَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَكَ مِنۡ سَیِّئَةٍ فَمِنۡ نَّفۡسِكَ ؕ

تم جہاں بھی ہوگے (ایک نہ ایک دن) موت تمہیں جا پکڑے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ رہ رہے ہو۔ اور اگر ان (منافقوں) کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، اور اگر ان کو کوئی برا واقعہ پیش آ جاتا ہے تو (اے پیغمبر!) وہ (تم سے) کہتے ہیں کہ یہ برا واقعہ آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ کہہ دو کہ ہر واقعہ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ کوئی بات سمجھنے کے نزدیک تک نہیں آتے؟ ﴿۷۸﴾

تمہیں جو کوئی اچھائی پہنچتی ہے تو وہ محض اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، اور جو کوئی بُرائی پہنچتی ہے، وہ تو تمہارے اپنے سبب سے ہوتی ہے،

کی رضا کی خاطر ہو۔ لہٰذا اس وقت جب کچھ مسلمان جہاد کی تمنا کرتے تو ان سے یہی کہا جاتا تھا کہ ابھی اپنے ہاتھ روک کر رکھو، اور جہاد کے بجائے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کے اَحکام پر عمل کرتے رہو۔ بعد میں جب یہ حضرات ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے تو جہاد فرض ہوا۔ اُس وقت چونکہ ان کی پرانی تمنا پوری ہوگئی تھی، اس لئے انہیں خوش ہونا چاہئے تھا، لیکن ان میں سے بعض حضرات کے دِل میں یہ خیال آیا کہ تقریباً تیرہ سال کی صبر آزما تکلیفوں کے بعد اب ذرا سکون اور عافیت کی زندگی میسر آئی ہے، اس لئے جہاد کا حکم کچھ مزید مؤخر ہو جاتا تو اچھا تھا۔ ان کی یہ خواہش اللہ تعالیٰ کے حکم پر کوئی اعتراض نہیں تھا، بلکہ بشریت کا ایک تقاضا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس پر تنبیہ فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ صحابہ کا مقام اس بات سے بلند ہونا چاہئے کہ وہ کسی وقت دُنیاوی راحت و آرام کو اتنی اہمیت دیں کہ اس کی خاطر آخرت کے فوائد کو کچھ عرصے کے لئے ہی سہی مؤخر کرنے کی آرزو کرنے لگیں۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں لوگوں کے پاس رسول بنا کر بھیجا ہے، اور اللہ (اس بات کی) گواہی دینے کے لئے کافی ہے۔[۴۸] ﴿۷۹﴾

(۴۸) ان آیتوں میں دو حقیقتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے حکم ہی سے ہوتا ہے۔ کسی کو کوئی فائدہ پہنچے تو وہ بھی اللہ کے حکم سے پہنچتا ہے، اور نقصان پہنچے تو وہ بھی اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ دوسری حقیقت یہ بیان کی گئی ہے کہ کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچانے کا حکم اللہ تعالیٰ کب اور کس بنا پر دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں آیت ۷۹ نے یہ بتایا ہے کہ جہاں تک کسی کو فائدہ پہنچنے کا تعلق ہے اس کا حقیقی سبب صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے، کیونکہ کسی بھی مخلوق کا اللہ تعالیٰ پر کوئی اجارہ نہیں آتا کہ وہ اسے ضرور فائدہ پہنچائے، اور اگر اس فائدے کا کوئی ظاہری سبب اس شخص کا کوئی عمل نظر آتا بھی ہو تو اس عمل کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہی فضل ہے، اور اس شخص کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر انسان کو کوئی نقصان پہنچے تو اگرچہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ہوتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ یہ حکم اسی وقت فرماتے ہیں جب اس شخص نے اپنے اختیاری عمل سے کوئی غلطی کی ہو۔ اب منافقین کا معاملہ یہ تھا کہ جب انہیں کوئی فائدہ پہنچتا تو اس کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے، لیکن کوئی نقصان ہو جاتا تو اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگا دیتے تھے۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ لوگ جو نقصان کی ذمہ داری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد کر رہے ہیں، اگر اس سے مراد یہ ہے کہ یہ نقصان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا ہے، تو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اس کائنات میں تمام کام اللہ ہی کے حکم سے ہوتے ہیں، کسی اور کے حکم سے نہیں، اور اگر ان کا مطلب یہ ہے کہ (معاذ اللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی غلطی اس کا سبب بنی ہے تو یہ بات بھی غلط ہے، ہر انسان کو خود اس کے اپنے کسی عمل کی وجہ سے نقصان پہنچتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، لہٰذا نہ تو کائنات میں واقع ہونے والے کسی تکوینی واقعے کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوتی ہے، اور نہ آپ فرائضِ رسالت میں کسی کوتاہی کے مرتکب ہو سکتے ہیں جس کا خمیازہ آپ کی اُمت کو بھگتنا پڑے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۗ ﴿۸۰﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ۗ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۗ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

جو رسول کی اطاعت کرے، اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جو (اطاعت سے) منہ پھیر لے تو (اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا (کہ تمہیں ان کے عمل کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے) ﴿۸۰﴾ اور یہ (منافق لوگ سامنے تو) اطاعت کا نام لیتے ہیں، مگر یہ تمہارے پاس سے باہر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کے وقت تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے، اور یہ رات کے وقت جو مشورے کرتے ہیں، اللہ وہ سب لکھ رہا ہے۔ لہٰذا تم ان کی پروا مت کرو، اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اور اللہ تمہاری حمایت کے لئے بالکل کافی ہے ﴿۸۱﴾ کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بکثرت اختلافات پاتے۔[۴۹] ﴿۸۲﴾

---

(۴۹) یوں تو انسان کی کوئی کاوش کمزوریوں سے پاک نہیں ہوتی، لہٰذا انسان کی کتابوں میں تضاد اور اختلافات پائے جاتے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنی کسی کتاب کے بارے میں یہ جھوٹا دعویٰ کرے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے تو اس میں یقیناً تضادات اور اختلافات ہوں گے۔ جن لوگوں نے پچھلے انبیائے کرام کی کتابوں میں تحریفات کی ہیں، ان کی وجہ سے ان کتابوں میں جو تضادات پیدا ہوئے ہیں، وہ اس بات کی واضح دلیل ہیں۔ ان کی تفصیل دیکھنی ہو تو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کی کتاب ''اظہار الحق'' کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کا اردو ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

اور جب ان کو کوئی بھی خبر پہنچتی ہے، چاہے وہ امن کی ہو یا خوف پیدا کرنے والی، تو یہ لوگ اسے (تحقیق کے بغیر) پھیلانا شروع کر دیتے ہیں۔ اور اگر یہ اس (خبر) کو رسول کے پاس یا اصحابِ اختیار کے پاس لے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اس کی کھوج نکالنے والے ہیں وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے۔(۵۰) اور (مسلمانو!) اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے ﴿۸۳﴾ لہٰذا (اے پیغمبر!) تم اللہ کے راستے میں جنگ کرو۔ تم پر اپنے سوا کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہاں مؤمنوں کو ترغیب دیتے رہو۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ کافروں کی جنگ کا زور توڑ دے۔ اور اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست ہے اور اس کی سزا بڑی سخت ﴿۸۴﴾ جو شخص کوئی اچھی سفارش کرتا ہے، اس کو اس میں سے حصہ ملتا ہے، اور جو کوئی بری سفارش کرتا ہے اسے اس برائی میں سے حصہ ملتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔(۵۱) ﴿۸۵﴾

---

(۵۰) بعض لوگ مدینہ منورہ میں بلا تحقیق افواہیں پھیلا دیا کرتے تھے جس سے معاشرے میں بڑا نقصان ہوتا تھا۔ یہ آیت ایسی بے تحقیق افواہوں پر یقین کر لینے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی ممانعت کر رہی ہے۔

(۵۱) پچھلی آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو حکم دیا گیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دیں، اس

وَإِذَا حُيِّيتُم بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿٨٦﴾ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۗ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿٨٧﴾ ۞ فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ وَاللَّهُ أَرْكَسَهُم بِمَا كَسَبُوا ۚ

اور جب تمہیں کوئی شخص سلام کرے تو تم اسے اس سے بھی بہتر طریقے پر سلام کرو، یا (کم از کم) انہی الفاظ میں اس کا جواب دے دو۔(۵۲) بیشک اللہ ہر چیز کا حساب رکھنے والا ہے ﴿۸۶﴾ اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ تمہیں ضرور بالضرور قیامت کے دن اِکٹھا کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ بات کا سچا ہو؟ ﴿۸۷﴾
پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟(۵۳) حالانکہ انہوں نے جیسے کام کئے ہیں ان کی بنا پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔

کے بعد یہ آیت لا کر اشارہ کر دیا گیا کہ آپ کی ترغیب کے نتیجے میں جو لوگ جہاد کریں گے، ان کے ثواب میں آپ بھی شریک ہوں گے۔ کیونکہ جب کوئی شخص اچھی سفارش کے نتیجے میں کوئی نیک کام کرے تو جو ثواب کام کرنے والے کو ملتا ہے، اس میں سفارش کرنے والے کو بھی حصہ ملتا ہے۔ اسی طرح اگر بری سفارش کے نتیجے میں کوئی غلط کام ہو جائے تو جتنا گناہ غلط کام کرنے والے کو ملے گا، بری سفارش کرنے والا بھی اس کے گناہ میں شریک ہوگا۔

(۵۲) سلام بھی چونکہ اللہ تعالیٰ کے حضور ایک سفارش ہے، اس لئے سفارش کا حکم بیان کرنے کے ساتھ سلام کا حکم بھی بیان فرما دیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پسندیدہ بات تو یہ ہے کہ جن الفاظ میں کسی شخص نے سلام کیا ہے اس سے بہتر الفاظ میں اس کا جواب دیا جائے، مثلاً اگر اس نے صرف ''السلام علیکم'' کہا ہے تو جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' کہا جائے، اور اگر اس نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا ہے تو جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہا جائے، لیکن اگر بعینہ اسی کے الفاظ میں جواب دے دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے، البتہ کسی مسلمان کے سلام کا بالکل جواب نہ دینا گناہ ہے۔

(۵۳) ان آیتوں میں چار قسم کے منافقین کا تذکرہ ہے، اور ان میں سے ہر قسم کا حکم الگ بیان کیا گیا ہے۔ اس

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے شخص کو ہدایت پر لاؤ جسے اللہ (اس کی خواہش کے مطابق) گمراہی میں مبتلا کر چکا؟ اور جسے اللہ گمراہی میں مبتلا کر دے، اس کے لئے تم ہرگز کبھی کوئی بھلائی کا راستہ نہیں پا سکتے ﴿۸۸﴾ یہ لوگ چاہتے یہ ہیں کہ جس طرح انہوں نے کفر کو اپنا لیا ہے، اسی طرح تم بھی کافر بن کر سب برابر ہو جاؤ۔ لہٰذا (اے مسلمانو!) تم ان میں سے کسی کو اُس وقت تک دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ کے راستے میں ہجرت نہ کر لے۔ چنانچہ اگر وہ (ہجرت سے) اعراض کریں تو ان کو پکڑو، اور جہاں بھی انہیں پاؤ، انہیں قتل کر دو، اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ، نہ مددگار۔ ﴿۸۹﴾

آیت (نمبر ۸۸) میں منافقین کی پہلی قسم کا ذکر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ تھے جو مدینہ منورہ آئے اور ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے، اور مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تجارت کے بہانے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت لی، اور واپس چلے گئے۔ ان کے بارے میں بعض مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ یہ سچے مسلمان تھے، اور بعض انہیں منافق سمجھتے تھے۔ لیکن جب وہ مکہ مکرمہ جا کر واپس نہ لوٹے تو ان کا کفر ظاہر ہو گیا، کیونکہ اس وقت مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنا ایمان کا لازمی حصہ تھا، اور جو شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے، اسے مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اب جبکہ ان کا نفاق ظاہر ہو چکا ہے، تو ان کے بارے میں کسی اختلافِ رائے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ

ہاں وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جاملیں جن کے اور تمہارے درمیان کوئی (صلح کا) معاہدہ ہے، یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس طرح آئیں کہ ان کے دِل تمہارے خلاف جنگ کرنے سے بھی بیزار ہوں، اور اپنی قوم کے خلاف جنگ کرنے سے بھی[۵۴] ـــــ اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا، تو وہ تم سے ضرور جنگ کرتے ـــــ چنانچہ اگر وہ تم سے کنارہ کشی کرتے ہوئے تم سے جنگ نہ کریں، اور تم کو امن کی پیشکش کر دیں تو اللہ نے تم کو ان کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی حق نہیں دیا ﴿۹۰﴾ (منافقین میں) کچھ دوسرے لوگ تمہیں ایسے ملیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ (مگر) جب کبھی ان کو فتنے کی طرف واپس بلایا جائے، وہ اس میں اوندھے منہ جاگرتے ہیں۔[۵۵]

(۵۴) پچھلی آیت میں ایسے منافقین سے جنگ کرنے اور انہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا جن کا کفر ظاہر ہو چکا ہو، البتہ اس حکم سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ کئے گئے ہیں، ایک وہ لوگ جو کسی ایسی غیر مسلم قوم کے ساتھ جا ملے ہوں جن سے مسلمانوں نے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا ہو، اور دوسرے وہ لوگ جو جنگ سے بالکل بیزار ہوں، نہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہوں، نہ اپنی قوم سے، اور چونکہ ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مسلمانوں سے نہیں لڑیں گے تو خود ان کی قوم ان سے لڑے گی، اس لئے وہ مسلمانوں کے پاس آجاتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں۔ یہاں تک منافقین کی تین قسمیں ہو گئیں۔

(۵۵) اُوپر کی آیت میں تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر تھا جو واقعۃً جنگ سے بیزار تھے، اور مسلمانوں سے لڑنا نہیں

فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۖ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿٩٣﴾

اور اگر مقتول کسی ایسی قوم سے تعلق رکھتا ہو جو تمہاری دُشمن ہے، مگر وہ خود مسلمان ہو، تو بس ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا فرض ہے، (خوں بہا دینا واجب نہیں)۔[(۵۷)] اور اگر مقتول اُن لوگوں میں سے ہو جو (مسلمان نہیں، مگر) ان کے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ ہے، تو بھی یہ فرض ہے کہ خوں بہا اس کے وارثوں تک پہنچایا جائے، اور ایک مسلمان غلام کو آزاد کیا جائے۔[(۵۸)] ہاں اگر کسی کے پاس غلام نہ ہو تو اس پر فرض ہے کہ دو مہینے تک مسلسل روزے رکھے۔ یہ توبہ کا طریقہ ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے، اور اللہ علیم و حکیم ہے ﴿۹۲﴾ اور جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ اس پر غضب نازل کرے گا اور لعنت بھیجے گا، اور اللہ نے اس کے لئے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۹۳﴾

---

(۵۷) اس سے مراد وہ مسلمان ہے جو دارالحرب میں رہتا ہو۔ اگر اسے غلطی سے قتل کر دیا جائے تو صرف کفارہ واجب ہے، دیت واجب نہیں ہے۔

(۵۸) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی ایسا غیر مسلم غلطی سے قتل ہو جائے جو مسلم ریاست کا شہری بن کر امن سے رہتا ہو (جسے اصطلاح میں ''ذمی'' کہتے ہیں) تو اس میں بھی دیت اور کفارہ اسی طرح واجب ہیں جیسے کسی مسلمان کو قتل کرنے پر واجب ہوتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں سفر کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو، اور جو شخص تم کو سلام کرے تو دُنیوی زندگی کا سامان حاصل کرنے کی خواہش میں اس کو یہ نہ کہو کہ ''تم مؤمن نہیں ہو''(۵۹) کیونکہ اللہ کے پاس مالِ غنیمت کے بڑے ذخیرے ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر فضل کیا۔(۶۰) لٰہذا تحقیق سے کام لو۔ بیشک جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سب سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۹۴﴾

---

(۵۹) اللہ کے راستے میں سفر کرنے سے مراد جہاد کے لئے سفر کرنا ہے۔ ایک واقعہ ایسا پیش آیا تھا کہ ایک جہاد کے دوران کچھ غیر مسلموں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے لئے صحابۂ کرام کو سلام کیا۔ وہ صحابہ یہ سمجھے کہ ان لوگوں نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے سلام کیا ہے، اور حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوئے، چنانچہ انہوں نے ایسے لوگوں کو قتل کردیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ اُصول بیان کردیا گیا کہ اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اسلام لائے اور اسلام کے تمام ضروری عقائد کا اقرار کرلے تو ہم اسے مسلمان ہی سمجھیں گے، اور اس کے دِل کا حال اللہ پر چھوڑیں گے۔ لیکن یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص کھلے کھلے کفریہ عقائد رکھتا ہو، تو صرف ''السلام علیکم'' کہہ دینے کی بنا پر اسے مسلمان سمجھا جائے گا۔

(۶۰) یعنی شروع میں تم بھی غیر مسلم ہی تھے، اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تم مسلمان ہوئے، مگر تمہارے زبانی اقرار کے سوا تمہارے سچا مسلمان ہونے کی کوئی اور دلیل نہیں تھی، تمہارے ظاہری اقرار ہی کی بنا پر تمہیں مسلمان مانا گیا۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾ ع ۱۳/۵/۱۰ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ

جن مسلمانوں کو کوئی معذوری لاحق نہ ہو اور وہ (جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں) بیٹھ رہیں وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال و جان سے جہاد کرنے والوں کے برابر نہیں ہیں۔ جو لوگ اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں ان کو اللہ نے بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت دی ہے۔ اور اللہ نے سب سے اچھائی کا وعدہ کر رکھا ہے۔[61] اور اللہ نے مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑی فضیلت دے کر بڑا ثواب بخشا ہے ﴿۹۵﴾ یعنی خاص اپنے پاس سے بڑے درجے اور مغفرت اور رحمت! اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۶﴾ جن لوگوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا،[62] اور اسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کرنے آئے تو بولے ''تم کس حالت میں تھے؟''

(۶۱) یہ اس حالت کا ذکر ہے جب جہاد ہر شخص کے ذمے فرضِ عین نہ ہو۔ ایسے میں جو لوگ جہاد میں جانے کے بجائے گھر میں بیٹھ گئے، اگرچہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ان کے ایمان اور دوسرے نیک کاموں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے جنت کا وعدہ کیا ہوا ہے، لیکن جو لوگ جہاد میں گئے ہیں ان کا درجہ گھر بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ البتہ جہاں جہاد فرضِ عین ہو جائے، یعنی جب مسلمانوں کا امیر تمام مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیدے یا جب کوئی دُشمن مسلمانوں پر چڑھ آئے، تو پھر گھر بیٹھنا حرام ہے۔

(۶۲) ''اپنی جان پر ظلم کرنا'' قرآنِ کریم کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب کسی گناہ کا ارتکاب کرنا ہوتا ہے، کیونکہ گناہ کر کے انسان اپنی جان ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس آیت میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے قدرت کے باوجود مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ جب

قَالُوۡا كُنَّا مُسۡتَضۡعَفِيۡنَ فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ قَالۡوۡۤا اَلَمۡ تَكُنۡ اَرۡضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوۡا فِيۡهَا‌ؕ فَاُولٰٓـئِكَ مَاۡوٰٮهُمۡ جَهَـنَّمُ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ۙ﴿۹۷﴾ اِلَّا الۡمُسۡتَضۡعَفِيۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالۡوِلۡدَانِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ حِيۡلَةً وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ سَبِيۡلًا ۙ﴿۹۸﴾ فَاُولٰٓـئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنۡ يَّعۡفُوَ عَنۡهُمۡ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ﴿۹۹﴾ وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يَجِدۡ فِى الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا وَّسَعَةً‌ ؕ وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۰۰﴾ ع ۱۴

وہ کہنے لگے کہ "ہم تو زمین میں بے بس بنادیئے گئے تھے۔" فرشتوں نے کہا "کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟" لہٰذا ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ نہایت برا انجام ہے ﴿۹۷﴾ البتہ وہ بے بس مرد، عورتیں اور بچے (اس انجام سے مستثنیٰ ہیں) جو (ہجرت کی) کوئی تدبیر نہیں کر سکتے اور نہ (نکلنے کا) کوئی راستہ پاتے ہیں ﴿۹۸﴾ چنانچہ پوری اُمید ہے کہ اللہ ان کو معاف فرمادے۔ اللہ بڑا معاف کرنے والا بہت بخشنے والا ہے ﴿۹۹﴾ اور جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور بڑی گنجائش پائے گا۔ اور جو شخص اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کے لئے نکلے، پھر اسے موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب اللہ کے پاس طے ہو چکا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۰۰﴾

مسلمانوں کے لئے ہجرت کا حکم آ گیا تھا تو مکہ میں رہنے والے ہر مسلمان پر شرعاً فرض تھا کہ وہ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرے، بلکہ اس کو ایمان کا لازمی تقاضا قرار دیا گیا تھا، اور اگر کوئی شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرتا تو اسے مسلمان قرار نہیں دیا جاتا تھا۔ اس آیت میں ایسے ہی بعض لوگوں کا ذکر ہے کہ جب فرشتے ان کے پاس ان کی روح قبض کرنے آئے تو ان کے ساتھ کیا مکالمہ ہوا۔ چونکہ یہ لوگ ہجرت کے حکم کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے مسلمان نہیں رہے تھے، اس لئے ان کے بارے میں دوزخی ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ البتہ جو لوگ کسی مجبوری کی بنا پر ہجرت سے قاصر رہے تھے، ساتھ ہی ان کا استثناء بھی کر دیا گیا ہے کہ معذوری کی وجہ سے وہ قابلِ معافی ہیں۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۱۰۱﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ

اور جب تم زمین میں سفر کرو اور تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے، تو تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم نماز میں قصر کرلو۔ (۶۳) یقیناً کافر لوگ تمہارے کھلے دُشمن ہیں ﴿۱۰۱﴾ اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور انہیں نماز پڑھاؤ تو (دُشمن سے مقابلے کے وقت اس کا طریقہ یہ ہے کہ) مسلمانوں کا ایک گروہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو جائے، اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لے۔ پھر جب یہ لوگ سجدہ کر چکیں تو تمہارے پیچھے ہو جائیں، اور دوسرا گروہ جس نے ابھی تک نماز نہ پڑھی ہو آگے آجائے، اور وہ تمہارے ساتھ نماز پڑھے، اور وہ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لے۔

(۶۳) اللہ تعالیٰ نے سفر کی حالت میں ظہر، عصر اور عشاء کی نماز آدھی کردی ہے۔ اسے ''قصر'' کہا جاتا ہے۔ عام سفروں میں قصر ہر حالت میں واجب ہے، چاہے دُشمن کا خوف ہو یا نہ ہو، لیکن یہاں ایک خاص قسم کے قصر کا ذکر مقصود ہے جو دُشمن کے مقابلے کے وقت ہی ہوسکتا ہے، اس میں یہ چھوٹ بھی ہوتی ہے کہ مسلمانوں کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو کر ایک ہی اِمام کے پیچھے باری باری ایک ایک رکعت پڑھے، اور دوسری رکعت بعد میں تنہا پوری کرے جس کا طریقہ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ یہ خاص قسم کا قصر، جسے ''صلاۃ الخوف'' کہتے ہیں، دُشمن کے مقابلے کی حالت ہی میں ہوسکتا ہے، اس لئے یہاں قصر کے ساتھ یہ شرط لگائی گئی ہے کہ ''اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں پریشان کریں گے'' (ابن جریر) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات الرقاع کے موقع پر ''صلاۃ الخوف'' پڑھی ہے۔ اس کا مفصل طریقہ احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہے۔

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

ع ۱۵ ۴ ۱۲

کافر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ ایک دم تم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اگر تمہیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اِس میں بھی تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دو، ہاں اپنے بچاؤ کا سامان ساتھ لے لو۔ بیشک اللہ نے کافروں کے لئے ذِلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۰۲﴾ پھر جب تم نماز پوری کر چکو تو اللہ کو (ہر حالت میں) یاد کرتے رہو، کھڑے بھی بیٹھے بھی، اور لیٹے ہوئے بھی۔(۶۴) پھر جب تمہیں (دُشمن کی طرف سے) اطمینان حاصل ہو جائے تو نماز قاعدے کے مطابق پڑھو۔ بیشک نماز مسلمانوں کے ذمے ایک ایسا فریضہ ہے جو وقت کا پابند ہے ﴿۱۰۳﴾ اور تم ان لوگوں (یعنی کافر دُشمن) کا پیچھا کرنے میں کمزوری نہ دِکھاؤ، اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو ان کو بھی اسی طرح تکلیف پہنچی ہے جیسے تمہیں پہنچی ہے،(۶۵) اور تم اللہ سے اُس بات کے اُمیدوار ہو جس کے وہ اُمیدوار نہیں۔ اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۱۰۴﴾

(۶۴) یعنی سفر یا خوف کی حالت میں نماز میں تو قصر ہو سکتا ہے، لیکن اللہ کا ذکر ہر حالت میں جاری رہنا چاہئے، کیونکہ اس کا نہ کوئی خاص وقت مقرر ہے، نہ کوئی خاص ہیئت۔ وہ کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حالت میں ہو سکتا ہے۔

(۶۵) جنگ کے اختتام پر لوگ تھکے ہوئے ہوتے ہیں، اور اس وقت دُشمن کا تعاقب بھاری معلوم ہوتا ہے، لیکن

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَٱسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ ۖ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ ٱلَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱلنَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ ٱللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ ٱلْقَوْلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾

بیشک ہم نے حق پر مشتمل کتاب تم پر اس لئے اُتاری ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تم کو سمجھا دیا ہے، اور تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار نہ بنو (۶۶) ﴿۱۰۵﴾ اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۰۶﴾ اور کسی تنازعے میں ان لوگوں کی وکالت نہ کرنا جو خود اپنی جانوں سے خیانت کرتے ہیں۔ اللہ کسی بھی خیانت کرنے والے گنہگار کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۰۷﴾ یہ لوگوں سے تو شرماتے ہیں، اور اللہ سے نہیں شرماتے، حالانکہ وہ اس وقت بھی ان کے پاس ہوتا ہے جب وہ راتوں کو ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں۔ اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ نے اس سب کا احاطہ کر رکھا ہے ﴿۱۰۸﴾

اگر جنگی مصلحت ہو اور امیر حکم دے تو تعاقب واجب ہے۔ ایسے میں یہ سوچنے کی ترغیب دی گئی ہے کہ جس طرح ہم تھکے ہوئے ہیں، دُشمن بھی تو تھکا ہوا ہے، اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد اور ثواب کی جو اُمید ہے وہ دُشمن کو حاصل نہیں ہے۔

(۶۶) یہ آیتیں اگرچہ عام ہدایتوں پر مشتمل ہیں، مگر ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی ہیں۔ خاندان بنو ابیرق کے ایک شخص بشر نے جو ظاہری طور پر مسلمان تھا، ایک صحابی حضرت رفاعہؓ کے گھر میں نقب لگا کر کچھ غلہ اور کچھ ہتھیار چرا لئے، اور لے جاتے وقت ہوشیاری یہ کی کہ غلے کی بوری کا منہ اس طرح کھولا کہ تھوڑا تھوڑا غلہ راستے میں گرتا جائے، یہاں تک کہ ایک یہودی کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر بوری کا منہ بند کر دیا، اور بعد میں چوری کئے ہوئے ہتھیار اسی یہودی کے پاس رکھوا دیئے۔ جب چوری کی تفتیش شروع ہوئی تو ایک طرف غلے کے

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾

ارے تمہاری بساط یہی تو ہے کہ تم نے دُنیوی زندگی میں لوگوں سے جھگڑ کر ان (خیانت کرنے والوں) کی حمایت کرلی! بھلا اس کے بعد قیامت کے دن اللہ سے جھگڑ کر کون ان کی حمایت کرے گا، یا کون ان کا وکیل بنے گا؟ ﴿۱۰۹﴾ اور جو شخص کوئی برا کام کرگذرے یا اپنی جان پر ظلم کر بیٹھے، پھر اللہ سے معافی مانگ لے تو وہ اللہ کو بہت بخشنے والا، بڑا مہربان پائے گا ﴿۱۱۰﴾ اور جو شخص کوئی گناہ کمائے، تو وہ اس کمائی سے خود اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور اللہ پورا علم بھی رکھتا ہے، حکمت کا بھی مالک ہے ﴿۱۱۱﴾

نشانات یہودی کے گھر تک پائے گئے تھے، اور دوسری طرف ہتھیار اسی کے پاس سے برآمد ہوئے، اس لئے شروع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال یہ ہونے لگا کہ یہ چوری اسی یہودی نے کی ہے، یہودی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ ہتھیار تو میرے پاس بشر نامی شخص نے رکھوائے تھے، مگر چونکہ وہ اس پر کوئی گواہ پیش نہ کرسکا تھا، اس لئے آپ کا رُجحان اس طرف ہونے لگا کہ وہ جان بچانے کے لئے بشر کا نام لے رہا ہے، دوسری طرف بشر کے خاندان بنو ابیرق کے لوگ بھی بشر کی وکالت کرتے ہوئے اس بات پر زور لگا رہے تھے کہ سزا بشر کے بجائے یہودی کو دی جائے۔ ابھی یہ معاملہ چل ہی رہا تھا کہ یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوگئیں اور ان کے ذریعے بشر کی دھوکا بازی کا پردہ چاک کردیا گیا، اور یہودی کو بے گناہ قرار دے کر بری کردیا گیا۔ بشر کو جب راز فاش ہونے کا پتہ لگا تو وہ فرار ہوکر کفارِ مکہ سے جاملا اور وہاں کفر کی حالت میں بُری طرح اس کی موت واقع ہوئی۔ ان آیات کے ذریعے ایک طرف تو معاملے کی اصل حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھول دی گئی، اس کے علاوہ مقدمات کے فیصلے کرنے کے لئے اہم اُصول بتادیئے گئے ہیں۔ پہلا اُصول یہ کہ تمام فیصلے کتاب اللہ کے اَحکام

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

ع ۱۶ / ۸ / ۱۳

اور اگر کوئی شخص کسی غلطی یا گناہ کا مرتکب ہو، پھر اس کا اِلزام کسی بے گناہ کے ذمے لگادے، تو وہ بڑا بھاری بہتان اور کھلا گناہ اپنے اُوپر لادلیتا ہے۔ ﴿۱۱۲﴾ اور (اے پیغمبر!) اگر اللہ کا فضل اور رحمت تمہارے شاملِ حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو تم کو سیدھی راہ سے بھٹکانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ (۶۷) اور (درحقیقت) یہ اپنے سوا کسی کو نہیں بھٹکا رہے ہیں، اور یہ تم کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور تم کو ان باتوں کا علم دیا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، اور تم پر اللہ کا فضل ہمیشہ بہت زیادہ رہا ہے ﴿۱۱۳﴾

کے تابع ہونے چاہئیں، دوسرا اُصول یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت سے ایسے اُمور کھولتے رہتے ہیں جو صراحۃً قرآن میں مذکور نہیں ہیں، فیصلے ان کی روشنی میں ہونے چاہئیں۔ آیت کے الفاظ "اس طریقے کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے تمہیں سمجھادیا ہے" اسی طرف اشارہ کررہے ہیں، اور ان سے قرآنِ کریم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حجیت کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ تیسرا اُصول یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جس کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ کسی مقدمے میں غلطی پر ہے اس کی وکالت کرنا جائز نہیں ہے۔ بنوابیرق جو بشر کی وکالت کررہے تھے ان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اوّل تو یہ وکالت جائز نہیں ہے، دوسرے اس کا فائدہ ملزم کو زیادہ سے زیادہ دُنیا میں پہنچ سکتا ہے، آخرت میں تمہاری وکالت اس کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتی۔

(۶۷) اس سے بشر اور اس کے حمایتی مراد ہیں جو یہ چاہتے تھے کہ یہودی کو بے گناہ سزا دلوادیں۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١١٤﴾ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

ع ۱۷ / ۱۴

لوگوں کی بہت سی خفیہ سرگوشیوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی، الّا یہ کہ کوئی شخص صدقے کا یا کسی نیکی کا یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا حکم دے۔ اور جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ایسا کرے گا، ہم اس کو زبردست ثواب عطا کریں گے ﴿۱۱۴﴾ اور جو شخص اپنے سامنے ہدایت واضح ہونے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے، اور مؤمنوں کے راستے کے سوا کسی اور راستے کی پیروی کرے، اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کردیں گے جو اس نے خود اپنائی ہے، اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔[۶۸] ﴿۱۱۵﴾ بیشک اللہ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے، اور اس سے کمتر ہر گناہ کی جس کے لئے چاہتا ہے بخشش کردیتا ہے۔[۶۹] اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے، وہ راہِ راست سے بھٹک کر بہت دُور جا گرتا ہے ﴿۱۱۶﴾

(۶۸) اس آیت سے علمائے کرام، بالخصوص امام شافعیؒ نے اجماع کی حجیت پر استدلال کیا ہے، یعنی جس مسئلے پر پوری اُمتِ مسلمہ متفق رہی ہو وہ یقینی طور پر برحق ہوتا ہے اور اس کی مخالفت جائز نہیں۔

(۶۹) یعنی شرک سے کم کسی گناہ کو اللہ تعالیٰ جب چاہے توبہ کے بغیر بھی محض اپنے فضل سے معاف کرسکتا ہے، لیکن شرک کی معافی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ مشرک اپنے شرک سے سچی توبہ کرکے موت سے پہلے پہلے اسلام قبول کرے اور توحید پر ایمان لے آئے۔ یہی مضمون پیچھے آیت نمبر ۴۸ میں بھی گذر چکا ہے۔

اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۹﴾

اللہ کو چھوڑ کر جن سے یہ دُعائیں مانگ رہے ہیں وہ صرف چند زنانیاں ہیں،[70] اور جس کو یہ پکار رہے ہیں وہ اُس سرکش شیطان کے سوا کوئی نہیں ﴿۱۱۷﴾ جس پر اللہ نے پھٹکار ڈال رکھی ہے، اور اس نے (اللہ سے) یہ کہہ رکھا ہے کہ "میں تیرے بندوں سے ایک طے شدہ حصہ لے کر رہوں گا،[71] ﴿۱۱۸﴾ اور میں انہیں راہِ راست سے بھٹکا کر رہوں گا، اور انہیں خوب آرزوئیں دِلاؤں گا، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے، اور انہیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے۔"[72] اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا۔ ﴿۱۱۹﴾

(۷۰) کفارِ مکہ جن من گھڑت دیویوں کو پوجتے تھے ان سب کو مؤنث سمجھتے تھے، لات، منات، عزّیٰ سب کو مؤنث سمجھا جاتا تھا، نیز فرشتوں کو بھی وہ خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ آیت میں اشارہ یہ ہے کہ ایک طرف تو کفارِ مکہ عورتوں کو کمتر مخلوق سمجھتے ہیں، اور دوسری طرف جن کو اپنا خدا بنا رکھا ہے وہ ان کے خیال کے مطابق سب مؤنث ہیں۔

(۷۱) یعنی بہت سے بندوں کو گمراہ کر کے انہیں اپنا بنالوں گا، اور بہت سوں سے اپنی مرضی کے کام کرواؤں گا۔

(۷۲) کفارِ عرب بعض چوپایوں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے، اور ایسے جانور سے کوئی فائدہ اُٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس باطل رسم کی طرف اشارہ ہے کہ اس پر شیطان عمل کرا رہا ہے۔ اور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی سے مراد خود یہی عمل بھی ہو سکتا ہے کہ جانور کے کان خواہ مخواہ چیر دیئے جائیں، اس کے علاوہ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ان کاموں کو بھی "تخلیق میں تبدیلی" قرار دے کر منع فرمایا ہے جو عورتیں اپنے حسن میں اضافہ کرنے کی غرض سے کیا کرتی تھیں، مثلاً جسم کے کسی حصے کو سوئیوں وغیرہ سے گود کر نشانات بنوانا، چہرے کے قدرتی رُویں کو (جو عیب کی حد تک بڑھا ہوا نہ ہو) صاف کرنا اور دانتوں کے درمیان مصنوعی فاصلہ کروانا۔ (تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت "معارف القرآن" کی طرف رُجوع فرمایئے)۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۗ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۗ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۗ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

وہ تو ان سے وعدے کرتا اور انہیں آرزوؤں میں مبتلا کرتا ہے، جبکہ (حقیقت یہ ہے کہ) شیطان ان سے جو بھی وعدے کرتا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں ﴿۱۲۰﴾ ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے، اور ان کو اس سے بچنے کے لئے کوئی راہ فرار نہیں ملے گی ﴿۱۲۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے، اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہوسکتا ہے؟ ﴿۱۲۲﴾ نہ تمہاری تمنائیں (جنت میں جانے کے لئے) کافی ہیں، نہ اہلِ کتاب کی آرزوئیں۔ جو بھی بُرا عمل کرے گا، اس کی سزا پائے گا، اور اللہ کے سوا اسے اپنا کوئی یار و مددگار نہیں ملے گا ﴿۱۲۳﴾ اور جو شخص نیک کام کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مؤمن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۲۴﴾ اور اس سے بہتر کس کا دِین ہوگا جس نے اپنے چہرے (سمیت سارے وجود) کو اللہ کے آگے جھکا دیا ہو، جبکہ وہ نیکی کا خوگر بھی ہو، اور جس نے سیدھے سچے ابراہیم کے دِین کی پیروی کی ہو۔ اور (یہ معلوم ہی ہے کہ) اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنالیا تھا ﴿۱۲۵﴾

ع ۱۸ ۱۱ ۱۵ وَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع
وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ ۙ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ
فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ
وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا
مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیْمًا ﴿۱۲۷﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ نے ہر چیز کو (اپنی قدرت کے) احاطے میں لیا ہوا ہے ﴿۱۲۶﴾ اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں۔ (۷۴) کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے، اور اِس کتاب (یعنی قرآن) کی جو آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں) جن کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے، اور ان سے نکاح کرنا بھی چاہتے ہو، (۷۵) نیز کمزور بچوں کے بارے میں بھی (حکم بتاتی ہیں) اور یہ تاکید کرتی ہیں کہ تم یتیموں کی خاطر انصاف قائم کرو۔ اور تم جو بھلائی کا کام کرو گے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہے ﴿۱۲۷﴾

---

(۷۴) اسلام سے پہلے عورتوں کو معاشرے میں ایک کمتر مخلوق سمجھا جاتا تھا، اور ان کے معاشرتی اور معاشی حقوق نہ ہونے کے برابر تھے۔ جب اسلام نے عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی اور عورتوں کو بھی میراث میں حصہ دار قرار دیا تو یہ بات عربوں کے معاشرے میں اتنی اچنبھی تھی کہ بعض لوگ یہ سمجھتے رہے کہ عورتوں کو جو حقوق دیئے گئے ہیں وہ شاید عارضی نوعیت کے ہیں، اور کسی وقت منسوخ ہو جائیں گے۔ جب ان کی منسوخی کا حکم نہیں آیا تو ایسے حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ اَحکام عارضی نہیں، ہمیشہ کے لئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے، اور قرآنِ کریم کی جو آیات پہلے نازل ہوئی ہیں ان میں بہت سے ایسے اَحکام آچکے ہیں۔ اس کے ساتھ مرد و عورت کے باہمی تعلقات کے بارے میں کچھ مزید اَحکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۷۵) یہ اس ہدایت کی طرف اشارہ ہے جو سورۂ نساء کی آیت نمبر ۳ میں گذری ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾

اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے زیادتی یا بیزاری کا اندیشہ ہو تو ان میاں بیوی کے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس کے اتفاق سے کسی قسم کی صلح کر لیں۔[۷۶] اور صلح کر لینا بہتر ہے۔ اور اِنسانوں کے دِل میں (کچھ نہ کچھ) لالچ کا مادّہ تو رکھ ہی دیا گیا ہے۔[۷۷] اور اگر اِحسان اور تقویٰ سے کام لو تو جو کچھ تم کرو گے اللہ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۲۸﴾

میں حضرت عائشہؓ نے اس ہدایت کا پس منظر یہ بتایا ہے کہ بعض اوقات ایک یتیم لڑکی اپنے چچا کے بیٹے کی سرپرستی میں ہوتی تھی، وہ خوبصورت بھی ہوتی اور اس کے باپ کا چھوڑا ہوا مال بھی اچھا خاصا ہوتا تھا۔ اس صورت میں اس کا چچازاد یہ چاہتا تھا کہ اس کے بالغ ہونے پر وہ خود اس سے نکاح کرلے، تاکہ اس کا مال اسی کے تصرف میں رہے، لیکن نکاح میں وہ اس کو اتنا مہر نہیں دیتا تھا جتنا اس جیسی لڑکی کو دینا چاہئے۔ دوسری طرف اگر لڑکی زیادہ خوبصورت نہ ہوتی تو اس کے مال کی لالچ میں اس سے نکاح تو کرلیتا تھا، لیکن نہ صرف یہ کہ اس کا مہر کم رکھتا تھا، بلکہ اس کے ساتھ ایک محبوب بیوی جیسا سلوک بھی نہیں کرتا تھا۔

(۷۶) بعض اوقات کسی شوہر کا اپنی بیوی سے دِل نہیں ملتا، اور وہ اس سے بے رُخی اختیار کر کے اسے طلاق دینا چاہتا ہے۔ اس صورت میں اگر بیوی طلاق پر راضی نہ ہو تو وہ اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو کر شوہر سے صلح کر سکتی ہے، یعنی یہ کہہ سکتی ہے کہ میں اپنے فلاں حق کا مطالبہ نہیں کروں گی، مگر مجھے اپنے نکاح میں رہنے دو۔ ایسی صورت میں شوہر کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ وہ صلح پر آمادہ ہو جائے، اور طلاق پر اصرار نہ کرے، کیونکہ مصالحت کا رویہ ہی بہتر ہے۔ نیز اگلے جملے میں احسان کی نصیحت فرما کر شوہر کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ دِل نہ ملنے کے باوجود بیوی سے نباہ کرنے کی کوشش کرے، اور اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے حقوق ادا کرتا رہے تو اس کے لئے دُنیا اور آخرت دونوں کی بہتری کا ذریعہ ہوگا۔

(۷۷) مطلب بظاہر یہ ہے کہ ہر انسان کی طبیعت میں دُنیوی فائدوں کا کچھ نہ کچھ لالچ ہوتا ہے، اس لئے

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور عورتوں کے درمیان مکمل برابری رکھنا تو تمہارے بس میں نہیں، چاہے تم ایسا چاہتے بھی ہو،(۷۸) البتہ کسی ایک طرف پورے پورے نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو ایسا بنا کر چھوڑ دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہوئی چیز۔ اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ سے کام لوگے تو یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۲۹﴾ اور اگر دونوں جدا ہو ہی جائیں تو اللہ اپنی (قدرت اور رحمت کی) وسعت سے دونوں کو (ایک دوسرے کی حاجت سے) بے نیاز کردے گا۔(۷۹) اللہ بڑی وسعتوں والا، بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿۱۳۰﴾

اگر عورت اپنے کچھ دُنیوی مفادات چھوڑ رہی ہے تو شوہر کو یہ سوچنا چاہئے کہ اسے طلاق کی صورت میں کوئی سخت تکلیف پیش آنے کا اندیشہ ہے، اسی لئے وہ اپنے یہ مفادات چھوڑنے پر آمادہ ہوئی ہے۔ ایسی صورت میں صلح کر لینا بہتر ہے۔ دوسری طرف بیوی کو یہ سوچنا چاہئے کہ شوہر نے کچھ دُنیوی فائدوں کے لئے نکاح کیا تھا جو اس کو میری زوجیت میں حاصل نہیں ہو رہے ہیں، لہٰذا وہ میری جگہ کسی اور سے نکاح کر کے وہ فائدے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب اگر میں اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہو کر اسے کچھ دوسرے فوائد مہیا کردوں تو وہ اس ارادے سے باز آ سکتا ہے۔

(۷۸) یعنی یہ بات انسان کے اختیار سے باہر ہے کہ وہ قلبی محبت اور لگاؤ میں بیویوں کے درمیان پوری پوری برابری کرے، کیونکہ دِل کا جھکاؤ انسان کے بس میں نہیں ہوتا، لہٰذا اگر ایک بیوی سے دِلی محبت دوسری کے مقابلے میں زیادہ ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ نہیں ہے۔ البتہ عملی سلوک میں برابری کرنا ضروری ہے، یعنی جتنی راتیں ایک کے پاس گذارے اتنی ہی دوسری کے پاس گذارے، جتنا خرچ ایک کو دے، اتنا ہی دوسری کو دے۔ نیز ظاہری توجہ میں بھی ایسا نہ کرے جس سے کسی بیوی کی دِل شکنی ہو، اور وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ وہ بیچ میں لٹکی ہوئی ہے۔

(۷۹) مصالحت کی تمام کوششوں کے باوجود ایک مرحلہ ایسا آ سکتا ہے کہ اس کے بعد نکاح کا رشتہ میاں بیوی پر

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے۔ ہم نے تم سے پہلے اہلِ کتاب کو بھی اور تمہیں بھی یہی تاکید کی ہے کہ اللہ سے ڈرو اور اگر تم کفر اپناؤ گے تو (اللہ کا کیا نقصان ہے؟ کیونکہ) آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ ہر ایک سے بے نیاز اور بذاتِ خود لائقِ تعریف ہے۔ ﴿۱۳۱﴾ اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے،(۸۰) اور کام بنانے کے لئے اللہ ہی کافی ہے ﴿۱۳۲﴾ اگر وہ چاہے تو اے لوگو! تم سب کو (دُنیا سے) لے جائے اور دوسروں کو (تمہاری جگہ یہاں) لے آئے۔ اللہ اس بات کی پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۱۳۳﴾

تھوپے رکھنا دونوں کی زندگی کو اجیرن بنا سکتا ہے۔ ایسی صورت میں طلاق اور علیحدگی کا راستہ اختیار کرنا بھی جائز ہے، اور یہ آیت اطمینان دِلا رہی ہے کہ جب خوش اُسلوبی سے جدائی عمل میں آجائے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے لئے ایسے راستے پیدا کر دیتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

(۸۰) یہ جملہ کہ ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے'' ان آیتوں میں تین بار دُہرایا گیا ہے۔ پہلی مرتبہ اس کا مقصد میاں بیوی کو یہ اطمینان دِلانا ہے کہ اللہ کی رحمت کے خزانے بڑے وسیع ہیں وہ دونوں کے لئے کوئی مناسب ذریعہ پیدا کر سکتا ہے، دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی بیان کرنا مقصود ہے کہ کسی کے کفر سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے، کیونکہ ساری کائنات اس کے تابع فرمان ہے، اسے کسی کی حاجت نہیں ہے، اور تیسری جگہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور کارسازی کا بیان ہے کہ اگر تم تقویٰ اور اطاعت کا راستہ اختیار کرو تو وہ تمہارے سارے کام بنا دے گا۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

جو شخص (صرف) دُنیا کا ثواب چاہتا ہو (اسے یاد رکھنا چاہئے کہ) اللہ کے پاس دُنیا اور آخرت دونوں کا ثواب موجود ہے۔[81] اللہ ایسا ہے کہ ہر بات کو سنتا اور ہر چیز کو جانتا ہے۔ ﴿۱۳۴﴾ اے ایمان والو! انصاف قائم کرنے والے بنو، اللہ کی خاطر گواہی دینے والے، چاہے وہ گواہی تمہارے اپنے خلاف پڑتی ہو، یا والدین اور قریبی رشتہ داروں کے خلاف۔ وہ شخص (جس کے خلاف گواہی دینے کا حکم دیا جارہا ہے) چاہے امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں قسم کے لوگوں کا (تم سے) زیادہ خیر خواہ ہے، لہٰذا ایسی نفسانی خواہش کے پیچھے نہ چلنا جو تمہیں انصاف کرنے سے روکتی ہو۔ اور اگر تم توڑ مروڑ کرو گے (یعنی غلط گواہی دو گے) یا (سچی گواہی دینے سے) پہلو بچاؤ گے تو (یاد رکھنا کہ) اللہ تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۱۳۵﴾

---

(۸۱) اس آیت میں یہ عمومی ہدایت دی گئی ہے کہ ایک مسلمان کو صرف دُنیوی فائدوں ہی کی فکر میں نہیں پڑا رہنا چاہئے، بلکہ اللہ سے دُنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنی چاہئے۔ اور پچھلی آیتوں سے اس کا تعلق بظاہر یہ ہے کہ میاں بیوی کو مصالحت یا علیحدگی کا فیصلہ کرتے وقت صرف دُنیا کے فائدوں پر نظر نہیں رکھنی چاہئے، بلکہ آخرت کی بھلائی بھی پیش نظر رکھنی چاہئے۔ لہٰذا اگر مرد یا عورت اپنے کچھ دُنیوی مفادات کی قربانی دے کر دوسرے کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو آخرت میں بڑے ثواب کی اُمید ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿١٣٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ﴿١٣٧﴾ ۭ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَۨا ﴿١٣٨﴾ ۙ

اے ایمان والو! اللہ پر اِیمان رکھو، اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اُتاری ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس نے پہلے اُتاری تھی۔ اور جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کی کتابوں کا، اس کے رسولوں کا اور یوم ِ آخرت کا انکار کرے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دُور جا پڑا ہے ﴿۱۳۶﴾ جو لوگ ایمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر اِیمان لائے، پھر کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، اللہ ان کو بخشنے والا نہیں ہے، اور نہ انہیں راستے پر لانے والا ہے (۸۲) ﴿۱۳۷﴾ منافقوں کو یہ خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے ایک دُکھ دینے والا عذاب تیار ہے ﴿۱۳۸﴾

---

(۸۲) اس سے مراد وہ منافق بھی ہو سکتے ہیں جن کا ذکر چل رہا ہے، کیونکہ وہ مسلمانوں کے پاس آکر مسلمان ہونے کا اعلان کرتے تھے، مگر تنہائی میں کفر اِختیار کر لیتے تھے، پھر کبھی مسلمانوں کا سامنا ہوتا تو دوبارہ ایمان لانے کا مظاہرہ کرتے، مگر پھر اپنے لوگوں کو اپنے کفر کا یقین دِلاتے، اور اپنے عمل سے کفر ہی میں بڑھتے چلے جاتے۔ نیز بعض روایات میں کچھ ایسے لوگوں کا بھی ذکر آیا ہے جو مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوئے، پھر توبہ کر کے مسلمان ہوئے، مگر بالآخر دوبارہ مرتد ہو کر کفر ہی کی حالت میں مرے۔ آیت کے الفاظ میں دونوں قسم کے لوگوں کی گنجائش ہے۔ اور ان کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اللہ نہ ان کو بخشے گا، نہ راستے پر لائے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب انہوں نے اپنے اختیار سے کفر اور اس کے نتیجے میں دوزخ کی راہ کو چن لیا تو اللہ ان کو زبردستی ایمان اور جنت کے راستے پر نہیں لائے گا، کیونکہ دُنیا دار الامتحان ہے، اور ہر شخص کا انجام اس کے اپنے اختیار سے چنے ہوئے راستے کے مطابق ہونا ہے۔ اللہ نہ کسی کو زبردستی مسلمان بناتا ہے، نہ کافر۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۫ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ﴿۱۴۰﴾ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۫ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ

وہ منافق جو مسلمانوں کے بجائے کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کر رہے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کی ہے ﴿۱۳۹﴾ اور اس نے کتاب میں تم پر یہ حکم نازل کیا ہے کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ ان کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اس وقت تک مت بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں، ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔ یقین رکھو کہ اللہ تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اِکٹھا کرنے والا ہے ﴿۱۴۰﴾ (اے مسلمانو!) یہ وہ لوگ ہیں جو تمہارے (انجام کے) انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر تمہیں اللہ کی طرف سے فتح ملے تو (تم سے) کہتے ہیں کہ ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو (ان سے) کہتے ہیں کہ ''کیا ہم نے تم پر قابو نہیں پالیا تھا؟ اور کیا (اس کے باوجود) ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟'' (۸۳)۔

(۸۳) یعنی ان لوگوں کو اصل غرض دُنیوی مفادات سے ہے۔ اگر مسلمانوں کو فتح ہو اور مالِ غنیمت ہاتھ آئے تو یہ ان کے ساتھی ہونے کا دعویٰ کر کے ان سے مال بٹورنے کی فکر میں رہتے ہیں، اور اگر کبھی کافروں کا داؤ چل جائے تو ان پر یہ احسان جتلاتے ہیں کہ اگر ہماری مدد تمہارے ساتھ نہ ہوتی تو مسلمان تم پر غالب آجاتے۔ لہٰذا ہمیں ہماری ان خدمات کا مالی صلہ دو۔

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ ۙ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

بس اب تو اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے اور ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، اور اللہ کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کا ہرگز کوئی راستہ نہیں رکھے گا ﴿۱۴۱﴾ یہ منافق اللہ کے ساتھ دھوکا بازی کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔(۸۴) اور جب یہ لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں، لوگوں کے سامنے دِکھاوا کرتے ہیں، اور اللہ کو تھوڑا ہی یاد کرتے ہیں ﴿۱۴۲﴾ یہ کفر و ایمان کے درمیان ڈانواڈول ہیں۔ نہ پورے طور پر اِن (مسلمانوں) کی طرف ہیں، نہ اُن (کافروں) کی طرف۔ اور جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے، تمہیں اس کے لئے ہدایت پر آنے کا کوئی راستہ ہرگز نہیں مل سکتا ﴿۱۴۳﴾

(۸۴) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ جو سمجھ رہے ہیں کہ انہوں نے اللہ کو دھوکا دے دیا، تو درحقیقت یہ خود ہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں، کیونکہ اللہ کو کوئی دھوکا نہیں دے سکتا، اور اللہ تعالیٰ ان کو اس دھوکے میں پڑا رہنے دیتا ہے جو انہوں نے خود اپنے آپ کو اپنے اختیار سے دے رکھا ہے۔ اور اس جملے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ "اللہ ان کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے" اس ترجمے کی بنیاد پر اس کا ایک مطلب بعض مفسرین (مثلاً حضرت حسن بصریؒ) نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کو اس دھوکے کی سزا آخرت میں اللہ تعالیٰ اس طرح دے گا کہ شروع میں ان کو بھی مسلمانوں کے ساتھ کچھ دُور تک لے جایا جائے گا، اور مسلمانوں کو جو نور عطا ہوگا، اسی کی روشنی میں کچھ دُور تک یہ بھی مسلمانوں کے ساتھ چلیں گے، اور یہ سمجھنے لگیں گے کہ ان کا انجام بھی مسلمانوں کے ساتھ ہوگا، مگر آگے جا کر ان سے روشنی چھین لی جائے گی، اور یہ بھٹکتے رہ جائیں گے، اور بالآخر دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، جیسا کہ سورۂ حدید (۵۷: ۱۲-۱۴) میں اس کا بیان آیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿١٤٤﴾ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ﴿١٤٥﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ۖ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٦﴾ مَّا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنتُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٤٧﴾ لَّا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا عَلِيمًا ﴿١٤٨﴾

اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست مت بناؤ۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ کے پاس اپنے خلاف (یعنی اپنے مستحق عذاب ہونے کی) ایک کھلی کھلی وجہ پیدا کردو؟ ﴿۱۴۴﴾ یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، اور ان کے لئے تم کوئی مددگار نہیں پاؤ گے ﴿۱۴۵﴾ البتہ جو لوگ توبہ کرلیں گے، اپنی اصلاح کرلیں گے، اللہ کا سہارا مضبوطی سے تھام لیں گے اور اپنے دِین کو خالص اللہ کے لئے بنالیں گے تو ایسے لوگ مؤمنوں کے ساتھ شامل ہوجائیں گے، اور اللہ مؤمنوں کو ضرور اَجرِ عظیم عطا کرے گا ﴿۱۴۶﴾ اگر تم شکر گذار بنو اور (صحیح معنی میں) ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر آخر کیا کرے گا؟ اللہ بڑا قدر دان ہے، (اور) سب کے حالات کا پوری طرح علم رکھتا ہے ﴿۱۴۷﴾ اللہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کسی کی برائی علانیہ زبان پر لائی جائے، اِلا یہ کہ کسی پر ظلم ہوا ہو۔ (۸۵) اور اللہ سب کچھ سنتا، ہر بات جانتا ہے ﴿۱۴۸﴾

---

(۸۵) یعنی کسی کی برائی بیان کرنا عام حالات میں جائز نہیں، البتہ اگر کسی پر ظلم ہوا ہو تو وہ اس ظلم کا تذکرہ لوگوں سے کرسکتا ہے، اس تذکرے میں ظالم کی جو برائی ہوگی وہ معاف ہے۔

اِنۡ تُبۡدُوۡا خَيۡرًا اَوۡ تُخۡفُوۡهُ اَوۡ تَعۡفُوۡا عَنۡ سُوۡٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيۡرًا ﴿۱۴۹﴾ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَكۡفُرُوۡنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يُّفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوۡلُوۡنَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ ۙ وَّيُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَّخِذُوۡا بَيۡنَ ذٰ لِكَ سَبِيۡلًا ۙ ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ حَقًّا‌ ۚ وَاَعۡتَدۡنَا لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا مُّهِيۡنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمۡ يُفَرِّقُوۡا بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ اُولٰٓـئِكَ سَوۡفَ يُؤۡتِيۡهِمۡ اُجُوۡرَهُمۡ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۵۲﴾ ع ۲۱ / ۱۱

اگر تم کوئی نیک کام علانیہ کرو یا خفیہ طور پر کرو، یا کسی برائی کو معاف کر دو، تو (بہتر ہے، کیونکہ) اللہ بہت معاف کرنے والا ہے (اگر چہ سزا دینے پر) پوری قدرت رکھتا ہے۔ (۸٦) ﴿۱۴۹﴾ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے اور کہتے ہیں کہ کچھ (رسولوں) پر تو ہم ایمان لاتے ہیں اور کچھ کا انکار کرتے ہیں، اور (اس طرح) وہ چاہتے ہیں کہ (کفر اور ایمان کے درمیان) ایک بیچ کی راہ نکال لیں ﴿۱۵۰﴾ ایسے لوگ صحیح معنی میں کافر ہیں، اور کافروں کے لئے ہم نے ذِلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿۱۵۱﴾ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں، اور ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہ کریں، تو اللہ ایسے لوگوں کو ان کے اجر عطا کرے گا، اور اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۵۲﴾

---

(۸٦) اشارہ یہ کیا جا رہا ہے کہ اگر چہ مظلوم کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ ظالم کے ظلم کی حد تک اس کی برائی کرے، لیکن اگر کوئی شخص مظلوم ہونے کے باوجود خفیہ اور علانیہ ہر حالت میں زبان سے ہمیشہ اچھی بات ہی نکالے، اور اپنا حق معاف کر دے تو یہ اس کے لئے بڑے ثواب کا کام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی یہی ہے کہ وہ سزا پر قدرت رکھنے کے باوجود کثرت سے لوگوں کو معاف کر دیتا ہے۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَٰلِكَ ۚ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُبِينًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتْلِهِمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ

(اے پیغمبر!) اہلِ کتاب تم سے (جو) مطالبہ کر رہے ہیں کہ تم ان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل کرواؤ، تو (یہ کوئی نئی بات نہیں، کیونکہ) یہ لوگ تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے (موسیٰ سے) کہا تھا کہ ہمیں اللہ کھلی آنکھوں دِکھاؤ، چنانچہ ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو بجلی کے کڑکے نے آ پکڑا تھا، پھر ان کے پاس جو کھلی کھلی نشانیاں آئیں، ان کے بعد بھی انہوں نے بچھڑے کو معبود بنا لیا تھا۔ اس پر بھی ہم نے انہیں معاف کر دیا، اور ہم نے موسیٰ کو واضح اقتدار عطا کیا ﴿۱۵۳﴾ اور ہم نے کوہِ طور کو ان پر بلند کر کے ان سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان سے کہا تھا کہ (شہر کے) دروازے میں جھکے ہوئے سروں کے ساتھ داخل ہونا، اور ان سے کہا تھا کہ تم سنیچر کے دن کے بارے میں حد سے نہ گذرنا۔ [(۸۷)] اور ہم نے ان سے بہت پکا عہد لیا تھا ﴿۱۵۴﴾ پھر ان کے ساتھ جو کچھ ہوا، وہ اس لئے کہ انہوں نے اپنا عہد توڑا، اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، انبیاء کو ناحق قتل کیا، اور یہ کہا کہ ہمارے دِلوں پر غلاف چڑھا ہوا ہے [(۸۸)]

---

(۸۷) ان واقعات کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیات ۵۱ تا ۶۶ اور ان کے حواشی میں گذر چکی ہے۔

(۸۸) اُن کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دِل بالکل محفوظ ہیں کہ اُن میں اپنے مذہب کے سوا کسی اور مذہب کی بات داخل نہیں ہوسکتی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے جواب میں جملۂ معترضہ کے طور پر ارشاد فرمایا کہ دِل محفوظ نہیں ہیں، بلکہ

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ

ــــــ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے اُن کے دِلوں پر مہر لگادی ہے، اس لئے وہ تھوڑی سی باتوں کے سوا کسی بات پر اِیمان نہیں لاتے (۸۹) ﴿۱۵۵﴾ ــــــ اور اس لئے کہ اُنہوں نے کفر کا راستہ اِختیار کیا، اور مریم پر بڑے بھاری بہتان کی بات کہی، (۹۰) ﴿۱۵۶﴾ اور یہ کہا کہ: ''ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ ابنِ مریم کو قتل کردیا تھا'' حالانکہ نہ اِنہوں نے عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کیا تھا، نہ اُنہیں سولی دے پائے تھے، بلکہ اُنہیں اشتباہ ہوگیا تھا۔ (۹۱)

ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں پر مہر لگادی ہے جس کی وجہ سے کوئی صحیح بات اُن کے دِلوں میں نہیں اُترتی۔

(۸۹) تھوڑی باتوں سے مراد یہ ہے کہ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوّت پر تو اِیمان لاتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان نہیں لاتے۔

(۹۰) حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے، اس لئے یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس معجزے کو تسلیم کرنے کے بجائے حضرت مریم علیہا السلام جیسی پاک نفس اور عفت مآب خاتون پر گھناؤنا اِلزام لگایا تھا۔

(۹۱) قرآنِ کریم نے یہ حقیقت بڑے پُرزور اَلفاظ میں بیان فرمائی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ کوئی قتل کرسکا، اور نہ اُنہیں سولی دے سکا، بلکہ اُن کو اِشتباہ ہوگیا، یعنی اُنہوں نے کسی اور شخص کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر اُسے سولی پر چڑھادیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُوپر اُٹھالیا۔ قرآنِ کریم نے اس حقیقت کو واضح کرنے پر اِکتفا فرمایا ہے، اور اس واقعے کی تفصیل بیان نہیں فرمائی۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ کا محاصرہ کیا گیا تو آپ کے مقدس ساتھیوں میں سے ایک نے یہ قربانی دی کہ خود باہر نکلے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی صورت حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی بنادی، دُشمنوں نے اُن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر لٹکادیا، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُوپر اُٹھالیا۔ ایک دوسری روایت کے مطابق جو شخص

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾ بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾ وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ ۖ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿١٥٩﴾

اور حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے، وہ اس سلسلے میں شک کا شکار ہیں،(۹۲) انہیں گمان کے پیچھے چلنے کے سوا اس بات کا کوئی علم حاصل نہیں ہے، اور یہ بالکل یقینی بات ہے کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کر پائے ﴿۱۵۷﴾ بلکہ اللہ نے اُنہیں اپنے پاس اُٹھالیا تھا، اور اللہ بڑا صاحبِ اقتدار، بڑا حکمت والا ہے ﴿۱۵۸﴾ اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو اپنی موت سے پہلے ضرور بالضرور عیسیٰ (علیہ السلام) پر اِیمان نہ لائے،(۹۳) اور قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے خلاف گواہ بنیں گے ﴿۱۵۹﴾

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جاسوسی کر کے اُنہیں گرفتار کرنے کے لئے اندر داخل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اُسی کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں تبدیل کردیا، اور جب وہ باہر نکلا تو اُسی کو گرفتار کر کے سولی دے دی گئی، واللہ سبحانہ اعلم۔

(۹۲) یعنی بظاہر تو وہ یقینی طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی تھی، لیکن چونکہ اُن کے پاس اِس کی کوئی یقینی دلیل نہیں ہے، اس لئے ایسا ہے جیسے وہ درحقیقت شک میں ہیں۔

(۹۳) یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر ہی نہیں مانتے، اور عیسائی خدا کا بیٹا ماننے کے باوجود یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اُن کو سولی پر چڑھا کر قتل کردیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ سارے اہلِ کتاب، چاہے یہودی ہوں، یا عیسائی، اپنے مرنے سے ذرا پہلے جب عالمِ برزخ کے مناظر دیکھیں گے تو اُس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اُن کے تمام غلط خیالات خود بخود ختم ہوجائیں گے، اور وہ اُن کی اصل حقیقت پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ اس آیت کی ایک تفسیر ہے جسے بہت سے مستند مفسرین نے ترجیح دی ہے، اور حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ نے "بیان القرآن" میں اُسی کو اِختیار کیا ہے۔ البتہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی جو تفسیر منقول ہے، اُس کی رُو سے آیت کا ترجمہ اس طرح ہوگا: "اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو عیسیٰ

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع ۲۲/۱۰/۲

غرض یہودیوں کی سنگین زیادتی کی وجہ سے ہم نے اُن پر وہ پاکیزہ چیزیں حرام کردیں جو پہلے اُن کے لئے حلال کی گئی تھیں، (۹۴) اور اس لئے کہ وہ بکثرت لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے ﴿۱۶۰﴾ اور سود لیا کرتے تھے، حالانکہ اُنہیں اس سے منع کیا گیا تھا، اور لوگوں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے تھے۔ اور ان میں سے جو لوگ کافر ہیں، اُن کے لئے ہم نے ایک دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ﴿۱۶۱﴾ البتہ ان (بنی اسرائیل) میں سے جو لوگ علم میں پکے ہیں، اور مؤمن ہیں، وہ اس (کلام) پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو (اے پیغمبر!) تم پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو تم سے پہلے نازل کیا گیا تھا، اور قابلِ تعریف ہیں وہ لوگ جو نماز قائم کرنے والے ہیں، زکوٰۃ دینے والے ہیں اور اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم اَجرِ عظیم عطا کریں گے ﴿۱۶۲﴾

کی موت سے پہلے اُن پر ضرور بالضرور ایمان نہ لائے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت تو آسمان پر اُٹھالیا ہے، لیکن، جیسا کہ صحیح احادیث میں مروی ہے، آخر زمانے میں وہ دوبارہ اس دُنیا میں آئیں گے، اور اُس وقت تمام اہلِ کتاب پر اُن کی اصل حقیقت واضح ہوجائے گی، اور وہ سب اُن پر ایمان لے آئیں گے۔

(۹۴) اس کی تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ انعام (۶: ۱۴۶) میں آئے گی۔

اِنَّاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ كَمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِیْسٰى وَ اَیُّوْبَ وَ یُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَیْمٰنَ ۚ وَ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾ وَ رُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَ رُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَیْكَ ؕ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا ﴿۱۶۴﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۱۶۵﴾ لٰكِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یَشْهَدُوْنَ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۱۶۶﴾

(اے پیغمبر!) ہم نے تمہارے پاس اسی طرح وحی بھیجی ہے جیسے نوح اور ان کے بعد دوسرے نبیوں کے پاس بھیجی تھی، اور ہم نے ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کے پاس، اور عیسیٰ، ایوب، یونس، ہارون اور سلیمان کے پاس بھی وحی بھیجی تھی، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا کی تھی ﴿۱۶۳﴾ اور بہت سے رسول ہیں جن کے واقعات ہم نے پہلے تمہیں سنائے ہیں، اور بہت سے رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان کے واقعات تمہیں نہیں سنائے۔ اور موسیٰ سے تو اللہ براہِ راست ہم کلام ہوا ﴿۱۶۴﴾ یہ سب رسول وہ تھے جو (ثواب کی) خوشخبری سنانے اور (دوزخ سے) ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے تھے، تاکہ ان رسولوں کے آجانے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی عذر باقی نہ رہے، اور اللہ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۶۵﴾ (یہ کافر لوگ مانیں یا نہ مانیں) لیکن اللہ نے جو کچھ تم پر نازل کیا ہے، اس کے بارے میں وہ خود گواہی دیتا ہے کہ اس نے اسے اپنے علم سے نازل کیا ہے، اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں، اور (یوں تو) اللہ کی گواہی ہی بالکل کافی ہے۔ ﴿۱۶۶﴾

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَآمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧٠﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ

یقین جانو کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے وہ بھٹک کر گمراہی میں بہت دُور نکل گئے ہیں ﴿۱۶۷﴾ جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے، (اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک کر ان پر) ظلم کیا ہے، اللہ ان کو بخشنے والا نہیں ہے، اور نہ ان کو کوئی اور راستہ دِکھانے والا ہے ﴿۱۶۸﴾ سوائے دوزخ کے راستے کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ بات اللہ کے لئے بہت معمولی بات ہے ﴿۱۶۹﴾ اے لوگو! یہ رسول تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر آگئے ہیں۔ اب (ان پر) ایمان لے آؤ، کہ تمہاری بہتری اسی میں ہے۔ اور اگر (اب بھی) تم نے کفر کی راہ اپنائی تو (خوب سمجھ لو کہ) تمام آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے، اور اللہ علم اور حکمت دونوں کا مالک ہے ﴿۱۷۰﴾ اے اہلِ کتاب! اپنے دِین میں حد سے نہ بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو محض اللہ کے رسول تھے، اور اللہ کا ایک کلمہ تھا جو اس نے مریم تک پہنچایا، اور ایک روح تھی جو اسی کی طرف سے (پیدا ہوئی) تھی، (۹۵)

---

(۹۵) یہودیوں کے بعد ان آیات میں عیسائیوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔ یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جانی

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ

لٰہذا اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، اور یہ مت کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ اس بات سے باز آجاؤ، کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔ اللہ تو ایک ہی معبود ہے، وہ اس بات سے بالکل پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور سب کی دیکھ بھال کے لئے اللہ کافی ہے ﴿۱۷۱﴾ مسیح کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھ سکتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، اور نہ مقرب فرشتے (اس میں کوئی عار سمجھتے ہیں)۔ اور جو شخص اپنے پروردگار کی بندگی میں عار سمجھے، اور تکبر کا مظاہرہ کرے، تو (وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ) اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا ﴿۱۷۲﴾ پھر جو لوگ ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے نیک عمل کئے ہوں گے، ان کو ان کا پورا پورا ثواب دے گا، اور اپنے فضل سے اس سے زیادہ بھی دے گا۔

دشمن بن گئے تھے، اور دوسری طرف عیسائی آپ کی تعظیم میں حد سے گذر گئے، اور انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا اور یہ عقیدہ اپنا لیا کہ خدا تین ہیں، باپ بیٹا اور روح القدس۔ اس آیت میں دونوں کو حد سے گذرنے سے منع کیا گیا ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ معتدل بات بتائی گئی ہے جو حقیقت کے عین مطابق ہے، یعنی وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے، اور اللہ نے ان کو اپنے کلمۂ ''کن'' سے باپ کے واسطے کے بغیر پیدا کیا تھا، اور ان کی روح براہِ راست حضرت مریم علیہا السلام کے بطن میں بھیج دی تھی۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۱۷۵﴾ يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّ لَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَ هُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَ اِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّ نِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾ ع ۲۴

رہے وہ لوگ جنہوں نے (بندگی کو) عار سمجھا ہوگا اور تکبر کا مظاہرہ کیا ہوگا، تو ان کو دردناک عذاب دے گا، اور ان کو اللہ کے سوا اپنا کوئی رکھوالا اور مددگار نہیں ملے گا ﴿۱۷۳﴾ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل آچکی ہے، اور ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی روشنی بھیج دی ہے جو راستے کی پوری وضاحت کرنے والی ہے ﴿۱۷۴﴾ چنانچہ جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں اور انہوں نے اسی کا سہارا تھام لیا ہے، اللہ ان کو اپنے فضل اور رحمت میں داخل کرے گا، اور انہیں اپنے پاس آنے کے لئے سیدھے راستے تک پہنچائے گا ﴿۱۷۵﴾

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (کلالہ کا حکم) پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ[96] کے بارے میں حکم بتاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس حال میں مر جائے کہ اس کی اولاد نہ ہو، اور اس کی ایک بہن ہو تو وہ اس کے ترکے میں سے آدھے کی حق دار ہوگی۔ اور اگر اس بہن کی اولاد نہ ہو (اور وہ مر جائے، اور اس کا بھائی زندہ ہو) تو وہ اس بہن کا وارث ہوگا۔ اور اگر بہنیں دو ہوں تو بھائی کے ترکے سے وہ دو تہائی کی

حق دار ہوں گی۔ اور اگر (مرنے والے کے) بھائی بھی ہوں اور بہنیں بھی، تو ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اللہ تمہارے سامنے وضاحت کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو، اور اللہ ہر چیز کا پورا علم رکھتا ہے۔ ﴿۱۷۶﴾

---

(۹۶) ''کلالہ'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کے انتقال کے وقت نہ اس کا باپ یا دادا زندہ ہو، نہ کوئی بیٹا یا پوتا۔

الحمدللہ، سورۂ نساء کا ترجمہ اور اس کے حواشی کی تکمیل آج بروز جمعہ ۶/ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۹/ دسمبر ۲۰۰۵ء کو بحرین میں عشاء کے وقت (۶:۵۵ پر) ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بندہ کے گناہوں کو معاف فرما کر اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمالیں، اور باقی سورتوں کی بھی اپنی رضا کے مطابق تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

آمین ثم آمین۔

سُورَةُ المَائِدَة

تعارف

یہ سورت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بالکل آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ علامہ ابوحیانؒ فرماتے ہیں کہ اس کے کچھ حصے صلح حدیبیہ، کچھ فتح مکہ اور کچھ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اسلام کی دعوت جزیرۂ عرب کے طول وعرض میں اچھی طرح پھیل چکی تھی، دُشمنانِ اسلام بڑی حد تک شکست کھا چکے تھے، اور مدینہ منورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کی ہوئی اسلامی ریاست مستحکم ہو چکی تھی۔ لہٰذا اس سورت میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل سے متعلق بہت سی ہدایات دی گئی ہیں۔ سورت کا آغاز اس بنیادی حکم سے ہوا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے عہد و پیمان پورے کرنے چاہئیں۔ اس بنیادی حکم میں اِجمالی طور پر شریعت کے تمام اَحکام آ گئے ہیں چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہوں یا بندوں کے حقوق سے متعلق۔ اس ضمن میں یہ اُصول بڑی تاکید کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ دُشمنوں کے ساتھ بھی ہر معاملہ انصاف کے ساتھ ہونا چاہئے۔ یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ دُشمنانِ اسلام کو اَب اسلام کی پیش قدمی روکنے سے مایوسی ہو چکی ہے اور اللہ نے اپنا دِین مکمل فرما دیا ہے۔ اسی سورت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس قسم کی غذائیں حلال ہیں اور کس قسم کی حرام؟ اسی سلسلے میں شکار کے اَحکام بھی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اہلِ کتاب کے ذبیحے اور ان کی عورتوں سے نکاح کے اَحکام کا بیان آیا

ہے، چوری اور ڈاکے کی شرعی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، شراب اور جوے کو صریح الفاظ میں حرام قرار دیا گیا ہے، وضو اور تیمم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے کس طرح اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا؟ اس کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

''مائدہ'' عربی میں دسترخوان کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۱۱۴ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے متبعین نے یہ دُعا کرنے کی فرمائش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے آسمانی غذاؤں کے ساتھ ایک دسترخوان نازل فرمائے۔ اس واقعے کی مناسبت سے اس سورت کا نام ''مائدہ'' یعنی دسترخوان رکھا گیا ہے۔

آیاتھا ۱۲۰ ۵ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۲ رکوعاتھا ۱٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

یہ مدنی سورت ہے اوراس میں ایک سوبیس آیات اور سولہ رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

اے ایمان والو! معاہدوں کو پورا کرو۔ تمہارے لئے وہ چوپائے حلال کردیئے گئے ہیں جو مویشیوں میں داخل (یا ان کے مشابہ) ہوں،[1] سوائے اُن کے جن کے بارے میں تمہیں پڑھ کر سنایا جائے گا،[2] بشرطیکہ جب تم اِحرام کی حالت میں ہو اس وقت شکار کو حلال نہ سمجھو۔[3] اللہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اس کا حکم دیتا ہے۔[4] ﴿۱﴾

(۱) چوپایہ تو ہر اس جانور کو کہتے ہیں جو چار ہاتھ پاؤں پر چلتا ہو، لیکن ان میں سے صرف وہ جانور حلال ہیں جو مویشیوں میں شمار ہوتے ہیں، یعنی گائے، اُونٹ، اور بھیڑ بکری، یا پھر ان مویشیوں کے مشابہ ہوں، جیسے ہرن، نیل گائے وغیرہ۔

(۲) ان حرام چیزوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر آگے آیت نمبر ۳ میں آرہا ہے۔

(۳) یعنی مویشیوں کے مشابہ جانور، مثلاً ہرن وغیرہ اگرچہ حلال ہیں، اور ان کا شکار بھی حلال ہے، لیکن جب حج یا عمرے کے لئے کسی نے اِحرام باندھ لیا ہو تو ان جانوروں کا شکار حرام ہو جاتا ہے۔

(۴) اس جملے نے ان تمام سوالات اور اِعتراضات کی جڑ کاٹ دی ہے جو لوگ محض اپنی محدود عقل کے سہارے شرعی اَحکام پر عائد کرتے ہیں، مثلاً یہ سوال کہ جانور بھی تو آخر جان رکھتے ہیں، ان کو ذبح کر کے کھانا کیوں جائز کیا گیا جبکہ یہ ایک جاندار کو تکلیف پہنچانا ہے، یا مثلاً یہ سوال کہ فلاں جانور کو کیوں حلال کیا گیا اور فلاں جانور کو کیوں حرام قرار دیا گیا ہے؟ آیت کے اس حصے نے اس کا مختصر اور جامع جواب یہ دے دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پوری کائنات کا خالق ہے، وہی اپنی حکمت سے جس بات کا ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دے دیتا ہے۔ اس کا ہر حکم یقیناً

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّينَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ۚ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا ۚ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ۘ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ ۖ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾

وقف لازم

ربع

اے ایمان والو! نہ اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی کرو، نہ حرمت والے مہینے کی، نہ ان جانوروں کی جو قربانی کے لئے حرم لے جائے جائیں، نہ ان پٹوں کی جو ان کے گلے میں پڑے ہوں، اور نہ ان لوگوں کی جو اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی خاطر بیت حرام کا ارادہ لے کر جا رہے ہوں۔ اور جب تم اِحرام کھول دو تو شکار کر سکتے ہو۔ اور کسی قوم کے ساتھ تمہاری یہ دُشمنی کہ انہوں نے تمہیں مسجدِ حرام سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم (ان پر) زیادتی کرنے لگو۔(۵) اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم میں تعاون نہ کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۲﴾

حکمت پر مبنی ہے، لیکن ضروری نہیں کہ اس کے ہر حکم کی حکمت بندوں کی سمجھ میں بھی آئے، لہٰذا بندوں کا کام یہ ہے کہ اس کے ہر حکم کو چون و چرا کے بغیر تسلیم کر کے اس پر عمل کریں۔

(۵) صلح حدیبیہ کے واقعے میں مکہ مکرمہ کے کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام کو حرم میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روکا تھا، مسلمانوں کو طبعی طور پر اس واقعے پر سخت غم و غصہ تھا، اور یہ احتمال تھا کہ اس غم اور غصے کی وجہ سے کوئی مسلمان اپنے دُشمن سے کوئی ایسی زیادتی کر بیٹھے جو شریعت کے خلاف ہو، اس آیت نے متنبہ کر دیا کہ اسلام میں ہر چیز کی حدود مقرر ہیں، اور دُشمن کے ساتھ بھی کوئی زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ

تم پر مردار جانور اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور حرام کر دیا گیا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، اور وہ جو گلا گھٹنے سے مرا ہو، اور جسے چوٹ مار کر ہلاک کیا گیا ہو، اور جو اُوپر سے گر کر مرا ہو، اور جسے کسی جانور نے سینگ مار کر ہلاک کیا ہو، اور جسے کسی درندے نے کھا لیا ہو، اِلا یہ کہ تم (اس کے مرنے سے پہلے) اس کو ذبح کر چکے ہو، اور وہ (جانور بھی حرام ہے) جسے بتوں کی قربان گاہ پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ بات بھی (تمہارے لئے حرام ہے) کہ تم جوے کے تیروں سے (گوشت وغیرہ) تقسیم کرو۔(٦) یہ ساری باتیں سخت گناہ کی ہیں۔

(٦) جاہلیت کے زمانے میں ایک طریقہ یہ تھا کہ ایک مشترک اُونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم کرتے تھے اور قرعہ اندازی کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ مختلف تیروں پر حصوں کے نام لکھ کر ایک تھیلے میں ڈال دیتے تھے، پھر جس شخص کے نام جو حصہ نکل آیا، اسے گوشت میں سے اتنا حصہ دے دیا جاتا تھا، اور کسی کے نام پر کوئی ایسا تیر نکل آیا جس پر کوئی حصہ مقرر نہیں ہے تو اس کو کچھ بھی نہیں ملتا تھا۔ اسی طرح ایک اور طریقہ یہ تھا کہ جب کسی اہم معاملے کا فیصلہ کرنا ہوتا تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے، اور اس فال میں جو بات نکل آئے اس کی پیروی لازم سمجھتے تھے۔ ان تمام طریقوں کو آیتِ کریمہ نے ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ پہلی صورت میں یہ جوا ہے، اور دوسری صورت میں یا علمِ غیب کا دعویٰ ہے، یا کسی معقول وجہ کے بغیر کسی بات کو لازم سمجھنے کی خرابی ہے۔ بعض حضرات نے آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے کہ: ''اور یہ بات بھی (تمہارے لئے حرام ہے) کہ تم تیروں سے قسمت کا حال معلوم کرو'' یہ دوسرے طریقے کی طرف اشارہ ہے، اور آیت کے الفاظ میں اس ترجمے کی بھی گنجائش ہے۔

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۚ فَكُلُوْا مِمَّاۤ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

آج کافر لوگ تمہارے دِین (کے مغلوب ہونے) سے نااُمید ہو گئے ہیں، لہٰذا ان سے مت ڈرو، اور میرا ڈر دِل میں رکھو۔ آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دِین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دِین کے طور پر (ہمیشہ کے لئے) پسند کر لیا۔(۷) (لہٰذا اس دِین کے اَحکام کی پوری پابندی کرو) ہاں جو شخص شدید بھوک کے عالم میں بالکل مجبور ہو جائے (اور اس مجبوری میں ان حرام چیزوں میں سے کچھ کھالے)، بشرطیکہ گناہ کی رغبت کی بنا پر ایسا نہ کیا ہو، تو بیشک اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳﴾ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کونسی چیزیں حلال ہیں؟ کہہ دو کہ "تمہارے لئے تمام پاکیزہ چیزیں حلال کی گئی ہیں۔ اور جن شکاری جانوروں کو تم نے اللہ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق سکھا سکھا کر (شکار کے لئے) سدھالیا ہو، وہ جس جانور کو (شکار کر کے) تمہارے لئے روک رکھیں، اس میں سے تم کھا سکتے ہو، اور اس پر اللہ کا نام لیا کرو(۸) اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿۴﴾

(۷) صحیح احادیث میں آیا ہے کہ یہ آیت حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

(۸) شکاری جانوروں مثلاً شکاری کتوں اور باز وغیرہ کے ذریعے حلال جانوروں کا شکار کر کے انہیں کھانا جن شرائط کے ساتھ جائز ہے ان کا بیان ہو رہا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ شکاری جانور کو سدھالیا گیا ہو جس کی علامت

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۖ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ؗ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ

آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئی ہیں، اور جن لوگوں کو (تم سے پہلے) کتاب دی گئی تھی، ان کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے، اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے (۹) نیز مؤمنوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی اور ان لوگوں میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی، (۱۰) جبکہ تم نے ان کو نکاح کی حفاظت میں لانے کے لئے ان کے مہر دے دیئے ہوں، نہ تو (بغیر نکاح کے) صرف ہوس نکالنا مقصود ہو، اور نہ خفیہ آشنائی پیدا کرنا۔

یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ جس جانور کا شکار کرے اسے خود نہ کھائے، بلکہ اپنے مالک کے لئے روک رکھے، دوسری شرط یہ ہے کہ شکار کرنے والا شکاری کتے کو کسی جانور پر چھوڑتے وقت اللہ کا نام لے، یعنی بسم اللہ پڑھے۔

(۹) کھانے سے یہاں مراد ذبیحہ ہے، اہلِ کتاب یعنی یہودی اور عیسائی چونکہ جانور کے ذبح میں انہی شرائط کی رعایت رکھتے تھے جو اسلامی شریعت میں مقرر ہیں، اور وہ دوسرے غیر مسلموں سے اس معاملے میں ممتاز تھے کہ فی الجملہ آسمانی کتابوں کو مانتے تھے، اس لئے ان کے ذبح کئے ہوئے جانور مسلمانوں کے لئے جائز قرار دیئے گئے تھے، بشرطیکہ وہ جانور کو صحیح شرعی طریقے سے ذبح کریں، اور اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہ لیں۔ آج کل کے یہودیوں اور عیسائیوں میں ایک بڑی تعداد تو ان لوگوں کی ہے جو درحقیقت دہریے ہیں، خدا ہی کے قائل نہیں ہیں۔ ایسے لوگوں کا ذبیحہ بالکل حلال نہیں ہے، اور ان میں سے بعض اگرچہ عیسائی یا یہودی ہیں، مگر اپنے مذہب کے اَحکام کو چھوڑے ہوئے ہیں، اور ذبح کرنے میں شرعی شرائط کا لحاظ نہیں کرتے، اس لئے ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں ہے۔ اس مسئلے کی پوری تحقیق میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''معارف القرآن'' اور ''جواہر الفقہ'' میں موجود ہے۔ نیز میرا بھی عربی رسالہ ''اَحکام الذبائح'' اسی موضوع پر ہے، اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

(۱۰) اہلِ کتاب کی دوسری خصوصیت یہ بیان کی گئی ہے کہ ان کی عورتوں سے نکاح بھی حلال ہے، لیکن یہاں بھی دو اہم نکتے یاد رکھنے ضروری ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حکم ان یہودی یا عیسائی خواتین کا ہے جو واقعی یہودی یا عیسائی

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ؕ

اور جو شخص ایمان سے انکار کرے، اس کا سارا کیا دھرا غارت ہو جائے گا، اور آخرت میں اس کا شمار خسارہ اُٹھانے والوں میں ہوگا۔ ﴿٥﴾

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اُٹھو تو اپنے چہرے، اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو، اور اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں (بھی) ٹخنوں تک (دھولیا کرو)۔ اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو سارے جسم کو (غسل کے ذریعے) خوب اچھی طرح پاک کرو۔ اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کر کے آیا ہو، یا تم نے عورتوں سے جسمانی ملاپ کیا ہو، اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرو،[11] اور اپنے چہروں اور ہاتھوں کا اس (مٹی) سے مسح کرلو۔

ہوں۔ جیسا کہ اُوپر عرض کیا گیا، مغربی ممالک میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ مردم شماری کے حساب سے تو انہیں عیسائی یا یہودی گنا گیا ہے، لیکن نہ وہ خدا پر ایمان رکھتے ہیں، نہ کسی پیغمبر یا کسی آسمانی کتاب پر۔ ایسے لوگ اہلِ کتاب میں شامل نہیں ہیں، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، اور نہ ایسی عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت واقعی یہودی یا عیسائی ہو، لیکن اس بات کا قوی خطرہ ہو کہ وہ اپنے شوہر یا بچوں پر اثر ڈال کر انہیں اسلام سے دُور کردے گی تو ایسی عورت سے نکاح کرنا گناہ ہوگا، یہ اور بات ہے کہ اگر کسی نے نکاح کرلیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا، اور اولاد کو حرام نہیں کہا جائے گا۔ آج کل چونکہ مسلمان عوام میں اپنے دِین کی ضروری معلومات اور ان پر عمل کی بڑی کمی ہے، اس لئے اس معاملے میں بہت احتیاط لازم ہے۔

(۱۱) ''قضائے حاجت کی جگہ سے آنا'' درحقیقت اس چھوٹی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے جس میں انسان پر نماز

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۶ وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓي اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

اللہ تم پر کوئی تنگی مسلط کرنا نہیں چاہتا، لیکن یہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک صاف کرے، اور یہ کہ تم پر اپنی نعمت تمام کردے، تاکہ تم شکر گذار بنو۔ ﴿۶﴾

اللہ نے تم پر جو اِنعام فرمایا ہے اُسے اور اُس عہد کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا تھا۔ جب تم نے کہا تھا کہ: ''ہم نے (اللہ کے اَحکام کو) اچھی طرح سن لیا ہے، اور اطاعت قبول کرلی ہے'' اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً سینوں کے بھید سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۷﴾ اے ایمان والو! ایسے بن جاؤ کہ اللہ (کے اَحکام کی پابندی) کے لئے ہر وقت تیار ہو، (اور) انصاف کی گواہی دینے والے ہو۔ اور کسی قوم کی دُشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ناانصافی کرو۔ انصاف سے کام لو، یہی طریقہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ یقیناً تمہارے تمام کاموں سے پوری طرح باخبر ہے۔ ﴿۸﴾

وغیرہ پڑھنے کے لئے صرف وضو واجب ہوتا ہے، اور ''عورتوں سے ملاپ'' اس بڑی ناپاکی کی طرف اشارہ ہے جس کو ''جنابت'' کہتے ہیں اور جس میں غسل واجب ہوتا ہے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ جب پانی میسر نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے اس کا استعمال ممکن نہ ہو تو ناپاکی چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، دونوں صورتوں میں تیمم کی اجازت ہے، اور دونوں صورتوں میں اس کا طریقہ ایک ہی ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾ ع ۲

جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ (آخرت میں) ان کو مغفرت اور زبردست ثواب حاصل ہوگا ﴿۹﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا اور ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، وہ دوزخ کے باسی ہیں ﴿۱۰﴾

اے ایمان والو! اللہ نے تم پر جو انعام فرمایا اس کو یاد کرو۔ جب کچھ لوگوں نے ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کریں، تو اللہ نے تمہیں نقصان پہنچانے سے ان کے ہاتھ روک دیئے،(۱۲) اور (اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ) اللہ کا رُعب دِل میں رکھتے ہوئے عمل کرو، اور مؤمنوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ ﴿۱۱﴾

(۱۲) یہ ان مختلف واقعات کی طرف اشارہ ہے جن میں کفار نے مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے منصوبے بنائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو خاک میں ملادیا۔ ایسے واقعات بہت سے ہیں۔ ان میں سے کچھ واقعات مفسرین نے اس آیت کے تحت بھی ذکر کیے ہیں۔ مثلاً صحیح مسلم میں روایت ہے کہ مشرکین سے ایک جنگ کے دوران عسفان کے مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز تمام صحابہ کو جماعت سے پڑھائی مشرکین کو پتہ چلا تو ان کو حسرت ہوئی کہ جماعت کے دوران مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں ختم کردینے کا یہ بہترین موقع تھا۔ پھر انہوں نے منصوبہ بنایا کہ جب یہ حضرات عصر کی نماز پڑھیں گے تو ان پر ایک دم حملہ کردیں گے۔ لیکن عصر کا وقت آیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے صلاۃ الخوف پڑھی جس میں مسلمان دو حصوں میں تقسیم ہو کر نماز پڑھتے ہیں،

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ہم نے ان میں سے بارہ نگراں مقرر کئے تھے،[۱۳] اور اللہ نے کہا تھا کہ ''میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے نماز قائم کی، زکوٰۃ ادا کی، میرے پیغمبروں پر ایمان لائے، عزت سے ان کا ساتھ دیا اور اللہ کو اچھا قرض دیا[۱۴] تو یقین جانو کہ میں تمہاری برائیوں کا کفارہ کردوں گا، اور تمہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ پھر اس کے بعد بھی تم میں سے جو شخص کفر اختیار کرے گا تو درحقیقت وہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا'' ﴿۱۲﴾

اور ایک حصہ دُشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ (اس نماز کا طریقہ پیچھے سورۂ نساء ۴: ۱۰۲ میں گذر چکا ہے) چنانچہ مشرکین کا منصوبہ دھرارہ گیا۔ (روح المعانی) مزید واقعات کے لئے دیکھئے معارف القرآن۔

(۱۳) بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے۔ چنانچہ جب ان سے یہ عہد لیا گیا تو ہر قبیلے کے سردار کو اپنے قبیلے کا نگراں بنایا گیا تاکہ وہ عہد کی پابندی کی نگرانی کرے۔

(۱۴) اچھے قرض یا قرضِ حسن کا اصل مطلب تو وہ قرض ہے جو کوئی شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے دے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دینے کا مطلب یہ ہے کہ کسی غریب کی مدد کی جائے یا کسی اور نیک کام میں پیسے خرچ کئے جائیں۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

پھر یہ ان کی عہد شکنی ہی تو تھی جس کی وجہ سے ہم نے ان کو اپنی رحمت سے دُور کیا، اور ان کے دِلوں کو سخت بنا دیا۔ وہ باتوں کو اپنے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور جس بات کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ بھلا چکے ہیں، اور ان میں سے کچھ لوگوں کو چھوڑ کر تمہیں آئے دن ان کی کسی نہ کسی خیانت کا پتہ چلتا رہتا ہے۔ لہٰذا (فی الحال) انہیں معاف کردو اور درگذر سے کام لو۔(۱۵) بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۳﴾ اور جن لوگوں نے کہا تھا کہ ہم نصرانی ہیں، ان سے (بھی) ہم نے عہد لیا تھا، پھر جس چیز کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، اس کا ایک بڑا حصہ وہ (بھی) بھلا بیٹھے۔ چنانچہ ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لئے دُشمنی اور بغض پیدا کردیا۔(۱۶) اور اللہ انہیں عنقریب بتادے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں ﴿۱۴﴾

(۱۵) یعنی اس قسم کی شرارتیں تو ان کی پرانی عادت ہے، لیکن آپ کو فی الحال سارے بنی اسرائیل کو کوئی اجتماعی سزا دینے کا حکم نہیں ہے۔ جب وقت آئے گا، اللہ تعالیٰ خود سزا دے گا۔

(۱۶) عیسائی مذہب کے ماننے والے مختلف فرقوں میں بٹ گئے تھے، اور ان کے مذہبی اختلافات نے دُشمنی اور خانہ جنگی کی شکل اختیار کرلی تھی۔ یہ اس خانہ جنگی کی طرف اشارہ ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے (یہ) پیغمبر آ گئے ہیں جو کتاب (یعنی تورات اور انجیل) کی بہت سی ان باتوں کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں جو تم چھپایا کرتے ہو، اور بہت سی باتوں سے درگذر کر جاتے ہیں۔(۱۷) تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی آئی ہے، اور ایک ایسی کتاب جو حق کو واضح کر دینے والی ہے ﴿۱۵﴾ جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو سلامتی کی راہیں دِکھاتا ہے جو اس کی خوشنودی کے طالب ہیں، اور انہیں اپنے حکم سے اندھیریوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے، اور انہیں سیدھے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے ﴿۱۶﴾ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے، وہ یقیناً کافر ہو گئے ہیں۔ (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں کو اور زمین میں جتنے لوگ ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں کچھ کرنے کی ذرا بھی طاقت رکھتا ہو؟ تمام آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چیز چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۷﴾

---

(۱۷) مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے یوں تو اپنی آسمانی کتابوں کی بہت سی باتوں کو چھپا رکھا تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان باتوں کو ظاہر فرمایا جن کی وضاحت دِینی اعتبار سے ضروری تھی۔ بہت

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۫ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ ع ۸

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ "ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں" (ان سے) کہو کہ "پھر اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہیں سزا کیوں دیتا ہے؟ (۱۸) نہیں! بلکہ تم انہی انسانوں کی طرح انسان ہو جو اس نے پیدا کئے ہیں۔ وہ جس کو چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔ آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے، اور اسی کی طرف (سب کو) لوٹ کر جانا ہے" ﴿۱۸﴾ اے اہلِ کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر ایسے وقت دین کی وضاحت کرنے آئے ہیں جب پیغمبروں کی آمد رُکی ہوئی تھی، تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس نہ کوئی (جنت کی) خوشخبری دینے والا آیا، نہ کوئی (جہنم سے) ڈرانے والا۔ لو اَب تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔ اور اللہ ہر بات پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۹﴾

سی باتیں ایسی بھی تھیں جو انہوں نے چھپائی ہوئی تھیں، مگر ان کے پوشیدہ رہنے سے کوئی عملی یا اعتقادی نقصان نہیں تھا، اور اگر ان کو ظاہر کیا جاتا تو یہود و نصاریٰ کی رُسوائی کے سوا کوئی خاص فائدہ نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی باتوں سے درگذر فرمایا ہے، اور ان کی حقیقت واضح کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

(۱۸) یہ بات یہود و نصاریٰ بھی مانتے تھے کہ وہ مختلف مواقع پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنے ہیں، اور ان میں سے بہت سے لوگ اس بات کے بھی قائل تھے کہ آخرت میں بھی کچھ عرصے کے لئے وہ دوزخ میں جائیں گے۔ لہٰذا بتانا یہ منظور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسان ایک جیسے پیدا فرمائے ہیں، ان میں سے کسی خاص نسل کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی لاڈلی قوم ہے، اور اس کے قوانین سے لازمی طور پر مستثنیٰ ہے، بالکل غلط

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾

اور اُس وقت کا دھیان کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ''اے میری قوم! اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر نازل فرمائی ہے کہ اس نے تم میں نبی پیدا کیے، تمہیں حکمران بنایا، اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو تم سے پہلے دُنیا جہان کے کسی فرد کو عطا نہیں کیا تھا ﴿۲۰﴾ اے میری قوم! اُس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے واسطے لکھ دی ہے،(۱۹) اور اپنی پشت کے بل پیچھے نہ لوٹو، ورنہ پلٹ کر نامراد جاؤ گے'' ﴿۲۱﴾

دعویٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین سب کے لئے برابر ہیں۔ اس نے کوئی خاص نسل اپنی رحمت کے لئے مخصوص نہیں کی ہے۔ البتہ وہ اپنی حکمت کے تحت جس کو چاہتا ہے بخش بھی دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے اپنے قانونِ عدل کے تحت سزا بھی دیتا ہے۔

(۱۹) مقدس سرزمین سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو انبیائے کرام کو مبعوث کرنے کے لئے منتخب فرمایا تھا اس لئے اس کو مقدس فرمایا گیا ہے۔ جس واقعے کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے وہ مختصراً یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن شام اور بالخصوص فلسطین کا علاقہ تھا۔ فرعون نے مصر میں ان کو غلام بنا رکھا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون اور اس کا لشکر غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اب وہ فلسطین میں جا کر آباد ہوں۔ اس وقت فلسطین پر ایک کافر قوم کا قبضہ تھا جو عمالقہ کہلاتے تھے۔ لہٰذا اس حکم کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ بنی اسرائیل فلسطین جا کر عمالقہ سے جہاد کریں۔ مگر ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ بھی کر لیا گیا تھا کہ جہاد کے نتیجے میں تمہیں فتح ہوگی، کیونکہ یہ سرزمین تمہارے مقدر میں لکھ دی گئی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حکم کی تعمیل میں فلسطین کی طرف روانہ ہوئے۔ جب فلسطین کے قریب پہنچے تو بنی اسرائیل کو پتہ چلا کہ عمالقہ تو بڑے طاقتور لوگ ہیں۔ دراصل یہ لوگ قومِ عاد کی نسل سے تھے، اور بڑے زبردست ڈیل ڈول کے مالک تھے۔ بنی اسرائیل ان کے ڈیل ڈول سے ڈر گئے، اور یہ نہ سوچا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بہت بڑی ہے اور اس نے فتح کا وعدہ کر رکھا ہے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِىْ وَاَخِىْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

وہ بولے، ''اے موسیٰ! اُس (ملک) میں تو بڑے طاقت ور لوگ رہتے ہیں، اور جب تک وہ لوگ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم ہرگز اس میں داخل نہیں ہوں گے۔ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو بیشک ہم اس میں داخل ہوجائیں گے۔'' ﴿۲۲﴾ جو لوگ (خدا کا) خوف رکھتے تھے، ان میں سے دو مرد جن کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا تھا،[20] بول اُٹھے کہ ''تم اُن پر چڑھائی کرکے (شہر کے) دروازے میں گھس تو جاؤ۔ جب گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب رہو گے۔ اور اپنا بھروسہ صرف اللہ پر رکھو، اگر تم واقعی صاحبِ ایمان ہو۔'' ﴿۲۳﴾ وہ کہنے لگے ''اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ اس (ملک) میں موجود ہیں، ہم ہرگز ہرگز اس میں قدم نہیں رکھیں گے۔ (اگر ان سے لڑنا ہے تو) بس تم اور تمہارا ربّ چلے جاؤ، اور ان سے لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں'' ﴿۲۴﴾ موسیٰ نے کہا ''اے میرے پروردگار! سوائے میری اپنی جان کے اور میرے بھائی کے کوئی میرے قابو میں نہیں ہے۔ اب آپ ہمارے اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان الگ الگ فیصلہ کردیجیے۔'' ﴿۲۵﴾

---

(۲۰) یہ دو صاحبان حضرت یوشع اور حضرت کالب علیہما السلام تھے جو ہر مرحلے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وفادار رہے تھے، اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت سے بھی سرفراز فرمایا۔ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ پر بھروسہ کرکے آگے بڑھو تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق تم ہی غالب رہو گے۔

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۗ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَىْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾

اللہ نے کہا ''اچھا! تو وہ سرزمین ان پر چالیس سال تک حرام کردی گئی ہے، یہ (اس دوران) زمین میں بھٹکتے پھریں گے۔(۲۱) تو (اے موسیٰ!) اب تم بھی ان نافرمان لوگوں پر ترس مت کھانا'' ﴿۲۶﴾ اور (اے پیغمبر!) ان کے سامنے آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناؤ۔ جب دونوں نے ایک ایک قربانی پیش کی تھی، اور ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی، اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔(۲۲) اس (دوسرے نے پہلے سے) کہا کہ ''میں تجھے قتل کر ڈالوں گا'' پہلے نے کہا کہ ''اللہ تو ان لوگوں سے (قربانی) قبول کرتا ہے جو متقی ہوں ﴿۲۷﴾

---

(۲۱) بنی اسرائیل کی اس نافرمانی کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ چالیس سال تک فلسطین میں ان کا داخلہ بند کردیا۔ یہ لوگ صحرائے سینا کے ایک مختصر علاقے میں بھٹکتے رہے۔ نہ آگے بڑھنے کا راستہ ملتا تھا، نہ پیچھے مصر واپس جانے کا۔ حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت یوشع اور حضرت کالب علیہم السلام بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے، اور انہی کی برکت اور دُعاؤں سے اللہ تعالیٰ کی بہت سی نعمتیں ان پر نازل ہوئیں جن کا ذکر پیچھے سورۂ بقرہ (آیات ۵۷ تا ۶۰) میں گذر چکا ہے۔ بادل کے سائے نے انہیں دُھوپ سے بچایا۔ کھانے کے لئے من وسلویٰ نازل ہوا، پینے کے لئے پتھر سے بارہ چشمے پھوٹے۔ بنی اسرائیل کے لئے خانہ بدوشی کی یہ زندگی ایک سزا تھی، لیکن ان بزرگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو قلبی راحت کا سامان بنادیا۔ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی یکے بعد دیگرے اسی صحرا میں وفات ہوئی۔ بعد میں حضرت یوشع علیہ السلام پیغمبر بنے، اور شام کا کچھ علاقہ ان کی سرکردگی میں اور کچھ حضرت سموئیل علیہ السلام کے زمانے میں طالوت کی سرکردگی میں فتح ہوا

جس کا واقعہ سورۂ بقرہ (آیات ۲۴۶ تا ۲۵۱) میں گذر چکا ہے۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ سرزمین بنی اسرائیل کے حق میں لکھنے کا جو وعدہ فرمایا تھا وہ پورا ہوا۔

(۲۲) پیچھے بنی اسرائیل کی اس نافرمانی کا ذکر تھا کہ جہاد کا حکم آجانے کے باوجود وہ اس سے جان چراتے رہے، اب بتانا یہ مقصود ہے کہ ایک بامقصد جہاد میں کسی کی جان لے لینا تو نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے، لیکن ناحق کسی کو قتل کرنا بڑا زبردست گناہ ہے۔ بنی اسرائیل نے جہاد سے تو جان چرائی، لیکن بہت سے بے گناہوں کو قتل کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کیا۔ اس سلسلے میں وہ واقعہ بیان کیا جارہا ہے جو اس دُنیا میں سب سے پہلے قتل کی واردات پر مشتمل ہے۔ اس واقعے میں قرآنِ کریم نے تو صرف اتنا بتایا ہے کہ آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں نے کچھ قربانی پیش کی تھی، ایک کی قربانی قبول ہوئی، دوسرے کی نہ ہوئی، اس پر دوسرے کو غصہ آگیا، اور اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا۔ لیکن اس قربانی کا کیا پس منظر تھا؟ قرآنِ کریم نے اس کی تفصیل نہیں بتائی۔ البتہ مفسرین نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور کچھ دوسرے صحابۂ کرام کے حوالے سے اس کا واقعہ تفصیل سے بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام قابیل تھا اور ایک کا ہابیل۔ اس وقت چونکہ دُنیا کی آبادی صرف حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی، اس لئے ان کی اہلیہ کے ہر حمل میں دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔ ان دونوں کے درمیان تو نکاح حرام تھا، لیکن ایک حمل میں پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی سے ہوسکتا تھا۔ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بڑی خوبصورت تھی، لیکن جڑواں بہن ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ قابیل کا نکاح جائز نہ تھا۔ اس کے باوجود اس کا اصرار تھا کہ اسی سے نکاح کرے۔ ہابیل کے لئے وہ لڑکی حرام نہ تھی، اس لئے وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا۔ جب دونوں کا یہ اختلاف بڑھا تو فیصلہ اس طرح قرار پایا کہ دونوں کچھ قربانی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں۔ جس کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اس کا دعویٰ برحق سمجھا جائے گا۔ چنانچہ دونوں نے قربانی پیش کی۔ روایات میں ہے کہ ہابیل نے ایک دُنبہ قربان کیا، اور قابیل نے کچھ زرعی پیداوار پیش کی۔ اس وقت قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آکر قربانی کو کھالیتی تھی۔ ہابیل کی قربانی کو آگ نے کھالیا، اور اس طرح اس کی قربانی واضح طور پر قبول ہوگئی، اور قابیل کی قربانی وہیں پڑی رہ گئی جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ قبول نہیں ہوئی۔ اس پر بجائے اس کے کہ قابیل حق کو قبول کرلیتا، حسد میں مبتلا ہوکر اپنے بھائی کو قتل کرنے کے لئے تیار ہوگیا۔

لَئِنْ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ

اگر تم نے مجھے قتل کرنے کو اپنا ہاتھ بڑھایا تب بھی میں تمہیں قتل کرنے کو اپنا ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو اللہ ربّ العالمین سے ڈرتا ہوں ﴿۲۸﴾ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ انجامِ کار تم اپنے اور میرے دونوں کے گناہ مین پکڑے جاؤ،(۲۳) اور دوزخیوں میں شامل ہو۔ اور یہی ظالموں کی سزا ہے" ﴿۲۹﴾ آخر کار اس کے نفس نے اس کو اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کرلیا، چنانچہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا، اور نامرادوں میں شامل ہوگیا ﴿۳۰﴾ پھر اللہ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھودنے لگا تاکہ اسے دِکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔(۲۴)

(۲۳) اگرچہ اپنے دفاع کا اگر کوئی اور راستہ نہ ہو تو حملہ آور کو قتل کرنا جائز ہے، لیکن ہابیل نے احتیاط پر عمل کرتے ہوئے اپنا یہ حق استعمال کرنے سے گریز کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے بچاؤ کا اور ہر طریقہ اختیار کروں گا، مگر تمہیں قتل کرنے کا اقدام نہیں کروں گا۔ ساتھ ہی اسے یہ جتلادیا کہ اگر تم نے قتل کا ارتکاب کیا تو مظلوم ہونے کی بنا پر میرے گناہوں کی تو معافی کی اُمید ہے، مگر تم پر نہ صرف اپنے گناہوں کا بوجھ ہوگا، بلکہ میرے قتل کرنے کی وجہ سے کچھ میرے گناہ بھی تم پر لد جائیں تو بعید نہیں، کیونکہ آخرت میں مظلوم کا حق ظالم سے دِلوانے کا ایک طریقہ اَحادیث میں یہ بیان ہوا ہے کہ ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دے دی جائیں، اور اگر نیکیاں کافی نہ ہوں تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں۔ (مأخوذ از تفسیر کبیر امام رازی)

(۲۴) یہ چونکہ کسی کے مرنے کا پہلا واقعہ تھا جو قابیل نے دیکھا اس لئے اسے مردوں کو دفن کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کھود کر کسی مردہ کوّے کو دفن کر رہا تھا۔ اسے دیکھ کر قابیل کو نہ صرف دفن کرنے کا طریقہ معلوم ہوا بلکہ پشیمانی بھی ہوئی۔

قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

معانقۃ ۵ وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(یہ دیکھ کر) وہ بولا "ہائے افسوس! کیا میں اس کوّے جیسا بھی نہ ہوسکا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔" اس طرح بعد میں وہ بڑا شرمندہ ہوا ﴿۳۱﴾ اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کو یہ فرمان لکھ دیا تھا کہ جو کوئی کسی کو قتل کرے، جبکہ یہ قتل نہ کسی اور جان کا بدلہ لینے کے لئے ہو اور نہ کسی کے زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے ہو، تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کو قتل کردیا،(۲۵) اور جو شخص کسی کی جان بچالے تو یہ ایسا ہے جیسے اس نے تمام انسانوں کی جان بچالی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ ہمارے پیغمبر ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات لے کر آئے، مگر اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے لوگ زمین میں زیادتیاں ہی کرتے رہے ہیں ﴿۳۲﴾

(۲۵) مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کے خلاف قتل کا یہ جرم پوری انسانیت کے خلاف جرم ہے۔ کیونکہ کوئی شخص قتلِ ناحق کا ارتکاب اسی وقت کرتا ہے جب اس کے دِل سے انسان کی حرمت کا احساس مٹ جائے۔ ایسی صورت میں اگر اس کے مفاد یا سرشت کا تقاضا ہوگا تو وہ کسی اور کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرے گا، اور اس طرح پوری انسانیت اس کی مجرمانہ ذہنیت کی زد میں رہے گی۔ نیز جب اس ذہنیت کا چلن عام ہوجائے تو تمام انسان غیر محفوظ ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا قتلِ ناحق کا ارتکاب چاہے کسی کے خلاف کیا گیا ہو، تمام انسانوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ جرم ہم سب کے خلاف کیا گیا ہے۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِىْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے اور زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، ان کی سزا یہی ہے کہ انہیں قتل کردیا جائے، یا سولی پر چڑھا دیا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں،(۲۶) یا انہیں زمین سے دُور کردیا جائے۔(۲۷) یہ تو دُنیا میں ان کی رُسوائی ہے، اور آخرت میں ان کے لئے زبردست عذاب ہے ﴿۳۳﴾ ہاں وہ لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں جو تمہارے اُن کو قابو میں لانے سے پہلے ہی توبہ کرلیں۔(۲۸) ایسی صورت میں یہ جان رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۳۴﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور اس تک پہنچنے کے لئے وسیلہ تلاش کرو،(۲۹) اور اس کے راستے میں جہاد کرو۔(۳۰) اُمید ہے کہ تمہیں فلاح حاصل ہوگی۔ ﴿۳۵﴾

---

(۲۶) پیچھے جہاں انسانی جان کی حرمت کا ذکر تھا وہاں یہ اشارہ بھی دیا گیا تھا کہ جو لوگ زمین میں فساد مچاتے ہیں ان کی جان کو یہ حرمت حاصل نہیں ہے۔ اب ان کی مفصل سزا بیان کی جارہی ہے۔ مفسرین اور فقہاء کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ اس آیت میں ان لوگوں سے مراد وہ ڈاکو ہیں جو اسلحے کے زور پر لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ان کے بارے میں جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کرتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کے قوانین کی بے حرمتی کرتے ہیں، اور ان کا لوگوں سے لڑنا گویا اللہ اور اس کے رسول سے لڑنا ہے۔ ان لوگوں کے

لئے اس آیت میں چار سزائیں بیان کی گئی ہیں۔ ان سزاؤں کی تشریح اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمائی ہے کہ اگر ان لوگوں نے کسی کو قتل کیا ہو، مگر مال لوٹنے کی نوبت نہ آئی ہو تو انہیں قتل کیا جائے گا، مگر یہ قتل کرنا حدِ شرعی کے طور پر ہوگا، قصاص کے طور پر نہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر مقتول کے وارث معاف بھی کرنا چاہیں تو ان کی معافی نہیں ہوگی۔ اور اگر ڈاکوؤں نے کسی کو قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو انہیں سولی پر لٹکا کر ہلاک کیا جائے گا، اور اگر مال لوٹا ہو اور کسی کو قتل نہ کیا ہو تو ان کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔ اور اگر انہوں نے لوگوں کو صرف ڈرایا دھمکایا ہو، نہ مال لوٹنے کی نوبت آئی ہو، نہ کسی کو قتل کرنے کی تو چوتھی سزا دی جائے گی جس کی تشریح اگلے حاشیے میں آرہی ہے۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ قرآنِ کریم نے ان جرائم کی سزائیں اُصولی طور پر بیان فرمائی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں تفصیل بیان فرمائی ہے کہ ان سخت سزاؤں پر عمل درآمد کے لئے کیا شرائط ہیں۔ فقہ کی کتابوں میں یہ ساری تفصیل آئی ہے۔ یہ شرائط اتنی کڑی ہیں کہ کسی مقدمے میں ان کا پورا ہونا آسان نہیں، کیونکہ مقصد ہی یہ ہے کہ یہ سزائیں کم سے کم جاری ہوں، مگر جب جاری ہوں تو دوسرے مجرموں کے لئے سامانِ عبرت بن جائیں۔

(۲۷) یہ قرآنی الفاظ کا لفظی ترجمہ ہے۔ اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''زمین سے دُور کرنے'' کی تشریح یہ کی ہے کہ انہیں قید خانے میں بند کردیا جائے گا۔ یہ تشریح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف بھی منسوب ہے۔ دوسرے فقہاء نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ انہیں جلاوطن کردیا جائے گا۔

(۲۸) مطلب یہ ہے کہ اگر وہ گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کرلیں اور اپنے آپ کو حکام کے حوالے کردیں تو ان کی مذکورہ سزائیں معاف ہوجائیں گی۔ البتہ چونکہ بندوں کے حقوق صرف توبہ سے معاف نہیں ہوتے، اس لئے اگر انہوں نے مال لوٹا ہے تو وہ مالک کو لوٹانا ہوگا، اور اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اس کے وارثوں کو حق ملے گا کہ وہ ان کو قصاص کے طور پر قتل کرنے کا مطالبہ کریں۔ ہاں اگر وہ بھی معاف کردیں یا قصاص کے بدلے خون بہا لینے پر راضی ہوجائیں تو ان کی جان بخشی ہوسکتی ہے۔

(۲۹) ''وسیلہ'' سے یہاں مراد ہر وہ نیک عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ بن سکے، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے نیک اعمال کو وسیلہ بناؤ۔

(۳۰) ''جہاد'' کے لفظی معنیٰ کوشش اور محنت کرنے کے ہیں۔ قرآنی اصطلاح میں اس کے معنیٰ عام طور سے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے دُشمنوں سے لڑنے کے آتے ہیں، لیکن بعض مرتبہ دِین پر عمل کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کو بھی ''جہاد'' کہا جاتا ہے۔ یہاں دونوں معنیٰ مراد ہوسکتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۷﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

یقین رکھو کہ جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے، اگر زمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ سب ان کے پاس ہوں، اور اتنی ہی اور بھی ہوں، تاکہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے بچنے کے لئے وہ سب فدیہ میں پیش کردیں، تب بھی ان کی یہ پیشکش قبول نہیں کی جائے گی، اور ان کو دردناک عذاب ہوگا ﴿۳٦﴾ وہ چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں، حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں ہیں، اور ان کو ایسا عذاب ہوگا جو قائم رہے گا ﴿۳۷﴾ اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، تاکہ ان کو اپنے کئے کا بدلہ ملے، اور اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا ہو۔ اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی ﴿۳۸﴾ پھر جو شخص اپنی ظالمانہ کارروائی سے توبہ کرلے، اور معاملات درست کرلے، تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا۔(۳۱) بیشک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۳۹﴾ کیا تم نہیں جانتے کہ آسمانوں اور زمین کی حکمرانی صرف اللہ کے پاس ہے؟ وہ جس کو چاہے عذاب دے، اور جس کو چاہے بخش دے، اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ ﴿۴۰﴾

---

(۳۱) ڈاکے کی سزا میں بھی اُوپر توبہ کا ذکر آیا تھا، مگر وہاں توبہ کا اثر یہ تھا کہ گرفتاری سے پہلے توبہ کرلینے سے حد

يَآ أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ ۙ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ

اے پیغمبر! جولوگ کفر میں بڑی تیزی دِکھارہے ہیں، وہ تمہیں غم میں مبتلا نہ کریں،(۳۲) یعنی ایک تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبان سے تو کہہ دیا ہے کہ ہم ایمان لے آئے ہیں، مگران کے دِل ایمان نہیں لائے، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے (کھلے بندوں) یہودیت کا دِین اختیار کرلیا ہے۔ یہ لوگ جھوٹی باتیں کان لگا لگا کر سننے والے ہیں،(۳۳) (اور تمہاری باتیں) ان لوگوں کی خاطر سنتے ہیں جو تمہارے پاس نہیں آئے،(۳۴) جو (اللہ کی کتاب کے) الفاظ کا موقع محل طے ہوجانے کے بعد بھی ان میں تحریف کرتے ہیں۔

کی سزا معاف ہوجاتی تھی۔ یہاں اس قسم کے الفاظ نہیں ہیں۔ لہٰذا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تشریح کے مطابق چور کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی، چاہے وہ گرفتاری سے پہلے توبہ کرلے۔ یہاں صرف یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اس توبہ کا اثر آخرت میں جاری ہوگا کہ اس کا گناہ معاف کردیا جائے گا۔ اس کے لئے بھی آیت میں دو شرطیں بیان کی گئی ہیں، ایک یہ کہ وہ دِل سے شرمندہ ہوکر توبہ کرے، اور دوسرے یہ کہ اپنے معاملات درست کرلے۔ اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جن جن کا سامان چرایا تھا، ان کو وہ سامان واپس کرے، اِلا یہ کہ وہ معاف کردیں۔

(۳۲) یہاں سے آیت نمبر ۵۰ تک کی آیتیں کچھ خاص واقعات کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں جن میں کچھ یہودیوں نے اپنے کچھ جھگڑے اس اُمید پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لانے کا ارادہ کیا تھا کہ آپ ان کا فیصلہ ان کی خواہش کے مطابق کریں گے۔ ان میں سے ایک واقعہ تو یہ تھا کہ خیبر کے دو شادی شدہ یہودی مرد وعورت نے زنا کرلیا تھا جس کی سزا خود تورات میں یہ مقرر تھی کہ ایسے مرد وعورت کو سنگسار کرکے ہلاک کیا

جائے۔ یہ سزا موجودہ تورات میں بھی موجود ہے (دیکھئے: استثنا ۲۲ء: ۲۳ و ۲۴)۔ لیکن یہودیوں نے اس کو چھوڑ کر کوڑوں اور منہ کالا کرنے کی سزا مقرر کر رکھی تھی۔ شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ اس سزا میں بھی کمی ہو جائے، اس لئے انہوں نے یہ سوچا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بہت سے اَحکام تورات کے اَحکام کے مقابلے میں نرم ہیں، اس لئے اگر آپ سے فیصلہ کرایا جائے تو شاید آپ کوئی نرم فیصلہ کریں۔ اس غرض کے لئے خیبر کے یہودیوں نے مدینہ منورہ میں رہنے والے کچھ یہودیوں کو جن میں سے کچھ منافق بھی تھے ان مجرموں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، مگر ساتھ ہی انہیں یہ تاکید کی کہ اگر آپ سنگساری کے سوا کوئی اور فیصلہ کریں تو اسے قبول کر لینا، اور اگر سنگساری کا فیصلہ کریں تو قبول مت کرنا۔ چنانچہ یہ لوگ آپ کے پاس آئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا گیا تھا کہ اس کی سزا سنگساری ہے جسے سن کر وہ بوکھلا گئے۔ آپ نے انہی سے پوچھا کہ تورات میں اس کی سزا کیا ہے؟ شروع میں انہوں نے چھپانے کی کوشش کی، مگر آخر میں جب آپ نے ان کے ایک بڑے عالم ابنِ صوریا کو قسم دی اور حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے جو پہلے خود یہودی عالم تھے، ان کا پول کھول دیا تو وہ مجبور ہو گیا اور اس نے تورات کی وہ آیت پڑھ دی جس میں زنا کی سزا سنگساری بیان کی گئی تھی۔ اور یہ بھی بتایا کہ تورات کا حکم تو یہی تھا، مگر ہم میں سے غریب لوگ یہ جرم کرتے تو یہ سزا ان پر جاری کی جاتی تھی، اور کوئی مال دار یا باعزت گھرانے کا آدمی یہ جرم کرتا تو اسے کوڑوں وغیرہ کی سزا دے دیا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ سبھی کے لئے سنگساری کی سزا کو چھوڑ دیا گیا۔ اسی قسم کا ایک دوسرا واقعہ بھی پیش آیا تھا جس کی تفصیل نیچے آیت نمبر ۴۵ کے حاشیے میں آ رہی ہے۔

(۳۳) یعنی یہودیوں کے پیشوا جو جھوٹی بات تورات کی طرف منسوب کر کے بیان کر دیتے ہیں، اور وہ ان کی خواہشات کے مطابق ہوتی ہے تو یہ اسے بڑے شوق سے سنتے اور اس پر یقین کر لیتے ہیں، چاہے وہ تورات کے صاف اور صریح اَحکام کے خلاف ہو اور یہ لوگ جانتے ہوں کہ ان کے پیشواؤں نے رشوت لے کر یہ بات بیان کی ہے۔

(۳۴) اس سے ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو خود تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئے، لیکن ان یہودیوں اور منافقوں کو آپ کے پاس بھیج دیا۔ جو لوگ آئے تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات اس لئے سننے آئے تھے کہ آپ کا موقف سننے کے بعد ان لوگوں کو مطلع کریں جنہوں نے ان کو بھیجا تھا۔

يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَن يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِن جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٤٢﴾

کہتے ہیں کہ اگر تمہیں یہ حکم دیا جائے تو اس کو قبول کر لینا، اور اگر یہ حکم نہ دیا جائے تو بچ کر رہنا۔ اور جس شخص کو اللہ فتنے میں ڈالنے کا ارادہ کر لے تو اسے اللہ سے بچانے کے لئے تمہارا کوئی زور ہرگز نہیں چل سکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ (ان کی نافرمانی کی وجہ سے) اللہ نے ان کے دِلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں کیا۔ (۳۵) ان کے لئے دُنیا میں رُسوائی ہے، اور انہی کے لئے آخرت میں زبردست عذاب ہے ﴿۴۱﴾ یہ کان لگا لگا کر جھوٹی باتیں سننے والے، جی بھر بھر کر حرام کھانے والے ہیں۔ (۳۶) چنانچہ اگر یہ تمہارے پاس آئیں تو چاہے ان کے درمیان فیصلہ کر دو، اور چاہے ان سے منہ موڑ لو۔ (۳۷) اگر تم ان سے منہ موڑ لوگے تو یہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور اگر فیصلہ کرنا ہو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۴۲﴾

---

(۳۵) چونکہ یہ دُنیا آزمائش ہی کے لئے بنائی گئی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کسی ایسے شخص کو زبردستی راہِ راست پر لا کر اس کے دِل کو پاک نہیں کرتا جو ضد پر اَڑا ہوا ہو۔ یہ پاکیزگی انہی کو عطا ہوتی ہے جو حق کی طلب رکھتے ہوں، اور خلوص کے ساتھ اسے قبول کریں۔

(۳۶) یہاں حرام سے مراد وہ رشوت ہے جس کی خاطر یہودی پیشوا تورات کے اَحکام میں تبدیلیاں کر دیتے تھے۔

(۳۷) جو یہودی فیصلہ کرانے آئے تھے ان سے جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا، مگر وہ باقاعدہ اسلامی حکومت کے شہری نہیں تھے۔ اس لئے آپ کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ان کا فیصلہ کر دیں اور چاہیں تو انکار فرما دیں۔ ورنہ جو غیر مسلم

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور یہ کیسے تم سے فیصلہ لینا چاہتے ہیں جبکہ ان کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا فیصلہ درج ہے؟ پھر اس کے بعد (فیصلے سے) منہ بھی پھیر لیتے ہیں۔(۳۸) دراصل یہ ایمان والے نہیں ہیں ﴿۴۳﴾ بیشک ہم نے تورات نازل کی تھی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا۔ تمام نبی جو اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے، اسی کے مطابق یہودیوں کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اور تمام اللہ والے اور علماء بھی (اسی پر عمل کرتے رہے) کیونکہ ان کو اللہ کی کتاب کا محافظ بنایا گیا تھا، اور وہ اس کے گواہ تھے۔ لہٰذا (اے یہودیو!) تم لوگوں سے نہ ڈرو، اور مجھ سے ڈرو، اور تھوڑی سی قیمت لینے کی خاطر میری آیتوں کا سودا نہ کیا کرو۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ کافر ہیں ﴿۴۴﴾

اسلامی حکومت کے باقاعدہ شہری بن جائیں، ملک کے عام قوانین میں ان کا فیصلہ بھی اسلامی شریعت کے مطابق ہی کرنا ضروری ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ البتہ ان کے خاص مذہبی قوانین جو نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ سے متعلق ہیں، ان میں انہی کے مذہب کے مطابق فیصلہ انہی کے ججوں کے ذریعے کروایا جاتا ہے۔

(۳۸) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تورات کے احکام سے منہ موڑ لیتے ہیں، اور یہ بھی کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلے کی خود درخواست کرنے کے باوجود جب آپ فیصلہ سناتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ۚ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾

اور ہم نے اس (تورات میں) ان کے لئے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت۔ اور زخموں کا بھی (اسی طرح) بدلہ لیا جائے۔ ہاں جو شخص اس (بدلے) کو معاف کردے تو یہ اس کے لئے گناہوں کا کفارہ ہوجائے گا۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ ظالم ہیں۔[۳۹] ﴿۴۵﴾

---

(۳۹) دوسرا واقعہ ان آیات کے پس منظر میں یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے دو قبیلے آباد تھے، ایک بنو قریظہ اور دوسرے بنونضیر۔ بنونضیر کے لوگ مال دار تھے، اور بنو قریظہ کے لوگ مالی اعتبار سے ان کے مقابلے میں کمزور تھے۔ اگرچہ دونوں یہودی تھے، مگر بنونضیر نے ان کی کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر ان سے یہ ظالمانہ اُصول طے کرالیا تھا کہ اگر بنونضیر کا کوئی آدمی بنو قریظہ کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو قاتل سے جان کے بدلے جان کے اُصول پر قصاص نہیں لیا جائے گا، بلکہ وہ خوں بہا کے طور پر ستر وسق کھجوریں دے گا (وسق ایک پیمانہ تھا جو تقریباً پانچ من دس سیر کا ہوتا تھا)، اور اگر بنو قریظہ کا کوئی آدمی بنونضیر کے کسی شخص کو قتل کرے گا تو نہ صرف یہ کہ قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا، بلکہ اس سے خوں بہا بھی لیا جائے گا، اور وہ بھی دُگنا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ایک واقعہ ایسا پیش آیا کہ قریظہ کے کسی شخص نے بنونضیر کے ایک آدمی کو قتل کردیا۔ بنونضیر نے جب اپنی سابق قرارداد کے مطابق قصاص اور خوں بہا دونوں کا مطالبہ کیا تو قریظہ کے لوگوں نے اسے انصاف کے خلاف قرار دیا اور تجویز پیش کی کہ فیصلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا جائے، کیونکہ اتنا وہ بھی جانتے تھے کہ آپ کا دِین انصاف کا دِین ہے۔ جب قریظہ کے لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو بنونضیر نے کچھ منافقین کو مقرر کیا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غیر رسمی طور پر آپ کا عندیہ معلوم کریں، اور اگر آپ کا عندیہ بنونضیر کے حق میں ہو تو فیصلہ ان سے کرائیں، ورنہ ان سے فیصلہ نہ لیں۔ اس پس منظر میں یہ آیت بتارہی ہے کہ تورات نے تو واضح طور پر فیصلہ دیا ہوا ہے کہ جان کے بدلے جان لینی ہے، اور اس لحاظ سے بنونضیر کا مطالبہ سراسر ظالمانہ اور تورات کے خلاف ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ

اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے بعد عیسیٰ ابنِ مریم کو اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا، اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا، اور جو اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والی اور متقیوں کے لئے سراپا ہدایت و نصیحت بن کر آئی تھی ﴿۴۶﴾ اور انجیل والوں کو چاہئے کہ اللہ نے اس میں جو کچھ نازل کیا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کریں، اور جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہ لوگ فاسق ہیں ﴿۴۷﴾ اور (اے رسول محمد! صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم پر بھی حق پر مشتمل کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگہبان ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، اور جو حق بات تمہارے پاس آگئی ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو۔ تم میں سے ہر ایک (اُمت) کے لئے ہم نے ایک (الگ) شریعت اور طریقہ مقرر کیا ہے۔(۴۰) اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک اُمت بنا دیتا، لیکن (الگ شریعتیں اس لئے دِیں) تا کہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے۔ لہٰذا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔

(۴۰) یہودی اور عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرنے سے جو انکار کرتے تھے اس کی ایک

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ

اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں وہ باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے ﴿۴۸﴾ اور (ہم حکم دیتے ہیں) کہ تم ان لوگوں کے درمیان اسی حکم کے مطابق فیصلہ کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے[۴۱] اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو، اور ان کی اس بات سے بچ کر رہو کہ وہ تمہیں فتنے میں ڈال کر کسی ایسے حکم سے ہٹا دیں جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہو۔

وجہ یہ تھی کہ اسلام میں عبادت کے طریقے اور بعض دوسرے اَحکام حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی شریعت سے مختلف تھے، اور ان لوگوں کو ان نئے اَحکام پر عمل کرنا بھاری معلوم ہوتا تھا۔ اس آیت نے واضح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت مختلف پیغمبروں کو الگ الگ شریعتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تو ہے ہی کہ ہر زمانے کے تقاضے الگ ہوتے ہیں، لیکن ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ عبادت کا کوئی ایک طریقہ یا کوئی ایک قانون اپنی ذات میں کوئی تقدس نہیں رکھتا، اس میں جو کچھ تقدس پیدا ہوتا ہے وہ اللہ کے حکم سے پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا جس زمانے میں اللہ تعالیٰ جو حکم دے دیں وہی اس زمانے میں تقدس کا حامل ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ جو لوگ ایک طریقے کے عادی ہو جاتے ہیں، وہ اسی کو ذاتی طور پر مقدس سمجھ بیٹھتے ہیں، اور جب کوئی نیا پیغمبر نئی شریعت لے کر آتا ہے تو ان کا امتحان ہوتا ہے کہ وہ پرانے طریقے کو ذاتی طور پر مقدس سمجھ کر نئے طریقے کا انکار کر بیٹھتے ہیں یا اللہ کے حکم کو اصل تقدس کا حامل سمجھ کر نئے حکم کو دِل وجان سے تسلیم کرتے ہیں۔ آگے جو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ "لیکن (تمہیں الگ شریعتیں اِس لئے دِیں) تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے" اس کا یہی مطلب ہے۔

(۴۱) یہ حکم اس صورت میں ہے جب غیر مسلم لوگ اسلامی حکومت کے باقاعدہ شہری بن جائیں جن کو فقہی اِصطلاح میں "ذمی" کہا جاتا ہے، یا اس صورت میں جب وہ اپنی رضامندی سے اپنا فیصلہ مسلمان قاضی سے کروانا چاہیں۔ ایسی صورت میں مسلمان قاضی عام ملکی قوانین میں فیصلہ اسلامی شریعت کے مطابق کرے گا۔ البتہ ان کے خالص مذہبی معاملات مثلاً عبادات، نکاح، طلاق اور وراثت میں انہیں اپنے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ مگر یہ فیصلہ انہی کے افراد کریں گے۔

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ‌ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكۡمَ الۡجَـاهِلِيَّةِ يَـبۡغُوۡنَ‌ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾ ع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ ‌ؕۘ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَوَلَّهُمۡ مِّنۡكُمۡ فَاِنَّهٗ مِنۡهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۱﴾

وقف لازم — وقف غفران

اس پر اگر وہ منہ موڑیں تو جان رکھو کہ اللہ نے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان کو مصیبت میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔(۴۲) اور ان لوگوں میں سے بہت سے فاسق ہیں ﴿۴۹﴾ بھلا کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ یقین رکھتے ہوں ان کے لئے اللہ سے اچھا فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ ﴿۵۰﴾

اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یار و مددگار نہ بناؤ۔(۴۳) یہ خود ہی ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں۔ اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۵۱﴾

---

(۴۲) "بعض گناہ" اس لئے فرمایا کہ تمام گناہوں کی سزا تو آخرت میں ملنی ہے۔ البتہ اللہ اور رسول کے فیصلے سے منہ موڑنے کی سزا ان کو دُنیا میں بھی ملنے والی ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد ان کی عہد شکنی اور سازشوں کے نتیجے میں ان کو جلاوطنی اور قتل کی سزائیں دُنیا ہی میں مل گئیں۔

(۴۳) اس آیت کی تشریح اور غیر مسلموں سے تعلقات کی حدود کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ آل عمران (۲۸:۳) کا حاشیہ۔

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ

چنانچہ جن لوگوں کے دِلوں میں (نفاق کا) روگ ہے، تم انہیں دیکھتے ہو کہ وہ لپک لپک کر اُن میں گھستے ہیں، کہتے ہیں: "ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر کوئی مصیبت کا چکر آپڑے گا" (۴۴) (لیکن) کچھ بعید نہیں کہ اللہ (مسلمانوں کو) فتح عطا فرمائے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کردے، (۴۵) اور اُس وقت یہ لوگ اُس بات پر پچھتائیں جو انہوں نے اپنے دِلوں میں چھپا رکھی تھی ﴿۵۲﴾

اور (اس وقت) ایمان والے (ایک دوسرے سے) کہیں گے کہ کیا یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے بڑے زور وشور سے اللہ کی قسمیں کھائی تھیں کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے اعمال غارت ہوگئے، اور وہ نامراد ہو کر رہے ﴿۵۳﴾ اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دِین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کردے گا جن سے وہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے، جو مؤمنوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے،

---

(۴۴) یہ منافقین کا ذکر ہے جو یہود ونصاریٰ سے ہر وقت گھلے ملے رہتے اور ان کی سازشوں میں شریک رہتے تھے، اور جب اُن پر اعتراض ہوتا تو وہ جواب دیتے کہ اگر ہم ان سے تعلقات نہ رکھیں گے تو ان کی طرف سے ہمیں تنگ کیا جائے گا اور ہم کسی مصیبت میں گرفتار ہو سکتے ہیں۔ اور ان کے دِل میں یہ نیت ہوتی تھی کہ کسی وقت مسلمان ان کے ہاتھوں مغلوب ہوجائیں گے تو ہمیں بالآخر انہی سے واسطہ پڑے گا۔

(۴۵) "کوئی اور بات ظاہر کرنے" سے مراد غالباً یہ ہے کہ ان کے پول وحی کے ذریعے کھول دیئے جائیں اور ان کی رُسوائی ہو۔

يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۚ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُونَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَالَّذِينَ اٰمَنُوا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُونَ ﴿۵۶﴾ يٰاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ﴿۵۸﴾

ع ۸ ۱۲

اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے جو وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے، اور اللہ بڑی وسعت والا، بڑے علم والا ہے ﴿۵۴﴾ (مسلمانو!) تمہارے یار و مددگار تو اللہ، اس کے رسول اور وہ ایمان والے ہیں جو اس طرح نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں کہ وہ (دِل سے) اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہوتے ہیں ﴿۵۵﴾ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اور اِیمان والوں کو دوست بنائے تو (وہ اللہ کی جماعت میں شامل ہوجاتا ہے اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ ﴿۵۶﴾

اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایسے لوگوں کو جنہوں نے تمہارے دِین کو مذاق اور کھیل بنا رکھا ہے اور کافروں کو یار و مددگار نہ بناؤ، اور اگر تم واقعی صاحبِ ایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ﴿۵۷﴾ اور جب تم نماز کے لئے (لوگوں کو) پکارتے ہو تو وہ اس (پکار) کو مذاق اور کھیل کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ سب (حرکتیں) اس وجہ سے ہیں کہ ان لوگوں کو عقل نہیں ہے۔ ﴿۵۸﴾

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

تم (ان سے) کہو کہ: "اے اہلِ کتاب! تمہیں اس کے سوا ہماری کونسی بات بُری لگتی ہے کہ ہم اللہ پر اور جو کلام ہم پر اُتارا گیا اُس پر اور جو پہلے اُتارا گیا تھا اُس پر اِیمان لے آئے ہیں، جبکہ تم میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں؟" ﴿۵۹﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ (جس بات کو تم برا سمجھ رہے ہو) اس سے زیادہ برے انجام والے کون ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پھٹکار ڈالی، جن پر اپنا غضب نازل کیا، جن میں سے لوگوں کو بندر اور سور بنایا، اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی! وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا بھی بدترین ہے اور وہ سیدھے راستے سے بھی بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔" ﴿۶۰﴾

اور جب یہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ "ہم ایمان لے آئے ہیں" حالانکہ یہ کفر لے کر ہی آئے تھے، اور اسی کفر کو لے کر باہر نکلے ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ کیا کچھ چھپاتے رہے ہیں ﴿۶۱﴾ اور ان میں سے بہت سوں کو تم دیکھو گے کہ وہ گناہ، ظلم اور حرام خوری میں لپک لپک کر آگے بڑھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو حرکتیں یہ کرتے ہیں وہ نہایت بری ہیں ﴿۶۲﴾

لَوۡلَا یَنۡهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَالۡاَحۡبَارُ عَنۡ قَوۡلِهِمُ الۡاِثۡمَ وَاَكۡلِهِمُ السُّحۡتَ ؕ لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۶۳﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ؕ غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا ۘ بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ؕ وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۴﴾

وقف لازم

ان کے مشائخ اور علماء ان کو گناہ کی باتیں کہنے اور حرام کھانے سے آخر کیوں منع نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ طرزِ عمل نہایت برا ہے۔ ﴿۶۳﴾ اور یہودی کہتے ہیں کہ "اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں" (۴۶) ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں، اور جو بات انہوں نے کہی ہے اس کی وجہ سے ان پر لعنت الگ پڑی ہے، ورنہ اللہ کے دونوں ہاتھ پوری طرح کشادہ ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ اور (اے پیغمبر!) جو وحی تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کر کے رہے گی، اور ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک کے لئے عداوت اور بغض پیدا کر دیا ہے۔ جب کبھی یہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں، اللہ اس کو بجھا دیتا ہے، (۴۷) اور یہ زمین میں فساد مچاتے پھرتے ہیں، جبکہ اللہ فساد مچانے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۶۴﴾

---

(۴۶) جب مدینہ منورہ کے یہودیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو تنبیہ کے طور پر کچھ عرصے کے لئے معاشی تنگی میں مبتلا کر دیا۔ اس موقع پر بجائے اس کے کہ وہ ہوش میں آتے، ان کے بعض سرداروں نے یہ گستاخانہ جملہ کہا۔ "ہاتھ کا بندھا ہونا" عربی میں بخل اور کنجوسی کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا ان کا مطلب یہ تھا کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بخل کا معاملہ کیا ہے۔ حالانکہ بخل کی صفت تو خود ان کی مشہور و معروف تھی، اس لئے فرمایا گیا کہ "ہاتھ تو خود ان کے بندھے ہوئے ہیں"۔

(۴۷) یہ یہودیوں کی ان سازشوں کی طرف اشارہ ہے جو وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل کر کرتے رہتے

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٦﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

ع ۹ / ۱۰ / ۱۳

اور اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ضرور ان کی برائیاں معاف کردیتے، اور انہیں ضرور آرام وراحت کے باغات میں داخل کرتے ﴿۶۵﴾ اور اگر وہ تورات اور انجیل اور جو کتاب (اب) ان کے پاس ان کے رَبّ کی طرف سے بھیجی گئی ہے اس کی ٹھیک ٹھیک پابندی کرتے تو وہ اپنے اُوپر اور اپنے پاؤں کے نیچے ہر طرف سے (اللہ کا رزق) کھاتے۔ (اگرچہ) ان میں ایک جماعت راہِ راست پر چلنے والی بھی ہے، مگر ان میں سے بہت سے لوگ ایسے ہی ہیں کہ ان کے اعمال خراب ہیں ﴿۶۶﴾ اے رسول! جو کچھ تمہارے رَبّ کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ اور اگر ایسا نہیں کروگے تو (اس کا مطلب یہ ہوگا کہ) تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تمہیں لوگوں (کی سازشوں) سے بچائے گا۔ یقین رکھو کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۶۷﴾

تھے۔ اگرچہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا، لیکن در پردہ وہ اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ مسلمانوں پر کوئی حملہ ہو اور وہ اس میں شکست کھائیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہر موقع پر ان کی سازش کو ناکام بنادیتے تھے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿٧٠﴾

کہہ دو کہ: ''اے اہلِ کتاب! جب تک تم تورات اور اِنجیل پر اور جو (کتاب) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (اب) بھیجی گئی ہے اس کی پوری پابندی نہیں کرو گے، تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہوگی جس پر تم کھڑے ہوسکو۔'' اور (اے رسول!) جو وحی اپنے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے وہ ان میں سے بہت سوں کی سرکشی اور کفر میں مزید اضافہ کرکے رہے گی، لہٰذا تم ان کافر لوگوں پر افسوس مت کرنا ﴿٦٨﴾ حق تو یہ ہے کہ جو لوگ بھی، خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی یا صابی یا نصرانی، اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئیں گے اور نیک عمل کریں گے ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، نہ وہ کسی غم میں مبتلا ہوں گے۔(۴۸) ﴿٦٩﴾

ہم نے بنو اِسرائیل سے عہد لیا تھا، اور ان کے پاس رسول بھیجے تھے۔ جب کوئی رسول ان کے پاس کوئی ایسی بات لے کر آتا جس کو اُن کا دِل نہیں چاہتا تھا تو کچھ (رسولوں) کو انہوں نے جھٹلایا اور کچھ کو قتل کرتے رہے ﴿٧٠﴾

---

(۴۸) یہی مضمون سورۂ بقرہ کی آیت ٦٢ (٢:٦٢) میں گذرا ہے۔ اس کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

وقف لازم

اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ کوئی پکڑ نہیں ہوگی، اس لئے اندھے بہرے بن گئے، پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی تو ان میں سے بہت سے پھر اندھے بہرے بن گئے، اور اللہ ان کے تمام اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے ﴿۷۱﴾ وہ لوگ یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ "اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے" حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ "اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یقین جانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، اللہ نے اس کے لئے جنت حرام کر دی ہے، اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور جو لوگ (یہ) ظلم کرتے ہیں، ان کو کسی قسم کے یارو مددگار میسر نہیں آئیں گے" ﴿۷۲﴾ وہ لوگ (بھی) یقیناً کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ: "اللہ تین میں کا تیسرا ہے"[۴۹] حالانکہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اور اگر یہ لوگ اپنی اس بات سے باز نہ آئے تو ان میں سے جن لوگوں نے (ایسے) کفر کا ارتکاب کیا ہے، ان کو دردناک عذاب پکڑ کر رہے گا ﴿۷۳﴾

---

(۴۹) یہ عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کی طرف اشارہ ہے۔ اس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ خدا تین اقانیم (Persons) کا مجموعہ ہے، ایک باپ (یعنی اللہ)، ایک بیٹا (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام) اور ایک روح

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾ قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۷۷﴾ ع ۱۱/۱۴

کیا پھر بھی یہ لوگ معافی کے لئے اللہ کی طرف رُجوع نہیں کریں گے، اور اس سے مغفرت نہیں مانگیں گے؟ حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے! ﴿۷۴﴾ مسیح ابنِ مریم تو ایک رسول تھے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، ان سے پہلے (بھی) بہت سے رسول گذر چکے ہیں، اور ان کی ماں صدیقہ تھیں۔ یہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔[۵۰] دیکھو! ہم ان کے سامنے کس طرح کھول کھول کر نشانیاں واضح کررہے ہیں! پھر یہ بھی دیکھو کہ ان کو اوندھے منہ کہاں لے جایا جارہا ہے![۵۱] ﴿۷۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: "کیا تم اللہ کے سوا ایسی مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو تمہیں نہ کوئی نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتی ہے، اور نہ فائدہ پہنچانے کی،[۵۲] جبکہ اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے؟" ﴿۷۶﴾ (اور ان سے یہ بھی کہو کہ:) "اے اہلِ کتاب! اپنے دِین میں ناحق غلو نہ کرو،[۵۳] اور ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلو جو پہلے خود بھی گمراہ ہوئے، بہت سے دوسروں کو بھی گمراہ کیا، اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے ﴿۷۷﴾

القدس۔ اور بعض فرقے اس بات کے بھی قائل تھے کہ تیسری حضرت مریم علیہا السلام ہیں۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تینوں مل کر ایک ہیں۔ یہ تینوں مل کر ایک کس طرح ہیں؟ اس معمے کا کوئی معقول جواب کسی کے پاس نہیں ہے، اس لئے ان کے متکلمین (Theologians) نے اس عقیدے کی مختلف تعبیریں اختیار کی ہیں۔

بعض نے تو یہ کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام صرف خدا تھے، انسان نہیں تھے۔ آیت نمبر ۷۲ میں ان کے عقیدے کو کفر قرار دیا گیا ہے۔ اور بعض لوگ یہ کہتے تھے کہ خدا جن تین اقانیم کا مجموعہ ہے، ان میں سے ایک باپ یعنی اللہ ہے، اور دوسرا بیٹا ہے جو اللہ ہی کی ایک صفت تھی جو انسانی وجود میں حلول کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں آ گئی تھی، لہٰذا وہ انسان بھی تھے، اور اپنی اصل کے اعتبار سے خدا بھی تھے۔ آیت نمبر ۷۳ میں اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے۔ عیسائیوں کے ان عقائد کی تفصیل اور ان کی تردید کے لئے دیکھئے راقم الحروف کی کتاب ''عیسائیت کیا ہے؟''۔

(۵۰) ''صدیقہ'' صدیق کا مؤنث کا صیغہ ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں ''بہت سچا'' یا ''راست باز''۔ اصطلاح میں صدیق عام طور سے ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی پیغمبر کا افضل ترین متبع ہوتا ہے، اور نبوت کے بعد یہ سب سے اُونچا مرتبہ ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدۂ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام دونوں کے بارے میں یہاں قرآنِ کریم نے یہ حقیقت جتلائی ہے کہ وہ کھانا کھاتے تھے، کیونکہ تنہا یہ حقیقت اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ وہ خدا نہیں تھے۔ ایک معمولی سمجھ کا شخص بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خدا تو وہی ذات ہوسکتی ہے جو ہر قسم کی بشری حاجتوں سے بے نیاز ہو۔ اگر خدا بھی کھانا کھانے کا محتاج ہو تو وہ خدا کیا ہوا؟

(۵۱) قرآنِ کریم نے یہاں مجہول کا صیغہ استعمال کیا ہے، اس لئے ترجمہ یہ نہیں کیا گیا کہ ''وہ اوندھے منہ کہاں جارہے ہیں؟'' بلکہ ترجمہ یہ کیا گیا ہے کہ: ''انہیں اوندھے منہ کہاں لیجایا جارہا ہے؟'' اور بظاہر مجہول کا یہ صیغہ استعمال کرنے سے اشارہ اس طرف مقصود ہے کہ ان کی نفسانی خواہشات اور ذاتی مفادات ہیں جو انہیں اُلٹا لے جارہے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۵۲) حضرت مسیح علیہ السلام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر تھے، لیکن کسی کو نفع یا نقصان پہنچانے کی ذاتی صلاحیت اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اگر وہ کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو صرف اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مشیت سے پہنچا سکتے ہیں۔

(۵۳) ''غلو'' کا مطلب ہے کسی کام میں اس کی معقول حدود سے آگے بڑھ جانا۔ عیسائیوں کا غلو یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ انہیں خدا قرار دے دیا، اور یہودیوں کا غلو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے محبت کا جو اِظہار کیا تھا اس کی بنا پر یہ سمجھ بیٹھے کہ دُنیا کے دوسرے لوگوں کو چھوڑ کر بس وہی اللہ کے چہیتے ہیں، اور اس وجہ سے وہ جو چاہیں کریں، اللہ تعالیٰ ان سے ناراض نہیں ہوگا، نیز ان میں سے بعض نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دے لیا تھا۔

لُعِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ؕ ذٰلِکَ بِمَا عَصَوۡا وَّ کَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۷۸﴾ کَانُوۡا لَا یَتَنَاہَوۡنَ عَنۡ مُّنۡکَرٍ فَعَلُوۡہُ ؕ لَبِئۡسَ مَا کَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰی کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ یَتَوَلَّوۡنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ لَبِئۡسَ مَا قَدَّمَتۡ لَہُمۡ اَنۡفُسُہُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَ فِی الۡعَذَابِ ہُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَ لَوۡ کَانُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ النَّبِیِّ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِ مَا اتَّخَذُوۡہُمۡ اَوۡلِیَآءَ وَ لٰکِنَّ کَثِیۡرًا مِّنۡہُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۱﴾

بنو اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت بھیجی گئی تھی۔(۵۴) یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی تھی، اور وہ حد سے گذر جایا کرتے تھے ﴿۷۸﴾ وہ جس بدی کا ارتکاب کرتے تھے، اس سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا طرزِ عمل نہایت برُا تھا ﴿۷۹﴾ تم ان میں سے بہت سوں کو دیکھتے ہو کہ انہوں نے (بت پرست) کافروں کو اپنا دوست بنایا ہوا ہے۔(۵۵) یقیناً جو کچھ انہوں نے اپنے حق میں اپنے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برُا ہے، کیونکہ (ان کی وجہ سے) اللہ ان سے ناراض ہو گیا ہے، اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ﴿۸۰﴾ اگر یہ لوگ اللہ پر اور نبی پر اور جو کلام ان پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان رکھتے تو ان (بت پرستوں) کو دوست نہ بناتے، لیکن (بات یہ ہے کہ) ان میں زیادہ تعداد ان کی ہے جو نافرمان ہیں ﴿۸۱﴾

---

(۵۴) یعنی اس لعنت کا ذکر زبور میں بھی تھا جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، اور انجیل میں بھی تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اُتری تھی۔

(۵۵) یہ ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو مدینہ منورہ میں آباد تھے، اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ بھی کیا ہوا تھا، اس کے باوجود انہوں نے درپردہ مشرکین مکہ سے دوستیاں گانٹھی ہوئی تھیں، اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ بلکہ ان کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے ان سے یہ تک کہہ دیتے تھے کہ ان کا مذہب مسلمانوں کے مذہب سے اچھا ہے۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

تم یہ بات ضرور محسوس کرلو گے کہ مسلمانوں سے سب سے سخت دُشمنی رکھنے والے ایک تو یہودی ہیں، اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو (کھل کر) شرک کرتے ہیں۔ اور تم یہ بات بھی ضرور محسوس کرلو گے کہ (غیر مسلموں میں) مسلمانوں سے دوستی میں قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو نصرانی کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہیں، (۵۶) نیز یہ وجہ بھی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ﴿۸۲﴾

---

(۵۶) مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں میں چونکہ بہت سے لوگ دُنیا کی محبت سے خالی ہیں، اس لئے ان میں قبولِ حق کا مادّہ بھی زیادہ ہے، اور کم از کم انہیں مسلمانوں سے اتنی سخت دُشمنی نہیں ہے، کیونکہ دُنیا کی محبت وہ چیز ہے جو اِنسان کو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔ اس کے برعکس یہودیوں اور مشرکینِ مکہ پر دُنیا پرستی غالب ہے، اس لئے وہ سچے طالبِ حق کا طرزِ عمل اختیار نہیں کرپاتے۔ عیسائیوں کے نسبۃً نرم دِل ہونے کی دوسری وجہ قرآنِ کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے، کیونکہ انسان کی اَنا بھی اکثر حق کو قبول کرنے میں رُکاوٹ بن جاتی ہے۔ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے محبت میں قریب تر فرمایا گیا ہے اسی کا ایک اثر یہ تھا کہ جب مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو بہت سے مسلمانوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پناہ لی، اور نہ صرف نجاشی، بلکہ اس کی رعایا نے بھی ان کے ساتھ بڑے اعزاز واکرام کا معاملہ کیا۔ بلکہ جب مشرکینِ مکہ نے اپنا ایک وفد نجاشی کے پاس بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ جن مسلمانوں نے اس کے ملک میں پناہ لی ہے انہیں اپنے ملک سے نکال کر واپس مکہ مکرمہ بھیج دے، تاکہ مشرکین ان کو اپنے ظلم کا نشانہ بناسکیں تو نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر ان سے ان کا موقف سنا اور مشرکینِ مکہ کا مطالبہ ماننے سے انکار کردیا، اور جو تحفے انہوں نے بھیجے تھے وہ بھی واپس کردیئے۔ لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے قریب تر کہا گیا

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور جب یہ لوگ وہ کلام سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا ہے تو چونکہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہوتا ہے، اس لئے تم ان کی آنکھوں کو دیکھو گے کہ وہ آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں،(۵۷) (اور) وہ کہہ رہے ہیں کہ ''اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا نام بھی لکھ لیجئے ﴿۸۳﴾ اور ہم اللہ پر اور جو حق ہمارے پاس آگیا ہے اس پر آخر کیوں ایمان نہ لائیں، اور پھر یہ توقع بھی رکھیں کہ ہمارا ربّ ہمیں نیک لوگوں میں شمار کرے گا؟'' ﴿۸۴﴾

ہے، یہ ان عیسائیوں کی اکثریت کے اعتبار سے کہا گیا ہے جو اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دُنیا کی محبت سے دُور ہوں، اور ان میں تکبر نہ پایا جاتا ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر زمانے کے عیسائیوں کا یہی حال ہے، چنانچہ تاریخ میں ایسی بھی بہت مثالیں ہیں جن میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ بدترین معاملہ کیا۔

(۵۷) جب مسلمانوں کو حبشہ سے نکالنے کا مطالبہ لے کر مشرکینِ مکہ کا وفد نجاشی کے پاس آیا تھا تو اس نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا کر ان کا موقف سنا تھا۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر ابنِ ابی طالبؓ نے اس کے دربار میں بڑی مؤثر تقریر کی تھی جس سے نجاشی کے دِل میں مسلمانوں کی عظمت اور محبت بڑھ گئی، اور اسے اندازہ ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہی آخری نبی ہیں جن کی پیشینگوئی تورات اور اِنجیل میں کی گئی تھی۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو نجاشی نے اپنے علماء اور راہبوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے سورۂ یٰسٓ کی تلاوت فرمائی جسے سن کر ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اور انہوں نے کہا کہ یہ کلام اس کلام کے بہت مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، چنانچہ یہ سب لوگ مسلمان ہوگئے، اور

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

چنانچہ ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ ان کو وہ باغات دے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی نیکی کرنے والوں کا صلہ ہے ﴿۸۵﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنایا ہے اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، وہ دوزخ والے لوگ ہیں ﴿۸۶﴾

اے ایمان والو! اللہ نے تمہارے لئے جو پاکیزہ چیزیں حلال کی ہیں ان کو حرام قرار نہ دو، اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ یقین جانو کہ اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(۵۸) ﴿۸۷﴾ اور اللہ نے تمہیں جو رزق دیا ہے اس میں سے حلال پاکیزہ چیزیں کھاؤ، اور جس اللہ پر تم ایمان رکھتے ہو اس سے ڈرتے رہو ﴿۸۸﴾

جب یہ واپس حبشہ گئے تو نجاشی نے بھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کردیا۔ ان آیات میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۸) جس طرح حرام چیزوں کو حلال سمجھنا گناہ ہے، اسی طرح جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں ان کو حرام سمجھنا بھی بڑا گناہ ہے۔ مشرکینِ مکہ اور یہودیوں نے ایسی بہت سی چیزوں کو اپنے اُوپر حرام کر رکھا تھا، جس کی تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ اَنعام میں آئے گی۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اللہ تمہاری لغو قسموں پر تمہاری پکڑ نہیں کرے گا،(۵۹) لیکن جو قسمیں تم نے پختگی کے ساتھ کھائی ہوں،(۶۰) ان پر تمہاری پکڑ کرے گا۔ چنانچہ اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجے کا کھانا کھلاؤ جو تم اپنے گھر والوں کو کھلایا کرتے ہو، یا ان کو کپڑے دو، یا ایک غلام کو آزاد کرو۔ ہاں اگر کسی کے پاس (ان چیزوں میں سے) کچھ نہ ہو تو وہ تین دن روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم نے کوئی قسم کھالی ہو (اور اسے توڑ دیا ہو)، اور اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو۔(۶۱) اسی طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر تمہارے سامنے واضح کرتا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرو۔ ﴿۸۹﴾

(۵۹) "لغو" قسموں سے مراد ایک تو وہ قسمیں ہیں جو قسم کھانے کے ارادے کے بغیر محض محاورے اور تکیۂ کلام کے طور پر کھالی جاتی ہیں، اور دوسرے وہ قسمیں بھی لغو کی تعریف میں داخل ہیں جو ماضی کے کسی واقعے پر سچ سمجھ کر کھائی گئی ہوں، مگر بعد میں معلوم ہو کہ جس بات کو سچ سمجھا تھا وہ سچ نہیں تھی۔ اس قسم کی قسموں پر نہ کوئی گناہ ہوتا ہے، اور نہ کوئی کفارہ واجب ہوتا ہے، البتہ بلاضرورت قسم کھانا کوئی اچھی بات نہیں ہے، اس لئے ایک مسلمان کو اس سے احتیاط کرنی چاہئے۔

(۶۰) اس سے مراد وہ قسم ہے جس میں آئندہ زمانے میں کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کا عہد کیا گیا ہو۔ ایسی قسم کو توڑنا عام حالات میں بڑا گناہ ہے، اور اگر کوئی شخص ایسی قسم توڑ دے تو اس کا کفارہ بھی واجب ہے جس کی تفصیل آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ایک تیسری قسم کی قسم وہ ہے جس میں ماضی کے کسی واقعے پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا گیا ہو، اور مخاطب کو یقین دِلانے کے لئے قسم کھالی گئی ہو۔ ایسی قسم سخت گناہ ہے، مگر دُنیا میں اس کا کوئی کفارہ سوائے توبہ اور اِستغفار کے کچھ نہیں ہوتا۔

(۶۱) مطلب یہ ہے کہ قسم کھالینا کوئی مذاق نہیں ہے، اس لئے اوّل تو قسمیں کم سے کم کھانی چاہئیں، اور اگر کوئی

يَاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡخَمۡرُ وَالۡمَيۡسِرُ وَالۡاَنۡصَابُ وَالۡاَزۡلَامُ رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّيۡطٰنِ فَاجۡتَنِبُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّوۡقِعَ بَيۡنَكُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ فِى الۡخَمۡرِ وَالۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ‌ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّنۡتَهُوۡنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَاحۡذَرُوۡا‌ۚ فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ﴿۹۲﴾

اے ایمان والو! شراب، جوا، بتوں کے تھان اور جوے کے تیر،(۶۲) یہ سب ناپاک شیطانی کام ہیں، لہٰذا ان سے بچو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو ﴿۹۰﴾ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوے کے ذریعے تمہارے درمیان دُشمنی اور بغض کے بیج ڈال دے، اور تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے روک دے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم (ان چیزوں سے) باز آجاؤ گے؟ ﴿۹۱﴾ اور اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اطاعت کرو، اور (نافرمانی سے) بچتے رہو۔ اور اگر تم (اس حکم سے) منہ موڑو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسول پر صرف یہ ذمہ داری ہے کہ وہ صاف صاف طریقے سے (اللہ کے حکم کی) تبلیغ کردیں ﴿۹۲﴾

قسم کھالی ہو تو حتی الامکان اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ البتہ اگر کسی شخص نے کوئی ناجائز کام کرنے کی قسم کھالی ہو تو اس پر واجب ہے کہ قسم کو توڑے اور کفارہ ادا کرے۔ اسی طرح اگر کسی جائز کام کی قسم کھائی، مگر بعد میں اندازہ ہوا کہ وہ کام مصلحت کے خلاف ہے، تب بھی ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ ایسی قسم کو توڑ دینا چاہئے، اور کفارہ ادا کرنا چاہئے۔

(۶۲) بتوں کے تھان سے مراد وہ قربان گاہ ہے جو بتوں کے سامنے بنادی جاتی تھی، اور لوگ بتوں کے نام پر وہاں جانور وغیرہ قربان کیا کرتے تھے۔ اور جوے کے تیروں کی تشریح اسی سورت کے شروع میں آیت نمبر ۳ کے تحت حاشیہ نمبر ۶ میں گذر چکی ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور نیکی پر کاربند رہے ہیں، انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا ہے، اس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے،(۶۳) بشرطیکہ وہ آئندہ ان گناہوں سے بچتے رہیں، اور ایمان رکھیں اور نیک عمل کرتے رہیں، پھر (جن چیزوں سے آئندہ روکا جائے ان سے) بچا کریں، اور ایمان پر قائم رہیں، اور اس کے بعد بھی تقویٰ اور احسان کو اپنائیں۔(۶۴) اللہ احسان پر عمل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ﴿۹۳﴾ اے ایمان والو! اللہ تمہیں شکار کے کچھ جانوروں کے ذریعے ضرور آزمائے گا جو تمہارے ہاتھوں اور تمہارے نیزوں کی زد میں آجائیں گے،(۶۵) تاکہ وہ یہ جان لے کہ کون ہے جو اسے دیکھے بغیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔ پھر جو شخص اس کے بعد بھی حد سے تجاوز کرے گا، وہ دردناک سزا کا مستحق ہوگا ﴿۹۴﴾

(۶۳) جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو بعض صحابۂ کرام کے دِل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جو شراب حرمت کا حکم آنے سے پہلے پی گئی ہے، کہیں وہ ہمارے لئے گناہ کا سبب نہ بنے۔ اس آیت نے یہ غلط فہمی دُور کردی، اور یہ بتادیا کہ چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے شراب پینے سے صاف الفاظ میں منع نہیں کیا تھا، اس لئے اس وقت جنہوں نے شراب پی تھی اس پر ان کی کوئی پکڑ نہیں ہوگی۔

(۶۴) احسان کے لغوی معنیٰ ہیں "اچھائی کرنا"۔ اس طرح یہ لفظ ہر نیکی کو شامل ہے، لیکن ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ انسان اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے وہ اس کو دیکھ رہا ہے، یا کم از کم اس تصوّر کے ساتھ کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہونے کا دھیان رکھے۔

(۶۵) جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے، جب کوئی شخص حج یا عمرے کا اِحرام باندھ لے تو اس کے لئے خشکی کے

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

اے ایمان والو! جب تم اِحرام کی حالت میں ہو تو کسی شکار کو قتل نہ کرو۔ اور اگر تم میں سے کوئی اسے جان بوجھ کر قتل کردے تو اس کا بدلہ دینا واجب ہوگا (جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ) جو جانور اس نے قتل کیا ہے، اس جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور کو جس کا فیصلہ تم میں سے دو دیانت دار تجربہ کار آدمی کریں گے، کعبہ پہنچا کر قربان کیا جائے، یا (اس کی قیمت کا) کفارہ مسکینوں کو کھانا کھلا کر ادا کیا جائے، یا اس کے برابر روزے رکھے جائیں[۶۶]، تاکہ وہ شخص اپنے کئے کا بدلہ چکھے۔ پہلے جو کچھ ہو چکا اللہ نے اسے معاف کردیا، اور جو شخص دوبارہ ایسا کرے گا تو اللہ اس سے بدلہ لے گا، اور اللہ اقتدار اور انتقام کا مالک ہے ﴿۹۵﴾

جانوروں کا شکار کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ عرب کے صحراؤں میں کسی شکار کا مل جانا مسافروں کے لئے ایک نعمت تھی۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اِحرام باندھنے والوں کی آزمائش کے لئے اللہ تعالیٰ کچھ جانوروں کو ان کے اتنا قریب بھیج دے گا کہ وہ ان کے نیزوں کی زد میں ہوں گے۔ اس طرح ان کا امتحان لیا جائے گا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس نعمت سے پرہیز کرتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے ایمان کا اصل امتحان اسی وقت ہوتا ہے جب اس کا دِل کسی ناجائز کام کے لئے مچل رہا ہو، اور وہ اس وقت اللہ تعالیٰ سے ڈر کر اس ناجائز کام سے باز آجائے۔

(۶۶) اگر کوئی شخص اِحرام کی حالت میں شکار کرنے کا گناہ کرلے تو اس کا کفارہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس جانور کا شکار کیا ہے، اگر وہ جانور حلال ہو تو اسی علاقے کے دو تجربہ کار، دِین دار آدمیوں سے اس جانور کی قیمت لگائی جائے، پھر چوپایوں یعنی گائے، بیل، بکری وغیرہ میں سے اس قیمت کے کسی جانور کی قربانی حرم میں کردی جائے، یا اس کی قیمت فقراء میں تقسیم کردی جائے۔ اور اگر کسی ایسے جانور کا

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَامًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ۚ ذَٰلِكَ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٧﴾ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٩٨﴾

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا حلال کردیا گیا ہے، تاکہ وہ تمہارے لئے اور قافلوں کے لئے فائدہ اُٹھانے کا ذریعہ بنے، لیکن جب تک تم حالتِ اِحرام میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کردیا گیا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم سب کو جمع کر کے لے جایا جائے گا ﴿۹۶﴾ اللہ نے کعبے کو جو بڑی حرمت والا گھر ہے لوگوں کے لئے قیام امن کا ذریعہ بنادیا ہے، نیز حرمت والے مہینے، نذرانے کے جانوروں اور ان کے گلے میں پڑے ہوئے پٹوں کو بھی (امن کا ذریعہ بنایا ہے)۔(۶۷) یہ سب اس لئے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے، اور اللہ ہر بات سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۹۷﴾ یہ بات بھی جان رکھو کہ اللہ عذاب دینے میں سخت ہے، اور یہ بھی کہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۸﴾

شکار کیا تھا جو حلال نہیں ہے، مثلاً بھیڑیا، تو اس کی قیمت ایک بکری سے زیادہ نہیں سمجھی جائے گی۔ اور اگر کسی شخص کو مالی اعتبار سے قربانی دینے یا قیمت فقراء میں تقسیم کرنے کی گنجائش نہ ہو تو وہ روزے رکھے۔ روزوں کا حساب اس طرح ہوگا کہ اُس جانور کی جو قیمت بنی تھی، اس میں سے پونے دو سیر گندم کی قیمت کے برابر ایک روزہ سمجھا جائے گا۔ آیت کی یہ تشریح اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے مطابق ہے۔ ان کے نزدیک "اُس جانور کے برابر چوپایوں میں سے کسی جانور" کا مطلب یہ ہے کہ پہلے شکار کئے ہوئے جانور کی قیمت لگائی جائے، پھر اس قیمت کا کوئی چوپایہ حرم میں ذبح کیا جائے۔ تفصیل فقہ کی کتابوں میں درج ہے۔

(۶۷) کعبہ شریف اور حرمت والے مہینے کا باعثِ امن ہونا تو ظاہر ہے کہ اس میں جنگ کرنا حرام ہے۔ اس کے

مَا عَلَى الرَّسُولِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِى الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْــَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

رسول پر سوائے تبلیغ کرنے کے کوئی اور ذمہ داری نہیں ہے۔ اور جو کچھ تم کھلے بندوں کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو، اللہ ان سب باتوں کو جانتا ہے ﴿۹۹﴾ (اے رسول! لوگوں سے) کہہ دو کہ ناپاک اور پاکیزہ چیزیں برابر نہیں ہوتیں، چاہے تمہیں ناپاک چیزوں کی کثرت اچھی لگتی ہو۔(۶۸) لہٰذا اے عقل والو! اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تمہیں فلاح حاصل ہو ﴿۱۰۰﴾

اے ایمان والو! ایسی چیزوں کے بارے میں سوالات نہ کیا کرو جو اگر تم پر ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں، اور اگر تم ان کے بارے میں ایسے وقت سوالات کروگے جب قرآن نازل کیا جارہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کردی جائیں گی۔(۶۹) (البتہ) اللہ نے پچھلی باتیں معاف کردی ہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے ﴿۱۰۱﴾ تم سے پہلے ایک قوم نے اس قسم کے سوالات کئے تھے، پھر ان (کے جو جوابات دیئے گئے ان) سے منکر ہوگئے۔(۷۰) ﴿۱۰۲﴾

علاوہ جو جانور نذرانے کے طور پر حرم لے جائے جاتے تھے، ان کے گلے میں پٹے ڈال دیئے جاتے تھے تاکہ ہر دیکھنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ جانور حرم جارہے ہیں۔ چنانچہ کافر، مشرک، ڈاکو بھی ان کو چھیڑتے نہیں تھے۔ کعبے کے قیامِ امن کا باعث ہونے کے ایک معنی کچھ مفسرین نے یہ بھی بیان فرمائے ہیں کہ جب تک کعبہ شریف قائم رہے گا، قیامت نہیں آئے گی۔ قیامت اس وقت آئے گی جب اسے اُٹھالیا جائے گا۔

(۶۸) اس آیت نے بتادیا ہے کہ دُنیا میں بہت مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی ناپاک یا حرام چیز کا رواج اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ وقت کا فیشن قرار پا جاتا ہے، اور فیشن پرست لوگ اسے اچھا سمجھنے لگتے ہیں۔ مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ صرف کسی چیز کے عام رواج کی وجہ سے اسے اختیار نہ کریں، بلکہ یہ دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہدایات کی روشنی میں وہ جائز یا پاک ہے یا نہیں۔

(۶۹) آیت کا مطلب یہ ہے کہ اوّل تو جن باتوں کی کوئی خاص ضرورت نہ ہو، ان کی کھوج میں پڑنا فضول ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض اوقات کوئی حکم مجمل طریقے سے آتا ہے۔ اگر اس حکم پر اسی اجمال کے ساتھ عمل کرلیا جائے تو کافی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو اس میں مزید تفصیل کرنی ہوتی تو وہ خود قرآنِ کریم یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ذریعے کردیتا۔ اب اس میں بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اگر نزولِ قرآن کے زمانے میں اس کا کوئی سخت جواب آجائے تو خود تمہارے لئے مشکلات کھڑی ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے شانِ نزول میں ایک واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب حج کا حکم آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا تو ایک صحابی نے آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ! کیا حج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، یا ہر سال کرنا فرض ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال پر ناگواری کا اظہار فرمایا۔ وجہ یہ تھی کہ حکم کے بارے میں اصل یہ ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود یہ صراحت نہ کی جائے کہ اس پر بار بار عمل کرنا ہوگا (جیسے نماز روزے اور زکوٰۃ میں یہ صراحت موجود ہے) اس وقت تک اس پر صرف ایک بار عمل کرنے سے حکم کی تعمیل ہوجاتی ہے، اس لئے اس سوال کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ آپ نے صحابی سے فرمایا کہ اگر میں تمہارے جواب میں یہ کہہ دیتا کہ ہاں ہر سال فرض ہے تو واقعی پوری اُمت پر وہ ہر سال فرض ہوجاتا۔

(۷۰) اس سے غالباً یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو شریعت کے اَحکام میں اسی قسم کی بال کی کھال نکالتے تھے، اَور جب ان کے اس عمل کے نتیجے میں ان پر پابندیاں بڑھتی تھیں تو انہیں پورا کرنے سے عاجز ہوجاتے، اور بعض اوقات ان کی تعمیل سے صاف انکار بھی کر بیٹھتے تھے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اللہ نے کسی جانور کو نہ بحیرہ بنانا طے کیا ہے، نہ سائبہ، نہ وصیلہ اور نہ حامی،[۷۱] لیکن جن لوگوں نے کفر اپنایا ہوا ہے وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگوں کو صحیح سمجھ نہیں ہے ﴿۱۰۳﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو کلام نازل کیا ہے، اس کی طرف اور رسول کی طرف آؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ: "ہم نے جس (دین پر) اپنے باپ دادوں کو پایا ہے، ہمارے لئے وہی کافی ہے۔" بھلا اگر ان کے باپ دادے ایسے ہوں کہ نہ ان کے پاس کوئی علم ہو، اور نہ کوئی ہدایت تو کیا پھر بھی (یہ انہی کے پیچھے چلتے رہیں گے؟) ﴿۱۰۴﴾ اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو۔ اگر تم صحیح راستے پر ہو گے تو جو لوگ گمراہ ہیں وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔[۷۲] اللہ ہی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ اس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا عمل کرتے رہے ہو ﴿۱۰۵﴾

(۷۱) یہ مختلف قسم کے نام ہیں جو زمانۂ جاہلیت کے مشرکین نے رکھے ہوئے تھے۔ بحیرہ اس جانور کو کہتے تھے جس کے کان چیر کر اس کا دُودھ بتوں کے نام پر وقف کر دیا جاتا تھا۔ سائبہ وہ جانور تھا جو بتوں کے نام کر کے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا، اس سے کسی قسم کا فائدہ اُٹھانا حرام سمجھا جاتا تھا۔ وصیلہ اس اُونٹنی کو کہتے تھے جو لگاتار مادہ بچے جنے، بیچ میں کوئی نر نہ ہو۔ ایسی اونٹنی کو بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور حامی وہ نر اُونٹ ہوتا تھا جو ایک خاص تعداد میں جفتی کر چکا ہو۔ اسے بھی بتوں کے نام پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

(۷۲) کفار کی جو گمراہیاں پیچھے بیان ہوئی ہیں، ان کی وجہ سے مسلمانوں کو صدمہ ہوتا تھا کہ اپنی ان گمراہیوں کے خلاف واضح دلائل آ جانے کے بعد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بار بار سمجھانے کے باوجود یہ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ شَهَٰدَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ ٱلْمَوْتُ حِينَ ٱلْوَصِيَّةِ
ٱثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ ءَاخَرَانِ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِى ٱلْأَرْضِ
فَأَصَٰبَتْكُم مُّصِيبَةُ ٱلْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِنۢ بَعْدِ ٱلصَّلَوٰةِ فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ إِنِ
ٱرْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِى بِهِۦ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَٰدَةَ ٱللَّهِ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ
ٱلْءَاثِمِينَ ﴿١٠٦﴾ فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا ٱسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَـَٔاخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ
ٱلَّذِينَ ٱسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ ٱلْأَوْلَيَٰنِ فَيُقْسِمَانِ بِٱللَّهِ لَشَهَٰدَتُنَآ أَحَقُّ مِن شَهَٰدَتِهِمَا
وَمَا ٱعْتَدَيْنَآ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٧﴾

اے ایمان والو!(۷۳) جب تم میں سے کوئی مرنے کے قریب ہو تو وصیت کرتے وقت آپس کے معاملات طے کرنے کے لئے گواہ بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ تم میں سے دو دیانت دار آدمی ہوں (جو تمہاری وصیت کے گواہ بنیں) یا اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو، اور وہیں تمہیں موت کی مصیبت پیش آجائے تو غیروں (یعنی غیر مسلموں) میں سے دو شخص ہو جائیں۔ پھر اگر تمہیں کوئی شک پڑ جائے تو ان دو گواہوں کو نماز کے بعد روک سکتے ہو، اور وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اس گواہی کے بدلے کوئی مالی فائدہ لینا نہیں چاہتے، چاہے معاملہ ہمارے کسی رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو، اور اللہ نے ہم پر جس گواہی کی ذمہ داری ڈالی ہے، اس کو ہم نہیں چھپائیں گے، ورنہ ہم گنہگاروں میں شمار ہوں گے ﴿۱۰۶﴾ پھر بعد میں اگر یہ پتہ چلے کہ انہوں نے (جھوٹ بول کر) اپنے اُوپر گناہ کا بوجھ اُٹھالیا ہے تو اُن لوگوں میں سے دو آدمی اِن کی جگہ (گواہی کے لئے) کھڑے ہو جائیں جن کے خلاف اِن پہلے دو آدمیوں نے گناہ اپنے سر لیا تھا،(۷۴) اور وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی ان پہلے دو آدمیوں کی گواہی کے مقابلے میں زیادہ سچی ہے، اور ہم نے (اس گواہی میں) کوئی زیادتی نہیں کی ہے، ورنہ ہم ظالموں میں شمار ہوں گے ﴿۱۰۷﴾

لوگ اپنی گمراہیوں پر جمے ہوئے ہیں۔ اس آیت نے ان حضرات کو تسلی دی ہے کہ تبلیغ کا حق ادا کرنے کے بعد

تمہیں ان کی گمراہیوں پر زیادہ صدمہ کرنے کی ضرورت نہیں، اور اب زیادہ فکر خود اپنی اصلاح کی کرنی چاہئے۔ لیکن جس بلیغ انداز میں یہ بات ارشاد فرمائی گئی ہے، اس میں ایک تو ان لوگوں کے لئے ہدایت کا بڑا سامان ہے جو ہر وقت دوسروں پر تنقید کرنے اور ان کے عیب تلاش کرنے میں تو بڑے شوق سے مشغول رہتے ہیں، مگر خود اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کی زحمت نہیں اُٹھاتے۔ ان کو دوسروں کا تو چھوٹے سے چھوٹا عیب آسانی سے نظر آجاتا ہے، مگر خود اپنی بڑی سے بڑی برائی کا احساس نہیں ہوتا۔ ہدایت یہ دی گئی ہے کہ اگر بالفرض تمہاری تنقید صحیح بھی ہو، اور دوسرے لوگ گمراہ بھی ہوں تب بھی تمہیں تو اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اس لئے اپنی فکر کرو، اور دوسروں پر تنقید کی فکر میں نہ پڑو۔ اس کے علاوہ جب معاشرے میں بدعملی کا چلن عام ہوجائے، تو اس وقت اصلاح کی طرف لوٹنے کا بھی بہترین نسخہ یہی ہے کہ ہر شخص دوسروں کے طرزِ عمل کو دیکھنے کے بجائے اپنی اصلاح کی فکر میں لگ جائے۔ جب افراد میں اپنی اصلاح کی فکر پیدا ہوگی تو چراغ سے چراغ جلے گا، اور رفتہ رفتہ معاشرہ بھی اصلاح کی طرف لوٹے گا۔

(۷۳) یہ آیات ایک خاص واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک مسلمان جس کا نام بُدیل تھا، تجارت کی غرض سے اپنے دو عیسائی ساتھیوں تمیم اور عدی کے ساتھ شام گیا۔ وہاں پہنچ کر وہ بیمار ہوگیا، اور اسے اندازہ ہوگیا کہ وہ بچ نہیں سکے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے دو ساتھیوں کو وصیت کی کہ میرا سارا سامان میرے وارثوں کو پہنچادینا۔ ساتھ ہی اس نے یہ ہوشیاری کی کہ سارے سامان کی ایک فہرست بنا کر خفیہ طور سے اسی سامان کے اندر چھپادی۔ عیسائی ساتھیوں کو فہرست کا پتہ نہ چل سکا۔ انہوں نے سامان وارثوں کو پہنچایا، مگر اس میں ایک چاندی کا پیالہ تھا جس پر سونے کا ملمع چڑھا ہوا تھا، اور جس کی قیمت ایک ہزار درہم بتائی گئی ہے، وہ نکال کر اپنے پاس رکھ لیا۔ جب وارثوں کو بدیل کی بنائی ہوئی فہرست سامان میں سے ہاتھ لگی تو ان کو اس پیالے کا پتہ چلا، اور انہوں نے تمیم اور عدی سے مطالبہ کیا، انہوں نے صاف قسم کھالی کہ ہم نے سامان میں سے کوئی چیز نہ لی ہے، نہ چھپائی ہے۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد بُدیل کے وارثوں کو پتہ چلا کہ وہ پیالہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ایک سنار کو فروخت کیا ہے۔ اس پر تمیم اور عدی نے اپنا موقف بدلا اور کہا کہ دراصل یہ پیالہ ہم نے بُدیل سے خرید لیا تھا، اور چونکہ خریداری کا کوئی گواہ ہمارے پاس نہیں تھا اس لئے ہم نے پہلے اس بات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اب چونکہ وہ خریداری کے مدعی تھے، اور مدعی پر لازم ہوتا ہے کہ وہ گواہ پیش کرے، اور یہ پیش نہ کرسکے تو قاعدے کے مطابق وارثوں میں سے بدیل کے قریب ترین دو عزیزوں نے قسم کھائی کہ پیالہ بدیل کی ملکیت تھا، اور یہ عیسائی جھوٹ بول رہے ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں فیصلہ کردیا اور عیسائیوں کو پیالے کی قیمت دینی پڑی۔ یہ فیصلہ اسی آیت کریمہ کی روشنی میں ہوا جس میں اس قسم کی صورتِ حال کے لئے ایک عام حکم بھی بتادیا گیا۔

(۷۴) یہ ترجمہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی اختیار کردہ تفسیر پر مبنی ہے جس کی رو سے ''الاولیان'' سے مراد پہلے دو

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

اس طریقے میں اس بات کی زیادہ اُمید ہے کہ لوگ (شروع ہی میں) ٹھیک ٹھیک گواہی دیں یا اس بات سے ڈریں کہ (جھوٹی گواہی کی صورت میں) ان کی قسموں کے بعد لوٹا کر دوسری قسمیں لی جائیں گی (جو ہماری تردید کردیں گی)۔ اور اللہ سے ڈرو، اور (جو کچھ اس کی طرف سے کہا گیا ہے اسے قبول کرنے کی نیت سے) سنو۔ اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿۱۰۸﴾ وہ دن یاد کرو جب اللہ تمام رسولوں کو جمع کرے گا، اور کہے گا کہ ''تمہیں کیا جواب دیا گیا تھا؟'' وہ کہیں گے کہ ''ہمیں کچھ علم نہیں، پوشیدہ باتوں کا تمام تر علم تو آپ ہی کے پاس ہے'' (۷۵) ﴿۱۰۹﴾

گواہ ہیں جنہوں نے خیانت کی تھی۔ وهذا التفسير أولى حسب قراءة "إستحق" على البناء للفاعل كما هو قراءة حفص، بالنظر الى إعراب الآية. أما التفسير الذى جعل "الأوليان" صفة للورثة، فوجهه في الإعراب خفي جدا، لأنه لا يظهر فيها فاعل "إستحق" إلا بتكلف، وراجع روح المعاني والبحر المحيط والتفسير الكبير. نعم يظهر ذلك التفسير في قراءة "استحق" على البناء للمفعول.

(۷۵) قرآنِ کریم کا یہ خاص طریقہ ہے کہ جب وہ اپنے اَحکام بیان فرماتا ہے تو اس کے ساتھ آخرت کا کوئی ذکر یا پچھلی اُمتوں کی فرماں برداری یا نافرمانی کا بھی ذکر فرماتا ہے، تاکہ ان اَحکام پر عمل کرنے کے لئے آخرت کی فکر پیدا ہو، چنانچہ وصیت کے مذکورہ بالا اَحکام کے بعد اب آخرت کے کچھ مناظر بیان فرمائے گئے ہیں، اور چونکہ کچھ پہلے عیسائیوں کے غلط عقائد کا تذکرہ تھا، اس لئے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آخرت میں جو مکالمہ ہوگا اس کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور شروع کی اس آیت میں تمام پیغمبروں سے اس سوال کا ذکر ہے کہ ان کی اُمتوں نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا؟ اس کے جواب میں انہوں نے اپنی لاعلمی کا جو اِظہار کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دُنیا میں تو لوگوں کے ظاہری بیانات پر ہی فیصلہ کرنے کے مجاز تھے، لہٰذا جس کسی نے ایمان کا دعویٰ کیا ہم نے اسے معتبر سمجھ لیا، لیکن یہ معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی راستہ نہیں تھا کہ اس کے دِل میں کیا ہے؟

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًاۢ بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

(یہ واقعہ اس دن ہوگا) جب اللہ کہے گا: ''اے عیسیٰ ابنِ مریم! میرا اِنعام یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کیا تھا، جب میں نے روح القدس کے ذریعے تمہاری مدد کی تھی۔(۷۶) تم لوگوں سے گہوارے میں بھی بات کرتے تھے، اور بڑی عمر میں بھی۔ اور جب میں نے تمہیں کتاب وحکمت اور تورات واِنجیل کی تعلیم دی تھی، اور جب تم میرے حکم سے گارا لے کر اس سے پرندے کی جیسی شکل بناتے تھے، پھر اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ میرے حکم سے (سچ مچ کا) پرندہ بن جاتا تھا، اور تم مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو میرے حکم سے اچھا کردیتے تھے، اور جب تم میرے حکم سے مُردوں کو (زندہ) نکال کھڑا کرتے تھے، اور جب میں نے بنی اسرائیل کو اُس وقت تم سے دُور رکھا جب تم ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے، اور ان میں سے جو کافر تھے انہوں نے کہا تھا کہ یہ کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں۔'' ﴿۱۱۰﴾

آج جبکہ فیصلہ دِلوں کے حال کے مطابق ہونے والا ہے، ہم یقین کے ساتھ کسی کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے، کیونکہ دِلوں کا پوشیدہ حال تو صرف آپ ہی جانتے ہیں۔ البتہ جب لوگوں کے ظاہری رَدِّعمل ہی کے بارے میں انبیائے کرام سے گواہی لی جائے گی تو وہ ان کے ظاہری اعمال کی گواہی دیں گے، جس کا ذکر سورۂ نساء (۴:۴۱) اور سورۂ نحل (۱۶:۸۹) وغیرہ میں آیا ہے۔

(۷۶) تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ (۲:۸۷)۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي ۚ قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۖ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾

ع

جب میں نے حواریوں کے دِل میں یہ بات ڈالی کہ: ’’تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ‘‘ تو انہوں نے کہا: ’’ہم ایمان لے آئے، اور آپ گواہ رہئے کہ ہم فرماں بردار ہیں۔‘‘ ﴿۱۱۱﴾
(اوران کے اس واقعے کا بھی ذکر سنو) جب حواریوں نے کہا تھا کہ: ’’اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا آپ کا پروردگار ایسا کرسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا) ایک خوان اُتارے؟‘‘ عیسیٰ نے کہا: ’’اللہ سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو۔‘‘(۷۷) ﴿۱۱۲﴾ انہوں نے کہا: ’’ہم چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھانا کھائیں، اور اس کے ذریعے ہمارے دِل پوری طرح مطمئن ہوجائیں، اور ہمیں (پہلے سے زیادہ یقین کے ساتھ) یہ معلوم ہوجائے کہ آپ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں شامل ہوجائیں۔‘‘ ﴿۱۱۳﴾ (چنانچہ) عیسیٰ ابنِ مریم نے درخواست کی کہ: ’’یا اللہ! ہم پر آسمان سے ایک خوان اُتار دیجئے جو ہمارے لئے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لئے ایک خوشی کا موقع بن جائے، اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو۔ اور ہمیں یہ نعمت عطا فرما ہی دیجئے، اور آپ سب سے بہتر عطا فرمانے والے ہیں۔‘‘ ﴿۱۱۴﴾

---

(۷۷) یعنی ایک مؤمن کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معجزات کی فرمائش کرے، کیونکہ ایسی فرمائشیں تو عام طور پر کافر لوگ کرتے رہے ہیں۔ البتہ جب انہوں نے یہ وضاحت کی کہ خدانخواستہ اس فرمائش کا منشا ایمان کا فقدان نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو دیکھ کر مکمل اطمینان کا حصول اور ادائے شکر ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دُعا فرمادی۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

ع ۱۵/۷ ۵ — وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ نے کہا کہ: ''میں بیشک تم پر وہ خوان اُتار دُوں گا، لیکن اس کے بعد تم میں سے جو شخص بھی کفر کرے گا اس کو میں ایسی سزا دُوں گا جو دُنیا جہان کے کسی بھی شخص کو نہیں دُوں گا۔''(۷۸) ﴿۱۱۵﴾ اور (اُس وقت کا بھی ذکر سنو) جب اللہ کہے گا کہ: ''اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ کے علاوہ دو معبود بناؤ؟''(۷۹) وہ کہیں گے: ''ہم تو آپ کی ذات کو (شرک سے) پاک سمجھتے ہیں۔ میری مجال نہیں تھی کہ میں ایسی بات کہوں جس کا مجھے کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو آپ کو یقیناً معلوم ہو جاتا۔ آپ وہ باتیں جانتے ہیں جو میرے دِل میں پوشیدہ ہیں، اور میں آپ کی پوشیدہ باتوں کو نہیں جانتا۔ یقیناً آپ کو تمام چھپی ہوئی باتوں کا پورا پورا علم ہے ﴿۱۱۶﴾

(۷۸) قرآنِ کریم نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ پھر وہ خوان آسمان سے اُترا یا نہیں۔ جامع ترمذی کی ایک روایت میں حضرت عمار بن یاسرؓ کا یہ قول مروی ہے کہ خوان اُترا تھا، پھر جن لوگوں نے نافرمانی کی وہ دُنیا ہی میں عذاب کے شکار ہوئے۔ (جامع ترمذی، کتاب التفسیر حدیث نمبر ۳۰۶۱) واللہ اعلم۔

(۷۹) عیسائیوں کے بعض فرقے تو حضرت مریم علیہا السلام کو تثلیث کا ایک حصہ قرار دے کر انہیں معبود مانتے تھے، اور دوسرے بعض فرقے اگرچہ انہیں تثلیث کا حصہ تو قرار نہیں دیتے تھے، لیکن جس طرح ان کی تصویر کلیساؤں میں آویزاں کر کے اس کی پرستش کی جاتی تھی وہ بھی ایک طرح سے ان کو خدائی میں شریک قرار دینے کے مرادف تھی۔ اس لئے یہ سوال کیا گیا ہے۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع ۵

میں نے اِن لوگوں سے اُس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا تھا، اور وہ یہ کہ: ''اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔'' اور جب تک میں ان کے درمیان موجود رہا، میں ان کے حالات سے واقف رہا۔ پھر جب آپ نے مجھے اُٹھالیا تو آپ خود ان کے نگراں تھے، اور آپ ہر چیز کے گواہ ہیں ﴿۱۱۷﴾ اگر آپ ان کو سزا دیں، تو یہ آپ کے بندے ہیں ہی، اور اگر آپ انہیں معاف فرمادیں تو یقیناً آپ کا اقتدار بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل'' ﴿۱۱۸﴾ اللہ کہے گا کہ: ''یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچ فائدہ پہنچائے گا۔ ان کے لئے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور یہ اُس سے خوش ہیں، یہی بڑی زبردست کامیابی ہے'' ﴿۱۱۹﴾ تمام آسمانوں اور زمین اور ان میں جو کچھ ہے اس سب کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۱۲۰﴾

الحمدللہ! آج بتاریخ ۲۳ رمحرم ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۲ رفروری ۲۰۰۶ء کو بروز منگل بوقت نمازِ عشاء سورۂ مائدہ کا ترجمہ اور حواشی مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الأنعَام

تعارف

یہ سورت چونکہ مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام اپنے ابتدائی دور میں تھی، اس لئے اس میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے، اور ان عقائد پر جو اِعتراضات کفار کی طرف سے اُٹھائے جاتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں پر کفارِ مکہ کی طرف سے طرح طرح کے ظلم توڑے جارہے تھے، اس لئے ان کو تسلی بھی دی گئی ہے۔ کفارِ مکہ اپنے مشرکانہ عقائد کے نتیجے میں جن بے ہودہ رسموں اور بے بنیاد خیالات میں مبتلا تھے، ان کی تردید فرمائی گئی ہے۔ عربی زبان میں ''اَنعام'' چوپایوں کو کہتے ہیں۔ عرب کے مشرکین مویشیوں کے بارے میں بہت سے غلط عقیدے رکھتے تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیاد عقائد کی تردید کی گئی ہے، (دیکھئے آیات: ۶: ۱۳۶ تا ۱۴۶) اس لئے اس کا نام سورۃ الانعام رکھا گیا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند آیتوں کو چھوڑ کر یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی تھی، لیکن علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں ان روایتوں پر تنقید کی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

آیاتها ۱۶۵ ۶ سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّةٌ ۵۵ رکوعاتها ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

یہ سورت مکی ہے، اوراس میں ایک سو پینسٹھ آیتیں اور بیس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور اندھیریاں اور روشنی بنائی۔ پھر بھی جن لوگوں نے کفر اپنالیا ہے وہ دوسروں کو (خدائی میں) اپنے پروردگار کے برابر قرار دے رہے ہیں ﴿۱﴾ وہی ذات ہے جس نے تم کو گیلی مٹی سے پیدا کیا، پھر (تمہاری زندگی کی) ایک میعاد مقرر کردی۔ اور (دوبارہ زندہ ہونے کی) ایک متعین میعاد اسی کے پاس ہے۔[1] پھر بھی تم شک میں پڑے ہوئے ہو ﴿۲﴾ اور وہی اللہ آسمانوں میں بھی ہے، اور زمین میں بھی۔ وہ تمہارے چھپے ہوئے بھید بھی جانتا ہے، اور کھلے ہوئے حالات بھی، اور جو کچھ کمائی تم کر رہے ہو، اس سے بھی واقف ہے ﴿۳﴾

---

(۱) یعنی ایک میعاد تو ہر انسان کی انفرادی زندگی کی ہے کہ وہ کب تک جئے گا، شروع میں تو اس کا علم کسی کو نہیں ہوتا، مگر جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو ہر ایک کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی عمر کتنی تھی۔ لیکن مرنے کے بعد جو دوسری زندگی آنے والی ہے، وہ کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝٤ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝٥ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝٦ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝٧

اور (ان کافروں کا حال یہ ہے کہ) ان کے پاس ان کے پروردگار کی نشانیوں میں سے جب بھی کوئی نشانی آتی ہے، تو یہ لوگ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں ﴿۴﴾ چنانچہ جب حق ان کے پاس آگیا تو ان لوگوں نے اسے جھٹلا دیا۔ نتیجہ یہ کہ جس بات کا یہ مذاق اُڑاتے رہے ہیں، جلد ہی ان کو اس کی خبریں پہنچ جائیں گی۔ [۲] ﴿۵﴾ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں! ان کو ہم نے زمین میں وہ اقتدار دیا تھا جو تمہیں نہیں دیا۔ ہم نے ان پر آسمان سے خوب بارشیں بھیجیں، اور ہم نے دریاؤں کو مقرر کر دیا کہ وہ ان کے نیچے بہتے رہیں۔ لیکن پھر ان کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا، اور ان کے بعد دوسری نسلیں پیدا کیں ﴿۶﴾ اور (ان کافروں کا حال یہ ہے کہ) اگر ہم تم پر کوئی ایسی کتاب نازل کر دیتے جو کاغذ پر لکھی ہوئی ہوتی، پھر یہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو کر بھی دیکھ لیتے، تو جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے وہ پھر بھی یہی کہتے کہ یہ کھلے ہوئے جادو کے سوا کچھ نہیں ﴿۷﴾

---

(۲) کفار سے کہا گیا تھا کہ اگر انہوں نے ہٹ دھرمی کا رویہ جاری رکھا تو دُنیا میں بھی ان کا انجام برا ہوگا، اور آخرت میں بھی ان کو عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کفار ان باتوں کا مذاق اُڑاتے تھے۔ آیت ان کو متنبہ کر رہی ہے کہ جس بات کا وہ مذاق اُڑا رہے ہیں، عنقریب وہ ایک حقیقت بن کر ان کے سامنے آجائے گی۔

وَقَالُوا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ﴿٨﴾ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ ع

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ: ''اس (پیغمبر) پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اُتارا گیا؟'' حالانکہ اگر ہم کوئی فرشتہ اتار دیتے تو سارا کام ہی تمام ہو جاتا، پھر ان کو کوئی مہلت نہ دی جاتی[۳] ﴿۸﴾ اور اگر ہم فرشتے ہی کو پیغمبر بناتے، تب بھی اسے کسی مرد ہی (کی شکل میں) بناتے، اور ان کو پھر ہم اسی شبہے میں ڈال دیتے جس میں اب مبتلا ہیں۔[۴] ﴿۹﴾ اور (اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کا مذاق اُڑایا گیا ہے، لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اِن میں سے جن لوگوں نے مذاق اُڑایا تھا، ان کو اسی چیز نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اُڑایا کرتے تھے ﴿۱۰﴾

(۳) یہ دُنیا چونکہ انسان کے امتحان کے لئے بنائی گئی ہے، اس لئے انسان سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اللہ تعالیٰ پر اور اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب کوئی غیبی حقیقت آنکھوں سے دِکھادی جاتی ہے تو اس کے بعد ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص موت کے فرشتوں کو دیکھ کر اِیمان لائے تو اس کا ایمان قابلِ قبول نہیں۔ کفار کا مطالبہ یہ تھا کہ اگر کوئی فرشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتا ہے تو وہ اس طرح آئے کہ ہم اسے دیکھ سکیں۔ قرآنِ کریم نے اس کا پہلا جواب تو یہ دیا ہے کہ اگر فرشتے کو انہوں نے آنکھ سے دیکھ لیا تو پھر مذکورہ بالا اُصول کے مطابق ان کا ایمان معتبر نہیں ہوگا، اور پھر انہیں اتنی مہلت نہیں ملے گی کہ یہ ایمان لاسکیں۔ دوسرا جواب اگلے جملے میں ہے۔

(۴) یعنی اگر کسی فرشتے ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجتے، یا پیغمبر کی تصدیق کے لئے لوگوں کے سامنے بھیجتے تب بھی اس کو اِنسانی شکل ہی میں بھیجنا پڑتا، کیونکہ کسی انسان میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی فرشتے کو دیکھ سکے۔ اس صورت میں پھر یہ کافر لوگ وہی اعتراض دُہراتے کہ یہ تو ہم جیسا ہی آدمی ہے۔ اس کو ہم پیغمبر کیسے مان لیں؟

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾

(ان کافروں سے) کہو کہ: ''ذرا زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ (پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا؟''(۵) ﴿۱۱﴾ (ان سے) پوچھو کہ: ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ کس کی ملکیت ہے؟'' (پھر اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی) کہہ دو کہ: ''اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ اس نے رحمت کو اپنے اُوپر لازم کر رکھا ہے۔ (اس لئے توبہ کرلو تو پچھلے سارے گناہ معاف کردے گا، ورنہ) وہ تم سب کو ضرور بالضرور قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں ہے، (لیکن) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لئے گھاٹے کا سودا کر رکھا ہے، وہ (اس حقیقت پر) ایمان نہیں لاتے ﴿۱۲﴾ اور رات اور دن میں جتنی مخلوقات آرام پاتی ہیں، سب اسی کے قبضے میں ہیں،(۶) اور وہ ہر بات کو سنتا، ہر چیز کو جانتا ہے۔'' ﴿۱۳﴾

---

(۵) مشرکینِ عرب شام کے تجارتی سفر کے دوران ثمود اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بستیوں سے گذرا کرتے تھے جہاں ان قوموں کی تباہی کے آثار انہیں آنکھوں سے نظر آتے تھے۔ قرآنِ کریم انہیں دعوت دے رہا ہے کہ وہ ان قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

(۶) غالباً اشارہ اس طرف ہے کہ رات اور دن کے اوقات میں جب لوگ سوتے ہیں تو دوبارہ بیدار بھی ہوجاتے ہیں، حالانکہ نیند بھی ایک چھوٹی موت ہے جس میں انسان دُنیا سے بے خبر اور بالکل بے اختیار ہوجاتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہوتا ہے، اس لئے جب وہ چاہتا ہے اسے بیداری کی دُنیا میں واپس لے آتا ہے۔ اسی طرح جب بڑی موت آئے گی تب بھی انسان اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہوگا، اور وہ جب چاہے گا، اُسے دوبارہ زندگی دے کر قیامت کے یوم حساب کی طرف لے جائے گا۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّیْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِیْ وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ

کہہ دو کہ: ''کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو رکھوالا بناؤں؟ (اُس اللہ کو چھوڑ کر) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اور جو سب کو کھلاتا ہے، کسی سے کھاتا نہیں؟'' کہہ دو کہ: ''مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ فرماں برداری میں سب لوگوں سے پہل کرنے والا میں بنوں'' اور تم مشرکوں میں ہرگز شامل نہ ہونا ﴿۱۴﴾ کہہ دو کہ: ''اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک زبردست دن کے عذاب کا خوف ہے۔'' ﴿۱۵﴾ جس کسی شخص سے اس دن وہ عذاب ہٹا دیا گیا، اس پر اللہ نے بڑا رحم کیا، اور یہی واضح کامیابی ہے ﴿۱۶﴾ اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو خود اس کے سوا اسے دُور کرنے والا کوئی نہیں، اور اگر وہ تمہیں کوئی بھلائی پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہی ہے ﴿۱۷﴾ اور وہ اپنے بندوں کے اُوپر مکمل اقتدار رکھتا ہے، اور وہ حکیم بھی ہے، پوری طرح باخبر بھی ﴿۱۸﴾ کہو: ''کونسی چیز ایسی ہے جو (کسی بات کی) گواہی دینے کے لئے سب سے اعلیٰ درجے کی ہو؟'' کہو: ''اللہ! (اور وہی) میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اور مجھ پر یہ قرآن وحی کے طور پر اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے میں تمہیں بھی ڈراؤں، اور ان سب کو بھی جنہیں یہ قرآن پہنچے۔

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ ۚ قُلْ لَا أَشْهَدُ ۚ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ
وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا
يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ ۘ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢١﴾ وَيَوْمَ
نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ
تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾

کیا سچ مچ تم یہ گواہی دے سکتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟'' کہہ دو کہ: ''میں تو ایسی گواہی نہیں دوں گا۔'' کہہ دو کہ: ''وہ تو صرف ایک خدا ہے، اور جن جن چیزوں کو تم اس کی خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سب سے بیزار ہوں۔'' ﴿۱۹﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ ان کو (یعنی خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کو) اس طرح پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ (پھر بھی) جن لوگوں نے اپنی جانوں کے لئے گھاٹے کا سودا کر رکھا ہے، وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۲۰﴾ اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جو اللہ پر جھوٹا بہتان باندھے، یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے؟ یقین رکھو کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پا سکتے ﴿۲۱﴾ اُس دن (کو یاد رکھو) جب ہم اِن سب کو اِکٹھا کریں گے، پھر جن لوگوں نے شرک کیا ہوگا ان سے پوچھیں گے کہ: ''کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کے بارے میں تم یہ دعوی کرتے تھے کہ وہ خدائی میں اللہ کے شریک ہیں؟'' ﴿۲۲﴾ اُس وقت اُن کے پاس کوئی بہانہ نہیں ہوگا، سوائے اِس کے کہ وہ کہیں گے: ''اللہ کی قسم جو ہمارا پروردگار ہے، ہم تو مشرک نہیں تھے۔''(۷) ﴿۲۳﴾

---

(۷) شروع میں تو وہ بوکھلاہٹ کے عالم میں جھوٹ بول جائیں گے، لیکن پھر قرآنِ کریم ہی نے سورۂ یٰسٓ (۳۶:۶۵) اور سورۂ حٰم السجدہ (۴۱:۲۱) میں بیان فرمایا ہے کہ خود ان کے ہاتھ پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے،

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾

دیکھو! یہ اپنے معاملے میں کس طرح جھوٹ بول جائیں گے، اور جو (معبود) انہوں نے جھوٹ موٹ تراش رکھے تھے، اُن کا اِنہیں کوئی سراغ نہیں مل سکے گا! ﴿۲۴﴾ اور اِن میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو تمہاری بات کان لگا کر سنتے ہیں، مگر (چونکہ یہ سننا طلبِ حق کے بجائے ضد پر اَڑے رہنے کے لئے ہوتا ہے، اس لئے) ہم نے ان کے دِلوں پر ایسے پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اس کو سمجھتے نہیں ہیں، اور ان کے کانوں میں بہرا پن پیدا کر دیا ہے۔ اور اگر وہ ایک ایک کر کے ساری نشانیاں دیکھ لیں تب بھی وہ ان پر ایمان نہیں لائیں گے۔ انتہا یہ ہے کہ جب تمہارے پاس جھگڑا کرنے کے لئے آتے ہیں تو یہ کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) پچھلے لوگوں کی داستانوں کے سوا کچھ نہیں ﴿۲۵﴾ اور یہ دوسروں کو بھی اس (قرآن) سے روکتے ہیں، اور خود بھی اس سے دُور رہتے ہیں۔ اور (اس طرح) وہ اپنی جانوں کے سوا کسی اور کو ہلاکت میں نہیں ڈال رہے، لیکن ان کو احساس نہیں ہے ﴿۲۶﴾ اور (بڑا ہولناک نظارہ ہوگا) اگر تم وہ وقت دیکھو جب ان کو دوزخ پر کھڑا کیا جائے گا، اور یہ کہیں گے: "اے کاش! ہمیں واپس (دُنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ اس بار ہم اپنے پروردگار کی نشانیوں کو نہ جھٹلائیں، اور ہمارا شمار مؤمنوں میں ہو جائے!" ﴿۲۷﴾

اور ان کا سارا جھوٹ کھل جائے گا۔ اس موقع کے لئے سورۂ نساء (۴:۴۲) میں پیچھے گذرا ہے کہ وہ کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے، اور آگے اسی سورت کی آیت نمبر ۱۳۰ میں آرہا ہے کہ وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

حالانکہ (ان کی یہ آرزو بھی سچی نہ ہوگی) بلکہ دراصل وہ چیز (یعنی آخرت) ان کے سامنے کھل کر آچکی ہوگی جسے وہ پہلے چھپایا کرتے تھے، (اس لئے مجبوراً یہ دعویٰ کریں گے) ورنہ اگر ان کو واقعی واپس بھیجا جائے تو یہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے، اور یقین جانو یہ پکے جھوٹے ہیں ﴿۲۸﴾ یہ تو یوں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے بس یہی دُنیوی زندگی ہے، اور ہم مر کر دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے ﴿۲۹﴾ اور اگر تم وہ وقت دیکھو جب یہ اپنے رَبّ کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے! وہ کہے گا: "کیا یہ (دوسری زندگی) حق نہیں ہے؟" وہ کہیں گے: "بیشک ہمارے رَبّ کی قسم!" اللہ کہے گا: "تو پھر چکھو عذاب کا مزہ، کیونکہ تم کفر کیا کرتے تھے۔" ﴿۳۰﴾ حقیقت یہ ہے کہ بڑے خسارے میں ہیں وہ لوگ جنھوں نے اللہ سے جا ملنے کو جھٹلایا ہے! یہاں تک کہ جب قیامت اچانک ان کے سامنے آکھڑی ہوگی تو وہ کہیں گے: "ہائے افسوس! کہ ہم نے اس (قیامت) کے بارے میں بڑی کوتاہی کی۔" اور وہ (اس وقت) اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے ہوں گے۔ (لہٰذا) خبردار رہو کہ بہت برا بوجھ ہے جو یہ لوگ اُٹھا رہے ہیں ﴿۳۱﴾

وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۲﴾ قَدۡ نَعۡلَمُ اِنَّهٗ لَيَحۡزُنُكَ الَّذِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ فَاِنَّهُمۡ لَا يُكَذِّبُوۡنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدۡ كُذِّبَتۡ رُسُلٌ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَصَبَرُوۡا عَلٰى مَا كُذِّبُوۡا وَاُوۡذُوۡا حَتّٰٓى اَتٰٮهُمۡ نَصۡرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدۡ جَآءَكَ مِنۡ نَّبَاِى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ﴿۳۴﴾

اور دُنیوی زندگی تو ایک کھیل تماشے کے سوا کچھ نہیں،(۸) اور یقین جانو کہ جو لوگ تقویٰ اختیار کرتے ہیں، ان کے لئے آخرت والا گھر کہیں زیادہ بہتر ہے۔ تو کیا اتنی سی بات تمہاری عقل میں نہیں آتی؟ ﴿۳۲﴾ (اے رسول!) ہمیں خوب معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں ان سے تمہیں رنج ہوتا ہے، کیونکہ دراصل یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، بلکہ یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔(۹) ﴿۳۳﴾ اور حقیقت یہ ہے کہ تم سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا ہے۔ پھر جس طرح انہیں جھٹلایا گیا اور تکلیفیں دی گئیں، اس سب پر انہوں نے صبر کیا، یہاں تک کہ ہماری مدد ان کو پہنچ گئی۔ اور کوئی نہیں ہے جو اللہ کی باتوں کو بدل سکے۔ اور (پچھلے) رسولوں کے کچھ واقعات آپ تک پہنچ ہی چکے ہیں ﴿۳۴﴾

---

(۸) یہ بات کافروں کے اس بیان کے جواب میں کہی گئی ہے جو آیت نمبر ۲۹ میں اُوپر گذرا ہے کہ: ''جو کچھ ہے بس یہی دُنیوی زندگی ہے'' جواب میں فرمایا گیا ہے کہ آخرت کی ابدی زندگی کے مقابلے میں چند روز کی دُنیوی زندگی، جسے تم سب کچھ سمجھ رہے ہو، کھیل تماشے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اَحکام کی پروا کئے بغیر دُنیا میں زندگی گذارتے ہیں تو جس عیش وآرام کو وہ اپنا مقصدِ زندگی بناتے ہیں، آخرت میں جاکر ان کو پتہ لگ جائے گا کہ اس کی حیثیت کھیل تماشے کی سی تھی۔ ہاں! جو لوگ دُنیا کو آخرت کی کھیتی بنا کر زندگی گذارتے ہیں، ان کے لئے دُنیوی زندگی بھی بڑی نعمت ہے۔

(۹) یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو صرف اپنی ذات کے جھٹلانے سے اتنا زیادہ رنج نہ ہوتا، لیکن زیادہ رنج کی

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

الصف۔ وقف غفران

اور اگر ان لوگوں کا منہ موڑے رہنا تمہیں بہت بھاری معلوم ہورہا ہے تو اگر تم زمین کے اندر (جانے کے لئے) کوئی سرنگ یا آسمان میں (چڑھنے کے لئے) کوئی سیڑھی ڈھونڈ سکتے ہو، تو ان کے پاس (ان کا منہ مانگا یہ) معجزہ لے آؤ۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔ لہٰذا تم نادانوں میں ہرگز شامل نہ ہونا۔[10] ﴿۳۵﴾ بات تو وہی لوگ مان سکتے ہیں جو (حق کے طالب بن کر) سنیں۔ جہاں تک ان مُردوں کا تعلق ہے، ان کو تو اللہ ہی قبروں سے اُٹھائے گا، پھر یہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿۳۶﴾ یہ لوگ کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی ہیں تو) ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اُتاری گئی؟ تم (ان سے) کہو کہ اللہ بیشک اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی نازل کردے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس کا انجام) نہیں جانتے۔[11] ﴿۳۷﴾

وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ آیت کے یہ معنیٰ الفاظِ قرآن کے بھی زیادہ مطابق ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج سے بھی زیادہ مطابقت رکھتے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے معجزات عطا فرمائے تھے، جن میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآنِ کریم تھا، کیونکہ آپ کے اُمّی ہونے کے باوجود یہ فصیح و بلیغ کلام آپ پر نازل ہوا جس کے آگے بڑے بڑے ادیبوں اور شاعروں نے گھٹنے ٹیک دیئے، اور کسی نے وہ چیلنج قبول نہ کیا جو سورۂ بقرہ (۲:۲۳) وغیرہ میں دیا گیا تھا۔ اسی کی طرف سورۂ عنکبوت (۲۹:۵۱) میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ تنہا یہی معجزہ ایک حق کے طلب گار کے لئے کافی ہونا چاہئے تھا۔ لیکن کفارِ مکہ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے ہر روز نت نئے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے

تھے۔اس سلسلے میں جس قسم کے بیہودہ مطالبات وہ کرتے تھے، ان کی ایک فہرست قرآنِ کریم نے سورۂ بنی اسرائیل (۱۷:۸۹-۹۳) میں بھی بیان فرمائی ہے۔اس پر کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ خیال ہوتا تھا کہ اگران کے فرمائشی معجزات میں سے کوئی معجزہ دِکھا دیا جائے تو شاید یہ لوگ ایمان لاکر جہنم سے بچ جائیں۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مشفقانہ خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ درحقیقت ان کے یہ مطالبات محض ہٹ دھرمی پر مبنی ہیں، اور جیسا کہ پیچھے آیت نمبر ۲۵ میں کہا گیا ہے، یہ اگر ساری نشانیاں دیکھ لیں گے تب بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے ان کے مطالبات کو پورا کرنا نہ صرف بیکار ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کے خلاف ہے جس کی طرف اشارہ آگے آیت نمبر ۳۷ میں آرہا ہے۔ہاں اگر آپ خود ان کے مطالبات پورے کرنے کے لئے ان کے کہنے کے مطابق زمین کے اندر جانے کے لئے کوئی سرنگ بناسکیں یا آسمان پر چڑھنے کے لئے کوئی سیڑھی ایجاد کرسکیں تو یہ بھی کر دیکھیں۔اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر آپ ایسا نہیں کرسکتے۔اس لئے یہ فکر چھوڑ دیجئے کہ ان کے منہ مانگے معجزات انہیں دِکھائے جائیں۔پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دِین کا پابند بنادیتا، لیکن درحقیقت انسان کو دُنیا میں بھیجنے کا بنیادی مقصد اِمتحان ہے، اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں، اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رسالت اور آخرت پر اِیمان لائے۔انبیائے کرام لوگوں کی فرمائش پر نت نئے کرشمے دِکھانے کے لئے نہیں، ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لئے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جن کے دِل میں حق کی طلب ہو۔اور جو لوگ اپنی ضد پر اڑے رہنے کی قسم کھاچکے ہوں، ان کے لئے نہ کوئی بڑی سے بڑی دلیل کارآمد ہوسکتی ہے، نہ کوئی بڑے سے بڑا معجزہ۔

(۱۱) اس آیت میں فرمائشی معجزات نہ دِکھانے کی ایک اور وجہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ پچھلی قوموں کو جب کبھی ان کا مانگا ہوا معجزہ دِکھایا گیا ہے تو ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی کردی گئی ہے کہ اگر اس کے باوجود وہ ایمان نہ لائے تو انہیں اس دُنیا ہی میں ہلاک کردیا جائے گا، چنانچہ کئی قومیں اسی طرح ہلاک ہوئیں۔چونکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کہ کفارِ مکہ میں سے اکثر لوگ ہٹ دھرم ہیں، اور وہ فرمائشی معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق وہ ہلاک ہوں گے۔اور اللہ تعالیٰ کو ابھی یہ منظور نہیں ہے کہ انہیں عذابِ عام کے ذریعے ہلاک کیا جائے۔لہٰذا جو لوگ فرمائشی معجزات کا مطالبہ کررہے ہیں وہ اس کے انجام سے ناواقف ہیں۔ہاں جن لوگوں کو اِیمان لانا ہے، وہ مطلوبہ معجزات کے بغیر دوسرے دلائل اور معجزات دیکھ کر خود اِیمان لے آئیں گے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ أَرَءَيْتَكُمْ إِنْ أَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ إِلَيْهِ إِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع وَلَقَدْ أَرْسَلْنَآ إِلٰٓى أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَخَذْنٰهُمْ بِالْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور زمین میں جتنے جانور چلتے ہیں، اور جتنے پرندے اپنے پروں سے اُڑتے ہیں، وہ سب مخلوقات کی تم جیسی ہی اصناف ہیں۔ ہم نے کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔ پھر ان سب کو جمع کر کے ان کے پروردگار کی طرف لے جایا جائے گا۔[۱۲] ﴿۳۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے وہ اندھیروں میں بھٹکتے بھٹکتے بہرے اور گونگے ہو چکے ہیں۔[۱۳] اللہ جسے چاہتا ہے، (اس کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے) گمراہی میں ڈال دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے ﴿۳۹﴾ (ان کافروں) سے کہو: ''اگر تم سچے ہو تو ذرا یہ بتاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے، یا تم پر قیامت ٹوٹ پڑے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ بلکہ اُسی کو پکارو گے، پھر جس پریشانی کے لئے تم نے اُسے پکارا ہے، اگر وہ چاہے گا تو اُسے دُور کر دے گا، اور جن (دیوتاؤں) کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو (اُس وقت) ان کو بھول جاؤ گے۔''[۱۴] ﴿۴۰-۴۱﴾

اور (اے پیغمبر!) تم سے پہلے ہم نے بہت سی قوموں کے پاس پیغمبر بھیجے، پھر ہم نے (ان کی نافرمانی کی بنا پر) انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں گرفتار کیا، تاکہ وہ عجز و نیاز کا شیوہ اپنائیں۔ ﴿۴۲﴾

---

(۱۲) اس آیت نے یہ بتایا ہے کہ مرنے کے بعد دوسری زندگی صرف انسانوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ

تمام جانوروں کو بھی قیامت کے بعد حشر کے دن زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا۔ ''تم جیسی ہی اصناف ہیں'' کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تمہیں دوسری زندگی دی جائے گی، اسی طرح ان کو بھی دوسری زندگی ملے گی۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے کہ جانوروں نے دُنیا میں ایک دوسرے پر جو ظلم کئے ہوں گے، میدانِ حشر میں مظلوم جانور کو حق دیا جائے گا کہ وہ ظالم سے بدلہ لے۔ اس کے بعد چونکہ وہ حقوق اللہ کے مکلّف نہیں ہیں، اس لئے ان پر دوبارہ موت طاری کردی جائے گی۔ یہاں اس حقیقت کو بیان فرمانے کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ کفارِ عرب مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ سارے کے سارے انسان جو مر کر مٹی ہو چکے ہوں گے ان کو دوبارہ کیسے جمع کیا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ صرف انسانوں ہی کو نہیں، جانوروں کو بھی زندہ کیا جائے گا، حالانکہ جانوروں کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ دُنیا کی ابتدا سے انتہا تک کے بے شمار انسانوں اور جانوروں کے گلے سڑے اجزاء کا کیسے پتہ لگایا جائے گا؟ تو اس کا جواب اگلے جملے میں یہ دیا گیا ہے کہ لوحِ محفوظ میں ہر بات درج ہے، اور یہ ایسا ریکارڈ ہے جس میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی ہے، لہٰذا نہ انسانوں کو جمع کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل ہے، نہ جانوروں کا۔

(۱۳) یعنی اپنے اختیار سے گمراہی کو اپنا کر انہوں نے حق سننے اور کہنے کی صلاحیت ہی ختم کرلی ہے۔ یاد رہے کہ یہ ترجمہ "فی الظلمٰت" کو "صمّ وبکم" سے حال قرار دینے پر مبنی ہے جسے علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے راجح قرار دیا ہے۔

(۱۴) عرب کے مشرکین یہ مانتے تھے کہ اس کائنات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، لیکن ساتھ ہی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس کی خدائی میں دوسرے بہت سے دیوتا اس طرح شریک ہیں کہ خدائی کے بہت سے اختیارات ان کو حاصل ہیں۔ اب ہوتا یہ تھا کہ وہ ان دیوتاؤں کو خوش رکھنے کی نیت سے ان کی پرستش کرتے رہتے تھے، مگر جب کوئی ناگہانی آفت آپڑتی تھی، مثلاً سمندر میں سفر کرتے ہوئے پہاڑ جیسی موجوں میں گھر جاتے تھے تو اپنے گھڑے ہوئے دیوتاؤں کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ یہاں ان کی اس عادت کے حوالے سے یہ سوال کیا جارہا ہے کہ جب دُنیا کی ان مصیبتوں میں تم اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو تو اگر کوئی بڑا عذاب آجائے، یا قیامت ہی آکھڑی ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو گے۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فَرِحُوْا بِمَاۤ اُوْتُوْۤا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب ان کے پاس ہماری طرف سے سختی آئی تھی، اس وقت وہ عاجزی کا رویہ اختیار کرتے؟ بلکہ ان کے دِل تو اور سخت ہوگئے، اور جو کچھ وہ کر رہے تھے، شیطان نے اُنہیں یہ سجھایا کہ وہی بڑے شاندار کام ہیں ﴿۴۳﴾ پھر انہیں جو نصیحت کی گئی تھی، جب وہ اسے بھلا بیٹھے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے،(۱۵) یہاں تک کہ جو نعمتیں انہیں دی گئی تھیں، جب وہ اُن پر اِترانے لگے تو ہم نے اچانک ان کو آ پکڑا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بالکل مایوس ہوکر رہ گئے ﴿۴۴﴾ اس طرح جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دی گئی، اور تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۴۵﴾

---

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے پچھلی اُمتوں کے ساتھ یہ معاملہ فرمایا ہے کہ انہیں متنبہ کرنے کے لئے انہیں کچھ سختیوں میں بھی مبتلا فرمایا، تاکہ وہ لوگ جن کے دِل سختی کی حالت میں نرم پڑتے ہیں، سوچنے سمجھنے کی طرف مائل ہوسکیں، پھر ان کو خوب خوشحالی عطا فرمائی تاکہ جو لوگ خوشحالی میں حق قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، وہ کچھ سبق لے سکیں۔ جب دونوں حالتوں میں لوگ گمراہی پر قائم رہے، تب ان پر عذاب نازل کیا گیا۔ یہی بات قرآنِ کریم نے سورۂ اعراف (۷: ۹۴-۹۵) میں بھی بیان فرمائی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہو: ''ذرا مجھے بتاؤ کہ اگر اللہ تمہاری سننے کی طاقت اور تمہاری آنکھیں تم سے چھین لے اور تمہارے دِلوں پر مہر لگادے، تو اللہ کے سوا کونسا معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں لا کر دیدے؟'' دیکھو، ہم کیسے کیسے مختلف طریقوں سے دلائل بیان کرتے ہیں، پھر بھی یہ لوگ منہ پھیر لیتے ہیں ﴿۴۶﴾ کہو: ''ذرا یہ بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تمہارے پاس اچانک آئے یا اعلان کر کے، دونوں صورتوں میں کیا ظالموں کے سوا کسی اور کو ہلاک کیا جائے گا؟''[(۱۶)] ﴿۴۷﴾ ہم پیغمبروں کو اسی لئے تو بھیجتے ہیں کہ وہ (نیکیوں پر) خوشخبری سنائیں، (اور نافرمانی پر اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں۔ چنانچہ جو لوگ ایمان لے آئے اور اپنی اصلاح کر لی، ان کو نہ کوئی خوف ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿۴۸﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کو عذاب پہنچ کر رہے گا، کیونکہ وہ نافرمانی کے عادی تھے ﴿۴۹﴾

---

(۱۶) کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی کہتے تھے کہ اللہ کے جس عذاب سے آپ ہمیں ڈراتے ہیں، تو وہ عذاب ابھی کیوں نہیں آجاتا؟ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر عذاب آیا تو مؤمن کافر سبھی ہلاک ہوجائیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا جارہا ہے کہ ہلاک تو وہ ہوں گے جنہوں نے شرک اور ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

(اے پیغمبر!) ان سے کہو: ''میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب کا (پورا) علم رکھتا ہوں، اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔(۱۷) میں تو صرف اُس وحی کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر نازل کی جاتی ہے۔'' کہو کہ: ''کیا ایک اندھا اور دُوسرا بینائی رکھنے والا دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ پھر کیا تم غور نہیں کرتے؟'' ﴿۵۰﴾ اور (اے پیغمبر!) تم اِس وحی کے ذریعے اُن لوگوں کو خبردار کرو جو اس بات کا خوف رکھتے ہیں کہ ان کو ان کے پروردگار کے پاس ایسی حالت میں جمع کر کے لایا جائے گا کہ اس کے سوا نہ ان کا کوئی یار و مددگار ہوگا، نہ کوئی سفارشی،(۱۸) تا کہ وہ لوگ تقویٰ اختیار کرلیں ﴿۵۱﴾

(۱۷) یہ ان مطالبات کا جواب ہے جو کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کرتے تھے کہ اگر تم پیغمبر ہو تو دولت کے خزانے تمہارے پاس ہونے چاہئیں، لہٰذا فلاں فلاں معجزات دِکھاؤ۔ جواب میں فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدائی کے اختیارات مجھے حاصل ہوگئے ہیں، یا مجھے مکمل علم غیب حاصل ہے یا میں فرشتہ ہوں۔ پیغمبر ہونے کا مطلب صرف یہ ہے کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے اور میں اسی کا اِتباع کرتا ہوں۔

(۱۸) یہ درحقیقت مشرکین کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو اپنا مستقل سفارشی سمجھتے تھے۔ لہٰذا اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شفاعت کی تردید نہیں ہوتی جو آپ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے مؤمنوں کے لئے کریں گے۔ کیونکہ دوسری آیتوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے شفاعت ممکن ہے (مثلاً دیکھئے: سورۂ بقرہ آیت نمبر ۲۵۵)۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور اُن لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنا جو صبح وشام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پکارتے رہتے ہیں۔[(۱۹)] اِن کے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور تمہارے حساب میں جو اعمال ہیں اُن میں سے کسی کی ذمہ داری اُن پر نہیں ہے جس کی وجہ سے تم انہیں نکال باہر کرو، اور ظالموں میں شامل ہو جاؤ ﴿۵۲﴾ اسی طرح ہم نے کچھ لوگوں کو کچھ دوسروں کے ذریعے آزمائش میں ڈالا ہے[(۲۰)] تا کہ وہ (ان کے بارے میں) یہ کہیں کہ: "کیا یہ ہیں وہ لوگ جن کو اللہ نے ہم سب کو چھوڑ کر احسان کرنے کے لئے چنا ہے[(۲۱)]؟" کیا (جو کافر یہ بات کہہ رہے ہیں اُن کے خیال میں) اللہ اپنے شکر گذار بندوں کو دوسروں سے زیادہ نہیں جانتا؟ ﴿۵۳﴾

---

(۱۹) قریشِ مکہ کے کچھ سرداروں نے یہ کہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد غریب اور کم حیثیت قسم کے لوگ بکثرت رہتے ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کی مجلس میں بیٹھنا ہماری توہین ہے۔ اگر آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے اُٹھادیں تو ہم آپ کی بات سننے کے لئے آسکتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

(۲۰) مطلب یہ ہے کہ غریب مسلمان اس حیثیت سے ان امیر کافروں کے لئے ایک آزمائش کا سبب بن گئے ہیں کہ آیا یہ لوگ اصل اہمیت حق بات کو دیتے ہیں یا صرف اس وجہ سے حق کا انکار کر دیتے ہیں کہ اس کے ماننے والے غریب لوگ ہیں۔

(۲۱) یہ کافروں کا فقرہ ہے جو وہ غریب مسلمانوں کے بارے میں طنزیہ انداز میں کہتے تھے۔ یعنی (معاذ اللہ) ساری دُنیا میں سے یہی کم حیثیت لوگ اللہ تعالیٰ کو ملے تھے جن پر وہ احسان کر کے انہیں جنت کا مستحق قرار دے؟

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ

اور جب تمہارے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو ان سے کہو: ''سلامتی ہو تم پر! تمہارے پروردگار نے اپنے اُوپر رحمت کا یہ معاملہ کرنا لازم کرلیا ہے کہ اگر تم میں سے کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے، پھر اس کے بعد توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کرلے تو اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۵۴﴾ اور ہم اسی طرح نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں، (تاکہ سیدھا راستہ بھی واضح ہوجائے) اور تاکہ مجرموں کا راستہ بھی کھل کر سامنے آجائے ﴿۵۵﴾ (اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ''تم اللہ کے سوا جن (جھوٹے خداؤں) کو پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا ہے۔'' کہو کہ: ''میں تمہاری خواہشات کے پیچھے نہیں چل سکتا۔ اگر میں ایسا کروں گا تو گمراہ ہوں گا، اور میرا شمار ہدایت یافتہ لوگوں میں نہیں ہوگا'' ﴿۵۶﴾ کہو کہ: ''مجھے اپنے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل مل چکی ہے جس پر میں قائم ہوں، اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ جس چیز کے جلدی آنے کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ میرے پاس موجود نہیں ہے۔[22]

(۲۲) یہ آیات کفار کے اس مطالبے کے جواب میں نازل ہوئی ہیں کہ جس عذاب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ڈرا رہے ہیں وہ ہم پر فوراً کیوں نازل نہیں ہوتا؟ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عذاب نازل کرنے اور اس کا صحیح وقت اور مناسب طریقہ طے کرنے کا مکمل اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، جس کا فیصلہ وہ اپنی حکمت سے کرتا ہے۔

اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الۡحَقَّ وَهُوَ خَيۡرُ الۡفٰصِلِيۡنَ ﴿۵۷﴾ قُلۡ لَّوۡ اَنَّ عِنۡدِىۡ مَا تَسۡتَعۡجِلُوۡنَ بِهٖ لَقُضِىَ الۡاَمۡرُ بَيۡنِىۡ وَبَيۡنَكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعۡلَمُ مَا فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ وَمَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَلَا رَطۡبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ بِالَّيۡلِ وَيَعۡلَمُ مَا جَرَحۡتُمۡ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبۡعَثُكُمۡ فِيۡهِ لِيُقۡضٰۤى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيۡهِ مَرۡجِعُكُمۡ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۰﴾ وَهُوَ الۡقَاهِرُ فَوۡقَ عِبَادِهٖ وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً ؕ ع ۵ ۱۳

حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں چلتا۔ وہ حق بات بیان کردیتا ہے، اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" ﴿۵۷﴾ کہو کہ: "جس چیز کی تم جلدی مچا رہے ہو، اگر وہ میرے پاس ہوتی تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔" ﴿۵۸﴾ اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے وہ اس سے واقف ہے۔ کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جس کا اسے علم نہ ہو، اور زمین کی اندھیریوں میں کوئی دانہ یا کوئی خشک یا تر چیز ایسی نہیں ہے جو ایک کھلی کتاب میں درج نہ ہو ﴿۵۹﴾ اور وہی ہے جو رات کے وقت (نیند میں) تمہاری روح (ایک حد تک) قبض کرلیتا ہے، اور دن بھر میں تم نے جو کچھ کیا ہوتا ہے، اسے خوب جانتا ہے، پھر اس (نئے دن) میں تمہیں نئی زندگی دیتا ہے، تاکہ (تمہاری عمر کی) مقررہ مدت پوری ہوجائے۔ پھر اسی کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے ﴿۶۰﴾ وہی اپنے بندوں پر مکمل اقتدار رکھتا ہے، اور تمہارے لئے نگہبان (فرشتے) بھیجتا ہے، (۲۳)

(۲۳) نگہبان فرشتوں سے مراد وہ فرشتے بھی ہوسکتے ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں، اور وہ بھی جو ہر انسان کی جسمانی حفاظت پر مقرر ہیں، اور جن کا ذکر سورۂ رعد (۱۳:۱۱) میں آیا ہے۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا یُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ یُّنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْیَةً ۚ لَىِٕنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ یُنَجِّیْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰۤی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسَكُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اس کو پورا پورا وصول کر لیتے ہیں، اور وہ ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتے ﴿۶۱﴾ پھر ان سب کو اللہ کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جو ان کا مولائے برحق ہے۔ یاد رکھو! حکم اسی کا چلتا ہے، اور وہ سب سے زیادہ جلدی حساب لینے والا ہے ﴿۶۲﴾ کہو: ”خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے اُس وقت کون تمہیں نجات دیتا ہے جب تم اسے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارتے ہو، (اور یہ کہتے ہو کہ) اگر اُس نے ہمیں اِس مصیبت سے بچالیا تو ہم ضرور بالضرور شکرگذار بندوں میں شامل ہوجائیں گے؟“ ﴿۶۳﴾ کہو: ”اللہ ہی تمہیں اس مصیبت سے بھی بچاتا ہے، اور ہر دوسری تکلیف سے بھی، پھر بھی تم شرک کرتے ہو۔“ ﴿۶۴﴾ کہو کہ: ”وہ اس بات پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے کہ تم پر کوئی عذاب تمہارے اُوپر سے بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (نکال دے) یا تمہیں مختلف ٹولیوں میں بانٹ کر ایک دوسرے سے بھڑادے، اور ایک دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھادے۔ دیکھو! ہم کس طرح مختلف طریقوں سے اپنی نشانیاں واضح کر رہے ہیں، تاکہ یہ کچھ سمجھ سے کام لے لیں ﴿۶۵﴾

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ز وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

اور (اے پیغمبر!) تمہاری قوم نے اس (قرآن) کو جھٹلایا ہے، حالانکہ وہ بالکل حق ہے۔ تم کہہ دو کہ: ''مجھ کو تمہاری ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔[۲۴] ﴿٦٦﴾ ہر واقعے کا ایک وقت مقرر ہے، اور جلد ہی تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔'' ﴿٦٧﴾ اور جب تم اُن لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کو برا بھلا کہنے میں لگے ہوئے ہیں تو اُن سے اُس وقت تک کے لئے الگ ہو جاؤ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اور اگر کبھی شیطان تمہیں یہ بات بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ ﴿٦٨﴾ ان کے کھاتے میں جو اعمال ہیں ان کی کوئی ذمہ داری پرہیز گاروں پر عائد نہیں ہوتی۔ البتہ نصیحت کر دینا اُن کا کام ہے، شاید وہ بھی (ایسی باتوں سے) پرہیز کرنے لگیں ﴿٦٩﴾ اور چھوڑ دو اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دِین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے،[۲۵] اور جن کو دُنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے،

---

(۲۴) یعنی یہ میری ذمہ داری نہیں ہے کہ تمہارا ہر مطالبہ پورا کروں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے، جس میں تم لوگوں کو عذاب دینا بھی داخل ہے، اور جب وہ وقت آئے گا، تو تمہیں خود پتہ لگ جائے گا۔

(۲۵) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جس دِین کو انہیں اپنانا چاہئے تھا، (یعنی اسلام) اُس کو قبول کرنے کے بجائے وہ اُس کا مذاق بناتے ہیں۔ اور یہ مطلب بھی ممکن ہے کہ جو دِین انہوں نے اختیار کر رکھا ہے، وہ کھیل تماشے جیسی بے بنیاد رسموں پر مشتمل ہے۔ اور دونوں صورتوں میں ان لوگوں کو چھوڑنے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

اور اِس (قرآن) کے ذریعے (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب اس طرح گرفتار ہو جائے کہ اللہ (کے عذاب) سے بچانے کے لئے اللہ کو چھوڑ کر نہ کوئی اُس کا یار و مددگار بن سکے نہ سفارشی، اور اگر وہ (اپنی رہائی کے لئے) ہر طرح کا فدیہ بھی پیش کرنا چاہے تو اُس سے وہ قبول نہ کیا جائے۔ (چنانچہ) یہی (دِین کو کھیل تماشا بنانے والے) وہ لوگ ہیں جو اپنے کئے کی بدولت گرفتار ہو گئے ہیں۔ چونکہ انہوں نے کفر اَپنا رکھا تھا، اس لئے اُن کے لئے کھولتے ہوئے پانی کا مشروب اور ایک دُکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ ﴿۷۰﴾ (اے پیغمبر!) ان سے کہو: ''کیا ہم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پکاریں جو ہمیں نہ کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں، نہ نقصان، اور جب اللہ ہمیں ہدایت دے چکا ہے تو کیا اِس کے بعد بھی ہم اُلٹے پاؤں پھر جائیں؟ (اور) اُس شخص کی طرح (ہو جائیں) جسے شیطان بہکا کر صحرا میں لے گئے ہوں، اور وہ حیرانی کے عالم میں بھٹکتا پھرتا ہو، اُس کے کچھ ساتھی ہوں جو اُسے ٹھیک راستے کی طرف بلا رہے ہوں کہ ہمارے پاس آجاؤ؟'' کہو کہ: ''اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہی صحیح معنی میں ہدایت ہے، اور ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رَبّ العالمین کے آگے جھک جائیں۔'' ﴿۷۱﴾

مطلب وہی ہے کہ اُن کی اِس قسم کی گفتگو میں اُن کے ساتھ مت بیٹھو جس میں وہ اللہ کی آیات کو اِستہزاء کا نشانہ بناتے ہوں۔

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۬ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

اور یہ (حکم دیا گیا ہے) کہ: "نماز قائم کرو، اور اُس (کی نافرمانی) سے ڈرتے رہو۔ اور وہی ہے جس کی طرف تم سب کو اِکٹھا کرکے لے جایا جائے گا۔" ﴿۷۲﴾ اور وہی ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے،(۲۶) اور جس دن وہ (روزِ قیامت سے) کہے گا کہ: "تو ہو جا" تو وہ ہو جائے گا۔ اُس کا قول برحق ہے۔ اور جس دن صور پھونکا جائے گا، اُس دن بادشاہی اُسی کی ہوگی۔(۲۷) وہ غائب و حاضر ہر چیز کو جاننے والا ہے، اور وہی بڑی حکمت والا، پوری طرح باخبر ہے ﴿۷۳﴾

(۲۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک برحق مقصد سے پیدا کیا ہے، اور وہ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ یہاں اچھے کام کریں، انہیں انعام سے نوازا جائے، اور جو لوگ بدکار اور ظالم ہوں، انہیں سزا دی جائے۔ یہ مقصد اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب دُنیوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہو جس میں جزا اور سزا کا یہ مقصد پورا ہو۔ اور آگے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس مقصد کے لئے قیامت میں لوگوں کو دوبارہ زندگی دینا اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ مشکل نہیں ہے۔ جب وہ چاہے گا تو قیامت کو وجود میں آنے کا حکم دے گا، اور وہ وجود میں آجائے گی۔ اور چونکہ وہ غائب و حاضر ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، اس لئے لوگوں کو مرنے کے بعد اِکٹھا کرنا بھی اس کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ البتہ چونکہ وہ حکمت والا ہے، اس لئے وہ اسی وقت قیامت قائم فرمائے گا جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا۔

(۲۷) اگرچہ دُنیا میں بھی حقیقی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے، لیکن یہاں ظاہری طور پر بہت سے حکمران مختلف ملکوں پر حکومت کرتے ہیں، لیکن صور پھونکے جانے کے بعد یہ ظاہری حکومتیں بھی ختم ہو جائیں گی، اور ظاہری اور باطنی ہر اعتبار سے بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہوگی۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً ۚ إِنِّي أَرٰكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِي إِبْرٰهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا ۖ قَالَ هٰذَا رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْأٰفِلِينَ ﴿٧٦﴾

اور (اُس وقت کا ذکر سنو) جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا تھا کہ: "کیا آپ بتوں کو خدا بنائے بیٹھے ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ اور آپ کی قوم کھلی گمراہی میں مبتلا ہیں۔" ﴿۷۴﴾ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی سلطنت کا نظارہ کراتے تھے، اور مقصد یہ تھا کہ وہ مکمل یقین رکھنے والوں میں شامل ہوں ﴿۷۵﴾ چنانچہ جب اُن پر رات چھائی تو اُنہوں نے ایک ستارا دیکھا۔ کہنے لگے: "یہ میرا ربّ ہے۔" (۲۸) پھر جب وہ ڈُوب گیا تو انہوں نے کہا: "میں ڈُوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔" ﴿۷۶﴾

---

(۲۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق کے جس علاقے نینوا میں پیدا ہوئے تھے، وہاں کے لوگ بتوں اور ستاروں کو خدا مان کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ ان کا باپ آزر بھی نہ صرف اسی عقیدے کا تھا، بلکہ خود بت تراشا کرتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام شروع ہی سے توحید پر ایمان رکھتے تھے، اور شرک سے بیزار تھے۔ لیکن انہوں نے اپنی قوم کو غور وفکر کی دعوت دینے کے لئے یہ لطیف طریقہ اختیار فرمایا کہ چاند ستاروں اور سورج کو دیکھ کر پہلے اپنی قوم کی زبان میں بات کی۔ مقصد یہ تھا کہ یہ ستارہ تمہارے خیال میں میرا پروردگار ہے۔ آؤ دیکھتے ہیں کہ یہ بات تسلیم کرنے کے قابل ہے یا نہیں؟ چنانچہ جب ستارہ بھی ڈُوبا اور چاند بھی، اور آخر میں سورج بھی، تو ہر موقع پر انہوں نے اپنی قوم کو یاد دِلایا کہ یہ تو ناپائیدار اور تغیر پذیر چیزیں ہیں۔ جو چیز خود ناپائیدار ہو اور اُس پر تغیرات طاری ہوتے رہتے ہوں، اُس کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ پوری کائنات کی پرورش کر رہی ہے، کیسی غیر معقول بات ہے۔ لہٰذا انہوں نے چاند ستاروں یا سورج کو جو یہ کہا تھا کہ یہ میرا ربّ ہے، وہ اپنے عقیدے کے مطابق نہیں، بلکہ اپنی قوم کے عقیدے کی لغویت ظاہر کرنے کے لئے فرمایا تھا۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ ۚ وَ حَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ

پھر جب انہوں نے چاند کو چمکتے دیکھا تو کہا کہ: ''یہ میرا ربّ ہے۔'' لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہنے لگے: ''اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ دے تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں۔'' ﴿۷۷﴾ پھر جب انہوں نے سورج کو چمکتے دیکھا تو کہا: ''یہ میرا ربّ ہے۔ یہ زیادہ بڑا ہے۔'' پھر جب وہ غروب ہوا تو انہوں نے کہا: ''اے میری قوم! جن جن چیزوں کو تم اللہ کی خدائی میں شریک قرار دیتے ہو، میں اُن سب سے بیزار ہوں ﴿۷۸﴾ میں نے تو پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رُخ اُس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' ﴿۷۹﴾ اور (پھر یہ ہوا کہ) اُن کی قوم نے اُن سے حجت شروع کر دی۔(۲۹)

(۲۹) سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حجت کرتے ہوئے ان کی قوم نے دو باتیں کہیں۔ ایک یہ کہ ہم برسوں سے اپنے باپ دادوں کو ان بتوں اور ستاروں کی پوجا کرتے دیکھ رہے ہیں۔ ان سب کو گمراہ سمجھنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا جواب پہلے جملے میں یہ دیا ہے کہ ان باپ دادوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وحی نہیں آئی تھی، اور مذکورہ بالا عقلی دلائل کے علاوہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آئی ہے۔ لہٰذا اللہ کی دی ہوئی ہدایت کے بعد میں شرک کو کیسے درست تسلیم کر سکتا ہوں؟ دوسری بات ان کی قوم نے یہ کہی ہوگی کہ اگر تم نے ہمارے بتوں اور ستاروں کی خدائی سے انکار کیا تو وہ تمہیں تباہ کر ڈالیں گے۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ میں ان بے بنیاد دیوتاؤں سے نہیں ڈرتا، بلکہ ڈرنا تمہیں چاہئے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ بے بنیاد دیوتاؤں کو اس کی خدائی میں شریک مان رہے ہو۔ نقصان اگر پہنچا سکتا ہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، کوئی اور نہیں۔ اور جو لوگ اس کی توحید پر ایمان لاتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ نے امن اور چین عطا فرمایا ہے۔

قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــٴًـا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ وَكَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ عَلَیْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴿۸۳﴾

وقف لازم — ع ۹ / ۱۲ / ۱۵

ابراہیم نے (اُن سے) کہا: ''کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو جبکہ اُس نے مجھے ہدایت دے دی ہے؟ اور جن چیزوں کو تم اللہ کے ساتھ شریک مانتے ہو، میں اُن سے نہیں ڈرتا (کہ وہ مجھے کوئی نقصان پہنچادیں گی) اِلا یہ کہ میرا پروردگار (مجھے) کچھ (نقصان پہنچانا) چاہے (تو وہ ہر حال میں پہنچے گا) میرے پروردگار کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم پھر بھی کوئی نصیحت نہیں مانتے؟ ﴿۸۰﴾ اور جن چیزوں کو تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، میں اُن سے کیسے ڈر سکتا ہوں جبکہ تم اُن چیزوں کو اللہ کا شریک ماننے سے نہیں ڈرتے جن کے بارے میں اُس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے؟ اب اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو بتاؤ کہ ہم دو فریقوں میں سے کون بے خوف رہنے کا زیادہ مستحق ہے؟ ﴿۸۱﴾ (حقیقت تو یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور اُنہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا،(۳۰) امن اور چین تو بس اُنہی کا حق ہے، اور وہی ہیں جو صحیح راستے پر پہنچ چکے ہیں۔'' ﴿۸۲﴾ یہ ہماری وہ کامیاب دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں۔ بیشک تمہارے رَبّ کی حکمت بھی بڑی ہے، علم بھی کامل ہے ﴿۸۳﴾

(۳۰) ایک صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت میں لفظ ''ظلم'' کی تشریح شرک سے فرمائی ہے، کیونکہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔

وَوَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ‌ؕ كُلًّا هَدَيۡنَا‌ ۚ وَنُوۡحًا هَدَيۡنَا مِنۡ قَبۡلُ‌ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيۡمٰنَ وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡسُفَ وَمُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ‌ؕ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۙ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحۡيٰى وَعِيۡسٰى وَاِلۡيَاسَ‌ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَۙ ﴿۸۵﴾ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَالۡيَسَعَ وَيُوۡنُسَ وَلُوۡطًا‌ؕ وَكُلًّا فَضَّلۡنَا عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَۙ ﴿۸۶﴾ وَمِنۡ اٰبَآئِهِمۡ وَذُرِّيّٰتِهِمۡ وَاِخۡوَانِهِمۡ‌ۚ وَاجۡتَبَيۡنٰهُمۡ وَهَدَيۡنٰهُمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ؕ وَلَوۡ اَشۡرَكُوۡا لَحَبِطَ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحُكۡمَ وَالنُّبُوَّةَ‌ ۚ

اور ہم نے ابراہیم کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) عطا کیا۔ (ان میں سے) ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی، اور نوح کو ہم نے پہلے ہی ہدایت دی تھی، اور اُن کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون کو بھی۔ اور اسی طرح ہم نیک کام کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں ﴿۸۴﴾ اور زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی ہدایت عطا فرمائی)۔ یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے ﴿۸۵﴾ نیز اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط کو بھی۔ اور ان سب کو ہم نے دُنیا جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی ﴿۸۶﴾ اور ان کے باپ دادوں، ان کی اولادوں اور ان کے بھائیوں میں سے بھی بہت سے لوگوں کو۔ ہم نے اِن سب کو منتخب کر کے راہِ راست تک پہنچا دیا تھا ﴿۸۷﴾ یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے جس کے ذریعے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے راہِ راست تک پہنچا دیتا ہے۔ اور اگر وہ شرک کرنے لگتے تو ان کے سارے (نیک) اعمال اکارت ہو جاتے ﴿۸۸﴾ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکمت اور نبوت عطا کی تھی۔ [۳۱]

---

(۳۱) مشرکینِ عرب نبوت و رِسالت ہی کے منکر تھے۔ اُن کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی

فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ

اب اگر یہ (عرب کے) لوگ اس (نبوت) کا انکار کریں تو (کچھ پروانہ کرو، کیونکہ) اس کے ماننے کے لئے ہم نے ایسے لوگ مقرر کردیئے ہیں جو اس کے منکر نہیں۔(۳۲) ﴿۸۹﴾ یہ لوگ (جن کا ذکر اُوپر ہوا) وہ تھے جن کو اللہ نے (مخالفین کے رویے پر صبر کرنے کی) ہدایت کی تھی، لہٰذا (اے پیغمبر!) تم بھی انہی کے راستے پر چلو۔ (مخالفین سے) کہہ دو کہ میں تم سے اِس (دعوت) پر کوئی اُجرت نہیں مانگتا۔ یہ تو دُنیا جہان کے سب لوگوں کے لئے ایک نصیحت ہے، اور بس ﴿۹۰﴾ اور اِن (کافر) لوگوں نے جب یہ کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا تو انہوں نے اللہ کی صحیح قدر نہیں پہچانی۔(۳۳)

اولاد میں جو پیغمبر گذرے ہیں اُن کا حوالہ دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تو عرب کے بت پرست بھی مانتے تھے۔ اُن سے یہ کہا جارہا ہے کہ اگر وہ پیغمبر ہوسکتے ہیں، اور ان کی اولاد میں نبوت کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے تو یہ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ نبوت کوئی چیز نہیں ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول بنا کر بھیجنے میں آخر کونسی اِشکال کی بات ہے جبکہ آپ کی نبوت کے دلائل روزِ روشن کی طرح واضح ہوچکے ہیں۔

(۳۲) اس سے صحابہ کرامؓ کی طرف اشارہ ہے۔

(۳۳) یہاں سے بعض یہودیوں کی تردید مقصود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے ایک مرتبہ اُن کے ایک سردار مالک بن صیف نے غصّے میں آکر یہاں تک کہہ دیا تھا کہ اللہ نے کسی انسان پر کچھ نازل نہیں کیا۔

قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّهُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَلَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

(اِن سے) کہو کہ: ''وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ لے کر آئے تھے، جو لوگوں کے لئے روشنی اور ہدایت تھی، اور جس کو تم نے متفرق کاغذوں کی شکل میں رکھا ہوا ہے،(۳۴) جن (میں سے کچھ) کو تم ظاہر کرتے ہو، اور بہت سے حصے چھپا لیتے ہو، اور (جس کے ذریعے) تم کو اُن باتوں کی تعلیم دی گئی تھی جو نہ تم جانتے تھے، نہ تمہارے باپ دادا؟'' (اے پیغمبر! تم خود ہی اس سوال کے جواب میں اتنا کہہ دو کہ: ''وہ کتاب اللہ نے نازل کی تھی۔'' پھر ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو کہ یہ اپنی بے ہودہ گفتگو میں مشغول رہ کر دِل لگی کرتے رہیں ﴿۹۱﴾ اور (اسی طرح) یہ بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہم نے اُتاری ہے، پچھلی آسمانی ہدایات کی تصدیق کرنے والی ہے، تاکہ تم اس کے ذریعے بستیوں کے مرکز (یعنی مکہ) اور اس کے اردگرد کے لوگوں کو خبردار کرو۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس پر بھی اِیمان رکھتے ہیں، اور وہ اپنی نماز کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں ﴿۹۲﴾

---

(۳۴) یعنی پوری کتاب کو ظاہر کرنے کے بجائے تم نے اسے حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ جو حصے تمہارے مطلب کے مطابق ہوتے ہیں اُن کو تو عام لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیتے ہو، مگر جو حصے تمہارے مفادات کے خلاف ہوتے ہیں، انہیں چھپا لیتے ہو۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

اور اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی نازل کی گئی ہے، حالانکہ اُس پر کوئی وحی نازل نہ کی گئی ہو، اور اسی طرح وہ جو یہ کہے کہ میں بھی ویسا ہی کلام نازل کردوں گا جیسا اللہ نے نازل کیا ہے؟ اور اگر تم وہ وقت دیکھو (تو بڑا ہولناک منظر نظر آئے) جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گرفتار ہوں گے، اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے، (کہہ رہے ہوں گے کہ) ''اپنی جانیں نکالو، آج تمہیں ذِلت کا عذاب دیا جائے گا، اس لئے کہ تم جھوٹی باتیں اللہ کے ذمے لگاتے تھے، اور اس لئے کہ تم اُس کی نشانیوں کے خلاف تکبر کا رویہ اختیار کرتے تھے ﴿۹۳﴾ (پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے کہے گا کہ:) ''تم ہمارے پاس اسی طرح تن تنہا آگئے ہو جیسے ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تمہیں بخشا تھا وہ سب اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اور ہمیں تو تمہارے وہ سفارشی کہیں نظر نہیں آرہے جن کے بارے میں تمہارا دعویٰ تھا کہ وہ تمہارے معاملات طے کرنے میں (ہمارے ساتھ) شریک ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے ساتھ تمہارے سارے تعلقات ٹوٹ چکے ہیں، اور جن (دیوتاؤں) کے بارے میں تمہیں بڑا زعم تھا، وہ سب تم سے گم ہوکر رہ گئے ہیں۔'' ﴿۹۴﴾

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾

بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ جاندار چیزوں کو بے جان چیزوں سے نکال لاتا ہے، اور وہی بے جان چیزوں کو جاندار چیزوں سے نکالنے والا ہے۔[۳۵] لوگو! وہ ہے اللہ! پھر کوئی تمہیں بہکا کر کس اوندھی طرف لئے جارہا ہے؟[۳۶] ﴿۹۵﴾ وہی ہے جس کے حکم سے صبح کو پو پھٹتی ہے، اور اُسی نے رات کو سکون کا وقت بنایا ہے، اور سورج اور چاند کو ایک حساب کا پابند! یہ سب کچھ اُس ذات کی منصوبہ بندی ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، علم بھی کامل ﴿۹۶﴾ اور اُسی نے تمہارے لئے ستارے بنائے ہیں، تاکہ تم اُن کے ذریعے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں راستے معلوم کرسکو۔ ہم نے ساری نشانیاں ایک ایک کر کے کھول دی ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو علم سے کام لیں ﴿۹۷﴾

---

(۳۵) بے جان سے جاندار کو نکالنے کی مثال یہ ہے کہ انڈے سے مرغی نکل آتی ہے، اور جاندار سے بے جان کے نکلنے کی مثال جیسے مرغی سے انڈا۔

(۳۶) اس ترجمے میں دو باتیں قابلِ ذکر ہیں۔ ایک یہ کہ بظاہر قرآنِ کریم میں ''لوگو!'' کا لفظ نظر نہیں آرہا، لیکن درحقیقت یہ ''ذٰلکم'' میں جمع مخاطب کی ضمیر کا ترجمہ ہے۔ عربی کے قاعدے سے یہ جمع کی ضمیر مشار الیہ کی جمع نہیں ہوتی، بلکہ مخاطب کی جمع ہوتی ہے۔ دوسرے ''کوئی تمہیں بہکا کر کس اوندھی طرف لئے جارہا ہے'' اس ترجمے میں ''تؤفکون'' کے صیغۂ مجہول کی رعایت کی گئی ہے۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ ان کی خواہشات ہیں جو انہیں گمراہ کر رہی ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ

وہی ہے جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا، پھر ہر شخص کا ایک مستقر ہے، اور ایک امانت رکھنے کی جگہ۔ (۳۷) ہم نے ساری نشانیاں ایک ایک کر کے کھول دی ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو سمجھ سے کام لیں ﴿۹۸﴾ اور اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے اُس کے ذریعے ہر قسم کی کونپلیں اُگائیں۔ اِن (کونپلوں) سے ہم نے سبزیاں پیدا کیں جن سے ہم تہہ بر تہہ دانے نکالتے ہیں، اور کھجور کے گابھوں سے پھلوں کے وہ گچھے نکلتے ہیں جو (پھل کے بوجھ سے) جھکے جاتے ہیں، اور ہم نے انگوروں کے باغ اُگائے، اور زیتون اور انار! جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔ (۳۸)

---

(۳۷) مستقر اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کوئی شخص باقاعدہ اپنا ٹھکانا بنالے۔ اِس کے برعکس امانت رکھنے کی جگہ پر قیام عارضی قسم کا ہوتا ہے، اس لئے وہاں رہائش کا باقاعدہ انتظام نہیں کیا جاتا۔ اِس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس آیت کی تفسیر مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی یہ تفسیر منقول ہے کہ مستقر سے مراد دُنیا ہے جہاں انسان باقاعدہ اپنی رہائش کا ٹھکانا بنالیتا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ سے مراد قبر ہے جس میں انسان کو مرنے کے بعد عارضی طور سے رکھا جاتا ہے۔ پھر وہاں سے اسے آخرت میں جنت یا جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ البتہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے ان لفظوں کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ مستقر سے مراد ماں کا پیٹ ہے جس میں بچہ مہینوں ٹھہرا رہتا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ سے مراد باپ کی صلب ہے جس میں نطفہ عارضی طور سے رہتا ہے، پھر ماں کے رحم میں منتقل ہو جاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اس کے برعکس مستقر باپ کی صلب کو قرار دیا ہے، اور امانت رکھنے کی جگہ ماں کے رحم کو، کیونکہ بچہ وہاں عارضی طور پر رہتا ہے (روح المعانی)۔

(۳۸) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ بعض پھل دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوتے ہیں، اور بعض

أُنظُرُوٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰہِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ع ۱۲ / ۶ / ۱۸

جب یہ درخت پھل دیتے ہیں تو ان کے پھلوں اور اُن کے پکنے کی کیفیت کو غور سے دیکھو۔ لوگو! اِن سب چیزوں میں بڑی نشانیاں ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو اِیمان لائیں ﴿۹۹﴾ اور لوگوں نے جنّات کو اللہ کے ساتھ خدائی میں شریک قرار دے لیا، (۳۹) ـــــ حالانکہ اللہ نے ہی اُن کو پیدا کیا ہے ـــــ اور سمجھ بوجھ کے بغیر اُس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں تراش لیں، (۴۰) حالانکہ اللہ کے بارے میں جو باتیں یہ بناتے ہیں، وہ اُن سب سے پاک اور بالا و برتر ہے ﴿۱۰۰﴾

صورت اور ذائقے میں ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوتے ہیں۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ جو پھل دیکھنے میں ملتے جلتے نظر آتے ہیں، ان کی خصوصیات ایک دوسرے سے الگ ہوتی ہیں۔

(۳۹) جنات سے مراد شیطان ہیں، اور یہ اُن لوگوں کے باطل عقیدے کی طرف اشارہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ تمام مفید مخلوقات تو اللہ نے پیدا کی ہیں، مگر درندے، سانپ، بچھو اور دوسرے موذی جانور، بلکہ تمام بُری چیزیں شیطان نے پیدا کی ہیں، اور وہی اُن کا خالق ہے۔ ان لوگوں نے بظاہر ان بُری چیزوں کی تخلیق کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے سے پرہیز کیا، لیکن اتنا نہ سمجھ سکے کہ شیطان خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے، اور وہ سب سے بُری مخلوق ہے۔ اگر بُری چیزیں شیطان کی پیدا کی ہوئی ہیں تو خود اُس بُری مخلوق کو کس نے پیدا کیا؟ اس کے علاوہ جو چیزیں ہمیں بُری نظر آتی ہیں، اُن کی تخلیق میں بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں، اور اُن کی تخلیق کو بُرا فعل نہیں کہا جاسکتا، بقول اقبال مرحوم:

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

(۴۰) عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا تھا، اور عرب کے مشرکین فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾

وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا کہاں ہوسکتا ہے، جبکہ اُس کی کوئی بیوی نہیں؟ اُسی نے ہر چیز پیدا کی ہے، اور وہ ہر ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے ﴿۱۰۱﴾ لوگو! وہ ہے اللہ جو تمہارا پالنے والا ہے! اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ لہٰذا اُس کی عبادت کرو۔ وہ ہر چیز کی نگرانی کرنے والا ہے ﴿۱۰۲﴾ نگاہیں اُس کو نہیں پاسکتیں، اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے۔ اُس کی ذات اتنی ہی لطیف ہے، اور وہ اتنا ہی باخبر ہے۔(۴۱) ﴿۱۰۳﴾ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ:) "تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بصیرت کے سامان پہنچ چکے ہیں۔ اب جو شخص آنکھیں کھول کر دیکھے گا، وہ اپنا ہی بھلا کرے گا، اور جو شخص اندھا بن جائے گا، وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور مجھے تمہاری حفاظت کی ذمہ داری نہیں سونپی گئی ہے۔"(۴۲) ﴿۱۰۴﴾

---

(۴۱) یعنی اُس کی ذات اتنی لطیف ہے کہ کوئی نگاہ اس کو نہیں پاسکتی، اور وہ اتنا باخبر ہے کہ ہر نگاہ کو پالیتا ہے، اور اس کے تمام حالات سے خوب واقف ہے۔ اس جملے کی یہ تفسیر علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے متعدد مفسرین سے نقل کی ہے، اور سیاق وسباق کے لحاظ سے نہایت مناسب ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ لطافت بھی عام بول چال میں جسم ہی کی صفت ہوتی ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے، لیکن لطافت کا اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جو جسمیت کے ہر شائبہ سے ماوراء ہو۔ اللہ تعالیٰ کی ذات کو لطیف اسی معنیٰ میں کہا گیا ہے۔

(۴۲) یعنی مجھ پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے کہ تم میں سے ہر شخص کو زبردستی مسلمان کرکے کفر کے نقصان سے بچاؤں۔ میرا کام سمجھا دینا ہے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَاۤ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۷﴾

اسی طرح ہم آیتیں مختلف طریقوں سے بار بار واضح کرتے ہیں، (تاکہ تم انہیں لوگوں تک پہنچادو) اور بالآخر یہ لوگ تو یوں کہیں کہ: ''تم نے کسی سے سیکھا ہے۔''(۴۳) اور جو لوگ علم سے کام لیتے ہیں، اُن کے لئے ہم حق کو آشکار کردیں ﴿۱۰۵﴾ (اے پیغمبر!) تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے جو وحی بھیجی گئی ہے، تم اسی کی پیروی کرو، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اور جو لوگ اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اُن سے بے پروا ہوجاؤ ﴿۱۰۶﴾ اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے۔(۴۴) ہم نے نہ تمہیں ان کی حفاظت پر مقرر کیا ہے، اور نہ تم اِن کے کاموں کے ذمہ دار ہو۔(۴۵) ﴿۱۰۷﴾

(۴۳) ہٹ دھرم قسم کے کافروں کو بھی یہ کہتے ہوئے تو شرم آتی تھی کہ یہ کلام خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھڑ لیا ہے، کیونکہ وہ آپ کے اُسلوب سے اچھی طرح واقف تھے، اور یہ بھی جانتے تھے کہ آپ اُمی ہیں، اور کسی کتاب سے خود پڑھ کر یہ کلام نہیں بنا سکتے، لہٰذا وہ قرآنِ کریم کے بارے میں یہ کہا کرتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام کسی سے سیکھا ہے، اور اسے اللہ کا کلام قرار دے کر لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن کس سے سیکھا ہے؟ وہ بھی نہیں بتا سکتے تھے۔ کبھی کبھی وہ ایک لوہار کا نام لیتے تھے جس کی تردید سورۂ نحل میں آنے والی ہے۔

(۴۴) پیچھے آیت نمبر ۳۵ میں بھی یہ مضمون آچکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو سارے انسانوں کو زبردستی ایک ہی دِین کا پابند بنا دیتا، لیکن درحقیقت انسان کو دُنیا میں بھیجنے کا بنیادی مقصد امتحان ہے، اور اس امتحان کا تقاضا یہ ہے کہ انسان زور زبردستی سے نہیں، بلکہ خود اپنی سمجھ سے کام لے کر ان دلائل پر غور کرے جو پوری کائنات میں بکھرے پڑے ہیں، اور پھر اپنی مرضی سے توحید، رِسالت اور آخرت پر ایمان لائے۔ انبیائے کرام ان دلائل کی طرف متوجہ کرنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں، اور آسمانی کتابیں اس امتحان کو آسان کرنے کے لئے نازل کی جاتی ہیں، مگر ان سے فائدہ وہی اُٹھاتے ہیں جن کے دِل میں حق کی طلب ہو۔

(۴۵) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے طرزِ عمل پر مغموم رہتے تھے، اس لئے آپ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ اپنا فرض ادا کرچکے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال کی کوئی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾

(مسلمانو!) جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں، تم اُن کو بُرا نہ کہو، جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کر اللہ کو بُرا کہنے لگیں۔(۴۶) (اِس دُنیا میں تو) ہم نے اسی طرح ہر گروہ کے عمل کو اُس کی نظر میں خوشنما بنا رکھا ہے۔(۴۷) پھر ان سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس لوٹنا ہے۔ اُس وقت وہ اُنہیں بتائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے ﴿۱۰۸﴾

(۴۶) اگرچہ جن دیوتاؤں کو کافر و مشرک لوگ خدا مانتے ہیں، ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں ہے، لیکن اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ وہ کافروں کے سامنے اُن کے لئے نازیبا الفاظ استعمال نہ کیا کریں۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافر لوگ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کر سکتے ہیں۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اس کا سبب تم بنو گے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں خود گستاخی کرنا حرام ہے، اسی طرح اس کا سبب بننا بھی ناجائز ہے۔ اس آیت سے فقہائے کرام نے یہ اُصول نکالا ہے کہ اگر کوئی کام بذاتِ خود تو جائز یا مستحب ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ اس کے نتیجے میں کوئی دوسرا شخص گناہ کا ارتکاب کرے گا تو ایسی صورت میں وہ جائز یا مستحب کام چھوڑ دینا چاہئے۔ تاہم اس اُصول کے تحت کوئی ایسا کام چھوڑنا جائز نہیں ہے جو فرض یا واجب ہو۔ مزید تفصیل کے لئے اس آیت کے تحت تفسیر "معارف القرآن" کی طرف رُجوع فرمائیں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اہلِ عرب اگرچہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے، اور اصل میں تو وہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کو جائز نہیں سمجھتے تھے، لیکن ضد میں آکر ان سے ایسی حرکت سرزد ہو جانا کچھ بعید نہیں تھا، چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کہی تھی کہ اگر آپ ہمارے بتوں کو بُرا کہو گے تو ہم آپ کے رَبّ کو بُرا کہیں گے۔

(۴۷) یہ درحقیقت ایک ممکن سوال کا جواب ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر کافر لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں تو اُن کو دُنیا ہی میں سزا کیوں نہیں دے دی جاتی۔ جواب یہ دیا گیا ہے کہ دُنیا میں تو ان لوگوں کی ضد کی وجہ سے ہم نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ رکھا ہے کہ یہ اپنے طرزِ عمل کو بہت اچھا سمجھ رہے ہیں۔ لیکن آخر کار ان سب کو

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

اور ان لوگوں نے بڑی زوردار قسمیں کھائی ہیں کہ اگر اِن کے پاس واقعی کوئی نشانی (یعنی ان کا مطلوب معجزہ) آگئی تو یہ یقیناً ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (اِن سے) کہو کہ: ''ساری نشانیاں اللہ کے قبضے میں ہیں۔[۴۸]'' اور (مسلمانو!) تمہیں کیا پتہ کہ اگر وہ (معجزے) آبھی گئے، تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۱۰۹﴾ جس طرح یہ لوگ پہلی بار (قرآن جیسے معجزے پر) ایمان نہیں لائے، ہم بھی (ان کی ضد کی پاداش میں) ان کے دِلوں اور نگاہوں کا رُخ پھیر دیتے ہیں، اور ان کو اس حالت میں چھوڑ دیتے ہیں کہ یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿۱۱۰﴾ اور اگر بالفرض ہم ان کے پاس فرشتے بھیج دیتے، اور مردے اِن سے باتیں کرنے لگتے، اور (اِن کی مانگی ہوئی) ہر چیز ہم کھلی آنکھوں ان کے سامنے لاکر کے رکھ دیتے،[۴۹] تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے، اِلّا یہ کہ اللہ ہی چاہتا (کہ انہیں زبردستی ایمان پر مجبور کردے تو بات دوسری تھی، مگر ایسا اِیمان نہ مطلوب ہے نہ معتبر۔)

ہمارے پاس لوٹنا ہے۔ اُس وقت انہیں پتہ چل جائے گا کہ جو کچھ وہ کررہے تھے، اس کی حقیقت کیا تھی۔

(۴۸) تشریح کے لئے اسی سورت کی آیت نمبر ۳۵ کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

(۴۹) یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ فرمائش کیا کرتے تھے۔ سورۂ فرقان (آیت نمبر ۲۱) میں ان کا یہ مطالبہ مذکور ہے کہ ہمارے اُوپر فرشتے کیوں نازل نہیں کئے گئے؟ اور سورۂ دخان (آیت نمبر ۳۶) میں یہ مطالبہ کہ ہمارے باپ دادوں کو زندہ کرکے ہمارے سامنے لاؤ۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ

لیکن ان میں سے اکثر لوگ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔ (۵۰) ﴿۱۱۱﴾

اور (جس طرح یہ لوگ ہمارے نبی سے دُشمنی کر رہے ہیں) اسی طرح ہم نے ہر (پچھلے) نبی کے لئے کوئی نہ کوئی دُشمن پیدا کیا تھا، یعنی انسانوں اور جنات میں سے شیطان قسم کے لوگ، جو دھوکا دینے کی خاطر ایک دوسرے کو بڑی چکنی چپڑی باتیں سکھاتے رہتے تھے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرسکتے۔ (۵۱) لہٰذا اِن کو اپنی افترا پردازیوں میں پڑا رہنے دو ﴿۱۱۲﴾ اور (وہ انبیاء کے دُشمن چکنی چپڑی باتیں اس لئے بناتے تھے) تاکہ جو لوگ آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، اُن کے دِل اِن باتوں کی طرف خوب مائل ہوجائیں، اور وہ اِن میں مگن رہیں، اور ساری وہ حرکتیں کریں جو وہ کرنے والے تھے ﴿۱۱۳﴾

(اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہو کہ:) ''کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو فیصل بناؤں، حالانکہ اُسی نے تمہاری طرف یہ کتاب نازل کر کے بھیجی ہے جس میں سارے (متنازعہ) معاملات کی تفصیل موجود ہے؟''

---

(۵۰) یعنی حقیقت تو یہ ہے کہ تمام معجزات دیکھ کر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ پھر بھی جو مطالبات کر رہے ہیں، وہ محض جہالت پر مبنی ہیں۔

(۵۱) یہاں پھر وہی بات فرمائی جارہی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو شیاطین کو یہ قدرت نہ دیتا، اور لوگوں کو زبردستی ایمان پر مجبور کر دیتا، لیکن چونکہ مقصد امتحان ہے، اس لئے زبردستی کا ایمان معتبر نہیں۔

وَالَّذِيۡنَ اٰتَيۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ يَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنۡ رَّبِّكَ بِالۡحَقِّ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدۡقًا وَّعَدۡلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعۡلَمُ مَنۡ يَّضِلُّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوۡا مِمَّا ذُكِرَ اسۡمُ اللّٰهِ عَلَيۡهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ بِاٰيٰتِهٖ مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۱۱۸﴾

اور جن لوگوں کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ یقین سے جانتے ہیں کہ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق لے کر نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا تم شک کرنے والوں میں ہرگز شامل نہ ہونا ﴿۱۱۴﴾ اور تمہارے ربّ کا کلام سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اُس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ وہ ہر بات سننے والا، ہر بات جاننے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ اور اگر تم زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کے پیچھے چلو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر ڈالیں گے۔ وہ تو وہم و گمان کے سوا کسی چیز کے پیچھے نہیں چلتے، اور اُن کا کام اِس کے سوا کچھ نہیں کہ خیالی اندازے لگاتے رہیں ﴿۱۱۶﴾ یقین رکھو کہ تمہارا ربّ خوب جانتا ہے کہ کون اپنے راستے سے بھٹک رہا ہے، اور وہی ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو صحیح راستے پر ہیں ﴿۱۱۷﴾

چنانچہ ہر اُس (حلال) جانور میں سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو، اگر تم واقعی اُس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو۔[(۵۲)] ﴿۱۱۸﴾

---

(۵۲) پیچھے اُن لوگوں کا ذکر تھا جو محض خیالی اندازوں پر اپنے دِین کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں۔ اُن کی اس گمراہی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے، اُس کو یہ حرام کہتے تھے، اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اور تمہارے لئے کونسی رُکاوٹ ہے جس کی بنا پر تم اُس جانور میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو؟ حالانکہ اُس نے وہ چیزیں تمہیں تفصیل سے بتادی ہیں جو اُس نے تمہارے لئے (عام حالات میں) حرام قرار دی ہیں، البتہ جن کو کھانے پر تم بالکل مجبور ہی ہوجاؤ، (تو ان حرام چیزوں کی بھی بقدرِ ضرورت اجازت ہوجاتی ہے) اور بہت سے لوگ کسی علم کی بنیاد پر نہیں، (بلکہ صرف) اپنی خواہشات کی بنیاد پر دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ بلاشبہ تمہارا ربّ حد سے گذرنے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿۱۱۹﴾

حرام کہاہے، اُسے یہ حلال سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کچھ کافروں نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ جس جانور کو اللہ تعالیٰ قتل کرے، یعنی وہ اپنی طبعی موت مرجائے، اُس کو تو تم مردار قرار دے کر حرام سمجھتے ہو، اور جس جانور کو تم خود اپنے ہاتھوں سے قتل کرتے ہو، اُس کو حلال قرار دیتے ہو۔ اِس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حلال وحرام کا فیصلہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ اُس نے واضح فرمادیا ہے کہ جس جانور پر اللہ کا نام لے کر اُسے ذبح کیا جائے وہ حلال ہوتا ہے، اور جو ذبح کئے بغیر مرجائے یا جسے ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ حرام ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے بعد اپنے من گھڑت خیالات کی بنا پر حلال وحرام کا فیصلہ کرنا ایسے شخص کا کام نہیں جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر ایمان رکھتا ہو۔

یہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کفار کی مذکورہ اعتراض کے جواب میں یہ مصلحت بھی بتائی جاسکتی تھی کہ جس جانور کو باقاعدہ ذبح کیا جاتا ہے اُس کا خون اچھی طرح بہہ جاتا ہے، اِس کے برخلاف جو جانور خود مرجاتا ہے، اُس کا خون جسم ہی میں رہ جاتا ہے جس سے پورا گوشت خراب ہوجاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ حکمت بیان فرمانے کے بجائے یہ کہنے پر اکتفا فرمایا کہ جو چیزیں حرام ہیں وہ اللہ نے خود بیان فرمادی ہیں، لہٰذا اُس کے اَحکام کے مقابلے میں خیالی گھوڑے دوڑانا مؤمن کا کام نہیں۔ اِس طرح یہ واضح فرمادیا کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں یقیناً مصلحتیں ہوتی ہیں، لیکن مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی اطاعت کو ان مصلحتوں کے سمجھنے پر موقوف رکھے۔ اُس کا فریضہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم آجائے تو بے چون وچرا اُس کی تعمیل کرے، چاہے اس کی مصلحت اس کی سمجھ میں آرہی ہو یا نہ آرہی ہو۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

ع ۱۴ / ۱۱ / ۱

اور تم ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے گناہ چھوڑ دو۔ (۵۳) یہ یقینی بات ہے کہ جو لوگ گناہ کماتے ہیں، اُنہیں اُن تمام جرائم کی جلد ہی سزا ملے گی جن کا وہ ارتکاب کیا کرتے تھے ﴿۱۲۰﴾
اور جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اُس میں سے مت کھاؤ، اور ایسا کرنا سخت گناہ ہے۔ (مسلمانو!) شیاطین اپنے دوستوں کو ورغلاتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے بحث کریں۔ اور اگر تم نے اُن کی بات مان لی تو تم یقیناً مشرک ہو جاؤ گے۔ ﴿۱۲۱﴾

(۵۳) ظاہری گناہوں میں وہ گناہ داخل ہیں جو انسان اپنے ظاہری اعضاء سے کرے، مثلاً جھوٹ، غیبت، دھوکا، رشوت، شراب نوشی، زنا وغیرہ۔ اور باطنی گناہوں سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا تعلق دِل سے ہوتا ہے، مثلاً حسد، رِیاکاری، تکبر، بغض، دوسروں کی بدخواہی وغیرہ۔ پہلی قسم کے گناہوں کا بیان فقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے اور ان کی تعلیم و تربیت فقہاء سے حاصل کی جاتی ہے، اور دوسری قسم کے گناہوں کا بیان تصوف اور احسان کی کتابوں میں ہوتا ہے، اور اُن کی تعلیم و تربیت کے لئے مشائخ سے رُجوع کیا جاتا ہے۔ تصوف کی اصل حقیقت یہی ہے کہ باطن کے ان گناہوں سے بچنے کے لئے کسی رہنما سے رُجوع کیا جائے۔ افسوس ہے کہ تصوف کی اِس حقیقت کو بھلا کر بہت سے لوگوں نے بدعات و خرافات کا نام تصوف رکھ لیا ہے۔ اس حقیقت کو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی بہت سی کتابوں میں خوب واضح فرمایا ہے۔ آسان طریقے سے اس کو سمجھنے کے لئے ملاحظہ فرمایئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''دِل کی دنیا''۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ذرا بتاؤ کہ جو شخص مردہ ہو، پھر ہم نے اُسے زندگی دی ہو، اور اُس کو ایک روشنی مہیا کردی ہو جس کے سہارے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو،(۵۴) کیا وہ اُس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جس کا حال یہ ہو کہ وہ اندھیروں میں گھرا ہوا ہو جن سے کبھی نکل نہ پائے؟ اسی طرح کافروں کو یہ سجھا دیا گیا ہے کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں، وہ بڑا خوشنما کام ہے ﴿۱۲۲﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں وہاں کے مجرموں کے سرغنوں کو یہ موقع دیا ہے کہ وہ اُس (بستی) میں (مسلمانوں کے خلاف) سازشیں کیا کریں۔(۵۵) اور وہ جو سازشیں کرتے ہیں، (درحقیقت) وہ کسی اور کے نہیں، بلکہ خود اُن کے اپنے خلاف پڑتی ہیں، جبکہ اُن کو اِس کا احساس نہیں ہوتا ﴿۱۲۳﴾

(۵۴) یہاں روشنی سے مراد اسلام کی روشنی ہے۔ اور ''لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو'' فرما کر اشارہ اِس طرف کردیا گیا ہے کہ اسلام کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ انسان مذہبی عبادات کو لے کر دُنیا سے ایک طرف ہو کر بیٹھ جائے، اور لوگوں سے میل جول چھوڑ دے، بلکہ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ وہ عام انسانوں کے درمیان رہے، اُن سے ضروری معاملات کرے، اُن کے حقوق ادا کرے، لیکن جہاں بھی جائے، اسلام کی روشنی ساتھ لے کر جائے، یعنی یہ سارے معاملات اسلامی احکام کے تحت انجام دے۔

(۵۵) یہ مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ کافر لوگ اُن کے خلاف جو سازشیں کر رہے ہیں، اُن سے گھبرائیں نہیں۔ اِس قسم کی سازشیں ہر دور میں انبیائے کرام اور اُن کے ماننے والوں کے خلاف ہوتی رہی ہیں، لیکن بالآخر انجام اہلِ ایمان ہی کا بہتر ہوتا ہے، اور دُشمنوں کی سازشیں آخرکار خود انہی کو نقصان پہنچاتی ہیں، کبھی تو اسی دُنیا میں ان کا یہ نقصان ظاہر ہوجاتا ہے، اور کبھی دُنیا میں ظاہر نہیں ہوتا، لیکن آخرت میں ان کو پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے خود اپنے حق میں کانٹے بوئے تھے۔

وَإِذَا جَآءَتْهُمْ ءَايَةٌ قَالُوا۟ لَن نُّؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَآ أُوتِىَ رُسُلُ ٱللَّهِ ۘ ٱللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُۥ ۗ سَيُصِيبُ ٱلَّذِينَ أَجْرَمُوا۟ صَغَارٌ عِندَ ٱللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌۢ بِمَا كَانُوا۟ يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهْدِيَهُۥ يَشْرَحْ صَدْرَهُۥ لِلْإِسْلَٰمِ ۖ وَمَن يُرِدْ أَن يُضِلَّهُۥ يَجْعَلْ صَدْرَهُۥ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِى ٱلسَّمَآءِ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْعَلُ ٱللَّهُ ٱلرِّجْسَ عَلَى ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۵﴾

اور جب اِن (اہلِ مکہ) کے پاس (قرآن کی) کوئی آیت آتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ: "ہم اُس وقت تک ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ اُس جیسی چیز خود ہمیں نہ دے دی جائے جیسی اللہ کے پیغمبروں کو دی گئی تھی۔"[۵۶] (حالانکہ) اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی پیغمبری کس کو سپرد کرے۔ جن لوگوں نے (اِس قسم کی) مجرمانہ باتیں کی ہیں اُن کو اپنی مکاریوں کے بدلے میں اللہ کے پاس جا کر ذِلت اور سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔ ﴿۱۲۴﴾

غرض جس شخص کو اللہ ہدایت تک پہنچانے کا ارادہ کرلے، اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جس کو (اُس کی ضد کی وجہ سے) گمراہ کرنے کا ارادہ کرلے، اُس کے سینے کو تنگ اور اتنا زیادہ تنگ کر دیتا ہے کہ (اُسے ایمان لانا ایسا مشکل معلوم ہوتا ہے) جیسے اُسے زبردستی آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہو۔ اِسی طرح اللہ (کفر کی) گندگی اُن لوگوں پر مسلط کر دیتا ہے جو ایمان نہیں لاتے۔ ﴿۱۲۵﴾

(۵۶) یعنی جب تک خود ہم پر ویسی وحی نازل نہیں ہوگی جیسی انبیائے کرام پر نازل ہوتی رہی ہے، اور ویسے معجزات ہمیں نہیں دیئے جائیں گے جیسے اُن کو دیئے گئے تھے، اُس وقت تک ہم ایمان نہیں لائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم میں سے ہر شخص کو پوری پیغمبری ملنی چاہئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ پیغمبری کس کو عطا کی جائے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ

اور یہ (اسلام) تمہارے پروردگار کا (بتایا ہوا) سیدھا سیدھا راستہ ہے۔ جو لوگ نصیحت قبول کرتے ہیں، اُن کے لئے ہم نے (اِس راستے کی) نشانیاں کھول کھول کر بیان کردی ہیں ﴿۱۲۶﴾ اُن کے پروردگار کے پاس سکھ چین کا گھر ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے، اور جو عمل وہ کرتے رہے ہیں، اُن کی وجہ سے وہ خود اُن کا رکھوالا ہے ﴿۱۲۷﴾

اور (اُس دن کا دھیان رکھو) جس دن اللہ ان سب کو گھیر کر اِکٹھا کرے گا، اور (شیاطین جنات سے کہے گا کہ:) ''اے جنات کے گروہ! تم نے انسانوں کو بہت بڑھ چڑھ کر گمراہ کیا۔'' اور انسانوں میں سے جو اُن کے دوست ہوں گے، وہ کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ہم ایک دوسرے سے خوب مزے لیتے رہے ہیں،[(۵۷)] اور اَب اپنی اُس میعاد کو پہنچ گئے ہیں جو آپ نے ہمارے لئے مقرر کی تھی۔''

---

(۵۷) انسان تو شیطانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ ان کے بہکائے میں آکر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کی، اور وہ گناہ کئے جن سے ظاہری طور پر لذت حاصل ہوتی تھی۔ اور شیطان انسانوں سے یہ مزے لیتے رہے کہ انہیں گمراہ کرکے خوش ہوئے کہ یہ لوگ خوب اچھی طرح ہمارے قابو میں آگئے ہیں۔ دراصل وہ یہ کہہ کر اپنی غلطی کا اعتراف کررہے ہوں گے، اور غالباً آگے معافی بھی مانگنا چاہتے ہوں گے، لیکن یا تو اس سے آگے کچھ کہنے کا حوصلہ نہیں ہوگا، یا چونکہ معافی کا وقت گذر چکا ہوگا، اِس لئے اللہ تعالیٰ اُن کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی یہ فرمائیں گے کہ اب معافی تلافی کا وقت گذر چکا، اب تو تمہیں جہنم کی سزا بھگتنی ہی ہوگی۔

قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اللہ کہے گا: ''(اَب) آگ تم سب کا ٹھکانا ہے، جس میں تم ہمیشہ رہو گے، اِلا یہ کہ اللہ کچھ اور چاہے۔[۵۸] یقین رکھو کہ تمہارے پروردگار کی حکمت بھی کامل ہے، علم بھی کامل۔ ﴿۱۲۸﴾ اور اسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے کمائے ہوئے اعمال کی وجہ سے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔[۵۹] ﴿۱۲۹﴾ اے جنات اور اِنسانوں کے گروہ! کیا تمہارے پاس خود تم میں سے وہ پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتے تھے،[۶۰] اور تم کو اِسی دن کا سامنا کرنے سے خبردار کرتے تھے جو آج تمہارے سامنے ہے؟'' وہ کہیں گے: ''(آج) ہم نے خود اپنے خلاف گواہی دے دی ہے (کہ واقعی ہمارے پاس پیغمبر آئے تھے، اور ہم نے انہیں جھٹلایا تھا)''[۶۱] اور (درحقیقت) ان کو دُنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، اور (اب) انہوں نے خود اپنے خلاف گواہی دے دی کہ وہ کافر تھے ﴿۱۳۰﴾ یہ (پیغمبر بھیجنے کا) سارا سلسلہ اِس لئے تھا کہ تمہارے پروردگار کو یہ گوارا نہیں تھا کہ وہ بستیوں کو کسی زیادتی کی وجہ سے[۶۲] اِس حالت میں ہلاک کر دے کہ اُس کے لوگ بے خبر ہوں ﴿۱۳۱﴾

---

(۵۸) اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر استثناء کے اس جملے سے دو حقیقتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ ایک یہ کہ کافروں کے عذاب وثواب کا فیصلہ کسی سفارش یا اثر ورُسوخ کی وجہ سے تبدیل نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کا تمام تر فیصلہ خود اللہ تعالیٰ کی مشیت کی بنیاد پر ہوگا، اور یہ مشیت اس کی حکمت اور علم کے مطابق

ہوگی جس کا ذکر اگلے جملے میں ہے۔ دوسری حقیقت جو اس استثناء سے ظاہر فرمائی گئی ہے یہ ہے کہ کافروں کو ہمیشہ جہنم میں رکھنا (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی کوئی مجبوری نہیں ہے، لہٰذا اگر بالفرض اُس کی مشیت یہ ہو جائے کہ کسی کو باہر نکال لیا جائے تو یہ عقلی اعتبار سے ناممکن نہیں ہے، کیونکہ اُس کی اس مشیت کے خلاف کوئی اُسے مجبور نہیں کر سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ اُس کی مشیت اُس کے علم اور حکمت کے مطابق یہی ہو کہ کافر ہمیشہ جہنم میں رہیں۔

(۵۹) یعنی جس طرح ان کافروں پر اُن کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے شیاطین کو مسلط کر دیا گیا جو انہیں بہکاتے رہے، اسی طرح ہم ظالموں کی بداعمالیوں کی وجہ سے اُن پر دوسرے ظالموں کو مسلط کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جب کسی ملک کے لوگ بداعمالیوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو اُن پر ظالم حکمران مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ جب کوئی شخص کسی ظالم کے ظلم میں اُس کی مدد کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ خود اُسی ظالم کو مدد کرنے والے پر مسلط کر دیتا ہے (ابن کثیر)۔

اِس آیت کا ایک اور ترجمہ بھی ممکن ہے، اور وہ یہ کہ: ''اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیں گے۔'' اُس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شیاطین بھی ظالم تھے، اور ان کے پیچھے چلنے والے بھی۔ چنانچہ آخرت میں بھی ہم ان کو ایک دوسرے کا ساتھی بنا دیں گے۔ بہت سے مفسرین نے آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

(۶۰) انسانوں میں تو پیغمبروں کا تشریف لانا واضح ہے۔ اس آیت کی وجہ سے بعض علماء کا کہنا ہے کہ جنات میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبر آتے رہے ہیں۔ اور دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ با قاعدہ پیغمبر تو جنات میں نہیں آئے، لیکن انسانوں میں جو پیغمبر بھیجے گئے، وہی جنات کو بھی تبلیغ کرتے تھے، اور جو جنات مسلمان ہو جاتے وہ پھر انبیائے کرام کے نمائندے بن کر دوسرے جنات کو تبلیغ کرتے تھے، جیسا کہ سورۂ جن میں تفصیل سے مذکور ہے۔ آیت کی رُو سے دونوں احتمال ممکن ہیں، کیونکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں اور جنات دونوں کو تبلیغ کا حق ادا کر دیا گیا تھا، اور وہ دونوں طرح ممکن ہے۔

(۶۱) پیچھے آیت نمبر ۲۳ میں گذرا ہے کہ وہ شروع میں جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے، لیکن جب خود اُن کے ہاتھ پاؤں اُن کے خلاف گواہی دے دیں گے تو وہ بھی سچ کہنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ تفصیل کے لئے آیت ۲۳ کا حاشیہ ملاحظہ فرمایئے۔

(۶۲) اِس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُن بستی والوں کی کسی زیادتی کی وجہ سے اُن کو ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کو اُس وقت تک گوارا نہیں تھا جب تک انہیں انبیائے کرام کے ذریعے متوجہ نہ کر دیا جائے۔ اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود یہ زیادتی نہیں کر سکتا تھا کہ پہلے سے متوجہ کئے بغیر لوگوں کو ہلاک کر دے۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ

اور ہر قسم کے لوگوں کو مختلف درجات اُن اعمال کے حساب سے ملتے ہیں جو انہوں نے کئے ہوتے ہیں۔ اور جو اعمال بھی وہ کرتے ہیں، تمہارا پروردگار اُن سے غافل نہیں ہے ﴿۱۳۲﴾ اور تمہارا پروردگار ایسا بے نیاز ہے جو رحمت والا بھی ہے۔ (۶۳) اگر وہ چاہے تو تم سب کو (دُنیا سے) اُٹھا لے، اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہاری جگہ لے آئے، جیسے اُس نے تم کو کچھ اور لوگوں کی نسل سے پیدا کیا تھا۔ (۶۴) ﴿۱۳۳﴾ یقین رکھو کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جا رہا ہے اُس کو آنا ہی آنا ہے، (۶۵) اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿۱۳۴﴾ (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہو کہ: "اے میری قوم! تم اپنی جگہ (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کرو، میں (اپنے طریقے کے مطابق) عمل کر رہا ہوں۔

---

(۶۳) یعنی اُس نے رسولوں کو بھیجنے کا جو سلسلہ جاری فرمایا اُس کی وجہ معاذ اللہ یہ نہیں تھی کہ وہ تمہاری عبادت کا محتاج ہے، وہ تو مخلوق کی عبادت سے بے نیاز ہے، لیکن اِس کے ساتھ وہ رحمت والا بھی ہے، اس لئے اُس نے پیغمبر بھیجے ہیں جو بندوں کو اُس صحیح راہِ عمل کی طرف متوجہ کرتے رہیں جس میں اُن کی دُنیا اور آخرت دونوں کے لئے بہتری کا سامان ہو۔

(۶۴) جس طرح آج کے تمام لوگ اُن لوگوں کی نسل سے ہیں جن کا اب کوئی پتہ نشان باقی نہیں رہا، اسی طرح اللہ تعالیٰ کو یہ بھی قدرت ہے کہ آج کے تمام لوگوں کو ایک ہی مرتبہ میں ختم کر کے دوسری قوم پیدا کر دے، لیکن وہ اپنی رحمت کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہا۔

(۶۵) اس سے مراد آخرت اور جنت اور جہنم ہے۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

پھر جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اِس دُنیا کا انجام کس کے حق میں نکلتا ہے۔ یہ حقیقت (اپنی جگہ) ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے۔'' ﴿۱۳۵﴾

اور اللہ نے جو کھیتیاں اور چوپائے پیدا کئے ہیں، اِن لوگوں نے اُن میں سے اللہ کا بس ایک حصہ مقرر کیا ہے۔ (۶۶) چنانچہ بزعمِ خود یوں کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کا ہے، اور یہ ہمارے اُن معبودوں کا ہے جن کو ہم خدائی میں اللہ کا شریک مانتے ہیں۔ پھر جو حصہ اِن کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو (کبھی) اللہ کے پاس نہیں پہنچتا، اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے، وہ ان کے گھڑے ہوئے معبودوں کو پہنچ جاتا ہے۔ ایسی بُری بُری باتیں ہیں جو انہوں نے طے کر رکھی ہیں! ﴿۱۳۶﴾

---

(۶۶) یہاں سے آیت نمبر ۱۴۴ تک عرب کے مشرکین کی کچھ بے بنیاد رسموں کا بیان ہے۔ ان لوگوں نے کسی معقول اور علمی بنیاد کے بغیر مختلف کاموں کو من گھڑت اسباب کی بنیاد پر حلال یا حرام قرار دے رکھا تھا۔ مثلاً خود اپنی اولاد کو انتہائی سنگ دِلی سے قتل کر دیتے تھے۔ اگر لڑکی پیدا ہوئی ہو تو اسے اپنے لئے بڑی شرم کی بات سمجھ کر اسے زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے، بعض لوگ اس وجہ سے بھی لڑکیوں کو دفن کر دیتے تھے کہ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، اس لئے انسانوں کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ لڑکیاں رکھیں۔ لڑکوں کو بعض اس وجہ سے قتل کر ڈالتے تھے کہ ان کو کہاں سے کھلائیں گے۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو یہ نذر مان لیتے تھے کہ ہمارا جو دسواں لڑکا ہوگا، اسے اللہ یا بتوں کے نام پر ذبح کر دیں گے۔ اِس کے علاوہ اپنے مویشیوں اور کھیتوں کی

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کو اُن کے شریکوں نے یہ سُجھا رکھا ہے کہ اپنی اولاد کو قتل کرنا بڑا اچھا کام ہے، تاکہ وہ اِن (مشرکین) کو بالکل تباہ کر ڈالیں، اور اُن کے لئے اُن کے دِین کے معاملے میں مغالطے پیدا کر دیں۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کر سکتے۔ (۶۷) لہٰذا اِن کو اپنی افترا پردازیوں میں پڑا رہنے دو ﴿۱۳۷﴾ اور یوں کہتے ہیں کہ: ''اِن چوپایوں اور کھیتیوں پر پابندی لگی ہوئی ہے۔'' ان کا زعم یہ ہے کہ: ''اِن کو سوائے اُن لوگوں کے کوئی نہیں کھا سکتا جنہیں ہم کھلانا چاہیں۔'' (۶۸)

پیداوار کے بارے میں بھی عجیب وغریب عقیدے گھڑ رکھے تھے۔ اُن میں سے ایک کا بیان اِس آیت میں ہے، اور وہ یہ کہ اپنے کھیتوں کی پیداوار اور مویشیوں کے دُودھ یا گوشت میں سے کچھ حصہ تو اللہ کے نام کا رکھتے تھے (جو مہمانوں اور غریبوں میں تقسیم کے لئے ہوتا تھا) اور ایک حصہ اپنے بتوں کے نام کا نکالتے تھے جو بت خانوں پر چڑھایا جاتا تھا، اور اُس سے بت خانوں کے نگراں فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اوّل تو یہ بات ہی بے ہودہ تھی کہ اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک کر کے اُن کے نام پر پیداوار کا کچھ حصہ رکھا جائے۔ اُوپر سے ستم ظریفی یہ تھی کہ جو حصہ اللہ کے نام کا رکھا تھا، اگر اُس میں سے کچھ بتوں والے حصے میں چلا جاتا تو کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، البتہ اگر بتوں کے حصے میں سے کوئی چیز اللہ کے نام کے حصے میں چلی جاتی تو اُسے فوراً واپس کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

(۶۷) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے اسی سورت میں پیچھے آیت نمبر ۱۱۲ کا حاشیہ۔

(۶۸) یہ ایک اور رسم کا بیان ہے جس کی رُو سے وہ اپنے من گھڑت دیوتاؤں کو اپنے گمان کے مطابق خوش کرنے کے لئے کسی خاص کھیتی یا مویشی پر پابندی لگا دیتے تھے کہ ان کی پیداوار سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ البتہ جس شخص کو چاہتے، اس پابندی سے مستثنیٰ کر دیتے تھے۔

وَ اَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَ اَنۡعَامٌ لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَ قَالُوۡا مَا فِىۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزۡوَاجِنَا ۚ وَ اِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ وَصۡفَهُمۡ ؕ اِنَّهٗ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدۡ خَسِرَ الَّذِيۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَهُمۡ سَفَهًۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّ حَرَّمُوۡا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افۡتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدۡ ضَلُّوۡا وَ مَا كَانُوۡا مُهۡتَدِيۡنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن کی پشت حرام قرار دے دی گئی ہے،(۶۹) اور کچھ چوپائے وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ پر یہ بہتان باندھتے ہیں کہ اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے۔(۷۰) جو اِفترا پردازی یہ لوگ کر رہے ہیں، اللہ انہیں عنقریب اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ﴿۱۳۸﴾

نیز وہ کہتے ہیں کہ: "ان خاص چوپایوں کے پیٹ میں جو بچے ہیں وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے مخصوص ہیں، اور ہماری عورتوں کے لئے حرام ہیں۔" اور اگر وہ بچہ مردہ پیدا ہو تو اُس سے فائدہ اُٹھانے میں سب (مرد و عورت) شریک ہو جاتے ہیں۔(۷۱) جو باتیں یہ لوگ بنا رہے ہیں، اللہ انہیں عنقریب اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ یقیناً وہ حکمت کا بھی مالک ہے، علم کا بھی مالک ﴿۱۳۹﴾ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بڑے خسارے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو کسی علمی وجہ کے بغیر محض حماقت سے قتل کیا ہے، اور اللہ نے جو رزق ان کو دیا تھا اُسے اللہ پر بہتان باندھ کر حرام کر لیا ہے۔ وہ بری طرح گمراہ ہو گئے ہیں، اور کبھی ہدایت پر آئے ہی نہیں۔ ﴿۱۴۰﴾

(۶۹) یہ ایک اور رسم تھی کہ کسی سواری کے جانور کو کسی بت کے نام وقف کر دیتے تھے، اور یہ کہتے تھے کہ اس پر سواری کرنا حرام ہے۔

(۷۰) بعض جانوروں کے بارے میں انہوں نے یہ طے کر رکھا تھا کہ ان پر اللہ کا نام نہیں لیا جا سکتا، نہ ذبح کرتے وقت، نہ سواری کے وقت، اور نہ اُن کا گوشت کھاتے وقت۔ چنانچہ اُن پر سوار ہو کر حج کرنے کو بھی ناجائز سمجھتے تھے۔

(۷۱) یعنی بچہ اگر زندہ پیدا ہو جائے تو صرف مردوں کے لئے حلال ہوگا، عورتوں کے لئے حرام، لیکن مردہ پیدا ہو تو مردوں عورتوں دونوں کے لئے حلال۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ۙ

اللہ وہ ہے جس نے باغات پیدا کئے جن میں سے کچھ (بیل دار ہیں جو) سہاروں سے اُوپر چڑھائے جاتے ہیں، اور کچھ سہاروں کے بغیر بلند ہوتے ہیں، اور نخلستان اور کھیتیاں، جن کے ذائقے الگ الگ ہیں، اور زیتون اور انار، جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں، اور ایک دوسرے سے مختلف بھی۔ (۷۲) جب یہ درخت پھل دیں تو ان کے پھلوں کو کھانے میں استعمال کرو، اور جب ان کی کٹائی کا دن آئے تو اللہ کا حق ادا کرو، (۷۳) اور فضول خرچی نہ کرو۔ یاد رکھو، وہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۴۱﴾ اور چوپایوں میں سے اللہ نے وہ جانور بھی پیدا کئے ہیں جو بوجھ اُٹھاتے ہیں، اور وہ بھی جو زمین سے لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ (۷۴) اللہ نے جو رزق تمہیں دیا ہے، اس میں سے کھاؤ، اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یقین جانو، وہ تمہارے لئے ایک کھلا دُشمن ہے ﴿۱۴۲﴾

(۷۲) تشریح کے لئے دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۹۹ کا حاشیہ۔

(۷۳) اس سے مراد عشر ہے جو زرعی پیداوار پر واجب ہوتا ہے۔ مکی زندگی میں اس کی کوئی خاص شرح مقرر نہیں تھی، بلکہ جب کٹائی کا وقت آتا تو کھیتی کے مالک پر فرض تھا کہ جو فقراء اس وقت موجود ہوں، اُن کو اپنی صوابدید کے مطابق کچھ دے دیا کرے۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد اس کے مفصل اَحکام آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ تفصیل بیان فرمائی کہ بارانی زمینوں پر پیداوار کا دسواں حصہ اور نہری زمینوں پر بیسواں حصہ غریبوں کا حق ہے۔ آیت نے بتایا ہے کہ یہ حق کٹائی ہی کے وقت ادا کر دینا چاہئے۔

(۷۴) ''زمین سے لگے ہوئے'' ہونے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہوتا ہے، جیسے بھیڑ بکریاں، اور

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع

(مویشیوں کے) کل آٹھ جوڑے اللہ نے پیدا کئے ہیں۔ دو صنفیں (نر اور مادہ) بھیڑوں کی نسل سے اور دو بکروں کی نسل سے۔ ذرا ان سے پوچھو کہ: ''کیا دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے، یا دونوں مادہ کو؟ یا ہر اُس بچے کو جو دونوں نسلوں کی مادہ کے پیٹ میں موجود ہو؟ اگر تم سچے ہو تو کسی علمی بنیاد پر مجھے جواب دو[(۷۵)]!'' ﴿۱۴۳﴾ اور اسی طرح اُونٹوں کی بھی دو صنفیں (نر اور مادہ اللہ نے) پیدا کی ہیں، اور گائے کی بھی دو صنفیں۔ ان سے کہو کہ: ''کیا دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے، یا دونوں مادہ کو؟ یا ہر اُس بچے کو جو دونوں نسلوں کی مادہ کے پیٹ میں موجود ہو؟ کیا تم اُس وقت خود حاضر تھے جب اللہ نے تمہیں اِس کا حکم دیا تھا؟ (اگر نہیں، اور یقیناً نہیں) تو پھر اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر اس لئے جھوٹ باندھے تاکہ کسی علمی بنیاد کے بغیر لوگوں کو گمراہ کر سکے؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔'' ﴿۱۴۴﴾

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ان کی کھال زمین پر بچھانے کے کام آتی ہے۔

(۷۵) مطلب یہ ہے کہ تم لوگ کبھی نر جانور کو حرام قرار دے دیتے ہو، کبھی مادہ جانور کو، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ جوڑے پیدا کرتے وقت نہ نر کو حرام کیا تھا نہ مادہ کو۔ اب تم ہی بتاؤ کہ اگر نر ہونے کی وجہ سے کوئی جانور حرام ہوتا ہے تو ہمیشہ نر ہی حرام ہونا چاہئے، اور اگر مادہ ہونے کی وجہ سے حرمت آتی ہے تو ہمیشہ مادہ ہی حرام ہونی چاہئے، اور اگر کسی مادہ کے پیٹ میں ہونے کی وجہ سے حرمت آتی ہے تو پھر بچہ نر ہو یا مادہ ہر صورت میں حرام ہونا چاہئے۔ لہٰذا تم نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ رکھے ہیں نہ ان کی کوئی علمی یا عقلی بنیاد ہے، اور نہ اللہ کا کوئی حکم ایسا آیا ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٥﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿١٤٦﴾

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: "جو وحی مجھ پر نازل کی گئی ہے اُس میں تو میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا کسی کھانے والے کے لئے حرام ہو،(٧٦) اِلا یہ کہ وہ مردار ہو، یا بہتا ہوا خون ہو، یا سور کا گوشت ہو، کیونکہ وہ ناپاک ہے، یا جو ایسا گناہ کا جانور ہو جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ ہاں جو شخص (ان چیزوں میں سے کسی کے کھانے پر) انتہائی مجبور ہو جائے،(٧٧) جبکہ وہ نہ لذت حاصل کرنے کی غرض سے ایسا کر رہا ہو، اور نہ ضرورت کی حد سے آگے بڑھے، تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿١٤٥﴾

اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا، اور گائے اور بکری کے اجزاء میں سے ان کی چربیاں ہم نے حرام کی تھیں، البتہ جو چربی ان کی پشت پر یا آنتوں پر لگی ہو، یا جو کسی ہڈی سے ملی ہوئی ہو وہ مستثنیٰ تھی۔ یہ ہم نے اُن کو اُن کی سرکشی کی سزا دی تھی۔ اور پورا یقین رکھو کہ ہم سچے ہیں ﴿١٤٦﴾

(٧٦) مطلب یہ ہے کہ جن جانوروں کو بت پرستوں نے حرام قرار دے رکھا ہے، اُن میں سے کسی جانور کے بارے میں مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ممانعت کا حکم ان چار چیزوں کے سوا نہیں آیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسرے جانوروں میں بھی کوئی جانور حرام نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کے درندوں وغیرہ کے حرام ہونے کی وضاحت فرمادی ہے۔

(٧٧) یعنی اگر آدمی بھوک سے بے تاب ہو اور کھانے کے لئے کوئی حلال چیز میسر نہ ہو، تو جان بچانے کے لئے ان حرام چیزوں میں سے کسی چیز کا کھانا بقدر ضرورت جائز ہو جاتا ہے۔ ان چیزوں کی حرمت کا یہ حکم پیچھے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۷۳ اور سورۂ مائدہ کی آیت نمبر ۳ میں بھی گذر ا ہے، اور آگے سورۂ نحل کی آیت نمبر ۱۱۵ میں بھی آئے گا۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾

پھر بھی اگر یہ (کافر) تمہیں جھٹلائیں تو کہہ دو کہ: ''تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت کا مالک ہے، اور اُس کے عذاب کو مجرموں سے ٹلایا نہیں جاسکتا۔''(۷۸) ﴿۱۴۷﴾ جن لوگوں نے شرک اپنایا ہوا ہے، وہ یہ کہیں گے کہ: ''اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے، نہ ہمارے باپ دادا، اور نہ ہم کسی بھی چیز کو حرام قرار دیتے۔''(۷۹) اِن سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح (رسولوں کو) جھٹلایا تھا، یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا۔ تم اِن سے کہو کہ: ''کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے جو ہمارے سامنے نکال کر پیش کرسکو؟ تم تو جس چیز کے پیچھے چل رہے ہو وہ گمان کے سوا کچھ نہیں، اور تمہارا کام اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہمی اندازے لگاتے رہو ﴿۱۴۸﴾

---

(۷۸) جھٹلانے والوں سے یہاں براہ راست تو یہودی مراد ہیں، کیونکہ وہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ مذکورہ چیزیں اُن پر اُن کی سرکشی کی وجہ سے حرام کی گئی تھیں۔ ضمناً اس میں مشرکینِ عرب بھی داخل ہیں جو قرآنِ کریم کی ہر بات کا انکار کرتے تھے جس میں یہ بات بھی شامل تھی۔ دونوں فریقوں سے یہ کہا جارہا ہے کہ اگر ان کے قرآن کو جھٹلانے کے باوجود اُن پر کوئی فوری عذاب نہیں آرہا ہے، بلکہ دُنیا میں انہیں خوشحالی بھی میسر ہے، تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے عمل سے خوش ہے۔ اس کے بجائے حقیقت یہ ہے کہ اس دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ وہ اپنے باغیوں کو بھی رزق دیتا ہے، اور خوشحالی سے نوازتا ہے۔ البتہ یہ بات طے ہے کہ ان مجرموں کو ایک نہ ایک دن عذاب ضرور ہوگا جسے کوئی ٹلا نہیں سکتا۔

(۷۹) یہ پھر وہی بے ہودہ دلیل ہے جس کا جواب بار بار دِیا جاچکا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر اللہ کو شرک ناگوار ہے تو وہ ہمیں شرک پر قدرت ہی کیوں دیتا ہے؟ جواب بار بار دِیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری دُنیا کو اپنی قدرت کے ذریعے زبردستی ایمان پر مجبور کردے تو پھر امتحان ہی کیا ہوا؟ دُنیا تو اسی امتحان کے لئے پیدا کی گئی ہے کہ کون شخص

قُلۡ فَلِلّٰهِ الۡحُجَّةُ الۡبَالِغَةُ ۚ فَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰىكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلۡ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيۡنَ يَشۡهَدُوۡنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ ۚ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ ع قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَيۡكُمۡ اَلَّا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡــًٔـا وَّبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ۚ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ

ع ۱۸ / ۶ / ۵

(اے پیغمبر! ان سے) کہو کہ: ''ایسی دلیل تو اللہ ہی کی ہے جو (دِلوں تک) پہنچنے والی ہو۔ چنانچہ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو (زبردستی) ہدایت پر لے آتا۔''(۸۰) ﴿۱۴۹﴾ ان سے کہو کہ: ''اپنے وہ گواہ ذرا سامنے تو لاؤ جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا ہے۔'' پھر اگر یہ خود گواہی دے بھی دیں تو تم اُن کے ساتھ گواہی میں شریک نہ ہونا، اور اُن لوگوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلنا جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، جو آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، اور جو دوسروں کو (خدائی میں) اپنے پروردگار کے برابر مانتے ہیں ﴿۱۵۰﴾ (ان سے) کہو کہ: ''آؤ، میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے (درحقیقت) تم پر کونسی باتیں حرام کی ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اور غربت کی وجہ سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو۔

اپنی سمجھ اور اپنے اختیار سے وہ صحیح راستہ اختیار کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی فطرت میں بھی رکھ دیا ہے، اور جس کی طرف رہنمائی کے لئے اتنے سارے پیغمبر بھیجے ہیں۔

(۸۰) یعنی تم تو فرضی دلائل پیش کر رہے ہو، لیکن اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیج کر اپنی حجت پوری کر دی ہے، اور ان کے بیان کئے ہوئے دلائل دِلوں میں اُترنے والے ہیں۔ اُن کی تصدیق اس حقیقت نے بھی کر دی ہے کہ جن لوگوں نے انہیں جھٹلایا، وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے شکار ہوئے۔ لہٰذا یہ بات تو صحیح ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو زبردستی ہدایت پر لے آتا، لیکن اس سے تمہاری یہ ذمہ داری ختم نہیں ہوتی کہ تم اپنے اختیار سے پیغمبروں کے ناقابلِ انکار دلائل کو قبول کر کے ایمان لاؤ۔

نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿١٥٢﴾

ہم تمہیں بھی رزق دیں گے، اور اُن کو بھی۔ اور بے حیائی کے کاموں کے پاس بھی نہ پھٹکو، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو یا چھپی ہوئی،(۸۱) اور جس جان کو اللہ نے حرمت عطا کی ہے اُسے کسی برحق وجہ کے بغیر قتل نہ کرو۔ لوگو! یہ ہیں وہ باتیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تمہیں کچھ سمجھ آئے ﴿۱۵۱﴾ اور یتیم جب تک پختگی کی عمر کو نہ پہنچ جائے، اُس وقت تک اُس کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ، مگر ایسے طریقے سے جو (اُس کے حق میں) بہترین ہو، اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، (البتہ) اللہ کسی بھی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا۔(۸۲) اور جب کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو، چاہے معاملہ اپنے قریبی رشتہ دار ہی کا ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔(۸۳) لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے، تاکہ تم نصیحت قبول کرو ﴿۱۵۲﴾

---

(۸۱) یعنی بے حیائی کے کام جس طرح کھلم کھلا کرنا منع ہے، اسی طرح چوری چھپے بھی منع ہے۔

(۸۲) خرید وفروخت کے وقت ناپ تول کا پورا لحاظ رکھنا واجب ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ واضح فرمادیا کہ اس معاملے میں طاقت سے زیادہ مین میخ نکالنے کی بھی ضرورت نہیں۔ انسان کو پوری پوری کوشش کرنی چاہئے کہ ناپ تول ٹھیک ہو، لیکن کوشش کے باوجود تھوڑا بہت فرق رہ جائے تو وہ معاف ہے۔

(۸۳) اللہ کے عہد میں وہ عہد بھی داخل ہے جس میں براہِ راست اللہ تعالیٰ سے کوئی وعدہ کیا گیا ہو، اور وہ عہد بھی جو کسی انسان سے کیا گیا ہو، مگر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر یا اُس کو گواہ بنا کر کیا گیا ہو۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ ۙ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ ۙ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ

ع ۱۹/۴

اور (اے پیغمبر! اِن سے) یہ بھی کہو کہ: ''یہ میرا سیدھا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا اس کے پیچھے چلو، اور دوسرے راستوں کے پیچھے نہ پڑو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے الگ کردیں گے۔'' لوگو! یہ باتیں ہیں جن کی اللہ نے تاکید کی ہے تاکہ تم متقی بنو ﴿۱۵۳﴾

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ نیک لوگوں پر اللہ کی نعمت پوری ہو، اور ہر چیز کی تفصیل بیان کردی جائے، اور وہ (لوگوں کے لئے) رہنمائی اور رحمت کا سبب بنے، تاکہ وہ (آخرت میں) اپنے پروردگار سے جا ملنے پر ایمان لے آئیں ﴿۱۵۴﴾ اور (اسی طرح) یہ برکت والی کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے۔ لہٰذا اس کی پیروی کرو، اور تقویٰ اختیار کرو، تاکہ تم پر رحمت ہو ﴿۱۵۵﴾ (یہ کتاب ہم نے اس لئے نازل کی کہ) کبھی تم یہ کہنے لگو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں (یہود و نصاریٰ) پر نازل کی گئی تھی، اور جو کچھ وہ پڑھتے پڑھاتے تھے، ہم تو اُس سے بالکل بے خبر تھے ﴿۱۵۶﴾ یا یہ کہو کہ اگر ہم لوگوں پر کتاب نازل ہوجاتی تو ہم ان (یہودیوں اور عیسائیوں) سے یقیناً زیادہ ہدایت پر ہوتے۔ لو! پھر تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل اور ہدایت و رحمت کا سامان آگیا ہے!

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ

اب اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور اُن سے منہ موڑ لے؟ جو لوگ ہماری آیتوں سے منہ موڑ رہے ہیں، اُن کو ہم بہت بُرا عذاب دیں گے، کیونکہ وہ برابر منہ موڑے ہی رہے ﴿۱۵۷﴾

یہ (ایمان لانے کے لئے) اس کے سوا کس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں، یا تمہارا پروردگار خود آئے، یا تمہارے پروردگار کی کچھ نشانیاں آجائیں؟ (حالانکہ) جس دن تمہارے پروردگار کی کوئی نشانی آگئی، اُس دن کسی ایسے شخص کا ایمان اُس کے لئے کارآمد نہیں ہوگا جو پہلے ایمان نہ لایا ہو، یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی نیک عمل کی کمائی نہ کی ہو۔[۸۴] (لہٰذا ان لوگوں سے) کہہ دو کہ: "اچھا، انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں۔" ﴿۱۵۸﴾ (اے پیغمبر!) یقین جانو کہ جن لوگوں نے اپنے دِین میں تفرقہ پیدا کیا ہے، اور گروہوں میں بٹ گئے ہیں، اُن سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۸۴) اس سے مراد قیامت کی آخری نشانی ہے، جس کے بعد ایمان قبول نہیں ہوگا، کیونکہ معتبر ایمان وہی ہے جو دلائل کی بنیاد پر ایمان بالغیب ہو، کسی چیز کو آنکھوں سے مشاہدہ کر کے ایمان لانے سے امتحان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا جس کے لئے یہ دُنیا پیدا کی گئی ہے۔

اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦٠﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٦١﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ

اُن کا معاملہ تو اللہ کے حوالے ہے۔ پھر وہ اُنہیں جتلائے گا کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں ﴿۱۵۹﴾ جو شخص کوئی نیکی لے کر آئے گا، اُس کے لئے اُس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ہے، اور جو شخص کوئی بدی لے کر آئے گا، تو اُس کو صرف اُسی ایک بدی کی سزا دی جائے گی، اور اُن پر کوئی ظلم نہیں ہوگا ﴿۱۶۰﴾ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ میرے پروردگار نے مجھے ایک سیدھے راستے پر لگا دیا ہے جو کجی سے پاک دِین ہے، ابراہیم کا دِین! جنہوں نے پوری طرح یکسو ہو کر اپنا رُخ صرف اللہ کی طرف کیا ہوا تھا، اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے ﴿۱۶۱﴾ کہہ دو کہ: "بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۱۶۲﴾ اُس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اِسی بات کا مجھے حکم دیا گیا ہے، اور میں اُس کے آگے سب سے پہلے سر جھکانے والا ہوں۔" ﴿۱۶۳﴾ کہہ دو کہ "کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور پروردگار تلاش کروں، حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے؟ اور جو کوئی شخص کوئی کمائی کرتا ہے، اُس کا نفع نقصان کسی اور پر نہیں، خود اُسی پر پڑتا ہے،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۚ ثُمَّ اِلٰی رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ٘ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع ۲۰

اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی اور کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا۔ (۸۵) پھر تمہارے پروردگار ہی کی طرف تم سب کو لوٹنا ہے۔ اُس وقت وہ تمہیں وہ ساری باتیں بتائے گا جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے ﴿۱۶۴﴾ اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو دوسروں سے درجات میں بلندی عطا کی، تاکہ اُس نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں، اُن میں تمہیں آزمائے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمہارا ربّ جلد سزا دینے والا ہے، اور یہ (بھی) حقیقت ہے کہ وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۶۵﴾

(۸۵) کفار کبھی کبھی مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ تم ہمارے مذہب کو اپنا لو، اگر کوئی عذاب ہوا تو تمہارے حصے کا عذاب بھی ہم اپنے سر لے لیں گے، جیسا کہ سورۂ عنکبوت (۲۹: ۱۲) میں قرآنِ کریم نے اُن کی یہ بات نقل فرمائی ہے۔ یہ آیت اس کے جواب میں نازل ہوئی۔ اور اس میں یہ عظیم سبق ہے کہ ہر شخص کو اپنے انجام کی خود فکر کرنی چاہئے، کوئی دوسرا شخص اسے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہی مضمون سورۂ بنی اسرائیل (۱۷: ۱۵) سورۂ فاطر (۳۵: ۱۸) سورۂ زمر (۳۹: ۷) اور سورۂ نجم (۵۳: ۳۸) میں بھی آیا ہے۔ اس کی مزید تفصیل اِن شاء اللہ سورۂ نجم میں آئے گی۔

الحمد للہ تعالیٰ، سورۂ اَنعام کا ترجمہ اور حواشی آج مؤرخہ ۲۶؍ صفر المظفر ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۷؍ مارچ ۲۰۰۶ء کو کراچی میں تکمیل تک پہنچے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو قبول فرمائیں، اسے مفید بنائیں، اور باقی سورتوں کی تکمیل کی بھی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔

سُورَةُ الأعراف

تعارف

یہ سورت بھی مکی ہے۔اس کا بنیادی موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔اس کے ساتھ توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں۔اور متعدد انبیائے کرام علیہم السلام کے واقعات بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔خاص طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کا واقعہ سب سے زیادہ مفصل طریقے پر اسی سورت میں آیا ہے۔''اَعراف'' کے لفظی معنی بلندیوں کے ہیں۔اور اصطلاح میں یہ اُس جگہ کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے، اور جن لوگوں کے اچھے اور بُرے اعمال برابر ہوں گے، اُن کو کچھ عرصے کے لئے یہاں رکھا جائے گا، پھر اُن کے ایمان کی وجہ سے آخرکار وہ بھی جنت میں داخل ہوجائیں گے۔چونکہ اسی سورت میں اَعراف اور اس میں رکھے جانے والوں کا بیان تفصیل سے آیا ہے، اس لئے اس کا نام سورۂ اعراف رکھا گیا ہے۔

آیاتھا ۲۰۶ ۷ سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَکِّیَّۃٌ ۳۹ رکوعاتھا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَیْكَ فَلَا یَكُنْ فِیْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَیَاتًا اَوْ هُمْ قَآىِٕلُوْنَ ④

یہ سورت مکی ہے، اوراس میں دوسو چھ آیات اور چوبیس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جوسب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

الٓمّٓصٓ[1] ﴿۱﴾ (اے پیغمبر!) یہ کتاب ہے جوتم پراس لئے اُتاری گئی ہے کہ تم اُس کے ذریعے لوگوں کو ہوشیار کرو، لہٰذا اس کی وجہ سے تمہارے دِل میں کوئی پریشانی نہ ہونی چاہئے،[2] اور مؤمنوں کے لئے یہ ایک نصیحت کا پیغام ہے ﴿۲﴾ (لوگو!) جو کتاب تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی ہے، اس کے پیچھے چلو، اور اپنے پروردگار کو چھوڑ کر دوسرے (من گھڑت) سرپرستوں کے پیچھے نہ چلو۔ (مگر) تم لوگ نصیحت کم ہی مانتے ہو ﴿۳﴾ کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کیا۔ چنانچہ اُن کے پاس ہمارا عذاب راتوں رات آگیا، یا ایسے وقت آیا جب وہ دوپہر کو آرام کررہے تھے ﴿۴﴾

(۱) سورۂ بقرہ کے شروع میں گذر چکا ہے کہ یہ علیحدہ علیحدہ حروف جو بہت سی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں، ان کو ''حروف مقطعات'' کہتے ہیں، اوران کے ٹھیک ٹھیک معنیٰ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں ہیں۔ اوران کے معنیٰ سمجھنے پر دِین کی کوئی بات موقوف بھی نہیں ہے۔

(۲) یعنی آپ کو یہ پریشانی نہیں ہونی چاہئے کہ اس کے مضامین کو آپ لوگوں سے کیسے منوائیں گے، اوراگر لوگ

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ۨ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع ۸

پھر جب اُن پر ہمارا عذاب آ پہنچا تو اُن کے پاس کہنے کو اور تو کچھ تھا نہیں، بس بول اُٹھے کہ واقعی ہم ہی ظالم تھے ﴿۵﴾ اب ہم اُن لوگوں سے ضرور باز پُرس کریں گے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے تھے، اور ہم خود پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے (کہ انہوں نے کیا پیغام پہنچایا، اور انہیں کیا جواب ملا؟) ﴿۶﴾ پھر ہم اُن کے سامنے سارے واقعات خود اپنے علم کی بنیاد پر بیان کر دیں گے، (کیونکہ) ہم (ان واقعات کے وقت) کہیں غائب تو نہیں تھے ﴿۷﴾ اور اُس دن (اعمال کا) وزن ہونا اٹل حقیقت ہے۔ چنانچہ جن کی ترازو کے پلے بھاری ہوں گے، وہی فلاح پانے والے ہوں گے ﴿۸﴾ اور جن کی ترازو کے پلے ہلکے ہوں گے، وہی لوگ ہیں جنہوں نے ہماری آیتوں کے ساتھ زیادتیاں کر کر کے خود اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈالا ہے ﴿۹﴾ اور کھلی بات ہے کہ ہم نے تمہیں زمین میں رہنے کی جگہ دی، اور اُس میں تمہارے لئے روزی کے اسباب پیدا کئے۔ (پھر بھی) تم لوگ شکر کم ہی ادا کرتے ہو ﴿۱۰﴾

نہ مانے تو کیا ہوگا؟ کیونکہ آپ کا فریضہ لوگوں کو ہوشیار اور خبردار کرنا ہے، اُن کے ماننے نہ ماننے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

اور ہم نے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہاری صورت بنائی، پھر فرشتوں سے کہا کہ: ''آدم کو سجدہ کرو۔'' چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے۔ وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔[۳] ﴿۱۱﴾ اللہ نے کہا: ''جب میں نے تجھے حکم دے دیا تھا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟'' وہ بولا: ''میں اُس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، اور اُس کو مٹی سے پیدا کیا'' ﴿۱۲﴾ اللہ نے کہا: ''اچھا تو یہاں سے نیچے اُتر، کیونکہ تجھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ یہاں تکبر کرے۔ اب نکل جا، یقیناً تو ذلیلوں میں سے ہے'' ﴿۱۳﴾ اُس نے کہا: ''مجھے اُس دن تک (زندہ رہنے کی) مہلت دیدے جس دن لوگوں کو قبروں سے زندہ کر کے اُٹھایا جائے گا'' ﴿۱۴﴾ اللہ نے فرمایا: ''تجھے مہلت دے دی گئی''[۴] ﴿۱۵﴾

---

(۳) اس واقعے کی کچھ تفصیلات سورۂ بقرہ (۲: ۳۴ تا ۳۹) میں گذری ہیں۔ ان آیتوں پر جو حواشی ہم نے لکھے ہیں، اُن میں واقعے سے متعلق کئی سوالات کا جواب آ گیا ہے۔ انہیں ملاحظہ فرما لیا جائے۔

(۴) شیطان نے درخواست تو یہ کی تھی کہ اُس وقت تک اُسے زندگی دی جائے جس دن حشر ہوگا، اور دوسرے مردے زندہ کر کے اُٹھائے جائیں گے۔ یہاں اس درخواست کے جواب میں مہلت دینے کا تو ذکر ہے، لیکن یہ مہلت کب تک دی گئی ہے، اس آیت میں یہ بات واضح طور پر بیان نہیں فرمائی گئی۔ سورۂ حجر (۱۵: ۳۸) اور سورۂ ص (۳۸: ۸۱) میں بھی یہ واقعہ آیا ہے، وہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ ''ایک معین وقت'' تک مہلت دی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اُس کی درخواست کے مطابق روزِ حشر تک مہلت دینے کا وعدہ نہیں کیا گیا، بلکہ یہ فرمایا گیا

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾

کہنے لگا: ''اب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے،(۵) اِس لئے میں (بھی) قسم کھاتا ہوں کہ اِن (انسانوں) کی گھات لگا کر تیرے سیدھے راستے پر بیٹھ رہوں گا ﴿۱۶﴾ پھر میں اِن پر (چاروں طرف سے) حملے کروں گا، ان کے سامنے سے بھی، اور ان کے پیچھے سے بھی، اور ان کی دائیں طرف سے بھی، اور ان کی بائیں طرف سے بھی۔ اور تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گذار نہیں پائے گا'' ﴿۱۷﴾ اللہ نے کہا: ''نکل جا یہاں سے، ذلیل اور مردُود ہو کر۔ اُن میں سے جو تیرے پیچھے چلے گا، (وہ بھی تیرا ساتھی ہوگا) اور میں تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا ﴿۱۸﴾ اور اے آدم! تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو، اور جہاں سے جو چیز چاہو، کھاؤ۔ البتہ اِس (خاص) درخت کے قریب بھی مت پھٹکنا، ورنہ تم زیادتی کرنے والوں میں شامل ہوجاؤ گے'' ﴿۱۹﴾

ہے کہ ایک معین وقت ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، اُس وقت تک مہلت دی گئی ہے۔ دوسرے دلائل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیطان قیامت کا پہلا صور پھونکے جانے تک زندہ رہے گا، اور اُس کے بعد جس طرح دوسری مخلوقات کو موت آئے گی، اُسے بھی موت آئے گی۔ پھر جب سب کو زندہ کیا جائے گا تو اُسے بھی زندہ کیا جائے گا۔

(۵) شیطان نے اپنی بدعملی کی ذمہ داری خود قبول کرنے کے بجائے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ڈالنے کی کوشش کی، حالانکہ تقدیر کی وجہ سے کسی کا اِختیار سلب نہیں ہوتا، تقدیر کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص اپنے اختیار سے فلاں کام کرے گا۔ نیز اُس کے کہنے کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کو ایک ایسا حکم ہی کیوں دیا جو اُس کے لئے قابلِ قبول نہیں تھا، اس لئے بالواسطہ اُس کی گمراہی (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وجہ سے ہوئی۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ

پھر ہوا یہ کہ شیطان نے اُن دونوں کے دِل میں وسوسہ ڈالا، تا کہ اُن کی شرم کی جگہیں جو اُن سے چھپائی گئی تھیں، ایک دوسرے کے سامنے کھول دے۔(۶) کہنے لگا کہ: "تمہارے پروردگار نے تمہیں اس درخت سے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس وجہ سے روکا تھا کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ، یا تمہیں ہمیشہ کی زندگی نہ حاصل ہو جائے(۷)۔" ﴿۲۰﴾ اور اُن کے سامنے وہ قسمیں کھا گیا کہ یقین جانو میں تمہارے خیر خواہوں میں سے ہوں ﴿۲۱﴾ اس طرح اُس نے دونوں کو دھوکا دے کر نیچے اُتار ہی لیا۔(۸) چنانچہ جب دونوں نے اُس درخت کا مزہ چکھا تو اُن دونوں کی شرم کی جگہیں ایک دوسرے پر کھل گئیں، اور وہ جنت کے کچھ پتے جوڑ جوڑ کر اپنے بدن پر چپکانے لگے۔(۹)

(۶) بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس درخت کی خاصیت یہ تھی کہ اُس کا پھل کھانے سے جنت کا لباس اُتر جاتا تھا، اور یہ بات اِبلیس کو معلوم تھی۔ چنانچہ جب حضرت آدم اور حواء علیہما السلام نے اُسے کھایا تو جنت کا جو لباس اُنہیں عطا ہوا تھا، وہ اُن کے جسم سے اُتر گیا۔

(۷) مطلب یہ تھا کہ چونکہ اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس میں سے کھالیتا ہے، وہ یا تو فرشتہ بن جاتا ہے، یا اُسے ہمیشہ کی زندگی عطا ہو جاتی ہے، اس لئے اسے کھانے کے لئے مخصوص قوت کی ضرورت ہے۔ شروع میں آپ دونوں کو یہ قوت حاصل نہیں تھی، اس لئے منع کیا گیا تھا۔ اب آپ کو جنت میں رہتے ہوئے ایک زمانہ گذر گیا ہے، اور آپ میں وہ قوت پیدا ہو گئی ہے، اس لئے اب کھا لینے میں کچھ حرج نہیں۔

(۸) نیچے اُتارنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اطاعت کے جس بلند مقام پر تھے، اُس سے نیچے اُتار لیا، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنت سے دُنیا میں اُتار لیا۔

(۹) اس سے معلوم ہوا کہ عریانی سے حفاظت انسان کی فطرت میں داخل ہے، اسی لئے جونہی دونوں کا لباس اُترا انہوں نے ہر ممکن طریقے سے اپنا ستر چھپانے کی کوشش کی۔

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۱۵

اور اُن کے پروردگار نے اُنہیں آواز دی کہ: ''کیا میں نے تم دونوں کو اس درخت سے روکا نہیں تھا، اور تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ شیطان تم دونوں کا کھلا دُشمن ہے؟'' ﴿۲۲﴾ دونوں بول اُٹھے کہ: ''اے ہمارے پروردگار! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گذرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔''(۱۰) ﴿۲۳﴾ اللہ نے (آدم، ان کی بیوی اور اِبلیس سے) فرمایا: ''اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ، تم ایک دُوسرے کے دُشمن ہوگے، اور تمہارے لئے ایک مدت تک زمین میں ٹھہرنا اور کسی قدر فائدہ اُٹھانا (طے کر دیا گیا) ہے'' ﴿۲۴﴾ فرمایا کہ: ''اسی (زمین) میں تم جیو گے، اور اسی میں تمہیں موت آئے گی، اور اُسی سے تمہیں دوبارہ زندہ کر کے نکالا جائے گا۔'' ﴿۲۵﴾

(۱۰) یہ اِستغفار کے وہی الفاظ ہیں جن کے بارے میں سورۂ بقرہ (۲:۳۷) میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی یہ الفاظ سکھائے تھے، کیونکہ اُس وقت تک انہیں توبہ کا طریقہ بھی معلوم نہیں تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ توبہ کرنے کے لئے یہ الفاظ نہایت مناسب ہیں، اور ان کے ذریعے توبہ قبول ہونے کی زیادہ اُمید ہے، کیونکہ یہ خود اللہ تعالیٰ ہی کے سکھائے ہوئے ہیں۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے اگر ایک طرف شیطان کو مہلت دے کر اُسے انسان کو بہکانے کی صلاحیت دی جو اِنسان کے لئے زہر جیسی تھی، تو دوسری طرف انسان کو توبہ اور اِستغفار کا تریاق بھی عطا فرما دیا کہ اگر شیطان کے بہکائے میں آکر وہ کبھی کوئی گناہ کر گذرے تو اُسے فوراً توبہ کرنی چاہئے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے کئے پر شرمندہ ہو، اور آئندہ نہ کرنے کا عزم کرے، اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے۔ اس طرح شیطان کا چڑھایا ہوا زہر اُتر جائے گا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے جسم کے اُن حصوں کو چھپا سکے جن کا کھولنا بُرا ہے، اور جو خوشنمائی کا ذریعہ بھی ہے۔ (۱۱) اور تقویٰ کا جو لباس ہے، وہ سب سے بہتر ہے۔ (۱۲) یہ سب اللہ کی نشانیوں کا حصہ ہے، جن کا مقصد یہ ہے کہ لوگ سبق حاصل کریں۔ (۱۳) ﴿۲۶﴾

(۱۱) آیات ۲۶ تا ۳۲ اہلِ عرب کی ایک عجیب وغریب رسم کے پس منظر میں نازل ہوئی ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے قریب رہنے والے کچھ قبیلے مثلاً قریش، ''حُمس'' کہلاتے تھے۔ عرب کے دوسرے تمام قبیلے حرم کی پاسبانی کی وجہ سے ان لوگوں کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اسی کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ عربوں کے عقیدے کے مطابق کپڑے پہن کر طواف کرنا صرف انہی کا حق تھا۔ دوسرے لوگ کہتے تھے کہ جن کپڑوں میں ہم نے گناہ کئے ہیں، اُن کے ساتھ ہم بیت اللہ کا طواف نہیں کرسکتے۔ چنانچہ یہ لوگ جب طواف کے لئے آتے تو ''حُمس'' کے کسی آدمی سے کپڑے مانگتے، اگر اس کے کپڑے مل جاتے تو انہیں پہن کر طواف کر لیتے، لیکن اگر کسی کو ''حمس'' میں سے کسی کے کپڑے نہ ملتے تو وہ بالکل عریاں ہو کر طواف کرتے تھے۔ یہ آیتیں اس بے ہودہ رسم کی تردید کے لئے نازل ہوئی ہیں، اور ان میں انسان کے لئے لباس کی اہمیت بھی بیان فرمائی گئی ہے، اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ لباس کا اصل مقصد جسم کا پردہ ہے، اور ساتھ ہی لباس انسان کے لئے زینت اور خوشنمائی کا بھی ذریعہ ہے۔ ایک اچھے لباس کی صفت یہ ہونی چاہئے کہ وہ یہ دونوں مقصد پورے کرے۔ اور جس لباس سے پردے کا مقصد حاصل نہ ہو وہ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔

(۱۲) لباس کا ذکر آیا تو یہ حقیقت بھی واضح فرمادی گئی کہ جس طرح لباس انسان کے ظاہری جسم کی پردہ داری کرتا ہے، اسی طرح تقویٰ انسان کو گناہوں سے پاک رکھتا ہے، اور اُس کے ظاہر اور باطن دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اور اس لحاظ سے تقویٰ کا لباس بہترین لباس ہے۔ لہٰذا ظاہری لباس پہننے کے ساتھ ساتھ انسان کو یہ فکر بھی رکھنی چاہئے کہ وہ تقویٰ کے لباس سے آراستہ ہو۔

(۱۳) یعنی لباس کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾

اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! شیطان کو ایسا موقع ہرگز ہرگز نہ دینا کہ وہ تمہیں اسی طرح فتنے میں ڈال دے جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکالا، جبکہ اُن کا لباس اُن کے جسم سے اُتروالیا تھا، تاکہ اُن کو ایک دوسرے کی شرم کی جگہیں دِکھادے۔ وہ اور اُس کا جتھہ تمہیں وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم اُنہیں نہیں دیکھ سکتے۔ ان شیطانوں کو ہم نے انہی کا دوست بنادیا ہے جو ایمان نہیں لاتے ﴿۲۷﴾ اور جب یہ (کافر) لوگ کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقے پر عمل کرتے پایا ہے، اور اللہ نے ہمیں ایسا ہی حکم دیا ہے۔(۱۴) تم (ان سے) کہو کہ: ''اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا۔ کیا تم وہ باتیں اللہ کے نام لگاتے ہو جن کا تمہیں ذرا علم نہیں؟'' ﴿۲۸﴾ کہو کہ: ''میرے پروردگار نے تو انصاف کا حکم دیا ہے۔(۱۵) اور (یہ حکم دیا ہے کہ:) ''جب کہیں سجدہ کرو، اپنا رُخ ٹھیک ٹھیک رکھو، اور اس یقین کے ساتھ اُس کو پکارو کہ اطاعت خالص اُسی کا حق ہے۔ جس طرح اُس نے تمہیں ابتدا میں پیدا کیا تھا، اُسی طرح تم دوبارہ پیدا ہوگے۔'' ﴿۲۹﴾

(۱۴) اس سے اسی رسم کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ عریاں ہو کر طواف کرتے ہیں۔ چونکہ یہ رسم برسوں سے چلی آتی تھی، اس لئے ان کی دلیل یہ تھی کہ ہمارے باپ دادا ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہوگا۔

(۱۵) شاید مذکورہ بالا سیاق وسباق میں انصاف کا ذکر اس لئے بھی کیا گیا ہے کہ ''حُمس'' کے لوگوں نے اپنی جو

فَرِيقًا هَدٰى وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

(تم میں سے) ایک گروہ کو تو اللہ نے ہدایت تک پہنچا دیا ہے، اور ایک گروہ وہ ہے جس پر گمراہی مسلط ہوگئی ہے، کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کے بجائے شیطانوں کو دوست بنالیا ہے، اور سمجھ یہ رہے ہیں کہ وہ سیدھے راستے پر ہیں ﴿۳۰﴾ اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! جب کبھی مسجد میں آؤ تو اپنی خوشنمائی کا سامان (یعنی لباس جسم پر) لے کر آؤ، اور کھاؤ اور پیو، اور فضول خرچی مت کرو۔ یاد رکھو کہ اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۳۱﴾ کہو کہ: "آخر کون ہے جس نے زینت کے اُس سامان کو حرام قرار دیا ہو جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے، اور (اسی طرح) پاکیزہ رزق کی چیزوں کو؟"(۱۶) کہو کہ: "جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اُن کو یہ نعمتیں جو دُنیوی زندگی میں ملی ہوئی ہیں، قیامت کے دن خالص انہی کے لئے ہوں گی۔"(۱۷)

امتیازی خصوصیات طے کر رکھی تھیں، ان میں سے بعض انصاف کے تقاضوں کے بھی خلاف تھیں۔ مثلاً یہ بات کہ صرف وہی کپڑے پہن کر طواف کر سکتے ہیں، دوسرے لوگ نہیں، حالانکہ اگر دوسرے لوگ گناہ کر سکتے تھے تو یہ لوگ بھی گناہوں سے پاک تو نہیں تھے۔

(۱۶) جس طرح ان عرب قبائل نے طواف کے وقت کپڑے پہننے کو حرام سمجھا ہوا تھا، اسی طرح جاہلیت کے لوگوں نے بہت سی غذاؤں کو بلاوجہ حرام قرار دیا ہوا تھا جس کا مفصل تذکرہ سورۂ انعام میں گذرا ہے۔ نیز "حُمس" کے قبائل نے گوشت کی بعض قسموں کو اپنی امتیازی حیثیت ظاہر کرنے کے لئے اپنے اُوپر حرام کرلیا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی حکم نہیں آیا تھا۔

(۱۷) یہ دراصل کفارِ مکہ کی ایک بات کا جواب ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا موجودہ طریقہ پسند

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اسی طرح ہم تمام آیتیں اُن لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم سے کام لیں ﴿۳۲﴾ کہہ دو کہ: ''میرے پروردگار نے تو بے حیائی کے کاموں کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ بے حیائی کھلی ہوئی ہو، یا چھپی ہوئی۔ نیز ہر قسم کے گناہ کو اور ناحق کسی سے زیادتی کرنے کو، اور اِس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک مانو جس کے بارے میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے، نیز اس بات کو کہ تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جن کی حقیقت کا تمہیں ذرا بھی علم نہیں ہے۔[18] ﴿۳۳﴾ اور ہر قوم کے لئے ایک میعاد مقرر ہے۔ چنانچہ جب ان کی مقررہ میعاد آجاتی ہے تو وہ گھڑی بھر بھی اُس سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے ﴿۳۴﴾

نہیں ہے تو وہ ہمیں رزق کیوں دے رہا ہے؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس دُنیا میں تو اللہ تعالیٰ کے رزق کا دسترخوان ہر شخص کے لئے بچھا ہوا ہے، چاہے وہ مؤمن ہو یا کافر۔ لیکن آخرت میں یہ نعمتیں صرف مؤمنوں کے لئے خاص ہیں۔ اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اگر دُنیا میں کسی کو خوشحالی میسر ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی دلیل ہے، اور اسے آخرت میں بھی خوشحالی ضرور میسر آئے گی۔

(۱۸) یوں تو کسی بھی شخص کی طرف کوئی غلط بات منسوب کرنا ہر اعتبار سے ایک ناجائز اور غیر اخلاقی فعل ہے، لیکن اگر یہ جرم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا جائے تو اس کی سنگینی انسان کو کفر تک لے جاتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرتے وقت انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے، اور جب تک انسان کو یقینی علم حاصل نہ ہو، ایسی نسبت کا اقدام ہرگز نہیں کرنا چاہئے۔ عرب کے بت پرستوں نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رکھی تھیں جن کی بنیاد کسی علم پر نہیں تھی، بلکہ اپنے بے بنیاد اندازوں پر تھی، جن کی حقیقت کا خود انہیں بھی علم حاصل نہیں تھا۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

(اور اللہ نے انسان کو پیدا کرتے وقت ہی یہ تنبیہ کردی تھی کہ:) ''اے آدم کے بیٹو اور بیٹیو! اگر تمہارے پاس تم ہی میں سے کچھ پیغمبر آئیں جو تمہیں میری آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے اور اپنی اصلاح کرلیں گے، اُن پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا، اور نہ وہ غمگین ہوں گے، ﴿۳۵﴾ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور تکبر کے ساتھ اُن سے منہ موڑا ہے، وہ لوگ دوزخ کے باسی ہیں۔ وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' ﴿۳۶﴾ اب بتاؤ کہ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے، یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ ایسے لوگوں کے مقدر میں (رزق کا) جتنا حصہ لکھا ہوا ہے، وہ اُنہیں (دُنیا کی زندگی میں) پہنچتا رہے گا،[19] یہاں تک کہ جب اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اُن کی روح قبض کرنے کے لئے آپہنچیں گے تو وہ کہیں گے کہ: ''کہاں ہیں وہ (تمہارے معبود) جنہیں تم اللہ کے بجائے پکارا کرتے تھے؟'' یہ جواب دیں گے کہ: ''وہ سب ہم سے گم ہوچکے ہیں۔'' اور وہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے ﴿۳۷﴾

(۱۹) یہاں یہ واضح کردیا گیا کہ دُنیا میں رزق دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مؤمن اور کافر میں تفریق نہیں فرمائی ہے، بلکہ ہر ایک کے لئے رزق کا ایک حصہ مقرر فرمادیا ہے جو اسے ہر حال میں پہنچتا رہے گا، چاہے وہ کتنا بڑا کافر کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اگر کسی کو دُنیا میں رزق کی فراوانی حاصل ہے، تو اُسے یہ نہ سمجھ بیٹھنا چاہئے کہ اُس کا طریقہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے، جیسا کہ یہ کفارِ مکہ سمجھ رہے ہیں۔ ان کو اصل حقیقت کا پتہ اُس وقت چلے گا جب موت کا منظر ان کے سامنے آجائے گا۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۸

اللہ فرمائے گا کہ: ”جاؤ، جنات اور انسانوں کے اُن گروہوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔“ (اس طرح) جب بھی کوئی گروہ دوزخ میں داخل ہوگا، وہ اپنے جیسوں پر لعنت بھیجے گا،(۲۰) یہاں تک کہ جب ایک کے بعد ایک، سب اُس میں اکٹھے ہو جائیں گے تو اُن میں سے جو لوگ بعد میں آئے تھے، وہ اپنے سے پہلے آنے والوں کے بارے میں کہیں گے کہ: ”اے ہمارے پروردگار! اِنہوں نے ہمیں غلط راستے پر ڈالا تھا، اس لئے اِن کو آگ کا دُگنا عذاب دینا۔“ اللہ فرمائے گا کہ: ”سبھی کا عذاب دُگنا ہے،(۲۱) لیکن تمہیں (ابھی) پتہ نہیں ہے۔“ ﴿۳۸﴾ اور پہلے آنے والے بعد میں آنے والوں سے کہیں گے: ”تو پھر تم کو ہم پر کوئی فوقیت تو حاصل نہ ہوئی۔ لہٰذا جو کمائی تم خود کرتے رہے ہو اُس کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔“ ﴿۳۹﴾

(۲۰) یعنی جو لوگ سرداروں کے ماتحت تھے، وہ اپنے اُن سرداروں پر لعنت بھیجیں گے جنہوں نے اُنہیں گمراہ کیا تھا، اور سردار اپنے ماتحتوں پر لعنت بھیجیں گے کہ انہوں نے اُن کی حد سے زیادہ تعظیم کر کے انہیں گمراہی میں اور پختہ کر دیا۔

(۲۱) مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کا عذاب پہلے سے زیادہ ہوتا جائے گا۔ لہٰذا اگر سرداروں کو اس وقت دُگنا عذاب دے دیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود تم اتنے شدید عذاب سے محفوظ رہو گے، بلکہ ایک وقت آئے گا کہ خود تمہارا عذاب بھی بڑھ کر ان کے موجودہ عذاب کے برابر ہو جائے گا، چاہے اُن کا عذاب اُس وقت اور بڑھ جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُم مِّن جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِن فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٢﴾

(لوگو!) یقین رکھو کہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور تکبر کے ساتھ اُن سے منہ موڑا ہے، اُن کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، اور وہ جنت میں اُس وقت تک داخل نہیں ہوں گے جب تک کوئی اُونٹ ایک سوئی کے ناکے میں داخل نہیں ہو جاتا،(۲۲) اور اِسی طرح ہم مجرموں کو اُن کے کئے کا بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۴۰﴾ اُن کے لئے تو دوزخ ہی کا بچھونا ہے، اور اُوپر سے اُسی کا اوڑھنا۔ اور اِسی طرح ہم ظالموں کو اُن کے کئے کا بدلہ دیا کرتے ہیں ﴿۴۱﴾ اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں ــــــ (یاد رہے کہ) ہم کسی بھی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتے(۲۳) ــــــ تو ایسے لوگ جنت کے باسی ہیں۔ وہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے ﴿۴۲﴾

---

(۲۲) یہ ایک عربی زبان کا محاورہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح ایک اُونٹ سوئی کے ناکے میں کبھی داخل نہیں ہوسکتا، اسی طرح یہ لوگ کبھی جنت میں داخل نہیں ہوسکیں گے۔

(۲۳) نیک عمل کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جملۂ معترضہ کے طور پر یہ وضاحت فرمادی کہ نیک عمل کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے جو اِنسان کی طاقت سے باہر ہو، کیونکہ ہم نے کوئی حکم انسانوں کو ایسا نہیں دیا جو ان کی اِستطاعت میں نہ ہو۔ نیز شاید اشارہ اس طرف بھی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی طاقت کی حد تک نیک عمل کرنے کی کوشش کر رہا ہو، اور پھر بھی اس سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اُس پر گرفت نہیں فرماتے۔

وَنَزَعۡنَا مَا فِیۡ صُدُوۡرِهِمۡ مِّنۡ غِلٍّ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمُ الۡاَنۡهٰرُ ۚ وَقَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ هَدٰٮنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا كُنَّا لِنَهۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ هَدٰٮنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَنُوۡدُوۡۤا اَنۡ تِلۡكُمُ الۡجَـنَّةُ اُوۡرِثۡتُمُوۡهَا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۳﴾ وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ اَصۡحٰبَ النَّارِ اَنۡ قَدۡ وَجَدۡنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلۡ وَجَدْتُّمۡ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمۡ حَقًّا ؕ قَالُوۡا نَعَمۡ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيۡنَهُمۡ اَنۡ لَّعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ ۙ﴿۴۴﴾

اور اُن کے سینوں میں (ایک دوسرے سے دُنیا میں) جو کوئی رنجش رہی ہوگی، اُسے ہم نکال باہر کریں گے۔(۲۴) اُن کے نیچے سے نہریں بہتی ہوں گی، اور وہ کہیں گے: ”تمام تر شکر اللہ کا ہے، جس نے ہمیں اِس منزل تک پہنچایا۔ اگر اللہ ہمیں نہ پہنچاتا تو ہم کبھی منزل تک نہ پہنچتے۔ ہمارے پروردگار کے پیغمبر واقعی ہمارے پاس بالکل سچی بات لے کر آئے تھے۔“ اور اُن سے پکار کر کہا جائے گا کہ: ”لوگو! یہ ہے جنت! تم جو عمل کرتے رہے ہو، اُن کی بنا پر تمہیں اِس کا وارث بنا دیا گیا ہے۔“ ﴿۴۳﴾ اور جنت کے لوگ دوزخ والوں سے پکار کر کہیں گے کہ: ”ہمارے پروردگار نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا، ہم نے اُسے بالکل سچا پایا ہے۔ اب تم بتاؤ کہ تمہارے پروردگار نے جو وعدہ کیا تھا، کیا تم نے بھی اُسے سچا پایا؟“ وہ جواب میں کہیں گے: ”ہاں!“ اتنے میں ایک منادی اُن کے درمیان پکارے گا کہ: ”اللہ کی لعنت ہے اُن ظالموں پر ﴿۴۴﴾

(۲۴) چونکہ جنت ہر قسم کی تکلیف سے خالی ہوگی، اس لئے وہاں باہمی عداوت، کینے اور کدورت کا بھی گذر نہیں ہوگا، اور دُنیا میں انسانوں کے درمیان جو رنجشیں رہی ہوں، جنت میں اللہ تعالیٰ وہ بالکل دُور فرما دیں گے، اور تمام جنتی محبت، دوستی اور بھائی چارے کے ماحول میں رہیں گے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ

جو اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکتے تھے، اور اُس میں ٹیڑھ نکالنا چاہتے تھے، اور جو آخرت کا بالکل انکار کیا کرتے تھے۔'' ﴿۴۵﴾ اور ان دونوں گروہوں (یعنی جنتیوں اور دوزخیوں) کے درمیان ایک آڑ ہوگی، اور اَعراف پر (یعنی اُس آڑ کی بلندیوں پر) کچھ لوگ ہوں گے جو ہر گروہ کے لوگوں کو اُن کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔[۲۵] اور وہ جنت والوں کو آواز دے کر کہیں گے: ''سلام ہو تم پر!'' وہ (اَعراف والے) خود تو اُس میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے، البتہ اشتیاق کے ساتھ اُمید لگائے ہوئے ہوں گے ﴿۴۶﴾ اور جب اُن کی نگاہوں کو دوزخ والوں کی سمت موڑا جائے گا تو وہ کہیں گے: ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے ساتھ نہ رکھنا۔'' ﴿۴۷﴾ اور اَعراف والے اُن لوگوں کو آواز دیں گے جن کو وہ اُن کی علامتوں سے پہچانتے ہوں گے۔

(۲۵) یوں تو اَعراف والے جنت اور جہنم دونوں کا خود نظارہ کر رہے ہوں گے، اس لئے انہیں جنتیوں اور دوزخیوں کو پہچاننے کے لئے کسی علامت کی ضرورت نہیں ہوگی، لیکن یہاں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ لوگ جنت اور دوزخ والوں کو دُنیا میں بھی ان کی علامتوں سے پہچانتے تھے، اور چونکہ یہ لوگ صاحبِ ایمان تھے، اس لئے انہیں دُنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے اتنی حس عطا فرمادی تھی کہ یہ متقی پرہیزگار لوگوں کے چہروں سے پہچان لیتے تھے کہ یہ نیک لوگ ہیں، اور کافروں کے چہروں سے پہچان لیتے تھے کہ یہ کافر ہیں (تفسیر کبیر امام رازی)۔

قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

کہیں گے کہ: ''نہ تمہاری جمع پونجی تمہارے کچھ کام آئی، اور نہ وہ جنہیں تم بڑا سمجھے بیٹھے تھے۔''(۲۶) ﴿۴۸﴾ (پھر جنتیوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے کہ:) ''کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تم نے قسمیں کھائی تھیں کہ اللہ ان کو اپنی رحمت کا کوئی حصہ نہیں دے گا؟ (اُن سے تو کہہ دیا گیا ہے کہ:) جنت میں داخل ہو جاؤ، نہ تم کو کسی چیز کا ڈر ہوگا، اور نہ تمہیں کبھی کوئی غم پیش آئے گا۔'' ﴿۴۹﴾ اور دوزخ والے جنت والوں سے کہیں گے کہ: ''ہم پر تھوڑا سا پانی ہی ڈال دو، یا اللہ نے تمہیں جو نعمتیں دی ہیں، ان کا کوئی حصہ (ہم تک بھی پہنچا دو)'' وہ جواب دیں گے کہ: ''اللہ نے یہ دونوں چیزیں اُن کافروں پر حرام کر دی ہیں ﴿۵۰﴾ جنہوں نے اپنے دِین کو کھیل تماشا بنا رکھا تھا، اور جن کو دُنیوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا تھا۔'' چنانچہ آج ہم بھی اُن کو اِسی طرح بھلا دیں گے جیسے وہ اِس بات کو بھلائے بیٹھے تھے کہ اُنہیں اِس دن کا سامنا کرنا ہے، اور جیسے وہ ہماری آیتوں کا کھلم کھلا اِنکار کیا کرتے تھے ﴿۵۱﴾

(۲۶) اس سے اشارہ ان دیوتاؤں کی طرف ہے جن کو انہوں نے خدائی میں اللہ تعالیٰ کا شریک مانا ہوا تھا، نیز اُن سرداروں اور پیشواؤں کی طرف جنہیں بڑا مان کر انہوں نے بے سوچے سمجھے ان کی پیروی کی، اور یہ سمجھ بیٹھے کہ یہ لوگ انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچالیں گے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

ع ۶ ۶ ۱۳

اور حقیقت یہ ہے کہ ہم ان کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس میں ہم نے اپنے علم کی بنیاد پر ہر چیز کی تفصیل بتا دی ہے، اور جو لوگ ایمان لائیں اُن کے لئے وہ ہدایت اور رحمت ہے ﴿۵۲﴾ (اب) یہ (کافر) اُس آخری انجام کے سوا کس بات کے منتظر ہیں جو اس کتاب میں مذکور ہے؟(۲۷) (حالانکہ) جس دن وہ آخری انجام آ گیا جو اِس کتاب نے بتایا ہے، اُس دن یہ لوگ جو اُس انجام کو پہلے بھلا چکے تھے، یہ کہیں گے کہ: "ہمارے پروردگار کے پیغمبر واقعی سچی خبر لائے تھے۔ اب کیا ہمیں کچھ سفارشی میسر آ سکتے ہیں جو ہماری سفارش کریں، یا کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ہمیں دوبارہ وہیں (دُنیا میں) بھیج دیا جائے، تاکہ ہم جو (برے) کام پہلے کرتے رہے ہیں، اُن کے برخلاف دوسرے (نیک) عمل کریں؟" حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی جانوں کے لئے سخت گھاٹے کا سودا کر چکے ہیں، اور جو (دیوتا) اِنہوں نے گھڑ رکھے ہیں، اِنہیں (اُس دن) اُن کا کہیں سراغ نہیں ملے گا ﴿۵۳﴾ یقیناً تمہارا پروردگار وہ اللہ ہے جس نے سارے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے،(۲۸)

(۲۷) اس آخری انجام سے مراد قیامت ہے۔ یعنی کیا یہ لوگ ایمان لانے کے لئے قیامت کا انتظار کر رہے ہیں، حالانکہ اُس وقت ایمان قبول ہی نہیں ہوگا، اور جب وہ آ جائے گی تو ان کو حسرت کرنے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

(۲۸) یہ اُس وقت کا واقعہ ہے جب دنوں کا حساب موجودہ سورج کے طلوع و غروب سے نہیں ہوتا تھا۔ اُس وقت کے دن کا شمار بظاہر کسی اور معیار پر کیا گیا ہے جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اور یوں تو اللہ تعالیٰ

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۵۵﴾ۚ

پھر اُس نے عرش پر اِستواء فرمایا۔(۲۹) وہ دن کو رات کی چادر اُڑھا دیتا ہے، جو تیز رفتاری سے چلتی ہوئی اُس کو آدبوچتی ہے۔ اور اُس نے سورج اور چاند تارے پیدا کئے ہیں جو سب اُس کے حکم کے آگے رام ہیں۔ یاد رکھو کہ پیدا کرنا اور حکم دینا سب اُسی کا کام ہے۔ بڑی برکت والا ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے! ﴿۵۴﴾ تم اپنے پروردگار کو عاجزی کے ساتھ چپکے چپکے پکارا کرو۔ یقیناً وہ حد سے گذرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔(۳۰) ﴿۵۵﴾

کو یہ بھی قدرت تھی کہ وہ پلک جھپکنے سے بھی پہلے پوری کائنات وجود میں لے آتا، لیکن اس عمل کے ذریعے انسان کو بھی جلد بازی کے بجائے اطمینان اور وقار کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔

(۲۹) ''اِستواء'' عربی لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں: ''سیدھا ہونا''، ''قائم ہونا''، ''قابو پانا'' اور بعض اوقات اس کے معنیٰ بیٹھنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ چونکہ جسم اور مکان سے پاک ہے، اس لئے اس کے یہ معنیٰ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ جس طرح کوئی انسان تخت پر بیٹھتا ہے، اس طرح (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ بھی عرش پر بیٹھے ہیں۔ ''اِستواء'' اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور جمہور اہلِ سنت کے نزدیک اس کی ٹھیک ٹھیک کیفیت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور اسے متشابہات میں شمار کیا گیا ہے جن کی کھود کرید میں پڑنے کو سورۂ آل عمران کے شروع میں خود قرآنِ کریم نے منع فرمایا ہے۔ چنانچہ اس کا کوئی بھی ترجمہ کرنا مغالطہ پیدا کرسکتا ہے۔ اسی بنا پر ہم نے یہاں اس کا ترجمہ نہیں کیا۔ نہ اس پر کوئی عملی مسئلہ موقوف ہے۔ اتنا ایمان رکھنا کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے مطابق اِستواء فرمایا جس کی حقیقت ہماری محدود عقل کے ادراک سے باہر ہے۔

(۳۰) اس حد سے گذرنے میں یہ بات بھی داخل ہے کہ بہت اُونچی آواز سے دُعا مانگی جائے، اور یہ بھی کہ کوئی ناجائز یا ناممکن چیز طلب کی جائے، جو دُعا کے بجائے (معاذ اللہ) مذاق بن جائے، مثلاً یہ دُعا کہ میں ابھی آسمان پر چڑھ جاؤں۔ کفار بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کی دُعائیں مانگنے کا مطالبہ کرتے تھے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾

اور زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو،[۳۱] اور اُس کی عبادت اس طرح کرو کہ دِل میں خوف بھی ہو اور اُمید بھی۔[۳۲] یقیناً اللہ کی رحمت نیک لوگوں سے قریب ہے ﴿۵۶﴾ اور وہی (اللہ) ہے جو اپنی رحمت (یعنی بارش) کے آگے آگے ہوائیں بھیجتا ہے جو (بارش کی) خوشخبری دیتی ہیں، یہاں تک کہ جب وہ بوجھل بادلوں کو اُٹھا لیتی ہیں، تو ہم انہیں کسی مردہ زمین کی طرف ہنکالے جاتے ہیں، پھر وہاں پانی برساتے ہیں، اور اُس کے ذریعے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں۔ اسی طرح ہم مردوں کو بھی زندہ کرکے نکالیں گے۔ شاید (ان باتوں پر غور کرکے) تم سبق حاصل کرلو۔[۳۳] ﴿۵۷﴾

---

(۳۱) زمین پر اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو بھیجا تو شروع میں نافرمانی کا کوئی تصور نہیں تھا، اور اس طرح زمین کی اصلاح ہو چکی تھی۔ جن جن لوگوں نے بعد میں نافرمانی کے بیج بوئے انہوں نے زمین کی اصلاح کے بعد اس میں فساد مچایا۔

(۳۲) یہاں دعاء کا صیغہ اکثر مفسرین کے نزدیک عبادت کے لئے آیا ہے، اسی لئے ہم نے اس کا ترجمہ عبادت سے کیا ہے۔ اور سچی عبادت کی شان اس آیت میں یہ بتائی گئی ہے کہ عبادت کرنے والے کے دِل میں اپنی عبادت پر ناز ہونے کے بجائے یہ خوف ہونا چاہئے کہ نہ جانے میں عبادت کا حق ادا کرسکا یا نہیں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبولیت کی مستحق ہے یا نہیں۔ دوسری طرف اسے اپنی عبادت کی کوتاہیوں سے مایوسی کے بجائے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے یہ اُمید بھی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اسے قبول فرما ہی لے گا۔ یعنی اپنی کوتاہی کا خوف اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بنیاد پر اُمید، دونوں چیزوں کا امتزاج ہے جو کسی عبادت میں سچائی پیدا کرتا ہے۔

(۳۳) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ ایک مردہ زمین میں جان ڈال دیتا ہے، اسی طرح وہ مردہ انسانوں میں بھی جان

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾ ع ۵ ١۴ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

اور جو زمین اچھی ہوتی ہے اُس کی پیداوار تو اپنے رَبّ کے حکم سے نکل آتی ہے، اور جو زمین خراب ہوگئی ہو، اُس سے ناقص پیداوار کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔ (٣٤) اسی طرح ہم اپنی نشانیوں کے مختلف رُخ دِکھاتے رہتے ہیں، (مگر) اُن لوگوں کے لئے جو قدر دانی کریں ﴿۵۸﴾

ہم نے نوح کو اُن کی قوم کے پاس بھیجا۔ (٣۵) چنانچہ انہوں نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ یقین جانو مجھے سخت اندیشہ ہے کہ تم پر ایک زبردست دن کا عذاب نہ آ کھڑا ہو'' ﴿۵۹﴾

ڈالنے پر قادر ہے۔ مردہ زمین کے زندہ ہونے کے واقعات تم روزمرہ دیکھتے ہو، اور یہ بھی مانتے ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوتا ہے۔ اس سے تمہیں سبق لینا چاہئے کہ انسانوں کو دوبارہ زندگی دینے کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر سمجھنا کتنی بڑی بے وقوفی ہے۔

(٣٤) اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح اچھی زمین کی پیداوار بھی خوب ہوتی ہے، اسی طرح جن لوگوں کے دِل میں طلب کی پاکیزگی ہوتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے خوب فائدہ اُٹھاتے ہیں، اور جس طرح ایک خراب زمین پر بارش پڑنے کے باوجود اُس سے کوئی فائدہ مند پیداوار حاصل نہیں ہوتی، اسی طرح جن لوگوں کے دِل ضد اور عناد سے خراب ہو چکے ہیں، اُن کو اللہ تعالیٰ کے کلام سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔

(٣۵) اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے درمیان ایک ہزار سال سے کچھ زیادہ کا فاصلہ ہے، لیکن محقق علماء نے ان روایات کو مستند نہیں سمجھا۔ حقیقی فاصلے کا

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۶۰ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۶۱ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۲ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۶۳

اُن کی قوم کے سرداروں نے کہا: ''ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم کھلی گمراہی میں مبتلا ہو'' ﴿۶۰﴾ نوح نے جواب دیا: ''اے میری قوم! مجھے کوئی گمراہی نہیں لگی، مگر میں ربّ العالمین کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں ﴿۶۱﴾ میں تمہیں اپنے ربّ کے پیغامات پہنچاتا ہوں، اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتوں کا علم ہے جن کا تمہیں پتہ نہیں ہے ﴿۶۲﴾ بھلا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے ربّ کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعے تم تک پہنچی ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے، اور تم بدعملی سے بچ کر رہو، اور تاکہ تم پر (اللہ کی) رحمت ہو؟'' ﴿۶۳﴾

یقینی علم حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات قرآنِ کریم سے واضح ہوتی ہے کہ اس طویل عرصے کے دوران بت پرستی کا رواج بہت بڑھ گیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی بہت سے بت بنا رکھے تھے، جن کے نام سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ سورۂ عنکبوت (۲۹: ۱۴) میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو سال تک اس قوم کو حق کی تبلیغ فرمائی، اور سمجھانے کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا۔ کچھ نیک بخت ساتھی جو زیادہ تر غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے، اُن پر ایمان لائے، لیکن قوم کی اکثریت نے کفر ہی کا راستہ اختیار کئے رکھا۔ حضرت نوح علیہ السلام اُن کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے رہے، لیکن جب وہ نہ مانے، تو انہوں نے بددُعا دی، اور پھر انہیں ایک شدید طوفان میں غرق کر دیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے اور ان کی قوم پر آنے والے طوفان کی سب سے زیادہ تفصیل سورۂ ہود (۱۱: ۲۵ تا ۴۹) اور سورۂ نوح (سورت نمبر ۷۱) میں آئے گی۔ اس کے علاوہ سورۂ مؤمنون (۲۳: ۲۳)، سورۂ شعراء (۲۶: ۱۰۵) اور سورۂ قمر (۵۴: ۹) میں بھی ان کا واقعہ اختصار سے بیان ہوا ہے۔ دوسرے مقامات پر ان کا صرف حوالہ دیا گیا ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾

پھر بھی انہوں نے نوح کو جھٹلایا، چنانچہ ہم نے اُن کو اور کشتی میں اُن کے ساتھیوں کو نجات دی،(۳۶) اور اُن سب لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا۔ یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔ ﴿۶۴﴾ اور قومِ عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔(۳۷) انہوں نے کہا: ''اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا پھر بھی تم اللہ سے نہیں ڈرو گے؟'' ﴿۶۵﴾ اُن کی قوم کے سردار جنہوں نے کفر اپنا رکھا تھا، کہنے لگے: ''ہم تو یقینی طور پر دیکھ رہے ہیں کہ تم بے وقوفی میں مبتلا ہو، اور بیشک ہمارا گمان یہ ہے کہ تم ایک جھوٹے آدمی ہو'' ﴿۶۶﴾ ہود نے کہا: ''اے میری قوم! مجھے کوئی بے وقوفی لاحق نہیں ہوئی، بلکہ میں ربّ العالمین کی طرف سے بھیجا ہوا پیغمبر ہوں ﴿۶۷﴾

---

(۳۶) کشتی اور طوفان کا پورا واقعہ اِن شاء اللہ سورۂ ہود میں آنے والا ہے۔

(۳۷) قومِ عاد عربوں کی ابتدائی نسل کی ایک قوم تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم از کم دو ہزار سال پہلے یمن کے علاقے حضرموت کے آس پاس آباد تھی۔ یہ لوگ اپنی جسمانی طاقت اور پتھروں کو تراشنے کے ہنر میں مشہور تھے۔ رفتہ رفتہ انہوں نے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی، اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، اور انہوں نے اپنی قوم کو بڑی دردمندی سے سمجھانے کی کوشش

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾

میں اپنے پروردگار کے پیغامات تم تک پہنچاتا ہوں، اور میں تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر تم اطمینان کر سکتے ہو ﴿۶۸﴾ بھلا کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ تمہارے ربّ کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعے تم تک پہنچی ہے جو خود تم ہی میں سے ہے، تاکہ وہ تمہیں خبردار کرے؟ اور وہ وقت یاد کرو جب اُس نے نوح (علیہ السلام) کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنایا، اور جسم کی ڈیل ڈول میں تمہیں (دوسروں سے) بڑھا چڑھا کر رکھا۔ (۳۸) لہٰذا اللہ کی نعمتوں پر دھیان دو، تاکہ تمہیں فلاح نصیب ہو" ﴿۶۹﴾

کی، اور انہیں توحید کی تعلیم دے کر اللہ تعالیٰ کا شکر گذار بننے کی تعلیم دی، مگر کچھ نیک طبع لوگوں کے سوا باقی لوگوں نے اُن کا کہنا نہیں مانا۔ پہلے اُن کو قحط میں مبتلا کیا گیا، اور حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں یاد دِلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ ہے، اگر اب بھی تم اپنی بداعمالیوں سے باز آجاؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کی بارشیں برسادے گا۔ (۱۱:۵۲) لیکن اس قوم پر کچھ اثر نہیں ہوا، اور وہ اپنے کفر و شرک میں بڑھتی چلی گئی۔ آخر کار اُن پر ایک تیز و تند آندھی کا عذاب بھیجا گیا جو آٹھ دن تک متواتر جاری رہا، یہاں تک کہ یہ ساری قوم ہلاک ہوگئی۔ اس قوم کا واقعہ موجودہ سورت کے علاوہ سورۂ ہود (۱۱: ۵۰ تا ۸۹)، سورۂ مؤمنون (۲۳: ۳۲)، سورۂ شعراء (۲۶: ۱۲۴)، سورۂ حم السجدہ (۴۱: ۱۵)، سورۂ اَحقاف (۴۶: ۲۱)، سورۂ قمر (۵۴: ۱۸)، سورۂ الحاقہ (۶۹: ۶) اور سورۂ فجر (۸۹: ۶) میں آیا ہے۔ ان کے مختلف واقعات کی تفصیل اِن شاء اللہ ان سورتوں میں آئے گی۔

(۳۸) یہ لوگ اپنے قد و قامت میں اتنے لمبے چوڑے تھے کہ سورۂ فجر (۸۹: ۸) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان جیسی قوم کسی بھی ملک میں پیدا نہیں کی گئی۔

قَالُوٓا اَجِئۡتَنَا لِنَعۡبُدَ اللّٰهَ وَحۡدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۷۰﴾ قَالَ قَدۡ وَقَعَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ رِجۡسٌ وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوۡنَنِىۡ فِىۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوۡۤا اِنِّىۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِيۡنَ ﴿۷۱﴾ فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۷۲﴾ ع ۹ ۸ ۱۲ وَاِلٰى ثَمُوۡدَ اَخَاهُمۡ صٰلِحًا ۘ

وقف لازم

انہوں نے کہا: ''کیا تم ہمارے پاس اِس لئے آئے ہو کہ ہم تنہا اللہ کی عبادت کریں، اور جن (بتوں) کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں، انہیں چھوڑ بیٹھیں؟ اچھا اگر تم سچے ہو تو لے آؤ ہمارے سامنے وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دے رہے ہو!'' ﴿۷۰﴾ ہود نے کہا: ''اب تمہارے رَبّ کی طرف سے تم پر عذاب اور قہر کا آنا طے ہو چکا ہے۔ کیا تم مجھ سے (مختلف بتوں کے) اُن ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں، جن کی تائید میں اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی؟ بس تو اَب تم انتظار کرو، میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں'' ﴿۷۱﴾ چنانچہ ہم نے اُن کو (یعنی ہود علیہ السلام کو) اور اُن کے ساتھیوں کو اپنی رحمت کے ذریعے نجات دی، اور اُن لوگوں کی جڑ کاٹ ڈالی جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اور مؤمن نہیں ہوئے تھے ﴿۷۲﴾ اور ثمود کی طرف ہم نے اُن کے بھائی صالح کو بھیجا۔ (۳۹)

(۳۹) ثمود بھی قومِ عاد ہی کی نسل سے پیدا ہوئی تھی، اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مؤمن ساتھی جو عذاب سے بچ گئے تھے، یہ ان کی اولاد تھی، اور ثمود اُن کے دادا کا نام تھا۔ اسی لئے ان کو عادِ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ قوم عرب اور شام کے درمیان اُس علاقے میں آباد تھی جس کو اُس وقت ''حجر'' کہا جاتا تھا، اور آج کل اُسے ''مدائن صالح'' کہتے ہیں، اور آج بھی ان کے گھروں اور محلات کے کھنڈر موجود ہیں، اور پہاڑوں سے تراشی ہوئی عمارتوں کے آثار جن کا ذکر آیت ۷۴ میں ہے، آج بھی وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ عرب کے

مشرکین جب تجارتی سفر پر شام جاتے تو یہ کھنڈر ایک نشانِ عبرت کے طور پر ان کے راستے میں پڑتے تھے، اور قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر انہیں اس کی طرف توجہ دِلائی ہے۔ اس قوم میں بھی رفتہ رفتہ بت پرستی کی بیماری پیدا ہوگئی تھی، اور اس کے نتیجے میں بہت سی عملی خرابیاں پھیل گئی تھیں۔ حضرت صالح علیہ السلام اسی قوم کے ایک فرد تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کو راہِ راست دِکھانے کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ لیکن یہاں بھی وہی صورت پیش آئی کہ قوم کی اکثریت نے ان کی بات نہیں مانی۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جوانی سے بڑھاپے تک مسلسل اُن کو تبلیغ جاری رکھی۔ آخر کار ان لوگوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ہمارے سامنے کے پہاڑ سے کوئی اُونٹنی نکال کر دِکھا دیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دُعا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اُونٹنی بھی نکال کر دِکھا دی۔ اس پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے، مگر بڑے بڑے سردار اپنے عہد سے پھر گئے، اور نہ صرف یہ کہ اپنی ضد پر اَڑے رہے، بلکہ جو دوسرے لوگ ایمان لانے کا ارادہ کر رہے تھے انہیں بھی روک دیا۔ حضرت صالح علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آجائے گا، اس لئے انہوں نے فرمایا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اس اُونٹنی کو تم آزاد چھوڑے رکھو، اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اور اُونٹنی کو چونکہ پورے کنویں کا پانی درکار ہوتا تھا اس لئے اس کی باری مقرر کر دی کہ ایک دن اُونٹنی کنویں کا پانی پیئے گی اور دوسرے دن آبادی کے لوگ پانی لیں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ قوم کے کچھ لوگوں نے اُونٹنی کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا، اور آخر کار ایک شخص نے جس کا نام قدار تھا، اس کو قتل کر ڈالا۔ اس موقع پر حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں متنبہ کیا کہ اب ان کی زندگی کے صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں، جس کے بعد وہ عذاب سے ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ ان تین دنوں میں سے ہر دن اُن کے چہروں کا رنگ بدل جائے گا۔ یعنی پہلے دن رنگ پیلا، دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن کالا ہو جائے گا۔ اس کے باوجود اس ضدی قوم نے توبہ اور اِستغفار کرنے کے بجائے خود حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، جس کا ذکر قرآنِ کریم نے سورۂ نمل (۲۷: ۴۸ و ۴۹) میں فرمایا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں راستے ہی میں ہلاک کر دیا، اور ان کا منصوبہ دھرا رہ گیا۔ آخر کار تین دن اسی طرح گذرے جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا، اسی حالت میں شدید زلزلہ آیا، اور آسمان سے ایک ہیبت ناک چیخ کی آواز نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور اُن کی قوم کا تفصیلی ذکر سورۂ ہود (۱۱: ۶۱)، سورۂ شعراء (۲۶: ۱۴۱)، سورۂ نمل (۲۷: ۴۵) اور سورۂ قمر (۵۴: ۲۳) میں آیا ہے۔ نیز سورۂ حجر، سورۂ ذاریات، سورۂ نجم، سورۂ الحاقہ اور سورۂ شمس میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾

انہوں نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے۔ یہ اللہ کی اُونٹنی ہے جو تمہارے لئے ایک نشانی بن کر آئی ہے۔ اس لئے اس کو آزاد چھوڑ دو کہ وہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے، اور اسے کسی برائی کے ارادے سے چھونا بھی نہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں ایک دُکھ دینے والا عذاب آ پکڑے ﴿۷۳﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قومِ عاد کے بعد جانشین بنایا، اور تمہیں زمین پر اس طرح بسایا کہ تم اُس کے ہموار علاقوں میں محل بناتے ہو، اور پہاڑوں کو تراش کر گھروں کی شکل دے دیتے ہو۔ لہٰذا اللہ کی نعمتوں پر دھیان دو، اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو'' ﴿۷۴﴾ اُن کی قوم کے سرداروں نے جو بڑائی کے گھمنڈ میں تھے، اُن کمزوروں سے پوچھا جو ایمان لے آئے تھے کہ: ''کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے کہ صالح اپنے ربّ کی طرف سے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں؟'' انہوں نے کہا کہ: ''بیشک ہم تو اُس پیغام پر پورا ایمان رکھتے ہیں جو اُن کے ذریعے بھیجا گیا ہے'' ﴿۷۵﴾

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾

وہ مغرور لوگ کہنے لگے: ''جس پیغام پر تم ایمان لائے ہو، اُس کے تو ہم سب منکر ہیں'' ﴿۷۶﴾ چنانچہ انہوں نے اُونٹنی کو مار ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی، اور کہا: ''صالح! اگر تم واقعی ایک پیغمبر ہو تو لے آؤ وہ (عذاب) جس کی ہمیں دھمکی دیتے ہو!'' ﴿۷۷﴾ نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں زلزلے نے آ پکڑا، اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۷۸﴾ اس موقع پر صالح اُن سے منہ موڑ کر چل دیئے، اور کہنے لگے: ''اے میری قوم! میں نے تمہیں اپنے رَبّ کا پیغام پہنچایا، اور تمہاری خیر خواہی کی، مگر (افسوس کہ) تم خیر خواہوں کو پسند ہی نہیں کرتے تھے'' ﴿۷۹﴾

اور ہم نے لوط کو بھیجا،(۴۰) جب اُس نے اپنی قوم سے کہا: ''کیا تم اُس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے دُنیا جہان کے کسی شخص نے نہیں کی؟ ﴿۸۰﴾

---

(۴۰) حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، جو اپنے مقدس چچا کی طرح عراق میں پیدا ہوئے تھے، اور جب انہوں نے وہاں سے ہجرت کی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ وطن سے نکل آئے۔ بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے علاقے میں آباد ہوئے، اور حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُردُن کے شہر سدوم (Sodom) میں پیغمبر بنا کر بھیجا۔ سدوم ایک مرکزی شہر تھا، اور اس کے مضافات میں عمورہ وغیرہ کئی بستیاں آباد تھیں۔ کفر و شرک کے علاوہ ان بستیوں کی شرمناک بدعملی یہ تھی کہ وہ ہم جنسی (Homosexuality) کی لعنت میں گرفتار تھے جس کا ارتکاب قرآنِ کریم کی تصریح کے مطابق ان سے پہلے دُنیا کے کسی فرد نے نہیں کیا تھا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے اَحکام پہنچائے، اور عذاب سے بھی

اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ ع

تم جنسی ہوس پوری کرنے کے لئے عورتوں کے بجائے مردوں کے پاس جاتے ہو۔ (اور یہ کوئی اتفاقی واقعہ نہیں،) بلکہ تم ایسے لوگ ہو کہ (شرافت کی) تمام حدیں پھلانگ چکے ہو" ﴿۸۱﴾ اُن کی قوم کا جواب یہ کہنے کے سوا کچھ اور نہیں تھا کہ: "نکالو اِن کو اپنی بستی سے! یہ لوگ ہیں جو بڑے پاکباز بنتے ہیں!" ﴿۸۲﴾ پھر ہوا یہ کہ ہم نے اُن کو (یعنی لوط علیہ السلام کو) اور ان کے گھر والوں کو (بستی سے نکال کر) بچالیا، البتہ اُن کی بیوی تھی جو باقی لوگوں میں شامل رہی (جو عذاب کا نشانہ بنے) ﴿۸۳﴾ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کی) ایک بارش برسائی۔ اب دیکھو! ان مجرموں کا انجام کیسا (ہولناک) ہوا؟ ﴿۸۴﴾

ڈرایا، لیکن جب یہ لوگ اپنی خباثت سے باز نہ آئے تو ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی، اور ان تمام بستیوں کو اُلٹ دیا گیا۔ آج بحرِ میّت (Dead Sea) کے نام سے جو سمندر ہے، کہتے ہیں کہ یہ بستیاں یا تو اُس میں ڈوب گئی ہیں، یا اُس کے آس پاس تھیں جن کا نشان واضح نہیں رہا۔ حضرت لوط علیہ السلام کا اس قوم کے ساتھ نسبی تعلق نہیں تھا، پھر بھی اس آیت میں اسے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کہا گیا ہے، کیونکہ یہ وہ اُمت تھی جس کی طرف اُن کو بھیجا گیا تھا۔ ان کے واقعے کی سب سے زیادہ تفصیل سورۂ ہود (۱۱:۶۹ تا ۸۳) میں آئے گی۔ اس کے علاوہ سورۂ حجر (۱۵:۵۲ تا ۸۴)، سورۂ شعراء (۲۶:۱۶۰ تا ۱۷۴) اور سورۂ عنکبوت (۲۹:۲۶ تا ۳۵) میں بھی ان کے واقعے کی کچھ تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ نیز سورۂ ذاریات (۵۱:۲۴ تا ۳۷) اور سورۂ تحریم (۶۶:۱۰) میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

اور مدین کی طرف ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا۔(۴۱) انہوں نے کہا: ''اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک روشن دلیل آچکی ہے۔ لہٰذا ناپ تول پورا پورا کیا کرو، اور جو چیزیں لوگوں کی ملکیت میں ہیں، اُن میں اُن کی حق تلفی نہ کرو۔(۴۲)

(۴۱) مدین ایک قبیلے کا نام ہے، اور اسی کے نام پر ایک بستی بھی ہے جس میں حضرت شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔ اُن کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ پہلے کا ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے۔ یہ ایک سرسبز و شاداب علاقہ تھا، اور یہاں کے لوگ خاصے خوش حال تھے۔ رفتہ رفتہ ان میں کفر و شرک کے علاوہ بہت سی بدعنوانیاں رواج پاگئیں۔ ان کے بہت سے لوگ ناپ تول میں دھوکا دیتے تھے۔ بہت سے زور آور لوگوں نے راستوں پر چوکیاں بنا رکھی تھیں، جو گذرنے والوں سے زبردستی کا ٹیکس وصول کرتے تھے۔ کچھ لوگ ڈاکے بھی ڈالتے تھے۔ نیز جو لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جاتے نظر آتے، انہیں روکتے اور تنگ کرتے تھے۔ ان کی ان بدعنوانیوں کا ذکر اگلی دو آیتوں میں آرہا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے مختلف طریقوں سے اپنی قوم کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے تقریر اور خطابت کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، اسی لئے وہ ''خطیب الانبیاء'' کے لقب سے مشہور ہیں۔ لیکن ان کی مؤثر تقریروں کا قوم نے کچھ اثر نہ لیا۔ اور آخرکار وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنی۔ حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات سب سے زیادہ تفصیل سے سورۂ ہود (۱۱: ۸۴ تا ۹۵) میں آئے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ تفصیل سورۂ شعراء (۲۶: ۱۷۷) اور سورۂ عنکبوت (۲۹: ۳۶) میں آئی ہے، اور سورۂ حجر (۱۵: ۷۸) میں مختصر حوالہ آیا ہے۔

(۴۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم ناپ تول میں کمی کے علاوہ دوسرے طریقوں سے بھی لوگوں کی حق تلفی کیا کرتی تھی۔ اس آیت میں لفظ ''بخس'' استعمال کیا گیا ہے، جس کے لفظی معنی کمی کرنے کے ہیں، اور یہ لفظ خاص طور پر کسی کا حق مار لینے کے معنی میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے۔ اور قرآنِ کریم میں یہ فقرہ تین جگہ بڑی تاکید

وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور زمین میں اُس کی اصلاح کے بعد فساد برپا نہ کرو۔(۴۳) لوگو! یہی طریقہ تمہارے لئے بھلائی کا ہے، اگر تم میری بات مان لو ﴿۸۵﴾ اور ایسا نہ کیا کرو کہ راستوں پر بیٹھ کر لوگوں کو دھمکیاں دو، اور جو لوگ اللہ پر ایمان لائے ہیں، ان کو اللہ کے راستے سے روکو، اور اُس میں ٹیڑھ پیدا کرنے کی کوشش کرو۔ اور وہ وقت یاد کرو جب تم کم تھے، پھر اللہ نے تمہیں زیادہ کر دیا،(۴۴) اور یہ بھی دیکھو کہ فساد مچانے والوں کا انجام کیسا ہوا ہے ﴿۸۶﴾ اور اگر تم میں سے ایک گروہ اُس پیغام پر ایمان لے آیا ہے جو میرے ذریعے بھیجا گیا ہے، اور دوسرا گروہ ایمان نہیں لایا، تو ذرا اُس وقت تک صبر کرو جب تک اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کردے۔(۴۵) اور وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے'' ﴿۸۷﴾

کے ساتھ آیا ہے، اور اس میں دوسروں کی ملکیت کے احترام پر زور دیا گیا ہے۔ اس احترام میں یہ بات بھی داخل ہے کہ کسی کے مال یا جائیداد پر اُس کی مرضی کے بغیر قبضہ کرلیا جائے، اور یہ بھی کہ کسی کی کوئی بھی چیز اُس کی خوش دِلی کے بغیر استعمال کی جائے۔

(۴۳) اس کی تشریح کے لئے دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۵۶ کا حاشیہ۔

(۴۴) اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان کی تعداد میں اضافہ ہوگیا، اور یہ بھی کہ ان کو خوشحالی زیادہ نصیب ہوئی۔

(۴۵) یہ درحقیقت اُن کی ایک بات کا جواب ہے۔ وہ کہتے تھے کہ ہمیں تو مؤمنوں اور کافروں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جو لوگ ایمان نہیں لائے، وہ بھی خوش حالی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ اگر اُن کا طریقہ اللہ کو پسند نہ ہوتا تو انہیں یہ خوش حالی کیوں نصیب ہوتی؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس وقت کی خوش حالی سے یہ دھوکا نہ کھانا چاہئے کہ صورتِ حال ہمیشہ ایسی ہی رہے گی۔ ابھی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا انتظار کرو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

اُن کی قوم کے سردار جو بڑائی کے گھمنڈ میں تھے، کہنے لگے: ''اے شعیب! ہم نے پکا ارادہ کرلیا ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ تمام ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے، ورنہ تم سب کو ہمارے دِین میں واپس آنا پڑے گا۔'' شعیب نے کہا: ''اچھا؟ اگر ہم (تمہارے دِین سے) نفرت کرتے ہوں، تب بھی؟ ﴿۸۸﴾ ہم اللہ پر جھوٹا بہتان باندھیں گے، اگر تمہارے دِین کی طرف لوٹ آئیں گے،[۴۶] جبکہ اللہ نے ہمیں اُس سے نجات دے دی ہے۔ ہمارے لئے تو یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ اُس کی طرف واپس جائیں۔ ہاں اللہ ہمارا پروردگار ہی کچھ چاہے تو اور بات ہے۔[۴۷] ہمارے رَبّ نے اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کر رکھا ہے۔ اے ہمارے رَبّ! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کا فیصلہ فرمادے۔ اور تو ہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' ﴿۸۹﴾

---

(۴۶) حضرت شعیب علیہ السلام کے دوسرے ساتھی تو پہلے اپنی قوم کے دِین پر تھے، بعد میں ایمان لائے، اس لئے ان کے حق میں تو پُرانے دِین کی طرف لوٹنے کا لفظ صحیح ہے۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کبھی بھی اُن کے دِین پر نہیں رہے، البتہ ان کی نبوت سے پہلے اُن کی قوم کے لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ وہ اُنہی کے دِین پر ہیں۔ اس لئے انہوں نے آپ کے لئے بھی لوٹنے کا لفظ استعمال کیا تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے جواب بھی انہی کے الفاظ میں دیا۔

(۴۷) یہ اعلیٰ درجے کی عبدیت کا فقرہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی شخص اپنے پکے عزم سے اللہ تعالیٰ کو

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾

اور اُن کی قوم کے وہ سردار جنہوں نے کفر اپنایا ہوا تھا (قوم کے لوگوں سے) کہنے لگے: ''اگر تم شعیب کے پیچھے چلے تو یاد رکھو اُس صورت میں تمہیں سخت نقصان اُٹھانا پڑے گا'' ﴿۹۰﴾ پھر ہوا یہ کہ انہیں زلزلے نے آپکڑا،(۴۸) اور وہ اپنے گھر میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿۹۱﴾ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، وہ ایسے ہوگئے جیسے کبھی وہاں بسے ہی نہیں تھے۔ جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا، آخر کو نقصان اُٹھانے والے وہی ہوئے ﴿۹۲﴾ چنانچہ وہ (یعنی شعیب علیہ السلام) اُن سے منہ موڑ کر چل دیئے، اور کہنے لگے: ''اے قوم! میں نے تجھے اپنے رَبّ کے پیغامات پہنچادیئے تھے، اور تیرا بھلا چاہا تھا۔ (مگر) اب میں اُس قوم پر کیا افسوس کروں جو ناشکری تھی!'' ﴿۹۳﴾

کسی بات پر مجبور نہیں کرسکتا۔ ہم نے اپنی طرف سے تو یہ پکا ارادہ کررکھا ہے کہ کبھی تمہارا دِین اختیار نہیں کریں گے، لیکن اپنے اس عزم پر عمل اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہے، اور اگر وہ چاہے تو ہمارے دِلوں کو بھی پھیر سکتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ جب کوئی بندہ اِخلاص کے ساتھ راہِ راست پر رہنے کا ارادہ کرلیتا ہے تو وہ اُس کا دِل گمراہی کی طرف نہیں پھیرتا۔ اور ہر شخص کے اِخلاص کی کیفیت کا اس کو پورا علم ہے۔ لہٰذا اِخلاص کے ساتھ کسی بات کا پکا ارادہ کرلینے کے بعد اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے کہ وہ اس ارادے کو پورا فرمائے گا۔ اس طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اس جملے سے یہ عظیم سبق دیا ہے کوئی بھی نیکی کرتے وقت بھروسہ اپنے عزم اور عمل کے بجائے اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہئے۔

(۴۸) اس قوم پر جو عذاب آیا اُس کے لئے قرآنِ کریم نے یہاں زلزلے کا ذکر فرمایا ہے۔ سورۂ ہود (۱۱:۹۴) میں اس کو ''صیحہ'' یعنی چنگھاڑ سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اور سورۂ شعراء (۲۶:۱۸۹) میں اسے ''عذاب یوم الظلۃ'' یعنی ''سائبان کے دن کا عذاب'' فرمایا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت یہ ہے کہ ان

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾

اور ہم نے جس کسی بستی میں کوئی پیغمبر بھیجا، اُس میں رہنے والوں کو بدحالی اور تکلیفوں میں گرفتار ضرور کیا، تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں۔(۴۹) ﴿۹۴﴾

لوگوں پر پہلے سخت گرمی پڑی جس سے یہ بلبلا اُٹھے۔ پھر شہر سے باہر ایک بادل آیا جس میں ٹھنڈی ہوا تھی۔ یہ لوگ گھروں سے نکل کر اس کے نیچے جمع ہوگئے۔ اُس وقت اس بادل سے آگ برسائی گئی، جسے ''سائبان'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر زلزلہ آیا۔ (روح المعانی) اور زلزلے کے ساتھ عموماً آواز بھی ہوتی ہے جسے چنگھاڑ کہا گیا ہے۔

(۴۹) بتایا یہ جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو اپنے عذاب سے ہلاک کیا، انہیں (معاذ اللہ) جلدی سے غصّے میں آکر ہلاک نہیں کردیا بلکہ انہیں سالہا سال تک راہِ راست پر آنے کے بہت سے مواقع فراہم کئے۔ اوّل تو پیغمبر بھیجے جو انہیں برسوں تک ہوشیار کرتے رہے، پھر شروع میں انہیں کچھ معاشی بدحالی یا بیماریوں وغیرہ کی مصیبتوں سے دوچار کیا، تاکہ اُن کے دِل کچھ نرم پڑیں۔ کیونکہ بہت سے لوگ ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتے ہیں، اور تنگی ترشی میں بعض اوقات حق بات کو قبول کرنے کی صلاحیت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے۔ جب ایسے حالات میں پیغمبر ان کو متنبہ کرتے ہیں کہ ذرا سنبھل جاؤ، ابھی اللہ تعالیٰ نے ایک اشارہ دیا ہے، جو کسی وقت باقاعدہ عذاب میں تبدیل ہوسکتا ہے، تو بعض لوگوں کے دِل پسیج جاتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب اُن پر خوش حالی آتی ہے تو اُن کے دِل میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا احساس پیدا ہوتا ہے، اور وہ اُس وقت حق بات کو قبول کرنے کے لئے نسبۃً زیادہ آمادہ ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کو بدحالی کے بعد خوش حالی کی نعمت بھی عطا کی جاتی ہے، تاکہ وہ شکر گذار بن سکیں۔ حالات کی اس تبدیلی سے بعض لوگ بیشک سبق لے لیتے ہیں، اور راہِ راست پر آجاتے ہیں۔ لیکن کچھ ضدی طبیعت کے لوگ ان باتوں سے کوئی سبق نہیں سیکھتے، اور یہ کہتے ہیں کہ یہ دُکھ سکھ اور سرد و گرم حالات تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پیش آچکے ہیں۔ انہیں خواہ مخواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اشارہ قرار دینے کی کیا ضرورت ہے؟ اس طرح جب ان لوگوں پر ہر طرح کی حجت تمام ہوچکی ہوتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب آتا ہے، اور اس طرح پکڑ لیتا ہے کہ ان کو پہلے سے اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۶﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ

پھر ہم نے کیفیت بدلی، بدحالی کی جگہ خوش حالی عطا فرمائی، یہاں تک کہ وہ خوب پھلے پھولے، اور کہنے لگے کہ دُکھ سکھ تو ہمارے باپ دادوں کو بھی پہنچتے رہے ہیں۔ پھر ہم نے انہیں اچانک اس طرح پکڑ لیا کہ اُنہیں (پہلے سے) پتہ بھی نہیں چل سکا ﴿۹۵﴾ اور اگر یہ بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے تو ہم اُن پر آسمان اور زمین دونوں طرف سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔ لیکن انہوں نے (حق کو) جھٹلایا، اس لئے اُن کی مسلسل بدعملی کی پاداش میں ہم نے ان کو اپنی پکڑ میں لے لیا ﴿۹۶﴾ اب بتاؤ کہ کیا (دوسری) بستیوں کے لوگ اس بات سے بالکل بے خوف ہو گئے ہیں کہ کسی رات ہمارا عذاب اُن پر ایسے وقت آپڑے جب وہ سوئے ہوئے ہوں؟ (۵۰) ﴿۹۷﴾ اور کیا ان بستیوں کے لوگوں کو اس بات کا (بھی) کوئی ڈر نہیں ہے کہ ہمارا عذاب اُن پر کبھی دن چڑھے آجائے جب وہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہوں؟ ﴿۹۸﴾ بھلا کیا یہ لوگ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل (کے انجام) سے بے فکر ہو چکے ہیں؟ (۵۱)

---

(۵۰) ان واقعات کے حوالے سے اب کفارِ مکہ کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے کسی کو بھی بے فکر ہو کر نہیں بیٹھ رہنا چاہئے۔ اور یہ بات صرف کفارِ مکہ ہی کے لئے نہیں ہے، بلکہ ہر وہ شخص جو کسی گناہ، بدعملی یا ظلم میں مشغول ہو، اُسے ان آیاتِ کریمہ کا ہمیشہ دھیان رکھنا چاہئے۔

(۵۱) یہاں اصل لفظ ''مکر'' ہے جس کے معنیٰ عربی میں ایسی خفیہ تدبیر کے ہوتے ہیں جس کا مقصد وہ شخص نہ سمجھے جس کے خلاف وہ کارروائی کی جا رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی تدبیر کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَاۤ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَاۤ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

(اگر ایسا ہے) تو (یہ یاد رکھیں کہ) اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے وہی لوگ بے فکر ہو بیٹھتے ہیں جو آخر کار نقصان اُٹھانے والے ہوتے ہیں ﴿۹۹﴾ جو لوگ کسی زمین (کے باشندوں کی ہلاکت) کے بعد اُس کے وارث بن جاتے ہیں، بھلا کیا اُن کو یہ سبق نہیں ملا کہ اگر ہم چاہیں تو اُن کو (بھی) اُن کے گناہوں کی وجہ سے کسی مصیبت میں مبتلا کر دیں؟ اور (جو لوگ اپنی ضد کی وجہ سے یہ سبق نہیں لیتے) ہم اُن کے دِلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ کوئی بات نہیں سنتے ﴿۱۰۰﴾ یہ ہیں وہ بستیاں جن کے واقعات ہم تمہیں سنا رہے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اِن سب کے پاس اُن کے پیغمبر کھلے کھلے دلائل لے کر آئے تھے، مگر جس بات کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے، اُس پر کبھی ایمان لانے کو تیار نہیں ہوئے۔ جو لوگ کفر کو اپنا چکے ہوتے ہیں، اُن کے دِلوں پر اللہ اِسی طرح مہر لگا دیتا ہے ﴿۱۰۱﴾ ہم نے ان کی اکثریت میں عہد کی کوئی پاسداری نہیں پائی، اور واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگوں کو ہم نے نافرمان ہی پایا ﴿۱۰۲﴾

بعض لوگوں کو اُن کی بداعمالیوں کے باوجود دُنیا میں خوش حالی اور ظاہری خوشیاں عطا فرماتے ہیں، جس کا مقصد انہیں ڈھیل دینا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ اپنی بدعملی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں تو اُن کو ایک دم سے پکڑ میں لے لیا جاتا ہے۔ لہٰذا عیش و عشرت کے عالم میں بھی انسان کو اپنے اعمال سے غافل ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اپنی اصلاح کی فکر کرتے رہنا چاہئے، اور یہ خطرہ ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہئے کہ اگر ہم راہِ راست سے بھٹکے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل بھی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

پھر ہم نے ان سب کے بعد موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا،(۵۲) تو انہوں نے (بھی) ان (نشانیوں) کی ظالمانہ ناقدری کی۔ اب دیکھو کہ ان مفسدوں کا انجام کیسا ہوا ﴿۱۰۳﴾ موسیٰ نے کہا تھا کہ: ''اے فرعون! یقین جانو کہ میں ربّ العالمین کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں ﴿۱۰۴﴾

---

(۵۲) یہاں سے آیت نمبر ۱۶۲ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کے کچھ اہم حصے تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اس سورت میں فرعون کے ساتھ آپ کی گفتگو اور مقابلے اور اُس کے غرق ہونے کی تفصیل، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا ہونے کے واقعات آرہے ہیں۔ آپ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چوتھی پشت میں آتے ہیں۔ سورۂ یوسف میں قرآنِ کریم نے بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے وزیرِ خزانہ بن گئے تو اُنہوں نے اپنے والدین اور بھائیوں کو فلسطین سے مصر بلالیا تھا۔ اسرائیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی ساری اولاد جو ''بنو اسرائیل'' کہلاتی ہے، پھر وہیں آباد ہوگئی تھی، اور مصر کے بادشاہ نے اُن کو شہری آبادی سے الگ ایک علاقہ دے دیا تھا۔ مصر کے ہر بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد رفتہ رفتہ مصر کے بادشاہوں نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام سمجھنا شروع کردیا۔ اور دوسری طرف تکبر میں آکر انہی میں کا ایک فرعون (جس کا نام جدید تحقیق کے مطابق منفتاح تھا) خدائی کا دعوے دار بن بیٹھا۔ ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اُس کے پاس بھیجا گیا۔ اُن کی پیدائش، مدین کی طرف ہجرت اور پھر نبوت عطا ہونے کے واقعات تو ان شاء اللہ سورۂ طٰہٰ (سورت نمبر ۲۰) اور سورۂ قصص (سورت نمبر ۲۸) میں آئیں گے۔ اس کے علاوہ مزید ۳۵ سورتوں میں آپ کے واقعات کے مختلف حصے بیان فرمائے ہیں۔ لیکن فرعون کے ساتھ اُن کے جو واقعات پیش آئے، ان کا تذکرہ یہاں ہورہا ہے۔

حَقِيقٌ عَلَىٰٓ أَن لَّآ أَقُولَ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِىَ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِـَٔايَةٍ فَأْتِ بِهَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿١٠٦﴾ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٠٧﴾ وَنَزَعَ يَدَهُۥ فَإِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنَّٰظِرِينَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ ٱلْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٠٩﴾ يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿١١٠﴾ قَالُوٓا۟ أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِى ٱلْمَدَآئِنِ حَٰشِرِينَ ﴿١١١﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سَٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾

میرا فرض ہے کہ میں اللہ کی طرف منسوب کر کے حق کے سوا کوئی اور بات نہ کہوں۔ میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک کھلی دلیل لے کر آیا ہوں، لہٰذا بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو" ﴿۱۰۵﴾ اُس نے کہا کہ: "اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو اُسے پیش کرو، اگر تم ایک سچے آدمی ہو" ﴿۱۰۶﴾ اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی پھینکی، تو اچانک وہ ایک صاف صاف اژدھا بن گیا ﴿۱۰۷﴾ اور اپنا ہاتھ (گریبان سے) کھینچا تو وہ سارے دیکھنے والوں کے سامنے یکا یک چمکنے لگا۔(۵۳) ﴿۱۰۸﴾ فرعون کی قوم کے سردار (ایک دوسرے سے) کہنے لگے کہ: "یہ تو یقینی طور پر بڑا ماہر جادوگر ہے ﴿۱۰۹﴾ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں تمہاری زمین سے نکال باہر کرے۔ اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے؟" ﴿۱۱۰﴾ انہوں نے کہا کہ: "ذرا اس کو اور اس کے بھائی کو کچھ مہلت دو، اور تمام شہروں میں ہرکارے بھیج دو ﴿۱۱۱﴾ تاکہ وہ تمام ماہر جادوگروں کو جمع کر کے تمہارے پاس لے آئیں۔"(۵۴) ﴿۱۱۲﴾

(۵۳) یہ دو معجزے تھے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ کہتے ہیں کہ اُس زمانے میں جادوگروں کا بڑا چرچا تھا۔ اِس لئے آپ کو ایسے معجزات عطا فرمائے گئے جو جادوگروں کو بھی عاجز کر دیں، اور آپ کی نبوت ہر کس و ناکس پر واضح ہو جائے۔

(۵۴) جادوگروں کو جمع کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کر کے انہیں شکست دیں۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

(چنانچہ ایسا ہی ہوا) اور جادوگر فرعون کے پاس آگئے (اور) انہوں نے کہا کہ: ''اگر ہم (موسیٰ پر) غالب آگئے تو ہمیں کوئی اِنعام تو ضرور ملے گا'' ﴿۱۱۳﴾ فرعون نے کہا: ''ہاں، اور تمہارا شمار یقیناً ہمارے مقرب لوگوں میں (بھی) ہوگا'' ﴿۱۱۴﴾ انہوں نے (موسیٰ سے) کہا: ''موسیٰ! چاہو تو (جو پھینکنا چاہتے ہو) تم پھینکو، ورنہ ہم (اپنے جادو کی چیز) پھینکیں؟'' ﴿۱۱۵﴾ موسیٰ نے کہا: ''تم پھینکو!'' چنانچہ جب انہوں نے (اپنی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا، اُن پر دہشت طاری کردی، اور زبردست جادو کا مظاہرہ کیا ﴿۱۱۶﴾ اور ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ تم اپنی لاٹھی ڈال دو۔ بس پھر کیا تھا، اُس نے دیکھتے ہی دیکھتے وہ ساری چیزیں نگلنی شروع کردیں جو انہوں نے جھوٹ موٹ بنائی تھیں ﴿۱۱۷﴾ اس طرح حق کھل کر سامنے آگیا، اور اُن کا بنا بنایا کام ملیا میٹ ہوگیا ﴿۱۱۸﴾ اس موقع پر وہ مغلوب ہوئے، اور شدید سبکی کی حالت میں (مقابلے سے) پلٹ کر آگئے ﴿۱۱۹﴾ اور اس واقعے نے سارے جادوگروں کو بے ساختہ سجدے میں گرادیا۔(۵۵) ﴿۱۲۰﴾

(۵۵) یہاں قرآنِ کریم نے مجہول کا صیغہ ''اُلقی'' استعمال فرمایا ہے، جس کے لفظی معنیٰ ''گر گئے'' نہیں، بلکہ ''گرادیئے گئے'' ہیں۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حالات ایسے پیش آئے کہ اُن کے ضمیر نے

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿١٢٦﴾

ع ۱۴/۱۸

وہ پکار اُٹھے کہ: ''ہم اُس رَبّ العالمین پر ایمان لے آئے ﴿۱۲۱﴾ جو موسیٰ اور ہارون کا رَبّ ہے۔'' ﴿۱۲۲﴾ فرعون بولا: ''تم میرے اجازت دینے سے پہلے ہی اِس شخص پر ایمان لے آئے۔ یہ ضرور کوئی سازش ہے جو تم نے اِس شہر میں ملی بھگت کر کے بنائی ہے، تا کہ تم یہاں کے رہنے والوں کو یہاں سے نکال باہر کرو۔ اچھا تو تمہیں ابھی پتہ چل جائے گا ﴿۱۲۳﴾ میں نے بھی پکا ارادہ کرلیا ہے کہ تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالوں گا، پھر تم سب کو اکٹھے سولی پر لٹکا کر رہوں گا'' ﴿۱۲۴﴾ انہوں نے کہا: ''یقین رکھ کہ ہم (مر کر) اپنے مالک ہی کے پاس واپس جائیں گے ﴿۱۲۵﴾ اور تُو اس کے سوا ہماری کس بات سے ناراض ہے کہ جب ہمارے مالک کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے؟ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کے پیمانے اُنڈیل دے، اور ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم تیرے تابع دار ہوں'' ﴿۱۲۶﴾

انہیں بے ساختہ سجدے میں گر جانے پر مجبور کر دیا۔ اُوپر ترجمے میں اس پہلو کی رعایت کی کوشش کی گئی ہے۔ یہاں ایمان کی یہ طاقت بھی ملاحظہ فرمایئے کہ جو جادوگر چند لمحوں پہلے اپنے مذہب کی دفاعی کارروائی پر بھی فرعون سے اِنعام مانگ رہے تھے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اُن میں یہ عظیم حوصلہ پیدا ہو گیا کہ وہ فرعون جیسے جابر حکمران کی دھمکیوں کو ذرا بھی خاطر میں نہیں لائے، اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے پاس چلے جانے کا اشتیاق ظاہر کرنے لگے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَیَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۲۸﴾

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے (فرعون سے) کہا: ''کیا آپ موسیٰ اور اُس کی قوم کو کھلا چھوڑ رہے ہیں، تاکہ وہ زمین میں فساد مچائیں، اور آپ اور آپ کے خداؤں کو پس پشت ڈال دیں؟''(۵۶) وہ بولا: ''ہم ان کے بیٹوں کو قتل کریں گے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے، اور ہمیں ان پر پورا پورا قابو حاصل ہے'' ﴿۱۲۷﴾ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: ''اللہ سے مدد مانگو، اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، اُس کا وارث بنا دیتا ہے۔ اور آخری انجام پرہیزگاروں ہی کے حق میں ہوتا ہے۔'' ﴿۱۲۸﴾

(۵۶) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ایمان لانے والے جادوگروں کو دھمکیاں تو دی تھیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے اور جادوگروں کے ایمان اور اِستقامت کو دیکھ کر حاضرین، اور خاص طور پر بنی اسرائیل کی اتنی بڑی تعداد اِیمان لے آئی کہ اُس کو فوری طور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ماننے والوں پر ہاتھ ڈالنے کا حوصلہ نہ ہوا، اور جب مجمع درہم برہم ہوگیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے ماننے والے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اس موقع پر فرعون کے سرداروں نے یہ بات کہی جو یہاں مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے تو ان لوگوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔ رفتہ رفتہ یہ اپنی طاقت جمع کرکے آپ کے لئے ایک خطرہ بن جائیں گے۔ فرعون نے اپنی خفت مٹانے کے لئے اُن کو جواب دیا کہ فوری طور پر چاہے میں نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی، مگر اب بنی اسرائیل کو ایک ایک کرکے ختم کروں گا، البتہ عورتوں کو اس لئے زندہ رکھوں گا کہ وہ ہماری خدمت کے کام آسکیں۔ اُس نے اپنے آدمیوں کو یہ بھی یقین دِلایا کہ حالات ہمارے قابو میں ہیں، اور ہماری حکمت عملی ایسی ہے کہ ہمارے لئے کوئی بڑا خطرہ پیدا نہیں ہوگا۔ اس طرح بنی اسرائیل کے مردوں کو قتل کرنے کا ایک نیا دور شروع ہوا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مؤمنوں کو تسلی دی کہ صبر سے کام لیتے رہو۔ آخری انجام اِن شاء اللہ تمہارے ہی حق میں ہوگا۔

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾

ع ۱۵ ۵

انہوں نے کہا کہ: ''ہمیں تو آپ کے آنے سے پہلے بھی ستایا گیا تھا، اور آپ کے آنے کے بعد بھی (ستایا جارہا ہے)'' موسیٰ نے کہا: ''اُمید رکھو کہ اللہ تمہارے دُشمن کو ہلاک کردے گا، اور تمہیں زمین میں اُس کا جانشین بنادے گا، پھر دیکھے گا کہ تم کیسا کام کرتے ہو'' ﴿۱۲۹﴾ اور ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط سالی اور پیداوار کی کمی میں مبتلا کیا، تاکہ اُن کو تنبیہ ہو۔ (۵۷) ﴿۱۳۰﴾ (مگر) نتیجہ یہ ہوا کہ اگر اُن پر خوش حالی آتی تو وہ کہتے: ''یہ تو ہمارا حق تھا'' اور اگر اُن پر کوئی مصیبت پڑ جاتی تو اُس کو موسیٰ اور اُن کے ساتھیوں کی نحوست قرار دیتے۔ ارے (یہ تو) خود اُن کی نحوست (تھی جو) اللہ کے علم میں تھی، لیکن اُن میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں تھے ﴿۱۳۱﴾ اور (موسیٰ سے) کہتے تھے کہ: ''تم ہم پر اپنا جادو چلانے کے لئے چاہے کیسی بھی نشانی لے کر آجاؤ، ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں'' ﴿۱۳۲﴾

(۵۷) پیچھے آیت نمبر ۹۴ میں اللہ تعالیٰ نے جو اُصول بیان فرمایا تھا، اُس کے مطابق پہلے فرعون اور اُس کی قوم کو دُنیا میں مختلف تکلیفیں دی گئیں، تاکہ وہ کچھ نرم پڑیں۔ ان میں سے پہلا عذاب قحط کا مسلط ہوا، اور اُس کے نتیجے میں پیداوار میں کمی واقع ہوئی۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

چنانچہ ہم نے اُن پر طوفان، ٹڈیوں، گھن کے کیڑوں، مینڈکوں اور خون کی بلائیں چھوڑیں، جو سب علیحدہ علیحدہ نشانیاں تھیں۔ (۵۸) پھر بھی انہوں نے تکبر کا مظاہرہ کیا، اور وہ بڑے مجرم لوگ تھے ﴿۱۳۳﴾ اور جب اُن پر عذاب آپڑتا تو وہ کہتے: ''اے موسیٰ! تمہارے پاس اللہ کا جو عہد ہے، اُس کا واسطہ دے کر ہمارے لئے اپنے رَبّ سے دُعا کردو (کہ یہ عذاب ہم سے دُور ہوجائے)۔ اور اگر واقعی تم نے ہم پر سے یہ عذاب ہٹا دیا تو ہم تمہاری بات مان لیں گے، اور بنی اسرائیل کو ضرور تمہارے ساتھ بھیج دیں گے'' ﴿۱۳۴﴾ پھر جب ہم اُن پر سے عذاب کو، اتنی مدت تک ہٹا لیتے جس تک اُنہیں پہنچنا ہی تھا، (۵۹) تو وہ ایک دم اپنے وعدے سے پھر جاتے ﴿۱۳۵﴾

(۵۸) یہ مختلف قسم کے عذاب تھے جو یکے بعد دیگرے فرعون کی قوم پر مسلط ہوتے رہے۔ پہلے طوفان آیا جس میں ان کی کھیتیاں بہہ گئیں۔ اس کے بعد جب انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ کرکے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دُعا کروائی، اور کھیت بحال ہوئے، اور پھر بھی وہ ایمان نہ لائے تو ٹڈی دل نے کھیتوں کو برباد کرڈالا۔ پھر وہی وعدے کئے، اور یہ بلا دُور ہوئی اور خوش حالی آنے لگی تو یہ پھر مطمئن ہوکر بیٹھ گئے، اور ایمان نہ لائے، تو ان کی پیداوار کو گھن لگا دیا گیا۔ پھر وہی ساری داستان دُہرائی گئی، اور یہ پھر بھی نہ مانے تو مینڈکوں کی اتنی کثرت ہوگئی کہ وہ کھانے کے برتنوں میں نمودار ہوتے اور سارے کھانے کو خراب کردیتے، دوسری طرف پینے کے پانی میں ہر جگہ خون نکلنے لگا، اور پانی پینا دوبھر ہوگیا۔

(۵۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور تقدیر میں اُن کے لئے ایک وقت تو ایسا آنا ہی تھا جب وہ عذاب کا شکار ہوکر ہلاک ہوں، لیکن اُس سے پہلے جو چھوٹے چھوٹے عذاب آرہے تھے ان کو ایک مدت تک کے لئے ہٹا لیا جاتا تھا۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَ اَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ كَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰی عَلٰی بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اُن سے بدلہ لیا، اور انہیں سمندر میں غرق کردیا،(۶۰) کیونکہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا، اور اُن سے بالکل بے پرواہو گئے تھے ﴿۱۳۶﴾ اور جن لوگوں کو کمزور سمجھا جاتا تھا، ہم نے اُنہیں اُس سرزمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنادیا جس پر ہم نے برکتیں نازل کی تھیں۔(۶۱) اور بنی اسرائیل کے حق میں تمہارے رَبّ کا کلمۂ خیر پورا ہوا، کیونکہ انہوں نے صبر سے کام لیا تھا۔ اور فرعون اور اُس کی قوم جو کچھ بناتی چڑھاتی رہی تھی،(۶۲) اُس سب کو ہم نے ملیامیٹ کردیا ﴿۱۳۷﴾

(۶۰) فرعون اور اُس کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ سورۂ یونس (۱۰:۸۹ تا ۹۲)، سورۂ طٰہٰ (۲۰:۷۷) سورۂ شعراء (۲۶:۶۰ تا ۶۶) میں آنے والا ہے۔

(۶۱) قرآنِ کریم جب برکتوں والی زمین کا تذکرہ فرماتا ہے تو اُس سے مراد شام اور فلسطین کا علاقہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اِس آیت میں یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ جن لوگوں کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا، انہیں بعد میں شام اور فلسطین کا مالک بنادیا گیا۔ یاد رہے کہ ان علاقوں پر بنی اسرائیل کی حکومت فرعون کے غرق ہونے کے کافی عرصے کے بعد قائم ہوئی جس کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲:۲۴۶ تا ۲۵۱ میں گذری ہے۔

(۶۲) ''بنانے'' سے اشارہ ان عمارتوں اور صنعتی پیداوار کی طرف ہے جس پر اس قوم کو فخر تھا، اور ''چڑھانے'' سے اشارہ اُن باغات کی طرف ہے جن میں انہوں نے انگور وغیرہ کی بیلیں ٹٹیوں پر چڑھائی ہوئی تھیں، اور بلند درخت اُگائے ہوئے تھے۔ قرآنِ کریم نے ان دو مختصر لفظوں کا یہ جوڑا (Pair) جس جامعیت اور بلاغت کے ساتھ استعمال فرمایا ہے، اُسے کسی ترجمے کے ذریعے دوسری زبان میں اُتارنا ممکن نہیں۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاۗءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع ۱۶ / ۱۲

اور ہم نے بنی اسرائیل سے سمندر پار کروایا، تو وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گذرے جو اپنے بتوں سے لگے بیٹھے تھے۔ بنی اسرائیل کہنے لگے: "اے موسیٰ! ہمارے لئے بھی کوئی ایسا ہی دیوتا بنا دو جیسے ان لوگوں کے دیوتا ہیں"(۶۳) موسیٰ نے کہا: "تم ایسے (عجیب) لوگ ہو جو جہالت کی باتیں کرتے ہو ﴿۱۳۸﴾ ارے یہ لوگ تو وہ ہیں کہ جس دھندے میں لگے ہوئے ہیں، سب برباد ہونے والا ہے، اور جو کچھ کرتے آرہے ہیں، سب باطل ہے" ﴿۱۳۹﴾ (اور) کہا کہ: "کیا تمہارے لئے اللہ کے سوا کوئی اور معبود ڈھونڈ کر لاؤں؟ حالانکہ اُسی نے تمہیں دُنیا جہان کے سارے لوگوں پر فضیلت دے رکھی ہے! ﴿۱۴۰﴾ اور (اللہ فرماتا ہے کہ) یاد کرو کہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے بچایا ہے جو تمہیں بدترین تکلیفیں پہنچاتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کرڈالتے تھے، اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے۔ اور اس میں تمہارے ربّ کی طرف سے بڑی آزمائش تھی" ﴿۱۴۱﴾

---

(۶۳) بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان تو لے آئے تھے، اور فرعون کی طرف سے پہنچنے والی مصیبتوں کو بھی انہوں نے صبر سے برداشت کیا جس کی تعریف قرآنِ کریم نے بھی فرمائی ہے، لیکن بعد میں انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے پریشان بھی کیا۔ یہاں سے اللہ تعالیٰ اس قسم کے کچھ واقعات بیان فرما رہے ہیں۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ۭ

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا وعدہ ٹھہرایا (کہ ان راتوں میں کوہِ طور پر آکر اِعتکاف کریں)، پھر دس راتیں مزید بڑھا کر ان کی تکمیل کی،[(۶۴)] اور اِس طرح اُن کے رَبّ کی ٹھہرائی ہوئی میعاد کل چالیس راتیں ہوگئی۔ اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ: ''میرے پیچھے تم میری قوم میں میرے قائم مقام بن جانا، تمام معاملات درست رکھنا، اور مفسد لوگوں کے پیچھے نہ چلنا'' ﴿۱۴۲﴾ اور جب موسیٰ ہمارے مقررہ وقت پر پہنچے، اور اُن کا رَبّ اُن سے ہم کلام ہوا، تو وہ کہنے لگے: ''میرے پروردگار! مجھے دیدار کرا دیجئے کہ میں آپ کو دیکھ لوں۔''

(۶۴) فرعون سے نجات پانے اور سمندر عبور کرلینے کے بعد کچھ واقعات اس جگہ بیان نہیں ہوئے، اُن کی کچھ تفصیل سورۂ مائدہ (۵: ۲۰ تا ۲۶) میں گذر چکی ہے۔ ان آیات کے حواشی میں ہم نے یہ تفصیل بقدرِ ضرورت بیان کردی ہے۔ اب یہاں سے وہ واقعات بیان فرمائے جارہے ہیں جو وادیٔ تیہ (صحرائے سینا) میں پیش آئے جہاں بنی اسرائیل کو ان کی نافرمانی کی وجہ سے چالیس سال تک مقید کردیا گیا تھا (جس کا واقعہ سورۂ مائدہ میں گذرا ہے)۔ اس دوران انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ اپنے وعدے کے مطابق ہمیں کوئی آسمانی کتاب لاکر دیں جس میں ہمارے لئے زندگی گذارنے کے قوانین درج ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہدایت فرمائی کہ وہ کوہِ طور پر آکر تیس دن رات اِعتکاف کریں۔ بعد میں کسی مصلحت سے یہ مدت بڑھا کر چالیس دن کردی گئی۔ اسی اِعتکاف کے دوران اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا، اور تورات عطا فرمائی جو تختیوں پر لکھی ہوئی تھی۔

قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ۭ

فرمایا: ''تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکو گے، البتہ پہاڑ کی طرف نظر اُٹھاؤ، اِس کے بعد اگر وہ اپنی جگہ برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ لوگے۔''(۶۵) پھر جب اُن کے رَبّ نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اُس کو ریزہ ریزہ کردیا، اور موسیٰ بے ہوش ہوکر گر پڑے۔ بعد میں جب اُنہیں ہوش آیا تو انہوں نے کہا: ''پاک ہے آپ کی ذات! میں آپ کے حضور توبہ کرتا ہوں، اور (آپ کی اس بات پر کہ دُنیا میں کوئی آپ کو نہیں دیکھ سکتا) میں سب سے پہلے ایمان لاتا ہوں۔'' ﴿۱۴۳﴾ فرمایا: ''اے موسیٰ! میں نے اپنے پیغام دے کر اور تم سے ہم کلام ہوکر تمہیں تمام انسانوں پر فوقیت دی ہے۔ لہٰذا میں نے جو کچھ تمہیں دیا ہے، اُسے لے لو، اور ایک شکر گذار شخص بن جاؤ۔'' ﴿۱۴۴﴾ اور ہم نے ان کے لئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی، (اور یہ حکم دیا کہ:) ''اب اس کو مضبوطی سے تھام لو، اور اپنی قوم کو حکم دو کہ اس کے بہترین اَحکام پر عمل کریں۔''(۶۶)

(۶۵) اللہ تعالیٰ کا دیدار اس دُنیا میں تو ممکن نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بات کا مظاہرہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرادیا کہ دُنیا میں انسانوں کو تو کجا، پہاڑوں کو بھی یہ طاقت نہیں دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تجلّی کو برداشت کرسکیں۔

(۶۶) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تورات کے تمام ہی اَحکام بہترین ہیں، اُن پر عمل کرنا چاہئے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جہاں تورات نے ایک کام کو جائز کہا ہو، لیکن دوسرے کام کو بہتر یا مستحب قرار دیا ہو تو اللہ تعالیٰ کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ اُس کام کو اِختیار کیا جائے جس کو اُس میں بہترین قرار دیا گیا ہے۔

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

میں عنقریب تم کو نافرمانوں کا گھر دِکھادوں گا۔"(٦٧) ﴿۱۴۵﴾ میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں، اور وہ اگر ہر طرح کی نشانیاں دیکھ لیں، تو اُن پر ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اگر انہیں ہدایت کا سیدھا راستہ نظر آئے، تو اس کو اپنا طریقہ نہیں بنائیں گے، اور اگر گمراہی کا راستہ نظر آجائے تو اس کو اپنا طریقہ بنالیں گے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا، اور ان سے بالکل بے پروا ہوگئے ﴿۱۴۶﴾ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو اور آخرت کا سامنا کرنے کو جھٹلایا ہے، اُن کے اعمال غارت ہوگئے ہیں۔ اُنہیں جو بدلہ دیا جائے گا، وہ کسی اور چیز کا نہیں، خود اُن اعمال کا ہوگا جو وہ کرتے آئے تھے۔(٦٨) ﴿۱۴۷﴾

(٦٧) بظاہر اس سے مراد فلسطین کا علاقہ ہے جو اُس وقت عمالقہ کے قبضے میں تھا، اور دِکھانے سے مراد یہ ہے کہ وہ علاقہ بنی اسرائیل کے قبضے میں آجائے گا، جیسا کہ حضرت یوشع اور حضرت سموئیل علیہما السلام کے زمانے میں ہوا۔ بعض مفسرین نے "نافرمانوں کے گھر" کا مطلب دوزخ بتایا ہے، اور مقصد یہ بیان کیا ہے کہ آخرت میں تمہیں نافرمانوں کا یہ انجام دِکھا دیا جائے گا کہ جنہوں نے تم پر ظلم کئے تھے، وہ کس برے حال میں ہیں۔

(٦٨) اُوپر جو یہ فرمایا گیا تھا کہ: "میں اپنی نشانیوں سے اُن لوگوں کو برگشتہ رکھوں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں۔" اس سے کسی کو یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود اُن کو اپنی نشانیوں سے برگشتہ کردیا تو اُن کا کیا قصور؟ اس شبہہ کو اس فقرے کے ذریعے دُور فرمایا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے اختیار سے کفر پر اَڑے رہنے کا راستہ اختیار کرلیتا ہے، تو ہم وہی راستہ اُس کے لئے مقدر فرمادیتے ہیں جسے اُس نے اپنی مرضی

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ

وقف لازم

اور موسیٰ کی قوم نے اُن کے جانے کے بعد اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا (بچھڑا کیا تھا؟) ایک بے جان جسم جس سے بیل کی سی آواز نکلتی تھی![69] بھلا کیا انہوں نے اتنا بھی نہیں دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کرسکتا ہے، اور نہ انہیں کوئی راستہ بتا سکتا ہے؟ (مگر) اُسے معبود بنالیا، اور (خود اپنی جانوں کے لئے) ظالم بن بیٹھے ﴿۱۴۸﴾ اور جب اپنے کئے پر پچھتائے، اور سمجھ گئے کہ وہ گمراہ ہوگئے ہیں تو کہنے لگے: ''اگر اللہ نے ہم پر رحم نہ فرمایا، اور ہماری بخشش نہ کی تو یقیناً ہم برباد ہوجائیں گے۔'' ﴿۱۴۹﴾ اور جب موسیٰ غصّے اور رنج میں بھرے ہوئے اپنی قوم کے پاس واپس آئے تو انہوں نے کہا: ''تم نے میرے بعد میری کتنی بُری نمائندگی کی! کیا تم نے اتنی جلد بازی سے کام لیا کہ اپنے ربّ کے حکم کا بھی انتظار نہیں کیا؟''

سے اختیار کیا۔ چونکہ وہ چاہتا ہی یہ تھا کہ ہماری نشانیوں سے برگشتہ رہے، اس لئے ہم اُس کو اُس کی خواہش کے خلاف کسی بات پر مجبور نہیں کرتے، بلکہ اُسے اُس کی خواہش کے مطابق برگشتہ ہی رکھتے ہیں۔ لہٰذا اُس کو جو سزا ملتی ہے، وہ خود اپنے ہی عمل کی ملتی ہے جو وہ اپنے اختیار سے مسلسل کرتا آیا تھا۔

(۶۹) اس بچھڑے کا مختصر ذکر سورۂ بقرہ (۲:۵۱) میں بھی گذرا ہے، اور اس کا مفصل واقعہ سورۂ طٰہٰ (۲۰:۸۸) میں آنے والا ہے کہ کس طرح سامری جادوگر نے یہ بچھڑا بنایا، اور بنی اسرائیل کو یقین دِلایا کہ (نعوذ باللہ) تمہارا خدا یہی ہے۔

وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ۖ٘ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَ لِاَخِيْ وَ اَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ٘ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

ع ۱۸/۸

اور (یہ کہہ کر) انہوں نے تختیاں پھینک دیں،(۷۰) اور اپنے بھائی (ہارون علیہ السلام) کا سر پکڑ کر اُن کو اپنی طرف کھینچنے لگے۔ وہ بولے: ’’اے میری ماں کے بیٹے! یقین جانئے کہ ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا، اور قریب تھا کہ مجھے قتل ہی کر دیتے۔ اب آپ دُشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقع نہ دیجئے، اور مجھے اِن ظالم لوگوں میں شمار نہ کیجئے‘‘ ﴿۱۵۰﴾ موسیٰ نے کہا: ’’میرے پروردگار! میری اور میرے بھائی کی مغفرت فرما دے، اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر دے۔ تُو تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے‘‘ ﴿۱۵۱﴾ (اللہ نے فرمایا:) ’’جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا ہے، اُن پر جلد ہی اُن کے رَبّ کا غضب اور دُنیوی زندگی ہی میں ذِلت آپڑے گی۔ جو لوگ افترا پردازی کرتے ہیں، اُن کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں ﴿۱۵۲﴾ اور جو لوگ بُرے کام کر گذریں، پھر اُن کے بعد توبہ کرلیں، اور اِیمان لے آئیں، تو تمہارا رَبّ اس توبہ کے بعد (اُن کے لئے) بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔‘‘ ﴿۱۵۳﴾

(۷۰) یہ تورات کی تختیاں تھیں جو وہ کوہِ طور سے لائے تھے۔ ’’پھینکنے‘‘ سے یہاں مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جلدی میں اُنہیں اِس طرح ایک طرف رکھا کہ دیکھنے والا اُسے پھینکنے سے تعبیر کرسکتا تھا، خدانخواستہ اُن کی بے حرمتی مقصود نہیں تھی۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ

اور جب موسیٰ کا غصہ تھم گیا تو انہوں نے تختیاں اُٹھالیں، اور اُن میں جو باتیں لکھی تھیں، اُس میں اُن لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت کا سامان تھا جو اپنے ربّ سے ڈرتے ہیں ﴿۱۵۴﴾ اور موسیٰ نے اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب کئے، تاکہ انہیں ہمارے طے کئے ہوئے وقت پر (کوہِ طور) لائیں۔ (۷۱)

(۷۱) ستر آدمیوں کو کوہِ طور پر لے جانے کی کیا وجہ تھی؟ اس کے بارے میں مفسرین نے مختلف رائیں ظاہر کی ہیں۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ بچھڑے کی عبادت کا جو عظیم جرم بنی اسرائیل سے سرزد ہوا تھا، اُس پر توبہ کرانے کے لئے انہیں کوہِ طور پر بلایا گیا تھا۔ لیکن اگر یہ بات تھی تو ان پر زلزلہ مسلط کرنے کی کوئی معقول توجیہ واضح نہیں ہوتی، اور جو توجیہات کی گئی ہیں، تکلف سے خالی نہیں ہیں۔ لہٰذا زیادہ صحیح بات وہ معلوم ہوتی ہے جو بعض روایات میں آئی ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر آئے اور بنی اسرائیل کو اُس پر عمل کرنے کا حکم دیا تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ہمیں اس بات کا یقین کیسے آئے کہ یہ کتاب اللہ تعالیٰ ہی نے نازل کی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ قوم کے ستر نمائندے منتخب کر کے انہیں کوہِ طور پر لے آئیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ وہاں ان کو اللہ تعالیٰ کا کلام سنا دیا گیا۔ لیکن اب انہوں نے اپنے مطالبے کو بڑھا کر یہ کہا کہ ہمیں تو اُس وقت تک یقین نہیں آئے گا جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو کھلی آنکھوں نہ دیکھ لیں۔ اس معاندانہ مطالبے کی وجہ سے اُن پر بجلی کا کڑکا ہوا جس نے زلزلے کی کیفیت پیدا کر دی، اور وہ سب بے ہوش ہوگئے۔ واقعے کی یہ توجیہ خود قرآنِ کریم کی تصریحات سے مطابقت رکھتی ہے۔ سورۂ بقرہ (۲:۵۵و۵۶) اور سورۂ نساء (۴:۱۵۳) میں بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ بیان فرمایا گیا ہے کہ ہمیں کھلی آنکھوں اللہ تعالیٰ کا دیدار کراؤ، اور یہ کہ ہم اُس وقت تک تورات کو نہیں مانیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو خود نہ دیکھ لیں۔ اور یہ بات بھی ان دونوں آیتوں میں مذکور ہے کہ اُن کے اس مطالبے پر انہیں ایک کڑکے نے آپکڑا تھا۔ غالباً اسی کڑکے کے نتیجے میں وہ زلزلہ آیا جس کا یہاں ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ سورۂ نساء (۴:۱۵۳) میں کڑکے کے ذکر کے بعد جو یہ فرمایا گیا ہے کہ: "ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ" اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ کڑکا بچھڑے کے واقعے سے پہلے پیش آچکا تھا، کیونکہ وہاں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی متعدد بداعمالیاں بیان فرمائی ہیں، اُن

فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْشِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ ؕ

پھر جب انہیں زلزلے نے آ پکڑا تو موسیٰ نے کہا: ''میرے پروردگار! اگر آپ چاہتے تو اِن کو، اور خود مجھ کو بھی پہلے ہی ہلاک کر دیتے، کیا ہم میں سے کچھ بے وقوفوں کی حرکت کی وجہ سے آپ ہم سب کو ہلاک کر دیں گے؟ (۷۲) (ظاہر ہے کہ نہیں۔ لہٰذا پتہ چلا کہ) یہ واقعہ آپ کی طرف سے صرف ایک امتحان ہے جس کے ذریعے آپ جس کو چاہیں، گمراہ کر دیں، اور جس کو چاہیں ہدایت دے دیں۔ آپ ہی ہمارے رکھوالے ہیں۔ اس لئے ہمیں معاف کر دیجئے، اور ہم پر رحم فرمایئے۔ بیشک آپ سارے معاف کرنے والوں سے بہتر معاف کرنے والے ہیں ﴿۱۵۵﴾ اور ہمارے لئے اس دُنیا میں بھی بھلائی لکھ دیجئے، اور آخرت میں بھی۔ ہم (اس غرض کے لئے) آپ ہی سے رُجوع کرتے ہیں۔''

میں زمانی ترتیب ہونا ضروری نہیں ہے۔ اور ''ثُمَّ'' کا لفظ عربی زبان میں ''اس سے بھی بڑھ کر'' کے معنیٰ میں بھی بکثرت استعمال ہوتا ہے۔

(۷۲) جیسا کہ سورۂ بقرہ (۲:۵۶) میں گذر چکا ہے، اس زلزلے کے نتیجے میں ان ستر آدمیوں پر موت جیسی حالت طاری ہوگئی تھی۔ کم از کم دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ یہ سب مر چکے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی خداداد بصیرت سے سمجھ گئے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کو ان کا اس وقت ہلاک کرنا منظور نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ انہیں، بلکہ مجھے بھی، پہلے ہی اُس وقت ہلاک کر دیتے جب ان کی متعدد نافرمانیاں سامنے آئی تھیں۔ نیز یہ بھی آپ کی رحمت اور حکمت سے بعید ہے کہ چند بے وقوفوں کی حرکت پر ہم سب کو ہلاک کر ڈالیں، اور اس وقت اگر یہ ستر آدمی واقعی ہمیشہ کے لئے مر گئے تو میری اور میرے

قَالَ عَذَابِيٓ أُصِيبُ بِهٖ مَنْ أَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ۚ

اللہ نے فرمایا: ''اپنا عذاب تو میں اُسی پر نازل کرتا ہوں جس پر چاہتا ہوں۔ اور جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے، وہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔[۷۳] چنانچہ میں یہ رحمت (مکمل طور پر) اُن لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں[۷۴] ﴿۱۵۶﴾

مخلص ساتھیوں کی بھی ہلاکت تقریباً یقینی ہے، کیونکہ میری قوم کے لوگ مجھے ان ستر آدمیوں کا قاتل قرار دے کر مجھے بھی ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے۔ ان سب باتوں سے واضح ہوتا ہے کہ آپ کا مقصد اس وقت ان کو ہلاک کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک امتحان ہے جس سے لوگوں کو آزمانا مقصود ہے کہ وہ دوبارہ زندگی پا کر شکر بجالاتے ہیں، یا بدستور ناشکری کر کے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنے لگتے ہیں۔

(۷۳) مطلب یہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے بڑھی ہوئی ہے۔ دُنیا کا عذاب میں ہر نافرمان کو نہیں دیتا، بلکہ اپنی حکمت اور علم سے جس کو چاہتا ہوں اُسے دیتا ہوں۔ آخرت میں بھی ہر گناہ پر میرا عذاب دینا ضروری نہیں، بلکہ جو لوگ ایمان لے آتے ہیں، اُن کے بہت سے گناہ میں معاف کرتا رہتا ہوں۔ البتہ جن لوگوں کی سرکشی کفر و شرک کی صورت میں حد سے بڑھ جاتی ہے، اُن کو اپنی مشیت اور حکمت کے تحت عذاب دیتا ہوں۔ اس کے برخلاف دُنیا میں میری رحمت ہر مؤمن اور کافر، نیک اور بد سب پر چھائی ہوئی ہے جس کے نتیجے میں انہیں رزق اور صحت و عافیت کی نعمتیں ملتی رہتی ہیں۔ اور آخرت میں بھی کفر و شرک کے علاوہ دوسرے گناہوں کو اسی رحمت سے معاف کیا جائے گا۔

(۷۴) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اُمت کے لئے جو دُعا مانگی تھی کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں اُن کو بھلائی نصیب ہو، یہ اُس کا جواب ہے، اور مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں تو میری رحمت سے سب کو رزق وغیرہ مل رہا ہے،

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۡ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ

جو اُس رسول، یعنی نبی اُمی کے پیچھے چلیں جس کا ذکر وہ اپنے پاس تورات اور اِنجیل میں لکھا ہوا پائیں گے،(۷۵) جو اُنہیں اچھی باتوں کا حکم دے گا، برائیوں سے روکے گا، اور اُن کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے گا،

لیکن جن لوگوں کو دُنیا اور آخرت دونوں میں میری رحمت حاصل ہوگی، وہ صرف وہ لوگ ہیں جو ایمان اور تقویٰ کی صفات کے حامل ہوں، اور جنہیں مال کی محبت زکوٰۃ جیسے فریضے کی ادائیگی سے نہ روکے۔ چنانچہ اے موسیٰ! (علیہ السلام) آپ کی اُمت کے جو لوگ ان صفات کے حامل ہوں گے، اُن کو ضرور میری یہ رحمت پہنچے گی کہ دُنیا اور آخرت دونوں میں انہیں بھلائی نصیب ہوگی۔

(۷۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل کو اُن کی وفات کے بعد بھی صدیوں تک باقی رہنا تھا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دُعا کی تھی، وہ بنی اسرائیل کی اگلی نسلوں کے لئے بھی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی دُعا قبول کرتے وقت یہ بھی واضح فرمادیا کہ بنی اسرائیل کے جو لوگ نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں گے، اُن کو دُنیا اور آخرت کی بھلائی اُسی صورت میں مل سکے گی جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر ان کی پیروی کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آپ کی کچھ صفات بھی بیان فرمائیں، جن میں سے پہلی صفت یہ ہے کہ آپ نبی ہونے کے ساتھ رسول بھی ہوں گے۔ عام طور سے رسول کا لفظ ایسے پیغمبر کے لئے بولا جاتا ہے جو نئی شریعت لے کر آئے۔ لہٰذا اس لفظ سے اشارہ کردیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نئی شریعت لے کر آئیں گے جس میں کچھ فروعی اَحکام تورات کے اَحکام سے مختلف بھی ہوسکتے ہیں، اور بنی اسرائیل کو اس وقت یہ نہ کہنا چاہئے کہ یہ تو ہماری شریعت سے مختلف اَحکام بیان کررہے ہیں، اس لئے ہم ان پر کیسے ایمان لائیں؟ چنانچہ

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ١٥٧ۧ

اور اُن پر سے وہ بوجھ اور گلے کے وہ طوق اُتار دے گا جو اُن پر لدے ہوئے تھے۔(۷۶) چنانچہ جو لوگ اُس (نبی) پر ایمان لائیں گے، اُس کی تعظیم کریں گے، اُس کی مدد کریں گے، اور اُس کے ساتھ جو نور اُتارا گیا ہے، اُس کے پیچھے چلیں گے، تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے'' ﴿۱۵۷﴾

پہلے سے بتایا جارہا ہے کہ ہر دور کے تقاضے مختلف ہوتے ہیں، اور جو رسول نئی شریعت لے کر آتے ہیں، ان کے فروعی اَحکام پہلے اَحکام سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ اُمی ہوں گے، یعنی لکھتے پڑھتے نہیں ہوں گے۔ عام طور سے بنی اسرائیل اُمی نہیں تھے، بلکہ نسلی عربوں کو اُمی کہا جاتا تھا، (دیکھئے قرآنِ کریم میں ۲:۷۸ و ۳:۲۰ و ۶۲:۲) اور خود یہودی یہ لفظ عرب نسل کے لوگوں کے لئے کسی قدر حقارت کے پیرائے میں استعمال کرتے تھے، (دیکھئے سورۂ آل عمران ۳:۷۵) اس لئے اس لفظ سے یہ اشارہ بھی دے دیا گیا کہ وہ بنی اسرائیل کے بجائے عربوں کی نسل سے مبعوث ہوں گے۔ آپ کی تیسری صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ کا ذکرِ مبارک تورات اور اِنجیل دونوں میں موجود ہوگا۔ اس سے ان بشارتوں کی طرف اشارہ ہے جو آپ کی تشریف آوری سے متعلق ان مقدس کتابوں میں دی گئی تھیں۔ آج بھی بہت سی تحریفات کے باوجود بائبل میں متعدد بشارتیں موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اظہار الحق'' کا اُردو ترجمہ ''بائبل سے قرآن تک'' مرتبہ راقم الحروف۔

(۷۶) اس سے اُن سخت اَحکام کی طرف اشارہ ہے جو یہودیوں پر عائد کئے گئے تھے۔ ان میں سے کچھ اَحکام تو خود تورات میں تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اُس وقت یہودیوں کو اُن کا پابند کیا تھا۔ بعض سخت اَحکام اُن کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر نافذ کئے گئے تھے جس کا ذکر سورۂ نساء (۴:۱۶۰) میں گذرا ہے۔ اور بہت سے اَحکام یہودی علماء نے اپنی طرف سے گھڑ لئے تھے۔ شاید ''بوجھ'' سے پہلی اور دوسری قسم کی طرف اور ''گلے کے طوق'' سے تیسری قسم کے اَحکام کی طرف اشارہ ہو۔ بتایا جارہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان اَحکام کو منسوخ کرکے ایک آسان اور معتدل شریعت لائیں گے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاﰳ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

(اے رسول! ان سے) کہو کہ: ''اے لوگو! میں تم سب کی طرف اُس اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں(۷۷) جس کے قبضے میں تمام آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہی زندگی اور موت دیتا ہے۔ اب تم اللہ پر اور اُس کے رسول پر اِیمان لے آؤ جو نبی امی ہے، اور جو اللہ پر اور اُس کے کلمات پر اِیمان رکھتا ہے، اور اُس کی پیروی کرو، تاکہ تمہیں ہدایت حاصل ہو'' ﴿۱۵۸﴾ اور موسیٰ کی قوم میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دِکھاتی ہے، اور اُسی (حق) کے مطابق انصاف سے کام لیتی ہے۔(۷۸) ﴿۱۵۹﴾

---

(۷۷) چونکہ پیچھے یہ ذکر آیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول کرتے وقت اُن کو یہ بتادیا گیا تھا کہ نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانا اُن کی آئندہ نسلوں کے لئے ضروری ہوگا، اس لئے اس موقع کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے جملۂ معترضہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت عطا فرمائی کہ وہ بنی اسرائیل سمیت تمام انسانوں کو اپنی نبوت پر اِیمان لانے اور اپنی اِتباع کی دعوت دیں۔

(۷۸) یہودیوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لانے کی جو دعوت دی گئی، اور اِس سے پہلے اُن کی بہت سی بدعنوانیاں بیان ہوئیں، اُس سے یہ شبہہ ہوسکتا تھا کہ تمام بنی اسرائیل ان بدعنوانیوں کے مرتکب ہیں، اس لئے اس جملۂ معترضہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرمادی کہ سارے بنی اسرائیل ایک جیسے نہیں ہیں، بلکہ اُن میں حق کو ماننے والے، اُس پر عمل کرنے والے اور اُس کی طرف لوگوں کو ہدایت دینے والے بھی موجود ہیں۔ اس میں وہ بنی اسرائیل بھی داخل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے دِینِ حق پر قائم رہے، اور وہ بھی جو آپ پر اِیمان لائے، مثلاً حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ۔ اس وضاحت کے بعد آگے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بنی اُسرائیل کا جو واقعہ دور سے چلا آرہا ہے، اس کو دوبارہ شروع کیا جارہا ہے۔

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِیْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْیَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَیْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِیْٓـٰٔتِكُمْ ؕ سَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۶۱﴾

اور ہم نے اُن کو (یعنی بنی اسرائیل کو) بارہ خاندانوں میں اس طرح تقسیم کردیا تھا کہ وہ الگ الگ (انتظامی) جماعتوں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ اور جب موسیٰ کی قوم نے اُن سے پانی مانگا تو ہم نے اُن کو وحی کے ذریعے حکم دیا کہ اپنی لاٹھی فلاں پتھر پر مارو۔(۷۹) چنانچہ اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ ہر خاندان کو اپنی پانی پینے کی جگہ معلوم ہوگئی۔ اور ہم نے اُن کو بادل کا سایہ دیا، اور ہم نے اُن پر من وسلویٰ (یہ کہہ کر) اُتارا کہ: ''کھاؤ وہ پاکیزہ رزق جو ہم نے تمہیں دیا ہے۔'' اور (اس کے باوجود انہوں نے جو ناشکری کی تو) انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ ﴿۱۶۰﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اُن سے کہا گیا تھا کہ: ''اِس بستی میں جا کر بس جاؤ، اور اُس میں جہاں سے چاہو کھاؤ، اور یہ کہتے جانا کہ (یا اللہ!) ہم آپ کی بخشش کے طلب گار ہیں، اور (بستی کے) دروازے میں جھکے ہوئے سروں کے ساتھ داخل ہونا، تو ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں گے، (اور) نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ (ثواب) بھی دیں گے۔'' ﴿۱۶۱﴾

---

(۷۹) آیات ۱۶۰ تا ۱۶۲ میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، وہ سورۂ بقرہ (۲:۵۷ تا ۶۱) میں گذر چکے ہیں۔ تشریح کے لئے ان آیتوں کے حواشی ملاحظہ فرمائیے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾ وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

ع ۲۰ ۵ معانقة ۲ وقف لازم النصف

پھر ہوا یہ کہ جو بات اُن سے کہی گئی تھی، اُن میں سے ظالم لوگوں نے اُسے بدل کر دوسری بات بنالی۔ تب ہم نے اُن کی مسلسل زیادتیوں کی وجہ سے اُن پر آسمان سے عذاب بھیجا ﴿۱۶۲﴾ اور ان سے اُس بستی کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے آباد تھی، جب وہ سبت (سنیچر) کے معاملے میں زیادتیاں کرتے تھے، (۸۰) جب اُن (کے سمندر) کی مچھلیاں سنیچر کے دن تو اُچھل اُچھل کر سامنے آتی تھیں، اور جب وہ سنیچر کا دن نہ منا رہے ہوتے، تو وہ نہیں آتی تھیں۔ اس طرح اُن کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے ہم انہیں آزماتے تھے۔ (۸۱) ﴿۱۶۳﴾ اور (وہ وقت انہیں یاد دِلاؤ) جب انہی کے ایک گروہ نے (دوسرے گروہ سے) کہا تھا کہ: ''تم اُن لوگوں کو کیوں نصیحت کر رہے ہو جنہیں اللہ یا تو ہلاک کرنے والا ہے، یا کوئی سخت قسم کا عذاب دینے والا ہے؟'' (۸۲) دوسرے گروہ کے لوگوں نے کہا کہ: ''یہ ہم اس لئے کرتے ہیں تاکہ تمہارے ربّ کے حضور بری الذمہ ہو سکیں، اور شاید (اس نصیحت سے) یہ لوگ پرہیزگاری اختیار کر لیں۔'' (۸۳) ﴿۱۶۴﴾

(۸۰) یہ واقعہ بھی اختصار کے ساتھ سورۂ بقرہ (۲:۶۵-۶۶) میں گذرا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سنیچر کو عربی اور عبرانی زبان میں ''سبت'' کہتے ہیں۔ یہودیوں کے لئے اسے ایک مقدس دن قرار دیا گیا تھا جس میں ان کے لئے معاشی سرگرمیاں ممنوع تھیں۔ جن یہودیوں کا یہاں ذکر ہے وہ (غالباً حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں) کسی سمندر کے کنارے رہتے تھے، اور مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔ سنیچر کے دن مچھلیاں پکڑنا ان کے لئے ناجائز

تھا، مگر شروع میں انہوں نے کچھ حیلے کرکے اس حکم کی خلاف ورزی کرنی چاہی، اور پھر کھلم کھلا مچھلیاں پکڑنی شروع کردیں۔ کچھ نیک لوگوں نے انہیں سمجھایا، مگر وہ باز نہ آئے۔ بالآخر ان پر عذاب آیا اور ان کی صورتیں مسخ کرکے انہیں بندر بنادیا گیا۔ سورۂ بقرہ میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ موجودہ بائبل میں موجود نہیں ہے، لیکن عرب کے یہودی اس سے خوب اچھی طرح واقف تھے۔

(۸۱) جب کوئی قوم نافرمانی پر کمر باندھ لیتی ہے تو بعض اوقات اللہ تعالیٰ اُسے ڈھیل دیتے ہیں، جیسا کہ آگے آیت نمبر ۱۸۲ میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ سنیچر کے دن معاشی سرگرمیوں سے باز رہنا اپنی ذات میں کچھ اتنا ناقابلِ برداشت نہیں تھا، لیکن جس قوم کی سرشت ہی میں نافرمانی تھی، اُس نے جب کسی معقول وجہ کے بغیر اَحکام کی خلاف ورزی شروع کی تو اللہ تعالیٰ نے یہ ڈھیل دی کہ سنیچر کے دن مچھلیاں اتنے اِفراط کے ساتھ نظر آنے لگیں کہ دوسرے دِنوں میں اتنے اِفراط کے ساتھ نظر نہیں آتی تھیں۔ اس سے ان کو نافرمانی کا اور حوصلہ ہوا، اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل اور آزمائش ہے۔ اور انہوں نے پہلے ایسے حیلے کئے کہ سنیچر کے دن مچھلی کی دُم میں رسّی اَٹکا کر اسے زمین کی کسی چیز سے باندھ دیا، اور اتوار کے دن اُسے پکا کھایا۔ جب ان حیلوں سے نافرمانی کا حوصلہ بڑھا تو کھلم کھلا شکار شروع کردیا۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ اگر کسی شخص کو گناہ کے وافر مواقع میسر آرہے ہوں تو اُسے ڈرنا چاہئے کہ یہ کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل نہ ہو جس کے بعد وہ ایک دم پکڑ لیا جائے۔

(۸۲) دراصل ان لوگوں کے تین گروہ ہوگئے تھے۔ ایک گروہ مسلسل نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے تھا۔ دوسرا گروہ شروع میں انہیں سمجھاتا رہا، اور جب وہ نہ مانے تو مایوس ہو کر بیٹھ گیا۔ تیسرا گروہ مایوس ہونے کے بجائے بدستور انہیں نصیحت کرتا رہا۔ اب دوسرے گروہ نے تیسرے گروہ سے کہا کہ جب یہ لوگ مسلسل نافرمانی پر کمر باندھے ہوئے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے، اس لئے ان کو سمجھانا وقت ضائع کرنا ہے۔

(۸۳) یہ تیسرے گروہ کا جواب ہے، اور بڑا عارفانہ جواب ہے۔ انہوں نے اپنی کوششیں جاری رکھنے کی دو وجہیں بیان کیں۔ ایک یہ کہ ہمارے نصیحت کرتے رہنے کا پہلا مقصد تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری پیشی ہو تو ہم یہ کہہ سکیں کہ یا اللہ! ہم اپنا فریضہ ادا کرتے رہے تھے، اس لئے ہم ان کے جرائم سے بری الذمہ ہیں۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ ہم اب بھی یہ اُمید رکھتے ہیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ ہماری بات سن لے، اور گناہ سے باز آجائے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کا یہ جواب خاص طور پر نقل فرما کر ہر مسلمان کو متنبہ فرمایا ہے کہ جب معاشرے میں نافرمانی کا دور دورہ ہوجائے تو ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو بچالے، بلکہ دوسروں کو راہِ راست کی دعوت دینا بھی اُس کی ذمہ داری ہے جس کے بغیر وہ مکمل طور پر بری الذمہ نہیں ہوسکتا۔ اور دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حق کے ایک داعی کو کبھی مایوس ہوکر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اس اُمید کے ساتھ اپنا پیغام پہنچاتے رہنا چاہئے کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ بات سمجھ جائے۔

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۷﴾

پھر جب یہ لوگ وہ بات بھلا بیٹھے جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو بُرائی سے روکنے والوں کو تو ہم نے بچالیا، اور جنہوں نے زیادتیاں کی تھیں، اُن کی مسلسل نافرمانی کی بنا پر ہم نے اُنہیں ایک سخت عذاب میں پکڑ لیا ﴿۱۶۵﴾ چنانچہ ہوا یہ کہ جس کام سے انہیں روکا گیا تھا، جب انہوں نے اس کے خلاف سرکشی کی تو ہم نے اُن سے کہا: "جاؤ، ذلیل بندر بن جاؤ۔"(۸۴) ﴿۱۶۶﴾ اور (یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے رَبّ نے اعلان کیا کہ وہ ان پر قیامت کے دن تک کوئی نہ کوئی ایسا شخص مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بری بری تکلیفیں پہنچائے گا۔(۸۵) بیشک تمہارا ربّ جلد ہی سزا دینے والا بھی ہے، اور یقیناً وہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان بھی ہے ﴿۱۶۷﴾

(۸۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی صورتیں مسخ کر کے انہیں واقعی بندر بنا دیا گیا۔ ہمارے دور کے بعض لوگ اس قسم کی باتوں پر یقین کرنے کے بجائے قرآنِ کریم میں تأویلات بلکہ تحریفات کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ جب ڈارون کسی قطعی دلیل کے بغیر یہ کہے کہ بندر ترقی کر کے انسان بن گیا تھا تو اُسے ماننے میں انہیں تأمل نہیں ہوتا، لیکن جب اللہ تعالیٰ اپنے قطعی کلام میں یہ فرمائیں کہ انسان تنزل کر کے بندر بن گیا تو یہ حضرات شرما کر اُس میں تأویل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(۸۵) یہود کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ واقعی ہر تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ان پر کوئی نہ کوئی جابر مسلط ہوتا رہا ہے جس نے ان کو اپنا محکوم بنا کر طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ البتہ ظاہر ہے کہ ہزاروں سال کی تاریخ میں ایسے وقفے بھی آتے رہے ہیں جن میں وہ خوش حال رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آگے خود یہ فرمایا ہے کہ: "ہم نے ان کو اچھے اور برے حالات سے آزمایا" جس سے واضح ہے کہ ان پر خوش حالی کے دور بھی آتے رہے ہیں، مگر مجموعی تاریخ کے مقابلے میں وہ کم ہیں۔

وَقَطَّعۡنٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اُمَمًا ۚ مِنۡهُمُ الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنۡهُمۡ دُوۡنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوۡنٰهُمۡ بِالۡحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۶۸﴾ فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ یَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا الۡاَدۡنٰی وَیَقُوۡلُوۡنَ سَیُغۡفَرُ لَنَا ۚ وَاِنۡ یَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ یَاۡخُذُوۡهُ ؕ اَلَمۡ یُؤۡخَذۡ عَلَیۡهِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡكِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الۡحَقَّ وَدَرَسُوۡا مَا فِیۡهِ ؕ وَالدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾ وَالَّذِیۡنَ یُمَسِّكُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿۱۷۰﴾

اور ہم نے دُنیا میں اُن کو مختلف جماعتوں میں بانٹ دیا۔ چنانچہ ان میں نیک لوگ بھی تھے، اور کچھ دوسری طرح کے لوگ بھی۔ اور ہم نے انہیں اچھے اور بُرے حالات سے آزمایا، تاکہ وہ (راہِ راست کی طرف) لوٹ آئیں ﴿۱۶۸﴾ پھر ان کے بعد اُن کی جگہ ایسے جانشین آئے جو کتاب (یعنی تورات) کے وارث بنے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ اس ذلیل دُنیا کا ساز و سامان (رِشوت میں) لیتے، اور یہ کہتے کہ: ''ہماری بخشش ہو جائے گی'' حالانکہ اگر اُسی جیسا ساز و سامان دوبارہ اُن کے پاس آتا تو وہ اُسے بھی (رِشوت میں) لے لیتے۔(۸۶) کیا ان سے کتاب میں مذکور یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کریں؟ اور اُس (کتاب) میں جو کچھ لکھا تھا، وہ انہوں نے باقاعدہ پڑھا بھی تھا۔ اور آخرت والا گھر اُن لوگوں کے لئے کہیں بہتر ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ (اے یہود!) کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ﴿۱۶۹﴾ اور جو لوگ کتاب کو مضبوطی سے تھامتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، تو ہم ایسے اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ﴿۱۷۰﴾

(۸۶) یہ ان کی اس بدعنوانی کا ذکر ہے کہ وہ رِشوت لے کر اللہ کی کتاب کی غلط تفسیر کر دیتے تھے، اور ساتھ ہی بڑے یقین کے ساتھ یہ بھی کہتے کہ ہمارے اس گناہ کی بخشش ہو جائے گی۔ حالانکہ بخشش تو توبہ سے ہوتی ہے، جس کا لازمی حصہ یہ ہے کہ آئندہ اس گناہ سے پرہیز کیا جائے، لیکن ان کا حال یہ تھا کہ اگر انہیں دوبارہ رِشوت کی

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٧١﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۚۛ شَهِدْنَا ۚۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٧٢﴾

ع ۲۱ — معانقة ۷

اور (یاد کرو) جب ہم نے پہاڑ کو ان کے اُوپر اس طرح اُٹھا دیا تھا جیسے وہ کوئی سائبان ہو،(۸۷) اور انہیں یہ گمان ہوگیا تھا کہ وہ ان کے اُوپر گرنے ہی والا ہے، (اُس وقت ہم نے حکم دیا تھا کہ:) ''ہم نے تمہیں جو کتاب دی ہے، اُسے مضبوطی سے تھامو، اور اُس کی باتوں کو یاد کرو، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرسکو'' ﴿۱۷۱﴾ اور (اے رسول! لوگوں کو وہ وقت یاد دِلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کے بیٹوں کی پشت سے اُن کی ساری اولاد کو نکالا تھا، اور اُن کو خود اپنے اُوپر گواہ بنایا تھا، (اور پوچھا تھا کہ:) ''کیا میں تمہارا ربّ نہیں ہوں؟'' سب نے جواب دیا تھا کہ: ''کیوں نہیں؟ ہم سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔''(۸۸) (اور یہ اِقرار ہم نے اس لئے لیا تھا) تاکہ تم قیامت کے دن یہ نہ کہہ سکو کہ: ''ہم تو اس بات سے بے خبر تھے'' ﴿۱۷۲﴾

پیشکش کی جاتی تو وہ دوبارہ لینے کو بے تکلف تیار رہتے تھے۔ اور یہ سب کچھ وہ دُنیا کی خاطر کرتے تھے، حالانکہ اگر عقل ہوتی تو یہ دیکھتے کہ آخرت کی زندگی کہیں بہتر ہے۔

(۸۷) یہ واقعہ سورۂ بقرہ (۲: ۶۳) اور سورۂ نساء (۴: ۱۵۴) میں بھی گذرا ہے، اور سورۂ بقرہ کی متعلقہ آیت کے تحت ہم نے اس کا خلاصہ بیان کیا ہے۔ وہاں ہم نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عربی زبان کے لحاظ سے اس آیت کا یہ ترجمہ بھی ممکن ہے کہ: ''ہم نے پہاڑ کو اُن کے اُوپر اس طرح زور زور سے ہلایا کہ انہیں یہ گمان ہوگیا کہ وہ ان کے اُوپر گرنے والا ہے۔''

(۸۸) اس آیتِ کریمہ میں جس عہد لینے کا ذکر ہے، حدیث میں اُس کی تشریح یہ آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾

یا یہ نہ کہہ دو کہ: ''شرک (کا آغاز) تو بہت پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا تھا، اور ہم اُن کے بعد انہی کی اولاد بنے۔ تو کیا آپ ہمیں اُن کاموں کی وجہ سے ہلاک کر دیں گے جو غلط کار لوگوں نے کیے تھے؟'' ﴿۱۷۳﴾ اور اسی طرح ہم نشانیوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں، تا کہ لوگ (حق کی طرف) پلٹ آئیں ﴿۱۷۴﴾

آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اُن کی پشت سے جتنے انسان پیدا ہونے والے تھے، ان سب کو ایک جگہ اس طرح جمع فرمایا کہ وہ سب چیونٹیوں کے برابر جسم رکھتے تھے۔ پھر اُن سے یہ عہد لیا کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مانتے ہیں؟ سب نے اقرار کیا کہ بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ تسلیم کرتے ہیں، (روح المعانی بحوالہ نسائی وحاکم وبیہقی وغیرہ) جس کا لازمی مطلب یہ ہے کہ انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام اَحکام کو مان کر ان پر عمل کریں گے، اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو دُنیا میں بھیجنے سے پہلے ہی ان سے اپنی اطاعت کا اقرار لے لیا تھا۔ دُنیا میں ایسے حضرات بھی ہوئے ہیں جن کو یہ واقعہ دُنیا میں آنے کے بعد بھی یاد رہا، مثلاً حضرت ذُوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا یہ ارشاد منقول ہے کہ: ''یہ عہد مجھے ایسا یاد ہے گویا اس وقت سن رہا ہوں۔'' (معارف القرآن ج:۴ ص:۱۱۵) لیکن یہ دُرست ہے کہ چند مستثنیات کو چھوڑ کر باقی انسان اس واقعے کو ایک عہد کی شکل میں تو بھول چکے ہیں، مگر کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ وہ یاد نہ رہنے کے باوجود اپنا طبعی اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ اثر آج بھی دُنیا کے اکثر وبیشتر انسانوں میں موجود ہے کہ وہ اس کائنات کے ایک پیدا کرنے والے پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس کی عظمت وکبریائی کے گن گاتے ہیں۔ جو لوگ مادّی خواہشات کے گرداب میں پھنس کر اپنی فطرت خراب کر چکے ہوں، اُن کی بات تو اور ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی عظمت ومحبت ہر اِنسان کی فطرت میں سمائی ہوئی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جب کبھی فطرت سے دُور کرنے والے بیرونی عوامل دُور ہوتے ہیں تو اِنسان حق کی طرف اس طرح دوڑتا ہے جیسے اُس کو اپنی کھوئی ہوئی پونجی اچانک مل گئی ہو۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

اور (اے رسول!) ان کو اُس شخص کا واقعہ پڑھ کر سناؤ جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں، مگر وہ اُن کو بالکل ہی چھوڑ نکلا، پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گمراہ لوگوں میں شامل ہوگیا۔[89] ﴿۱۷۵﴾

(۸۹) عام طور سے مفسرین نے اس آیت کے بارے میں یہ کہا ہے کہ اس میں بلعام بن باعور کی طرف اشارہ ہے۔ فلسطین کے علاقے موآب میں یہ ایک عابدوزاہد شخص تھا، اور اس کے بارے میں یہ بات مشہور تھی کہ اُس کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اُس وقت اس علاقے پر بت پرست قوموں کا قبضہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل کا لشکر لے کر اس علاقے پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فوجیں موآب کے دروازے تک پہنچ گئیں تو وہاں کے بادشاہ نے بلعام سے کہا کہ وہ ان کے خلاف بددُعا کرے تاکہ وہ ہلاک ہوجائیں، بلعام نے شروع میں انکار کیا، مگر بادشاہ نے اسے رِشوت دی تو وہ بددُعا پر راضی ہوگیا۔ مگر جب دُعا کرنی شروع کی تو الفاظ بددُعا کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں دُعا کے نکلے۔ بعد میں بلعام نے بادشاہ کے لوگوں کو یہ مشورہ دیا کہ وہ اپنی عورتوں کو بنی اسرائیل کے خیموں میں بھیج دیں، تاکہ وہ بدکاری میں مبتلا ہوجائیں۔ بدکاری کی یہ خاصیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قہر کا سبب بنتی ہے، اس لئے بنی اسرائیل اپنی بدکاری کی وجہ سے اللہ کی مدد سے محروم ہوجائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، بنی اسرائیل اس فتنے میں مبتلا ہوگئے جس کی وجہ سے ان میں عذاب کے طور پر طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ یہ قصہ بائبل میں بھی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے (دیکھئے گنتی، باب ۲۲ تا ۲۵، اور ۳۱:۱۶)۔

قرآنِ کریم نے یہاں اُس شخص کا نام نہیں لیا جس کی طرف ان آیات میں اشارہ ہے، اور نہ یہ بیان فرمایا ہے کہ اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اَحکام کو چھوڑ کر کس طرح اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کی۔ اور جو قصہ اُوپر بیان کیا گیا ہے، وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں ہے۔ اس لئے یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ ان آیات میں وہی مراد ہے۔ تاہم قرآنِ کریم کا اصل مقصد اس شخص کی تعیین پر موقوف نہیں ہے۔ سبق یہ دینا مقصود ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم اور عبادت کے شرف سے نوازا ہو، اُس کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ احتیاط اور تقویٰ سے کام لینا چاہئے۔ اگر ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کی خلاف ورزی کرکے ناجائز خواہشات کے پیچھے چل پڑے، تو اس کا انجام دُنیا اور آخرت دونوں میں برا ہوتا ہے۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں کی بدولت اُسے سربلند کرتے، مگر وہ تو زمین ہی کی طرف جھک کر رہ گیا، اور اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا رہا، اس لئے اُس کی مثال اُس کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تم اُس پر حملہ کرو تب بھی وہ زبان لٹکا کر ہانپے گا، اور اگر اُسے (اُس کے حال پر) چھوڑ دو تب بھی زبان لٹکا کر ہانپے گا۔ (۹۰) یہ ہے مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے۔ لہٰذا تم یہ واقعات ان کو سناتے رہو، تاکہ یہ کچھ سوچیں ﴿۱۷۶﴾ کتنی بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، اور جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے ہیں! ﴿۱۷۷﴾ جسے اللہ ہدایت دے، بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے، اور جسے وہ گمراہ کردے، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو نقصان اُٹھاتے ہیں ﴿۱۷۸﴾

---

(۹۰) عام جانور اُسی وقت ہانپتے ہیں جب کوئی بوجھ اُٹھائیں، یا کوئی اُن پر حملہ کرے۔ لیکن کتا ایسا جانور ہے جسے سانس لینے کے لئے ہر حال میں ہانپنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جن حضرات نے اس واقعے کو بلعام بن باعور کا واقعہ قرار دیا ہے، وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اُس کی بدعملی کی سزا میں اُس کی زبان کتے کی طرح باہر نکل پڑی تھی، اس لئے اُسے اس آیت میں کتے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دراصل یہ تشبیہ اُس شخص کی نفسانی حرص کی ہے۔ اگر کتے پر کوئی چیز پھینکی جائے تو خواہ وہ اُسے مارنے کے لئے پھینکی گئی ہو، کتا اپنی زبان نکال کر اُس پر اس حرص میں لپکتا ہے کہ شاید یہ کوئی کھانے کی چیز ہو۔ اسی طرح جو شخص دُنیا کی حرص میں گرفتار ہو وہ ہر واقعے سے دُنیا کا مفاد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اُس کے لئے ہر حال میں ہانپتا ہی رہتا ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۚۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪

اور ہم نے جنات اور انسانوں میں سے بہت سے لوگ جہنم کے لئے پیدا کئے۔[91] اُن کے پاس دِل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، اور اُن کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ وہ اُن سے بھی زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۱۷۹﴾ اور اسمائے حسنیٰ (اچھے اچھے نام) اللہ ہی کے ہیں۔ لہٰذا اُس کو انہی ناموں سے پکارو،[92]

(۹۱) یعنی اُن کی تقدیر میں یہ لکھا ہے کہ وہ اپنے اختیار سے ایسے کام کریں گے جو انہیں جہنم تک لے جائیں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ تقدیر میں لکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ جہنم کے کام کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں، بلکہ بلاتشبیہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اُستاد اپنے کسی شاگرد کے حالات کے پیش نظر یہ لکھ کر رکھ دے کہ یہ فیل ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُستاد نے اُسے فیل ہونے پر مجبور کردیا، بلکہ اُس نے جو کچھ لکھا تھا اُس کا مطلب یہی تھا کہ یہ شاگرد محنت کرنے کے بجائے وقت ضائع کرے گا، اور اس کے نتیجے میں فیل ہوگا۔

(۹۲) اس سے پہلی آیت میں نافرمانوں کی بنیادی بیماری یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اُس کے سامنے جواب دہی کے احساس سے غافل ہیں۔ اور غور کیا جائے تو اس دُنیا میں ہر قسم کی برائی کا اصل سبب ہمیشہ یہی ہوتا ہے۔ اس لئے اب اس بیماری کا علاج بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، اور اپنی ہر حاجت اُسی سے مانگی جائے۔ واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا جو لفظ یہاں استعمال ہوا ہے، وہ دونوں باتوں کو شامل ہے، اُس کی تسبیح وتقدیس کے ذریعے اُس کا ذکر کرنا، اور اُس سے دُعائیں مانگنا۔ غفلت کے دُور ہونے کا یہی راستہ ہے کہ بندہ اپنے پروردگار کو دونوں طریقوں سے پکارے۔ البتہ اُس کو پکارنے کے لئے یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو اچھے اچھے نام (اسمائے حسنیٰ) خود اللہ تعالیٰ نے یا اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیئے ہیں، اُنہی ناموں سے اُس کو پکارا جائے۔ ان اسمائے حسنیٰ کی طرف قرآنِ کریم نے کئی مقامات پر اشارہ فرمایا ہے (دیکھئے سورۂ بنی اسرائیل ۱۷:۱۱۰ و سورۂ طٰہٰ ۲۰:۸ و سورۂ حشر ۵۹:۲۴)۔ اور

وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾

اور اُن لوگوں کو چھوڑ دو جو اُس کے ناموں میں ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہیں۔(۹۳) وہ جو کچھ کر رہے ہیں، اُس کا بدلہ اُنہیں دیا جائے گا ﴿۱۸۰﴾ اور ہماری مخلوق میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو لوگوں کو حق کا راستہ دِکھاتی ہے، اور اُسی (حق) کے مطابق انصاف سے کام لیتی ہے ﴿۱۸۱﴾ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہے، انہیں ہم اس طرح دھیرے دھیرے پکڑ میں لیں گے کہ اُنہیں پتہ بھی نہیں چلے گا ﴿۱۸۲﴾ اور میں اُن کو ڈھیل دیتا ہوں، یقین جانو کہ میری خفیہ تدبیر بڑی مضبوط ہے۔(۹۴) ﴿۱۸۳﴾

صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ یہ ننانوے نام ترمذی اور حاکم نے روایت کئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر انہی اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم مبارک کے ساتھ کرنا چاہئے، اور اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام نہیں گھڑ لینا چاہئے۔

(۹۳) بہت سے کافروں کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا جو ناقص، اَدھورا یا غلط تصور تھا، اُس کے مطابق انہوں نے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام یا کوئی صفت بنالی تھی، یہ آیت متنبہ کر رہی ہے کہ مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ اُن لوگوں کی پیروی میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا وہ نام یا صفت استعمال کرنا شروع کردیں۔

(۹۴) یہ اُن لوگوں کے لئے خطرے کی گھنٹی ہے جو مسلسل نافرمانی کئے جا رہے ہوں، اور پھر بھی دُنیا کے عیش وعشرت سے لطف اندوز ہو رہے ہوں، اور جنہیں کبھی یہ خیال بھی نہ آتا ہو کہ انہیں کسی دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ کیونکہ ایسی نافرمانیوں اور ایسی غفلت کے ساتھ جو دُنیوی عیش وعشرت میسر آتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل ہوتی ہے، جس کو قرآنِ کریم نے "اِستدراج" کا نام دیا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ ایسا شخص اچانک پکڑ لیا جاتا ہے، کبھی تو یہ پکڑ دُنیا ہی میں ہو جاتی ہے، اور اگر یہاں نہ ہوئی تو آخرت میں تو ہونی ہی ہونی ہے۔

اَوَلَمۡ یَتَفَكَّرُوۡا ٚ مَا بِصَاحِبِهِمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۸۴﴾ اَوَلَمۡ یَنۡظُرُوۡا فِیۡ مَلَكُوۡتِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَیۡءٍ ۙ وَّاَنۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّكُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُهُمۡ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَهٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَیَذَرُهُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۸۶﴾ یَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرۡسٰىهَا ؕ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ ۚ لَا یُجَلِّیۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕۘ ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ لَا تَاۡتِیۡكُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً ؕ

وقف لازم

بھلا کیا ان لوگوں نے سوچا نہیں کہ یہ صاحب جن سے ان کا سابقہ ہے، (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) ان میں جنون کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ وہ کچھ اور نہیں، بلکہ صاف صاف طریقے سے لوگوں کو متنبہ کرنے والے ہیں۔(۹۵) ﴿۱۸۴﴾ اور کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت پر اور اللہ نے جو جو چیزیں پیدا کی ہیں اُن پر غور نہیں کیا، اور یہ (نہیں سوچا) کہ شاید اِن کا مقررہ وقت قریب ہی آ پہنچا ہو؟ اب اس کے بعد آخر وہ کونسی بات ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟ ﴿۱۸۵﴾ جس کو اللہ گمراہ کردے، اُس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، اور ایسے لوگوں کو اللہ (بے یار و مددگار) چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے پھریں ﴿۱۸۶﴾ (اے رسول!) لوگ تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب برپا ہوگی؟ کہہ دو کہ: "اُس کا علم تو صرف میرے ربّ کے پاس ہے۔ وہی اُسے اپنے وقت پر کھول کر دِکھائے گا، کوئی اور نہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بڑی بھاری چیز ہے، جب آئے گی تو تمہارے پاس اچانک آجائے گی۔"

(۹۵) مشرکینِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر ماننے کے بجائے کبھی معاذ اللہ آپ کو مجنون قرار دیتے، کبھی شاعر یا جادوگر کہتے تھے۔ یہ آیت بتارہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسے بے سروپا تبصرے وہی کرسکتا ہے جو بے سوچے سمجھے بات کرنے کا عادی ہو۔ اگر یہ لوگ ذرا بھی غور کرلیں تو اُن پر اپنے ان الزامات کی حقیقت واضح ہوجائے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ

یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھتے ہیں جیسے تم نے اُس کی پوری تحقیق کر رکھی ہے۔ کہہ دو کہ: ''اُس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے۔'' ﴿۱۸۷﴾ کہو کہ: ''جب تک اللہ نہ چاہے، میں خود اپنے آپ کو بھی کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا، اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں اچھی اچھی چیزیں خوب جمع کرتا، اور مجھے کبھی کوئی تکلیف ہی نہ پہنچتی۔(۹۶) میں تو بس ایک ہوشیار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، اُن لوگوں کے لئے جو میری بات مانیں۔'' ﴿۱۸۸﴾ اللہ وہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اور اُسی سے اُس کی بیوی بنائی، تاکہ وہ اُس کے پاس آ کر تسکین حاصل کرے۔(۹۷)

(۹۶) یعنی اگر مجھے غیب کی ساری باتیں معلوم ہو جایا کرتیں تو میں دُنیا کے سارے فائدے اِکٹھے کر لیتا، اور کبھی مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، کیونکہ ہر کام کا انجام مجھے پہلے سے معلوم ہو جاتا۔ حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مجھے غیب کی ساری باتوں کا علم نہیں دیا گیا، البتہ جو باتیں اللہ تعالیٰ مجھے وحی کے ذریعے بتا دیتے ہیں، اُن کا مجھے بھی علم ہو جاتا ہے۔ یہ اُن کافروں کی بھی تردید ہے جو پیغمبر کے لئے ضروری سمجھتے تھے کہ اُسے خدائی کے اختیارات حاصل ہوں، اور اُن لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو اپنے پیغمبروں کی تعظیم میں حد سے نکل کر انہیں خدائی کا درجہ دے دیتے ہیں، اور جس شرک کو مٹانے کے لئے انبیائے کرام تشریف لائے تھے، اُن کی تعظیم کے نام پر اُسی شرک کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔

(۹۷) ''ایک جان'' سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، اور ان کی بیوی سے مراد حضرت حواء علیہا السلام۔

فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ۖ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَاۤ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

پھر جب مرد نے عورت کو ڈھانک لیا تو عورت نے حمل کا ایک ہلکا سا بوجھ اُٹھالیا، جسے لے کر وہ چلتی پھرتی رہی۔(۹۸) پھر جب وہ بوجھل ہوگئی تو دونوں (میاں بیوی) نے اپنے پروردگار اللہ سے دُعا کی کہ: ''اگر تو نے ہمیں تندرست اولاد دی تو ہم ضرور بالضرور تیرا شکر ادا کریں گے۔'' ﴿۱۸۹﴾ لیکن جب اللہ نے ان کو ایک تندرست بچہ دے دیا تو ان دونوں نے اللہ کی عطا کی ہوئی نعمت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانا شروع کردیا، حالانکہ اللہ ان کی مشرکانہ باتوں سے کہیں بلند اور برتر ہے ﴿۱۹۰﴾ کیا وہ ایسی چیزوں کو (اللہ کے ساتھ خدائی میں) شریک مانتے ہیں جو کوئی چیز پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود اُن کو پیدا کیا جاتا ہے؟ ﴿۱۹۱﴾ اور جو نہ ان لوگوں کی کوئی مدد کرسکتے ہیں، اور نہ خود اپنی مدد کرتے ہیں ﴿۱۹۲﴾ اور اگر تم انہیں کسی صحیح راستے کی طرف دعوت دو تو وہ تمہاری بات نہ مانیں، (بلکہ) تم انہیں پکارو یا خاموش رہو، اُن کے لئے دونوں باتیں برابر ہیں ﴿۱۹۳﴾ یقین جانو کہ اللہ کو چھوڑ کر جن جن کو تم پکارتے ہو، وہ سب تمہاری طرح (اللہ کے) بندے ہیں۔ اب ذرا ان سے دُعا مانگو، پھر اگر تم سچے ہو تو انہیں تمہاری دُعا قبول کرنی چاہیئے ﴿۱۹۴﴾

---

(۹۸) اب یہاں سے حضرت آدم علیہ السلام کی ایسی اولاد کا ذکر ہورہا ہے جس نے بعد میں شرک کا راستہ اختیار کیا۔

اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ
يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ
فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۱۹۵﴾ اِنَّ وَلِیِّۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۹۶﴾
وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا
يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾

بھلا کیا اُن کے پاس پاؤں ہیں جن سے وہ چلیں؟ یا اُن کے پاس ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑیں؟ یا اُن کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھیں؟ یا اُن کے پاس کان ہیں جن سے وہ سنیں؟ (ان سے کہہ دو کہ:) ''تم اُن سب دیوتاؤں کو بلالاؤ جنہیں تم نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے، پھر میرے خلاف کوئی سازش کرو، اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔(۹۹) ﴿۱۹۵﴾ میرا رکھوالا تو اللہ ہے جس نے کتاب نازل کی ہے، اور وہ نیک لوگوں کی رکھوالی کرتا ہے ﴿۱۹۶﴾ اور تم اُس کو چھوڑ کر جن جن کو پکارتے ہو، وہ نہ تمہاری مدد کرسکتے ہیں، نہ اپنی مدد کرتے ہیں ﴿۱۹۷﴾ اور اگر تم انہیں صحیح راستے کی طرف بلاؤ تو وہ سنیں گے بھی نہیں۔ وہ تمہیں نظر تو اس طرح آتے ہیں جیسے تمہیں دیکھ رہے ہوں، لیکن حقیقت میں انہیں کچھ سجھائی نہیں دیتا'' ﴿۱۹۸﴾ (اے پیغمبر!) درگذر کا رویہ اپناؤ، اور (لوگوں کو) نیکی کا حکم دو، اور جاہلوں کی طرف دھیان نہ دو ﴿۱۹۹﴾

---

(۹۹) کفارِ مکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا کرتے تھے کہ آپ ہمارے دیوتاؤں کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں کہ ان میں کچھ بھی طاقت نہیں ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارے دیوتا آپ کو (معاذ اللہ) سزا دیں گے۔ یہ آیت اس کا جواب دے رہی ہے۔

وَ اِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۰۰﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ۚ وَ اِخۡوَانُہُمۡ یَمُدُّوۡنَہُمۡ فِی الۡغَیِّ ثُمَّ لَا یُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾

اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی کچوکا لگ جائے تو اللہ کی پناہ مانگ لو۔(۱۰۰) یقیناً وہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے ﴿۲۰۰﴾ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، اُنہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال آ کر چھوتا بھی ہے تو وہ (اللہ کو) یاد کر لیتے ہیں،(۱۰۱) چنانچہ اچانک اُن کی آنکھیں کھل جاتی ہیں ﴿۲۰۱﴾ اور جو اِن شیاطین کے بھائی ہیں، اُن کو یہ شیاطین گمراہی میں گھسیٹے لے جاتے ہیں، نتیجہ یہ کہ وہ (گمراہی سے) باز نہیں آتے ﴿۲۰۲﴾

---

(۱۰۰) کچوکے سے مراد وسوسہ ہے۔ اور اس آیت نے ہر مسلمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب کبھی شیطان دِل میں کوئی برے خیال کا وسوسہ ڈالے تو فوراً اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہئے۔ اس بات کا ذکر خاص طور پر درگذر کا رویہ اپنانے کے سلسلے میں کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں درگذر کرنے کی فضیلت ہے، وہاں بھی اگر شیطانی اثر سے کبھی کسی کو غصہ آجائے تو اُس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگنا ہے۔

(۱۰۱) گناہ کی خواہش نفس اور شیطان کے اثرات سے بڑے بڑے پرہیز گاروں کو بھی ہوتی ہے، لیکن وہ اس کا علاج اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اُس سے مدد مانگتے ہیں، دُعائیں کرتے ہیں، اور اُس کی بارگاہ میں حاضری کا دھیان کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں، یعنی ان کو گناہ کی حقیقت نظر آجاتی ہے، اور اُس کے نتیجے میں وہ گناہ سے بچ جاتے ہیں، اور اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠٣﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٢٠٤﴾ وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿٢٠٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۩ ﴿٢٠٦﴾ ع ۲۴/۱۸/۱۴

السجدۃ ۱ الثانیۃ

اور (اے پیغمبر!) جب تم ان کے سامنے (ان کا منہ مانگا) معجزہ پیش نہیں کرتے تو یہ کہتے ہیں کہ: "تم نے یہ معجزہ خود اپنی پسند سے کیوں نہ پیش کر دیا؟" کہہ دو کہ: "میں تو اُسی بات کا اتباع کرتا ہوں جو میرے ربّ کی طرف سے وحی کے ذریعے مجھ تک پہنچائی جاتی ہے۔ (۱۰۲) یہ (قرآن) تمہارے ربّ کی طرف سے بصیرتوں کا مجموعہ ہے، اور جو لوگ ایمان لائیں اُن کے لئے ہدایت اور رحمت!" (۱۰۳) ﴿۲۰۳﴾ اور جب قرآن پڑھا جائے تو اُس کو کان لگا کر سنو، اور خاموش رہو، تاکہ تم پر رحمت ہو۔ (۱۰۴) ﴿۲۰۴﴾ اور اپنے ربّ کا صبح و شام ذکر کیا کرو، اپنے دِل میں بھی، عاجزی اور خوف کے (جذبات کے) ساتھ، اور زبان سے بھی، آواز بہت بلند کئے بغیر! اور اُن لوگوں میں شامل نہ ہو جانا جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں ﴿۲۰۵﴾ یاد رکھو کہ جو (فرشتے) تمہارے ربّ کے پاس ہیں، وہ اُس کی عبادت سے تکبر کر کے منہ نہیں موڑتے، اور اُس کی تسبیح کرتے ہیں، اور اُسی کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ (۱۰۵) ﴿۲۰۶﴾

(۱۰۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزے ان لوگوں کے سامنے آ چکے تھے، لیکن وہ ضد میں آ کر نئے نئے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے۔ یہ اس کا جواب ہے کہ میں اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ میں تو ہر

بات میں وحیٔ الٰہی کا اِتباع کرتا ہوں۔

(۱۰۳) یعنی قرآنِ کریم بذاتِ خود ایک معجزہ ہے، اس میں جو بصیرتیں ہیں، وہ ایک اُمّی کی زبان پر جاری ہورہی ہیں جس نے کبھی لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا۔ اس کے بعد کس معجزے کی ضرورت ہے؟

(۱۰۴) اس آیت نے بتادیا کہ جب قرآنِ کریم کی تلاوت ہورہی ہو تو اُسے سننے کا اہتمام کرنا چاہئے۔ البتہ تلاوت کرنے والے کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایسے مقامات پر بلند آواز سے تلاوت نہ کرے جہاں لوگ اپنے کاموں میں مشغول ہوں۔ ایسی صورت میں اگر لوگ تلاوت کی طرف دھیان نہیں دیں گے تو اس کا گناہ تلاوت کرنے والے کو ہوگا۔

(۱۰۵) اس سے اشارہ ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا جو حکم دیا جارہا ہے، اُس میں (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ اوّل تو اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کی عبادت یا ذکر سے بے نیاز ہے، دوسرے اُس کی ایک بڑی مخلوق یعنی فرشتے، ہر وقت اُس کے ذکر میں مشغول ہیں۔ انسانوں کو جو ذکر کا حکم دیا گیا ہے، اُس میں خود اِنسانوں کا فائدہ ہے کہ یہ ذکر جب دِل میں سما جائے تو انہیں شیطان کے تصرفات سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت مفید ہے، اور اس کے ذریعے وہ گناہوں اور جرائم و مظالم سے اپنے آپ کو بچاسکتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ آیت سجدۂ تلاوت کی آیت ہے، اور جو شخص عربی میں یہ آیت پڑھے، اُس پر سجدہ کرنا واجب ہے۔ قرآنِ کریم میں ایسی چودہ آیتیں ہیں، اور یہ اُن میں سب سے پہلی آیت ہے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

الحمدللہ! آج ۱۸؍ ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۸؍ اپریل ۲۰۰۶ء کو بروز منگل دبی سے لندن جاتے ہوئے عصر کے وقت سورۂ اَعراف کا ترجمہ اور حواشی تکمیل کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرمائیں، اور اس کو میرے گناہوں کی مغفرت اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائیں، اور مسلمانوں کو اس کا فائدہ پہنچائیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور تشریح کی اپنی رضا کے مطابق توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ الأنفال

تعارف

یہ سورت تقریباً سن ۲ ہجری کے آس پاس مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، اور اس کے بیشتر مضامین جنگِ بدر اور اس کے واقعات اور مسائل سے متعلق ہیں۔ یہ جنگ اسلام اور کفر کے درمیان پہلے باقاعدہ معرکے کی حیثیت رکھتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتحِ مبین عطا فرمائی، اور قریشِ مکہ کو ذِلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ چنانچہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اِنعامات بھی یاد دِلائے ہیں، اور مسلمانوں نے جس جاں نثاری کے ساتھ یہ جنگ لڑی اس کی ہمت افزائی کے ساتھ بعض اُن کمزوریوں کی بھی نشان دہی فرمائی ہے جو اس جنگ میں سامنے آئیں۔ اور آئندہ کے لئے وہ ہدایات بھی دی گئی ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کی کامیابی اور فتح و نصرت کا سبب بن سکتی ہیں۔ جہاد اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے بہت سے اَحکام بھی بیان ہوئے ہیں، اور چونکہ جنگِ بدر اصل میں کفارِ مکہ کے ظلم و ستم کے پس منظر میں پیش آئی تھی، اس لئے ان حالات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کا حکم ہوا۔ نیز جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، ان کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں۔ ہجرت کی وجہ سے میراث کی تقسیم سے متعلق کچھ اَحکام عارضی طور پر نافذ کئے گئے تھے۔ سورت کے آخر میں اسی وجہ سے میراث کے کچھ مستقل اَحکام دیئے گئے ہیں۔

جنگِ بدر

چونکہ اس سورت کے بہت سے مضامین جنگِ بدر کے مختلف واقعات سے متعلق ہیں، اس لئے ان کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے اس جنگ کے بارے میں کچھ بنیادی معلومات یہاں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، تاکہ اس سے متعلق آیات کو اُن کے صحیح پس منظر میں سمجھا جاسکے:-

مکہ مکرمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد تیرہ سال مقیم رہے۔ اس دوران مکہ مکرمہ کے کفار نے آپ اور آپ کے جاں نثار صحابہ (رضی اللہ عنہم) کو طرح طرح سے ستانے اور ناقابلِ برداشت تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ ہجرت سے ذرا پہلے آپ کو قتل کرنے کا باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا جس کا ذکر اسی سورت میں آنے والا ہے۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو کفارِ مکہ مسلسل اس فکر میں رہے کہ آپ کو وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔ انہوں نے عبداللہ بن اُبیؔ کو مدینہ منورہ میں خط لکھا کہ تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اوران کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے، اب یا تو تم انہیں پناہ دینے سے ہاتھ اُٹھالو، ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے۔ (دیکھئے سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب ۲۳، حدیث نمبر: ۳۰۰۴)
اَنصار میں سے اوس کے قبیلے کے سردار حضرت سعد بن معاذؓ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ گئے، تو عین طواف کے دوران ابوجہل نے ان سے کہا کہ تم نے ہمارے دُشمنوں کو پناہ دے رکھی ہے، اوراگر تم ہمارے ایک سردار کی پناہ میں نہ ہوتے تو زندہ واپس نہیں جاسکتے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ اگر مدینہ منورہ کا کوئی آدمی مکہ مکرمہ آئے گا تو اُسے قتل کردیا جائے گا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں ابوجہل سے کہہ دیا کہ اگر تم ہمارے آدمیوں کو مکہ مکرمہ آنے سے روکو گے تو ہم تمہارے لئے اس سے بھی بڑی رُکاوٹ کھڑی کردیں گے، یعنی تم تجارتی قافلے لے کر جب شام جاتے ہو تو تمہارا راستہ مدینہ منورہ کے قریب سے گذرتا ہے۔ اب ہم تمہارے قافلوں کو روکنے اور ان پر حملہ کرنے میں آزاد ہوں گے۔ (دیکھئے صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ۲، حدیث نمبر: ۳۹۵۰)
اس کے بعد کفارِ مکہ کے کچھ دستے مدینہ منورہ کے آس پاس آئے، اور مسلمانوں کے مویشی لوٹ کر لے گئے۔ حالات کے اس پس منظر میں ابوسفیان (جو اُس وقت کفارِ مکہ کا سردار تھا) ایک بڑا بھاری تجارتی قافلہ لے کر شام گیا۔ اس قافلے میں مکہ مکرمہ کے ہر مرد و عورت نے سونا چاندی جمع کر کے تجارت میں شرکت کی غرض سے بھیجا تھا۔ یہ قافلہ شام سے سو فی صد نفع کما کر واپس آرہا تھا۔ یہ قافلہ ایک ہزار اُونٹوں پر مشتمل تھا، اور پچاس ہزار دینار (گنیوں) کا سامان لا رہا تھا، اور اس کے ساتھ

چالیس مسلح افراد اس کی حفاظت پر متعین تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قافلے کی واپسی کا پتہ چلا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے چیلنج کے مطابق آپ نے اس قافلے پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لئے باقاعدہ سپاہیوں کی بھرتی کا موقع نہیں تھا، اس لئے وقت پر جتنے صحابہ تیار ہو سکے، ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی، کل ستر اُونٹ اور دو گھوڑے تھے، ساٹھ زرہیں تھیں۔ اس مختصر سامان کے ساتھ آپ مدینہ منورہ سے نکلے۔

یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ بعض غیر مسلم مصنّفین نے اس واقعے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک پُر امن تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ہمارے زمانے کے بعض مسلمان مصنّفین نے اس اعتراض سے مرعوب ہو کر یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ قافلے پر حملہ کرنے کا نہیں تھا، بلکہ ابوسفیان نے اپنے طور پر خطرہ محسوس کر کے ابوجہل کے لشکر کو دعوت دی تھی۔ لیکن واقعے کی یہ تشریح صحیح احادیث اور قرآنی اشارات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ درحقیقت یہ اعتراض اُس وقت کے حالات اور اُس دور کے سیاسی، دِفاعی اور معاشرتی ڈھانچے سے بے خبری پر مبنی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو واقعات ہم نے اُوپر بیان کئے ہیں، اُن کی روشنی میں فریقین کے درمیان ایک مسلسل جنگ کی حالت موجود تھی۔ دونوں نے ایک دُوسرے کو نہ صرف چیلنج دے رکھے تھے، بلکہ کفار کی طرف سے عملی طور پر چھیڑ چھاڑ بھی شروع ہو چکی تھی۔ دوسرے حضرت سعد بن معاذؓ پہلے سے انہیں متنبہ کر آئے تھے کہ وہ ان کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لئے آزاد ہوں گے۔ تیسرے اُس دور میں شہری اور فوجی افراد کی کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی۔ کسی معاشرے کے تمام بالغ مرد "مقاتلہ" یعنی لڑنے والے کہلاتے تھے۔ چنانچہ قافلے کی سرکردگی ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی جو اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا دُشمن تھا، اور اُس کے ساتھ چالیس مسلح افراد میں سے ہر ایک قریش کے اُن لوگوں میں سے تھا جو مسلمانوں کو ستانے میں پیش پیش رہے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے تھے، اور یہ قافلہ بھی اگر کامیابی سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتا تو قریش کی جنگی طاقت میں بڑے اضافے کا سبب بنتا۔ ان

حالات میں اس کو ایک پُرامن تجارتی قافلے پر حملہ قرار دینا اُس وقت کے حالات سے ناواقفیت یا محض عناد کا کرشمہ ہے، اور اس کی وجہ سے ان واقعات کا انکار کرنا کسی طرح درست نہیں ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

بہرحال! جب ابوسفیان کو آپ کے ارادے کا اندازہ ہوا تو اُس نے ایک طرف تو ایک تیز رفتار ایلچی ابوجہل کے پاس بھیج کر اس واقعے کی اطلاع دی، اور اسے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آپ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا، اور دوسری طرف اپنے قافلے کا راستہ بدل کر بحرِ اَحمر کے ساحل کی طرف نکل گیا تاکہ وہاں سے چکر کاٹ کر مکہ مکرمہ پہنچ سکے۔ ابوجہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک بڑا لشکر تیار کیا، اور لوہے میں غرق ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا کہ ابوسفیان تو قافلہ لے کر نکل چکا ہے، اور ابوجہل کا لشکر آرہا ہے تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ اب ابوجہل سے ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جانا چاہئے۔ چنانچہ بدر کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد اور ساز و سامان ابوجہل کے لشکر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ ابوجہل سمیت قریش کے ستر سردار جو مسلمانوں کی دُشمنی میں پیش پیش تھے، مارے گئے، اور دوسرے ستر اَفراد گرفتار ہوئے، اور باقی لوگ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

آیاتها ۷۵ ۸ سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّةٌ ۸۸ رکوعاتها ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں پچھتّر آیتیں اور دس رُکوع ہیں

شروع اللہ کے نام سے جو سب پر مہربان ہے، بہت مہربان ہے

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کہہ دو کہ مالِ غنیمت (کے بارے میں فیصلے) کا اختیار اللہ اور رسول کو حاصل ہے۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو، اور آپس کے تعلقات درست کرلو،(۱) اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو، اگر تم واقعی مؤمن ہو ﴿۱﴾

---

(۱) جنگِ بدر کے موقع پر جب دُشمن کو شکست ہوگئی تو صحابہ کرامؓ تین حصوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ ایک حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ کے ساتھ رہا۔ دوسرا حصہ دُشمن کے تعاقب میں روانہ ہوگیا، اور تیسرا حصہ دُشمن کے چھوڑے ہوئے مالِ غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہوگیا۔ یہ چونکہ پہلی جنگ تھی، اور مالِ غنیمت کے بارے میں مفصل ہدایات نہیں آئی تھیں، اس لئے اس تیسرے حصے نے یہ سمجھا کہ جو مال اُنہوں نے اِکٹھا کیا ہے، وہ انہی کا ہے۔ (اور شاید زمانۂ جاہلیت میں معمول ایسا ہی رہا ہوگا) لیکن جنگ ختم ہونے کے بعد پہلے دو گروہوں کو یہ خیال ہوا کہ وہ بھی جنگ میں برابر کے شریک تھے، بلکہ مالِ غنیمت اِکٹھا ہونے کے وقت زیادہ اہم خدمات انجام دے رہے تھے، اس لئے اُن کو بھی اس مال میں حصہ دار ہونا چاہئے۔ یہ ایک فطری تقاضا تھا جس کی بنا پر ان حضرات کے درمیان بحث کی بھی نوبت آئی۔ جب معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو یہ آیات نازل ہوئیں جن میں بتا دیا گیا کہ مالِ غنیمت کے بارے میں فیصلے کا مکمل اختیار اللہ اور اُس کے رسول کو ہے۔ چنانچہ بعد میں اسی سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں مفصل اَحکام آگئے۔ زیرِ نظر آیت نے ہدایت دی کہ اگر مسلمانوں کے درمیان کوئی رنجش ہوئی ہے تو اس وضاحت کے بعد اُسے دُور کرکے باہمی تعلقات دُرست کرلینے چاہئیں۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۳﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۚ لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۴﴾ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِن بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَارِهُونَ ﴿۵﴾

مؤمن تو وہ لوگ ہیں کہ جب اُن کے سامنے اللہ کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کے دِل ڈر جاتے ہیں، اور جب اُن کے سامنے اُس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ آیتیں اُن کے ایمان کو اور ترقی دیتی ہیں، اور وہ اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتے ہیں ﴿۲﴾ جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے اُن کو جو رزق دیا ہے، اُس میں سے (فی سبیل اللہ) خرچ کرتے ہیں ﴿۳﴾ یہی لوگ ہیں جو حقیقت میں مؤمن ہیں۔ اُن کے لئے اُن کے ربّ کے پاس بڑے درجے ہیں، مغفرت ہے، اور باعزت رزق ہے ﴿۴﴾ (مالِ غنیمت کی تقسیم کا) یہ معاملہ کچھ ایسا ہی ہے جیسے تمہارے ربّ نے تمہیں اپنے گھر سے حق کی خاطر نکالا، جبکہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو یہ بات ناپسند تھی۔(۲) ﴿۵﴾

---

(۲) جن لوگوں نے مالِ غنیمت جمع کیا تھا، اُن کی خواہش یہ تھی کہ یہ مال انہی کے پاس رہے، لیکن فیصلہ اُس کے برعکس ہوا، اب اُن کو تسلی دی جارہی ہے کہ انسان کی ہر خواہش انجام کے اعتبار سے درست نہیں ہوتی۔ اُسے بعد میں پتہ چلتا ہے کہ جو واقعہ اُس کی خواہش کے خلاف ہوا، بہتری اُسی میں تھی۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے ابوجہل سے جنگ کرنے کے معاملے میں ہوا۔ مدینہ منورہ سے نکلتے وقت چونکہ صرف ابوسفیان کے قافلے پر حملہ کرنا پیشِ نظر تھا، اور کوئی باقاعدہ لشکر تیار نہیں کیا گیا تھا، اِس لئے جب یہ بات سامنے آئی کہ ابوجہل ایک بڑا لشکر لے کر مقابلے پر آگیا ہے تو بعض صحابہؓ کی خواہش یہ تھی کہ ابوجہل سے جنگ کرنے کے بجائے فی الحال واپس چلے جائیں، کیونکہ اس بے سروسامانی کی حالت میں ایک مسلح فوج کا مقابلہ موت کے منہ میں جانے کے مرادف ہوگا۔ لیکن دوسرے صحابہ نے بڑی پرجوش تقریریں کیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، اور

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَ اِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآىِٕفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝۹ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَ لِتَطْمَىِٕنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

وہ تم سے حق کے معاملے میں اس کے واضح ہو جانے کے باوجود اس طرح بحث کر رہے تھے جیسے اُن کو موت کی طرف ہنکا کر لے جایا جا رہا ہو، اور وہ (اُسے) آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں ﴿۶﴾ اور وہ وقت یاد کرو جب اللہ تم سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے کوئی ایک تمہارا ہوگا، اور تمہاری خواہش تھی کہ جس گروہ میں (خطرے کا) کوئی کانٹا نہیں تھا، وہ تمہیں ملے،(۳) اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے احکام سے حق کو حق کر دکھائے، اور کافروں کی جڑ کاٹ ڈالے ﴿۷﴾ تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ثابت کر دے، چاہے مجرم لوگوں کو یہ بات کتنی ناگوار ہو ﴿۸﴾ یاد کرو جب تم اپنے ربّ سے فریاد کر رہے تھے، تو اُس نے تمہاری فریاد کا جواب دیا کہ میں تمہاری مدد کے لئے ایک ہزار فرشتوں کی کمک بھیجنے والا ہوں جو لگاتار آئیں گے ﴿۹﴾ اور یہ وعدہ اللہ نے کسی اور وجہ سے نہیں، بلکہ صرف اس لئے کیا کہ وہ خوشخبری بنے، اور تاکہ تمہارے دِلوں کو اطمینان حاصل ہو، ورنہ مدد کسی اور کے پاس سے نہیں، صرف اللہ کے پاس سے آتی ہے۔(۴) یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۱۰﴾

جب آپ کی مرضی معلوم ہوگئی تو سب نے جنگ میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا، اور بعد میں ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا عظیم فائدہ اسی میں تھا کہ اس طرح کفر کی کمر توڑ دی گئی۔

(۳) اس سے مراد ابوسفیان کا قافلہ ہے، اور ''کانٹے'' سے مراد خطرہ ہے۔ قافلے میں مسلح افراد کی تعداد کل چالیس تھی۔ لہٰذا اُس پر حملہ کرنے میں کوئی بڑا خطرہ نہیں تھا۔ لہٰذا طبعی طور پر اُس پر حملہ کرنا آسان تھا۔

(۴) یعنی اللہ تعالیٰ کو مدد کرنے کے لئے فرشتے بھیجنے کی حقیقت میں ضرورت نہیں تھی، نہ فرشتوں میں کوئی ذاتی

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

یاد کرو جب تم پر سے گھبراہٹ دُور کرنے کے لئے وہ اپنے حکم سے تم پر غنودگی طاری کر رہا تھا،(۵) اور تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا،(۶) تاکہ اُس کے ذریعے تمہیں پاک کرے، تم سے شیطان کی گندگی دُور کرے،(۷) تمہارے دِلوں کی ڈھارس بندھائے، اور اُس کے ذریعے (تمہارے) پاؤں اچھی طرح جمادے ﴿۱۱﴾

طاقت ہے کہ وہ مدد کرسکیں، مدد تو اللہ تعالیٰ براہِ راست بھی کرسکتا تھا، لیکن یہ انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز کے اسباب سامنے ہوں، اُس پر اُسے زیادہ اطمینان اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے یہ وعدہ کیا گیا تھا۔ اس آیت نے یہ سبق دیا ہے کہ کسی بھی کام کے جو اُسباب بھی اختیار کئے جائیں، ایک مؤمن کو یہ بات ہر آن سامنے رکھنی چاہئے کہ یہ اسباب اللہ تعالیٰ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ان میں تاثیر اسی کے حکم سے پیدا ہوتی ہے، لہٰذا بھروسہ اسباب پر نہیں، بلکہ اُسی کے فضل و کرم پر کرنا چاہئے۔

(۵) اتنے بڑے لشکر کے ساتھ تقریباً نہتے آدمیوں کا معرکہ پیش آنے والا ہو تو گھبراہٹ ایک طبعی امر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھبراہٹ کا علاج یہ فرمایا کہ صحابہ پر نیند طاری کردی، جس کی ایک تاثیر یہ ہوتی ہے کہ اس سے گھبراہٹ دُور ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ جنگ سے پہلی رات جی بھر کر سوئے جس سے وہ تازہ دم ہوگئے۔ نیز جنگ کے دوران بھی ان پر وقفے وقفے سے اُونگھ طاری ہوتی رہی جس سے انہیں سکون ملتا رہا۔

(۶) مسلمانوں کے لئے ایک بڑا مسئلہ یہ تھا کہ کفار نے بدر کے میدان میں پہلے پہنچ کر بہترین جگہ پر قبضہ کرلیا تھا جہاں پانی بھی کافی تھا، اور زمین بھی سخت تھی۔ مسلمانوں کو جو جگہ ملی وہ ریتیلی جگہ تھی جس پر پاؤں جمتے نہیں تھے، اور نقل و حرکت میں دُشواری پیش آتی تھی، اور وہاں پانی بھی نہیں تھا، تھوڑا بہت پانی ایک حوض بنا کر اس میں جمع کیا گیا تھا جو جلد ہی ختم ہونے لگا۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں مسئلوں کے حل کے لئے بارش برسادی جس سے ریت بھی جم گئی، اور قدم بھی جمنے لگے، اور پانی کا بھی اچھا ذخیرہ جمع ہوگیا۔

(۷) ''گندگی'' سے یہاں مراد وسوسے ہیں جو ایسے مواقع پر جب اتنے بڑے دُشمن کا مقابلہ ہو، آیا ہی کرتے ہیں۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ﴿۱۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۚ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

وہ وقت جب تمہارا ربّ فرشتوں کو وحی کے ذریعے حکم دے رہا تھا کہ: ''میں تمہارے ساتھ ہوں، اب تم مؤمنوں کے قدم جماؤ، میں کافروں کے دِلوں میں رُعب طاری کردوں گا، پھر تم گردنوں کے اُوپر وار کرو، اور ان کی اُنگلیوں کے ہر ہر جوڑ پر ضرب لگاؤ۔'' ﴿۱۲﴾ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے دُشمنی مول لی ہے، اور اگر کوئی شخص اللہ اور اُس کے رسول سے دُشمنی مول لیتا ہے تو یقیناً اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۱۳﴾ یہ سب تو (اب) چکھ لو، اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کے لئے (اصل) عذاب دوزخ کا ہے ﴿۱۴﴾ اے ایمان والو! جب کافروں سے تمہارا آمنا سامنا ہو جائے، جبکہ وہ چڑھائی کر کے آرہے ہوں، تو اُن کو پیٹھ مت دِکھاؤ ﴿۱۵﴾ اور اگر کوئی شخص کسی جنگی چال کی وجہ سے ایسا کر رہا ہو، یا اپنی کسی جماعت سے جا ملنا چاہتا ہو، اُس کی بات تو اور ہے، مگر اُس کے سوا جو شخص ایسے دن اپنی پیٹھ پھیرے گا تو وہ اللہ کی طرف سے غضب لے کر لوٹے گا، اور اُس کا ٹھکانا جہنم ہوگا، اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔(۸) ﴿۱۶﴾

---

(۸) یہاں دُشمن کے مقابلے سے پیٹھ پھیرنے کو ہر حالت میں ناجائز قرار دیا گیا ہے، چاہے دُشمن کی تعداد کتنی زیادہ ہو، اور جنگِ بدر کے وقت صورتِ حال یہی تھی۔ البتہ بعد میں اس حکم کی تفصیل اسی سورت کی آیت ۶۵

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾

چنانچہ (مسلمانو! حقیقت میں) تم نے ان (کافروں کو) قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انہیں اللہ نے قتل کیا تھا، اور (اے پیغمبر!) جب تم نے ان پر (مٹی) پھینکی تھی تو وہ تم نے نہیں، بلکہ اللہ نے پھینکی تھی،(۹) اور (تمہارے ہاتھوں یہ کام اس لئے کرایا تھا) تاکہ اس کے ذریعے اللہ مؤمنوں کو بہترین اَجر عطا کرے۔ بیشک اللہ ہر بات کو سننے والا، ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۱۷﴾ یہ سب کچھ تو اپنی جگہ، اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ اللہ کو کافروں کی ہر سازش کو کمزور کرنا تھا۔(۱۰) ﴿۱۸﴾

اور ۶۶ میں بیان فرمائی گئی ہے جس کی رُو سے اب حکم یہ ہے کہ دُشمن کی تعداد اگر دُگنی یا اُس سے کم ہو، تب تو میدان چھوڑنا حرام ہے، لیکن اگر اُن کی تعداد اس سے زیادہ ہو تو میدان چھوڑنے کی اجازت ہے۔ پھر جس وقت دُشمن کو پیٹھ دِکھانا ناجائز ہوتا ہے، اُس میں بھی اس آیت نے دو صورتوں کو مستثنیٰ رکھا ہے۔ ایک یہ کہ بعض اوقات جنگ ہی کی کسی حکمت عملی کے طور پر پیچھے ہٹنا پڑتا ہے، مقصد میدان سے بھاگنا نہیں ہوتا۔ ایسے میں پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پیچھے ہٹ کر اپنی فوج کے پاس جانا اس لئے مقصود ہو کہ اُن کی مدد لے کر دوبارہ حملہ کیا جائے۔ یہ صورت بھی جائز ہے۔

(۹) جنگِ بدر کے موقع پر جب دُشمن پوری طاقت سے حملہ کرنے کے لئے چڑھا چلا آرہا تھا، اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک مٹھی میں مٹی اور کنکر اُٹھا کر دُشمن کی طرف پھینکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے وہ کنکریاں دُشمن کے ہر فرد تک پہنچادیں، جو اُن کی آنکھوں وغیرہ میں جاکر لگیں، اور اُن سے لشکر میں افراتفری مچ گئی۔ یہ اُس واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۰) یہ درحقیقت ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنی قدرت سے دُشمن کو براہِ راست ہلاک کرسکتا تھا، پھر اُس نے مسلمانوں کو کیوں استعمال کیا، اور کنکریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے کیوں پھنکوائیں؟ جواب یہ دیا گیا ہے کہ اوّل تو اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ تکوینی اُمور بھی کسی ظاہری سبب کے ذریعے انجام دِلواتا ہے، اور یہاں مسلمانوں کو اس لئے ذریعہ بنایا گیا کہ ان کو اَجر وثواب

إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ ۖ وَلَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٢١﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾

(اے کافرو!) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے، تو لو! اب فیصلہ تمہارے سامنے آگیا۔ اب اگر تم باز آجاؤ تو یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہوگا، اور اگر تم پھر وہی کام کروگے (جو اَب تک کرتے رہے ہو) تو ہم بھی پھر وہی کام کریں گے (جو اَب کیا ہے)۔ اور تمہارا جتھہ تمہارے کچھ کام نہیں آئے گا، چاہے وہ کتنا زیادہ ہو، اور یاد رکھو کہ اللہ مؤمنوں کے ساتھ ہے ﴿۱۹﴾ اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول کی تابع داری کرو، اور اس (تابع داری) سے منہ نہ موڑو، جبکہ تم (اللہ اور رسول کے اَحکام) سن رہے ہو ﴿۲۰﴾ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا، مگر وہ (حقیقت میں) سنتے نہیں ہیں ﴿۲۱﴾ یقین رکھو کہ اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے[11]۔ ﴿۲۲﴾

حاصل ہو، اور دوسرے وہ کافروں کو بھی یہ دِکھانا چاہتا تھا کہ جن سازشوں اور وسائل پر اُنہیں ناز ہے، وہ سب اُن لوگوں کے ہاتھوں خاک میں مل سکتے ہیں جنہیں تم کمزور سمجھتے رہے ہو۔

(۱۱) پچھلی آیت میں سننے سے مراد سمجھنا ہے، اور مطلب یہ ہے کہ کافر لوگ کانوں سے تو سننے کا دعویٰ کرتے ہیں، مگر سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس لحاظ سے وہ جانوروں سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ بے زبان جانور اگر کسی کی بات کو نہ سمجھیں تو اتنی بُری بات نہیں ہے۔ اُن میں یہ صلاحیت پیدا ہی نہیں کی گئی، اور نہ اُن سے یہ مطالبہ ہے۔ لیکن انسانوں میں تو سمجھنے کی صلاحیت پیدا کی گئی ہے، اور اُن سے یہ مطالبہ بھی ہے کہ وہ سوچ سمجھ کر کوئی راستہ اپنائیں۔ اگر وہ سمجھنے کی کوشش نہ کریں تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور اگر اللہ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی ہوتی تو وہ اُن کو سننے کی توفیق دے دیتا، لیکن اب (جبکہ ان میں بھلائی نہیں ہے) اگر اُن کو سننے کی توفیق دے بھی دے تو وہ منہ موڑ کر بھاگ جائیں گے۔(۱۲) ﴿۲۳﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول کی دعوت قبول کرو، جب رسول تمہیں اُس بات کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے۔(۱۳) اور یہ بات جان رکھو کہ اللہ انسان اور اُس کے دِل کے درمیان آڑ بن جاتا ہے،(۱۴) اور یہ کہ تم سب کو اسی کی طرف اِکٹھا کر کے لے جایا جائے گا ﴿۲۴﴾ اور ڈرو اُس وبال سے جو تم میں سے صرف اُن لوگوں پر نہیں پڑے گا جنہوں نے ظلم کیا ہوگا،(۱۵) اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے ﴿۲۵﴾

(۱۲) بھلائی سے یہاں مراد حق کی طلب اور جستجو ہے، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، سننے سے مراد سمجھنا ہے۔ اس طرح اس آیت میں یہ اہم نکتہ واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق اُس کو دیتا ہے جس کے دِل میں حق کی طلب ہو۔ اگر کسی میں حق کی طلب ہی نہ ہو، اور وہ غفلت کی حالت میں اس طرح زندگی گذار رہا ہو کہ بس جو کچھ میں کر رہا ہوں، ٹھیک کر رہا ہوں، اور مجھے کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، تو اوّل تو وہ حق بات کو سمجھنے ہی سے محروم رہتا ہے، اور اگر سمجھ بھی جائے تو اُس کا نوٹس ہی نہیں لیتا، اور حق سے بدستور منہ موڑے رہتا ہے۔

(۱۳) اس مختصر جملے میں بڑی عظیم حقیقت بیان فرمائی گئی ہے۔ اوّل تو اِسلام کی دعوت اور اُس کے اَحکام ایسے

ہیں کہ اگر اُن پر تمام انسان پوری طرح عمل کرنے لگیں تو اسی دُنیا میں وہ پُرسکون زندگی کی ضمانت دیتے ہیں۔ عبادات کے علاوہ، جو روحانی سکون کا بہترین ذریعہ ہیں، اسلام کے تمام معاشرتی، معاشی اور سیاسی اَحکام دُنیا کو نہایت خوشگوار زندگی فراہم کر سکتے ہیں۔ دوسری طرف زندگی تو اصل میں آخرت کی ابدی زندگی ہے، اور اُس کی خوشگواری تمام تر اِسلامی اَحکام کی پیروی پر موقوف ہے۔ لہٰذا اگر کسی کو اِسلام کا کوئی حکم مشکل بھی محسوس ہو تو اُسے یہ سوچنا چاہئے کہ میری خوشگوار زندگی کا دارومدار اس پر ہے۔ جس طرح انسان زندگی کی خاطر بڑے سے بڑے اور مشکل آپریشن کو منظور کر لیتا ہے، اسی طرح شریعت کا ہر وہ حکم جس میں محنت یا مشقت معلوم ہوتی ہو، یا نفسانی خواہشات کی قربانی دینی پڑتی ہو، اُس کو بھی خندہ پیشانی سے منظور کرنا چاہئے، کیونکہ اس کی حقیقی زندگی کا دارومدار اس پر ہے۔

(۱۴) اس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے دِل میں حق کی طلب ہوتی ہے، اگر اُس کے دِل میں کبھی گناہ کا تقاضا پیدا ہو، اور وہ طالبِ حق کی طرح اللہ تعالیٰ سے رجوع کر کے اُس سے مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ اُس کے اور گناہ کے درمیان آڑ بن جاتے ہیں، اور وہ گناہ کے اِرتکاب سے محفوظ رہتا ہے، اور اگر کبھی غلطی ہو بھی جائے تو اُسے توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے دِل میں حق کی طلب نہ ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کرتا ہو تو اگر کبھی اُس کے دِل میں نیک خیال آ بھی جائے، اور وہ اُسے ٹلاتا چلا جائے تو اُسے نیکی کی توفیق نہیں ملتی، کچھ نہ کچھ اسباب ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ اُس کے دِل میں جو خیال آیا تھا، وہ کمزور پڑ جاتا ہے، یا اُس پر عمل کا موقع نہیں ملتا۔ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب کسی نیکی کا خیال آئے تو اُسے فوراً کر گذرنا چاہئے، ٹلانا خطرناک ہے۔

(۱۵) اس آیتِ کریمہ میں ایک اور اہم حکم بیان فرمایا گیا ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک مسلمان کی ذمہ داری صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اپنی ذات کی حد تک شریعت پر عمل کر لے۔ اُس کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ اگر معاشرے میں کوئی بُرائی پھیل رہی ہے تو اپنی طاقت کی حد تک اُس کو روکنے کی کوشش کرے۔ اگر لوگ اپنے اس فریضے میں کوتاہی کریں اور اُس بُرائی کا کوئی وبال آئے تو وہ وبال صرف اُن لوگوں کی حد تک محدود نہیں رہے گا جو اُس بُرائی میں براہِ راست ملوث تھے، بلکہ جو لوگ اُس بُرائی کا خود تو اِرتکاب نہیں کر رہے تھے، مگر دوسروں کو اُس سے روکتے بھی نہیں تھے، وہ بھی اُس وبال کا شکار ہوں گے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾

اور وہ وقت یاد کرو جب تم تعداد میں تھوڑے تھے، تمہیں لوگوں نے (تمہاری) سرزمین میں دبا کر رکھا ہوا تھا، تم ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اُچک کر لے جائیں گے۔ پھر اللہ نے تمہیں ٹھکانا دیا، اور اپنی مدد سے تمہیں مضبوط بنا دیا، اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق عطا کیا، تاکہ تم شکر کرو ﴿۲۶﴾ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے بے وفائی نہ کرنا، اور نہ جانتے بوجھتے اپنی امانتوں میں خیانت کے مرتکب ہونا ﴿۲۷﴾ اور یہ بات سمجھ لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک آزمائش ہیں،(۱۶) اور یہ کہ عظیم انعام اللہ ہی کے پاس ہے ﴿۲۸﴾ اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے ساتھ تقویٰ کی رَوِش اختیار کرو گے تو وہ تمہیں (حق و باطل کی) تمیز عطا کر دے گا،(۱۷) اور تمہاری بُرائیوں کا کفارہ کر دے گا، اور تمہیں مغفرت سے نوازے گا، اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے ﴿۲۹﴾

---

(۱۶) مال اور اولاد کی محبت تو انسان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے، اور معقول حد تک ہو تو بُری بھی نہیں ہے۔ لیکن آزمائش یہ ہے کہ یہ محبت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر تو آمادہ نہیں کر رہی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کے ساتھ یہ محبت ہوگی تو نہ صرف جائز، بلکہ باعثِ ثواب ہے، لیکن اگر وہ نافرمانی تک لے جائے تو ایک وبال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اس سے حفاظت فرمائیں۔ آمین

(۱۷) تقویٰ کی یہ خاصیت ہے کہ وہ انسان کو ایسی سمجھ عطا کر دیتا ہے جو حق اور ناحق میں تمیز کرنے کی اہلیت رکھتی ہے، اور گناہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ وہ انسان کی عقل خراب کر دیتا ہے جس سے وہ اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب کافر لوگ تمہارے خلاف منصوبے بنا رہے تھے کہ تمہیں گرفتار کرلیں، یا تمہیں قتل کردیں، یا تمہیں (وطن سے) نکال دیں۔ وہ اپنے منصوبے بنا رہے تھے، اور اللہ اپنا منصوبہ بنا رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر منصوبہ بنانے والا ہے۔ (۱۸) ﴿۳۰﴾ اور جب ان کے سامنے ہماری آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ: ''(بس!) ہم نے سن لیا، اگر ہم چاہیں تو اس جیسی باتیں ہم بھی کہہ لائیں۔ یہ (قرآن) اور کچھ نہیں، صرف پچھلے لوگوں کے افسانے ہیں۔'' ﴿۳۱﴾ (اور ایک وقت وہ تھا) جب انہوں نے کہا تھا کہ: ''یا اللہ! اگر یہ (قرآن) ہی وہ حق ہے جو تیری طرف سے آیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے، یا ہم پر کوئی اور تکلیف دہ عذاب ڈال دے۔'' ﴿۳۲﴾

---

(۱۸) یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ کررہی ہے۔ کفارِ مکہ نے جب یہ دیکھا کہ اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، اور مدینہ منورہ میں بڑی تعداد مسلمان ہوچکی ہے تو انہوں نے ایک مجلسِ مشاورت منعقد کی، اُس میں مختلف تجویزیں پیش کی گئیں۔ یہ آیت ان تمام تجویزوں کا ذکر کررہی ہے، یعنی گرفتاری، قتل اور جلاوطنی۔ آخر میں فیصلہ یہ ہوا تھا کہ مختلف قبیلوں سے ایک ایک نوجوان لے کر سب یکبارگی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ آور ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعے بتادیں، اور ہجرت کا حکم دے دیا۔ آپ کے گھر کا محاصرہ ہوچکا تھا، مگر آپ وہاں سے اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس طرح نکل آئے کہ وہ آپ کو نہ دیکھ سکے۔ تفصیلی واقعہ سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، اور ''معارف القرآن'' میں بھی اس آیت کے تحت بیان ہوا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْۤا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور (اے پیغمبر!) اللہ ایسا نہیں ہے کہ اِن کو اِس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو، اور اللہ اِس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ اِستغفار کرتے ہوں۔(۱۹) ﴿۳۳﴾ اور بھلا ان میں کیا خوبی ہے کہ اللہ اُن کو عذاب نہ دے جبکہ وہ لوگوں کو مسجدِ حرام سے روکتے ہیں،(۲۰) حالانکہ وہ اُس کے متولّی نہیں ہیں۔ متقی لوگوں کے سوا کسی قسم کے لوگ اُس کے متولّی نہیں ہو سکتے، لیکن ان میں سے اکثر لوگ (اس بات کو) نہیں جانتے ﴿۳۴﴾

---

(۱۹) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق تو اسی بات کے تھے کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے، لیکن دو وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہیں فرمایا۔ ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، اور آپ کے ہوتے ہوئے عذاب نازل نہیں ہو سکتا، کیونکہ نبی کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتا، جب نبی بستی سے نکل جاتے ہیں، تب عذاب آتا ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے، اس لئے آپ کی برکت سے عذابِ عام اس اُمت پر نہیں آئے گا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان اِستغفار کرتے رہتے ہیں۔ ان کے اِستغفار کی برکت سے عذاب رُکا ہوا ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس کی یہ تشریح بھی کی ہے کہ خود مشرکینِ مکہ بھی اپنے طواف کے دوران کثرت سے "غفرانک، غفرانک" کہتے رہتے تھے، جو اِستغفار ہی کی ایک قسم ہے۔ اگرچہ کفر و شرک کے ساتھ یہ اِستغفار آخرت کے عذاب کو دُور کرنے کے لئے تو کافی نہیں تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کافروں کی نیکیوں کا بدلہ اسی دُنیا میں دے دیتے ہیں، اس لئے اُن کے اِستغفار کا اثر یہ ہے کہ اُن پر دُنیا میں کوئی اُس طرح کا عذابِ عام نازل نہیں ہوا جیسا عاد و ثمود وغیرہ پر آیا تھا۔

(۲۰) یعنی اگرچہ مذکورہ بالا دو وجہ سے ان پر دُنیا میں کوئی عام عذاب تو نہیں آیا، مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ لوگ عذاب کے مستحق نہیں ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کفر و شرک کے علاوہ ان کی ایک خرابی یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو مسجدِ حرام میں عبادت کرنے سے روکتے ہیں، جیسا کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں پیچھے گذر چکا ہے۔ (دیکھئے اس سورت کا ابتدائی تعارف) لہٰذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ مکہ

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ

ع ۹ ۱۸

اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا (اے کافرو!) جو کافرانہ باتیں تم کرتے رہے ہو، ان کی وجہ سے اب عذاب کا مزہ چکھو ﴿۳۵﴾ جن لوگوں نے کفر اَپنا لیا ہے وہ اپنے مال اس کام کے لئے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکیں۔[۲۱] نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ خرچ تو کریں گے، مگر پھر یہ سب کچھ ان کے لئے حسرت کا سبب بن جائے گا، اور آخر کار یہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اور (آخرت میں) ان کافر لوگوں کو جہنم کی طرف اِکٹھا کر کے لایا جائے گا ﴿۳۶﴾ تاکہ اللہ ناپاک (لوگوں) کو پاک (لوگوں) سے الگ کر دے، اور ایک ناپاک کو دوسرے ناپاک پر رکھ کر سب کا ایک ڈھیر بنائے، اور اس ڈھیر کو جہنم میں ڈال دے۔ یہی لوگ ہیں جو سراسر خسارے میں ہیں ﴿۳۷﴾ (اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر اَپنا لیا ہے، ان سے کہہ دو کہ: ''اگر وہ باز آجائیں تو پہلے ان سے جو کچھ ہوا ہے، اُسے معاف کر دیا جائے گا۔''[۲۲]

مکرمہ سے نکل جائیں گے تو ان پر جزوی عذاب آئے گا، جو بعد میں فتحِ مکہ کی صورت میں سامنے آیا، اور پھر آخرت میں ان کو مکمل عذاب ہوگا۔

(۲۱) جنگِ بدر کے بعد قریش کے بچے کھچے سرداروں نے چندہ جمع کرنا شروع کیا تھا کہ اس سے ایک بڑی جنگ کی تیاری کریں۔ یہ آیت اُس موقع پر نازل ہوئی۔

(۲۲) اس آیت نے یہ اُصول بتا دیا ہے کہ جب کوئی شخص ایمان لے آئے تو کفر کی حالت میں اُس نے جتنے بھی

وَ اِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾ وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ؕ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾

اور اگر وہ پھر وہی کام کریں گے تو پچھلے لوگوں کے ساتھ جو معاملہ ہوا، وہ (ان کے سامنے) گذر ہی چکا ہے۔[۲۳] ﴿۳۸﴾ اور (مسلمانو!) ان کافروں سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے، اور دین پورے کا پورا اللہ کا ہو جائے۔[۲۴] پھر اگر یہ باز آجائیں تو اُن کے اعمال کو اللہ خوب دیکھ رہا ہے[۲۵] ﴿۳۹﴾ اور اگر یہ منہ موڑے رکھیں، تو یقین جانو کہ اللہ تمہارا رکھوالا ہے، بہترین رکھوالا، اور بہترین مددگار! ﴿۴۰﴾

گناہ کئے ہوں وہ سب معاف ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ پچھلی نمازوں، روزوں اور دوسری عبادتوں کی قضا بھی اُس کے ذمے لازم نہیں ہوتی۔

(۲۳) اس سے ان کافروں کی طرف بھی اشارہ ہے جو جنگِ بدر میں مارے گئے، اور اُن پچھلی اُمتوں کی طرف بھی جن پر عذاب نازل ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا انجام تمہارے سامنے گذر چکا ہے۔ اگر تم اپنی ضد سے باز نہ آئے تو ویسا ہی انجام تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔

(۲۴) جیسا کہ آگے سورۂ توبہ میں آئے گا، جزیرۂ عرب کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کا مرکز بنایا ہے، اس لئے یہاں حکم یہ ہے کہ کوئی کافر یا مشرک مستقل طور پر نہیں رہ سکتا۔ یا اسلام لائے، یا کہیں اور چلا جائے۔ اس لئے جزیرۂ عرب میں کافروں سے اُس وقت تک جنگ کا حکم دیا گیا ہے جب تک وہ ان دو باتوں میں سے کوئی ایک بات اختیار نہ کرلیں۔ البتہ جزیرۂ عرب سے باہر کا حکم مختلف ہے۔ وہاں غیر مسلموں کے ساتھ مختلف قسم کے معاہدے ہو سکتے ہیں۔ آیت کے تقریباً یہی الفاظ سورۂ بقرہ (۲:۱۹۳) میں بھی گذرے ہیں۔ وہاں ہم نے جو حاشیہ لکھا ہے، اُسے بھی ملاحظہ فرما لیا جائے۔

(۲۵) مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی کافر ظاہری طور پر اسلام لے آئے تو مسلمانوں کو یہی حکم ہے کہ وہ اُسے مسلمان سمجھیں، اور دِل کو ٹٹولنے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ دِل کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، وہی اُن کے اعمال کو اچھی طرح دیکھ رہا ہے، اور آخرت میں اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾ اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰي وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰي مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ

اور (مسلمانو!) یہ بات اپنے علم میں لے آؤ کہ تم جو کچھ مالِ غنیمت حاصل کرو، اُس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول اور اُن کے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے[۲۶] (جس کی ادائیگی تم پر واجب ہے،) اگر تم اللہ پر اور اُس چیز پر ایمان رکھتے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر فیصلے کے دن نازل کی تھی،[۲۷] جس دن دو جماعتیں باہم ٹکرائی تھیں۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ﴿۴۱﴾ وہ وقت یاد کرو جب تم لوگ وادی کے قریب والے کنارے پر تھے، اور وہ لوگ دُور والے کنارے پر، اور قافلہ تم سے نیچے کی طرف۔[۲۸] اور اگر تم پہلے سے (لڑائی کا) وقت آپس میں طے کرتے تو وقت طے کرنے میں تمہارے درمیان ضرور اختلاف ہو جاتا، لیکن یہ واقعہ (کہ پہلے سے طے کئے بغیر لشکر ٹکرا گئے) اس لئے ہوا کہ جو کام ہو کر رہنا تھا، اللہ اُسے پورا کر دِکھائے، تاکہ جسے برباد ہونا ہو، وہ واضح دلیل دیکھ کر برباد ہو، اور جسے زندہ رہنا ہو، وہ واضح دلیل دیکھ کر زندہ رہے،[۲۹] اور اللہ ہر بات سننے والا، ہر چیز جاننے والا ہے ﴿۴۲﴾ اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب اللہ خواب میں تمہیں اُن (دشمنوں) کی تعداد کم دِکھا رہا تھا،[۳۰]

(۲۶) دُشمن کا جو مال جہاد کے دوران مجاہدین کے ہاتھ آیا ہو، وہ مالِ غنیمت کہلاتا ہے۔ اس آیت میں اس کی

تقسیم کا اُصول بیان فرمایا گیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جتنا مال اس طرح حاصل ہو، اُس کے پانچ حصے کیے جائیں گے۔ ان میں سے چار حصے تو مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوں گے، اور پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کیا جائے گا۔ پھر بیت المال کے اس پانچویں حصے (خمس) کو کس طرح خرچ کیا جائے گا؟ اس کی تفصیل کرتے ہوئے اس آیت نے اوّل تو یہ بتلایا ہے کہ یہ مال اصل میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، اور اسی کے حکم کے تحت تقسیم ہوگا۔ اس کے بعد اس کے پانچ مصارف بیان فرمائے گئے ہیں۔ ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، دوسرا حصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کا ہے، کیونکہ انہوں نے آپ کی اور اِسلام کی نصرت میں بڑی قربانیاں دی تھیں، اور اُن کے لئے زکوٰۃ کا مال بھی حرام قرار دے دیا گیا تھا۔ اور باقی تین حصے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حصہ تھا، وہ جمہور فقہاء کے نزدیک آپ کی وفات کے بعد ختم ہوگیا۔ آپ کے رشتہ داروں کے حصے کے بارے میں فقہاء کے درمیان کچھ اختلاف ہے۔ اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حصہ اب بھی باقی ہے، اور بنو ہاشم اور بنو المطلب کو بطورِ اِستحقاق دینا ضروری ہے، چاہے وہ حاجت مند ہوں، یا مال دار۔ لیکن دوسرے تمام فقہائے اہلِ سنت یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ حاجت مند ہوں تب تو انہیں دوسرے حاجت مندوں پر ترجیح دے کر اس خمس میں سے دیا جائے گا، اور اگر وہ حاجت مند نہ ہوں تو ان کا کوئی مستقل حصہ نہیں ہوگا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خمس میں سے حصہ دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فرما کر لینے سے انکار کر دیا کہ اس سال ہمارے خاندان کو ضرورت نہیں ہے۔ (ابوداؤد، حدیث نمبر ۲۹۸۴) چنانچہ حضرت علیؓ سمیت چاروں خلفائے راشدین کا عمل یہی رہا کہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے حضرات اگر حاجت مند ہوتے تو ان کو خمس میں سے حصہ دینے میں دوسروں پر مقدم رکھتے تھے، اور اگر حاجت مند نہ ہوتے تو نہیں دیتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر فقہاء اور مفسرین کے نزدیک اس آیت میں جو پانچ مصارف بیان کئے گئے ہیں، ان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان سب کو ضرور دیا جائے، اور سب کو برابر دیا جائے، بلکہ یہ مصرف زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کی طرح ہیں (جن کا ذکر سورۂ توبہ ۹:۶۰ میں آنے والا ہے) کہ اِمام یعنی سربراہِ حکومت کو اِختیار ہے کہ وہ ضرورت کے مطابق ان مصارف میں سے جس مصرف میں جتنا مناسب سمجھے تقسیم کرے۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق بندہ نے اپنی صحیح مسلم کی شرح تکملہ فتح الملہم (ج:۳ ص:۲۵۴ تا ۲۵۸) میں بیان کی ہے۔

(۲۷) اس سے مراد جنگِ بدر کا دن ہے، اس کو آیت میں ''یوم الفرقان'' فرمایا گیا ہے، یعنی وہ دن جس میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہوگیا کہ تین سو تیرہ بے سروسامان لوگ ایک ہزار مسلح فوج پر معجزانہ طور سے غالب آگئے۔ اور جو چیز اُس دن نازل کی تھی اُس سے مراد فرشتوں کی مدد اور قرآنِ کریم کی وہ آیات ہیں جو اُس دن مسلمانوں

کی تسلی کے لئے نازل کی گئیں۔

(۲۸) یہ میدانِ جنگ کا نقشہ بتایا جارہا ہے۔ ''بدر'' ایک وادی کا نام ہے، اُس کا وہ کنارہ جو مدینہ منورہ سے قریب تر ہے، اس پر مسلمانوں کا لشکر فروکش تھا، اور جو کنارہ مدینہ منورہ سے نسبۃً دُور ہے، اُس پر کفار کا لشکر تھا۔ اور قافلے سے مراد ابوسفیان کا قافلہ ہے جو اس وادی کے نیچے کی جانب ساحلِ سمندر کی طرف بچ کر نکل گیا تھا۔ تفصیل اس سورت کے شروع میں بیان ہوچکی ہے۔

(۲۹) مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب ایسے پیدا فرمادیئے کہ کفارِ مکہ سے باقاعدہ جنگ ٹھن گئی، ورنہ اگر دونوں فریق پہلے سے جنگ کے لئے کوئی وقت طے کرنا چاہتے تو اِختلاف ہوجاتا، مسلمان چونکہ بے سروسامان تھے، اس لئے باقاعدہ جنگ سے کتراتے، اور مشرکین کے دِلوں پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیبت تھی، اس لئے وہ بھی خواہش کے باوجود جنگ کو ٹلانا چاہتے۔ لیکن جب انہیں اپنا تجارتی قافلہ خطرے میں نظر آیا تو ان کے پاس جنگ کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، اور مسلمانوں کے سامنے جب لشکر آ ہی گیا تو وہ بھی لڑنے پر مجبور ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ یہ اسباب ہم نے اس لئے پیدا کئے کہ ایک مرتبہ فیصلہ کن معرکہ ہوجائے، اور اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی فتح ونصرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کھل کر سامنے آجائے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص کفر کرکے بربادی کا راستہ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل کے واضح ہونے کے بعد اِختیار کرے، اور جو شخص اسلام لاکر باعزت زندگی اختیار کرے، وہ بھی اس واضح دلیل کی روشنی میں کرے۔

(۳۰) جنگ شروع ہونے سے پہلے جب ابھی تک مسلمانوں کو یہ پتہ نہیں چلا تھا کہ حملہ آور کافروں کی تعداد کتنی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کافروں کے لشکر کو کم کرکے دِکھایا گیا۔ آپ نے وہ خواب صحابہ کرامؓ سے بیان فرمایا، جس سے ان کے حوصلے بلند ہوئے۔ اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کا خواب چونکہ واقعے کے خلاف نہیں ہوسکتا، اس لئے بظاہر آپ کو لشکر کا ایک حصہ دِکھایا گیا تھا، آپ نے اسی حصے کے بارے میں لوگوں کو بتایا کہ وہ تھوڑے لوگ ہیں۔ اور بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خواب میں جو چیز دِکھائی جاتی ہے، وہ عالم مثال سے تعلق رکھتی ہے، عین وہ چیز مراد نہیں ہوتی جو خواب میں نظر آرہی ہو، اسی لئے خواب میں تعبیر کی ضرورت پڑتی ہے۔ لہٰذا خواب میں سارے لشکر کی تعداد اگرچہ واقعی کم دِکھائی گئی، لیکن اس کمی کی اصل تعبیر یہ تھی کہ یہ سارا لشکر بے حیثیت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تعبیر کا علم تھا، اور آپ نے یہ خواب صحابہؓ کے سامنے اس لئے بیان فرمایا تاکہ ان کے حوصلے بڑھ جائیں۔

وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ ع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور اگر تمہیں اُن کی تعداد زیادہ دِکھا دیتا تو (اے مسلمانو!) تم ہمت ہار جاتے، اور تمہارے درمیان اس معاملے میں اختلاف پیدا ہو جاتا، لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچالیا۔ یقیناً وہ سینوں میں چھپی باتیں خوب جانتا ہے ﴿۴۳﴾ اور وہ وقت یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے مدِمقابل آئے تھے تو اللہ تمہاری نگاہوں میں اُن کی تعداد کم دِکھا رہا تھا، اور اُن کی نگاہوں میں تمہیں کم کر کے دِکھا رہا تھا،(۳۱) تاکہ جو کام ہو کر رہنا تھا، اللہ اُسے پورا کر دِکھائے۔ اور تمام معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ﴿۴۴﴾ اے ایمان والو! جب تمہارا کسی گروہ سے مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرو، تاکہ تمہیں کامیابی حاصل ہو ﴿۴۵﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، ورنہ تم کمزور پڑ جاؤ گے، اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ اور صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ﴿۴۶﴾

(۳۱) یہ اُس خواب کے علاوہ بیداری کا واقعہ ہے جو عین اُس وقت پیش آیا جب دونوں لشکر آمنے سامنے آگئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کچھ ایسی کیفیت طاری فرمادی کہ کفار کا وہ لشکرِ جرار ان کو بہت معمولی محسوس ہوا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۴۷﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۴۸﴾ ع

اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اکڑتے ہوئے، اور لوگوں کو اپنی شان دِکھاتے ہوئے نکلے تھے، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روک رہے تھے۔ (۳۲) اور اللہ نے لوگوں کے سارے اعمال کو (اپنے علم کے) احاطے میں لیا ہوا ہے۔ (۳۳) ﴿۴۷﴾ اور وہ وقت (بھی قابلِ ذکر ہے) جب شیطان نے ان (کافروں) کو یہ سجھایا تھا کہ ان کے اعمال بڑے خوشنما ہیں، اور یہ کہا تھا کہ: "آج انسانوں میں کوئی نہیں ہے جو تم پر غالب آسکے، اور میں تمہارا محافظ ہوں۔" (۳۴) پھر جب دونوں گروہ آمنے سامنے آئے تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹا، اور کہنے لگا: "میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، مجھے جو کچھ نظر آرہا ہے، وہ تمہیں نظر نہیں آرہا۔ مجھے اللہ سے ڈر لگ رہا ہے، اور اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔" ﴿۴۸﴾

---

(۳۲) اس سے مراد کفارِ قریش کا وہ لشکر ہے جو جنگِ بدر کے موقع پر بڑا اکڑتا اِتراتا اور اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نکلا تھا۔ سبق یہ دینا ہے کہ جنگی طاقت کتنی بھی ہو، اُس پر بھروسہ کرکے تکبر میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر رکھنا چاہئے۔

(۳۳) مطلب غالباً یہ ہے کہ بعض مرتبہ ایک شخص بظاہر اِخلاص سے کام کرتا نظر آتا ہے، لیکن اُس کی نیت دِکھاوے کی ہوتی ہے، یا اس کے برعکس بعض مرتبہ کسی شخص کا انداز بظاہر دِکھاوے کا ہوتا ہے (جیسے دُشمن کو مرعوب کرنے کے لئے کبھی طاقت کا مظاہرہ بھی کرنا پڑتا ہے) لیکن وہ اِخلاص کے ساتھ بھروسہ اللہ ہی پر کرتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو تمام اعمال کی اصل حقیقت کا پورا پورا علم ہے، اس لئے وہ ان کی جزا یا سزا کا فیصلہ اپنے اسی علم محیط کی بنیاد پر فرمائے گا، محض ظاہری حالت کی بنیاد پر نہیں (تفسیر کبیر)۔ واللہ سبحانہ اعلم

(۳۴) شیطان کی طرف سے یہ یقین دہانی اس طرح بھی ہوسکتی ہے کہ اس نے مشرکین کے دِل میں یہ خیال ڈالا

اِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ غَرَّ هٰۤؤُلَآءِ دِیۡنُهُمۡ ؕ وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ ﴿۴۹﴾ وَلَوۡ تَرٰۤی اِذۡ یَتَوَفَّی الَّذِیۡنَ کَفَرُوا ۙ الۡمَلٰٓئِکَةُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَاَدۡبَارَهُمۡ ۚ وَذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۵۰﴾

اور یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دِلوں میں روگ تھا، یہ کہہ رہے تھے کہ: ''ان (مسلمانوں) کو اِن کے دِین نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔''(۳۵) حالانکہ جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے تو اللہ سب پر غالب ہے، بڑی حکمت والا ہے ﴿۴۹﴾ اور اگر تم دیکھتے (تو وہ عجیب منظر تھا) جب فرشتے ان کافروں کی روح قبض کر رہے تھے، اُن کے چہروں اور پشت پر مارتے جاتے تھے، (اور کہتے جاتے تھے کہ:) ''اب جلنے کے عذاب کا مزہ (بھی) چکھنا ﴿۵۰﴾

ہو، لیکن اگلے جملے میں جو واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے، اس سے ظاہر یہی ہے کہ اُس نے کسی انسانی شکل میں آکر مشرکین کو اُکسایا تھا۔ چنانچہ حافظ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب مشرکینِ مکہ جنگ کے ارادے سے روانہ ہونے لگے تو انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ ان کے پیچھے ان کے گھروں پر قبیلہ بکر کے لوگ حملہ نہ کر دیں جن سے ان کی پرانی دُشمنی چلی آتی تھی۔ اس موقع پر شیطان اس قبیلے کے ایک سردار سراقہ کے رُوپ میں ان کے سامنے آیا، اور اس نے اطمینان دِلایا کہ تمہارے لشکر کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ کوئی تم پر غالب نہیں آسکے گا، اور دوسرے یہ کہ تم ہمارے قبیلے کی طرف سے بے فکر رہو، میں خود تمہارا محافظ ہوں، اور تمہارے ساتھ چلوں گا۔ مشرکینِ مکہ اس کی بات سے مطمئن ہوگئے۔ لیکن جب بدر کے میدان میں فرشتوں کا لشکر سامنے آیا تو شیطان جو سراقہ کی شکل میں ان کے ساتھ تھا، یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ میں تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں لے سکتا، اور مجھے وہ فوج نظر آرہی ہے جو تم نہیں دیکھ سکتے۔ بعد میں جب مشرکین کا لشکر شکست کھا کر مکہ مکرمہ لوٹا تو انہوں نے سراقہ سے شکایت کی کہ تم نے ہمیں بڑا دھوکا دیا۔ سراقہ نے جواب میں کہا کہ مجھے تو اس قصے کا ذرا بھی پتہ نہیں، اور نہ میں نے ایسی کوئی بات کہی تھی۔

(۳۵) جب مسلمانوں نے بے سروسامانی کی حالت میں اتنے بڑے لشکر سے ٹکر لے لی تو منافقین نے کہا تھا کہ یہ اپنے دِین کے گھمنڈ میں بڑا دھوکا کھا رہے ہیں، ان میں کفارِ مکہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۵۱﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۳﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾

یہ سب کچھ اُن اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیج رکھے تھے، اور یہ بات طے ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔" ﴿۵۱﴾ (ان لوگوں کا حال ایسا ہی ہوا) جیسا فرعون کی قوم اوران سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا۔ انہوں نے اللہ کی نشانیوں کو ماننے سے انکار کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا۔ یقیناً اللہ کی طاقت بڑی ہے (اور) عذاب بڑا سخت! ﴿۵۲﴾ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ اللہ کا دستور یہ ہے کہ اُس نے جو نعمت کسی قوم کو دی ہو، اُسے اُس وقت تک بدلنا گوارا نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت تبدیل نہ کرلیں،[۳۶] اور اللہ ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے ﴿۵۳﴾ (اس معاملے میں بھی ان کا حال) ایسا ہی ہوا جیسا فرعون کی قوم اور اُن سے پہلے لوگوں کا حال ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے ربّ کی نشانیوں کو جھٹلایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں ہلاک کردیا، اور فرعون کی قوم کو غرق کردیا، اور یہ سب ظالم لوگ تھے ﴿۵۴﴾

---

(۳۶) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کو عذاب سے اسی وقت بدلتا ہے جب کوئی قوم اپنی حالت کو خود بدل لیتی ہے۔ کفارِ مکہ کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن میں سب سے بڑی نعمت یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انہی کے درمیان مبعوث کیا گیا۔ اگر وہ اس وقت ضد سے کام لینے کے بجائے حق طلبی اور انصاف سے کام

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٥﴾ الَّذِينَ عَاهَدتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿٥٦﴾ فَإِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِم مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٥٧﴾

یقین جانو کہ اللہ کے نزدیک زمین پر چلنے والے جان داروں میں بدترین لوگ وہ ہیں جنہوں نے کفر اپنالیا ہے، جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے۔ (۳۷) ﴿۵۵﴾ یہ لوگ وہ ہیں جن سے تم نے عہد لے رکھا ہے، اس کے باوجود یہ ہر مرتبہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں، اور ذرا نہیں ڈرتے۔ (۳۸) ﴿۵۶﴾ لہذا اگر کبھی یہ لوگ جنگ میں تمہارے ہاتھ لگ جائیں، تو ان کو سامانِ عبرت بنا کر اُن لوگوں کو بھی تتر بتر کر ڈالو جو ان کے پیچھے ہیں، تاکہ وہ یاد رکھیں۔ (۳۹) ﴿۵۷﴾

لیتے تو ان کے لئے اسلام قبول کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، لیکن انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کر کے اور ضد سے کام لے کر اپنی حالت کو بدل لیا، اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کو اپنے وقار کا مسئلہ بنالیا، جس سے حق کو قبول کرنا ان کے لئے مشکل ہوگیا۔ جب انہوں نے اپنی حالت اس طرح بدل لی تو اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی نعمتوں کو عذاب سے تبدیل کر دیا۔

(۳۷) دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۲۲ کا حاشیہ۔

(۳۸) اس سے مراد وہ یہودی ہیں جو مدینہ منورہ کے آس پاس آباد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے معاہدہ فرمایا تھا کہ وہ اور مسلمان آپس میں امن کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے دُشمن کا ساتھ نہیں دیں گے۔ یہودیوں نے بار بار اس عہد کی خلاف ورزی کی تھی، اور خفیہ طور پر کفارِ مکہ کے ساتھ ساز باز کرتے رہتے تھے۔

(۳۹) مطلب یہ ہے کہ اگر وہ کسی جنگ میں کھل کر مسلمانوں کے مقابلے پر آجائیں تو انہیں ایسا سبق سکھایا جائے کہ نہ صرف ان کو بدعہدی کا انجام پتہ لگ جائے، بلکہ جو کفارِ مکہ اُن کو پیچھے سے اُکساتے رہتے ہیں، ان کو بھی ایسی عبرت ہو کہ ان کے منصوبے تتر بتر ہو کر رہ جائیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

اور اگر تمہیں کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو تم وہ معاہدہ اُن کی طرف صاف سیدھے طریقے سے پھینک دو۔(۴۰) یاد رکھو کہ اللہ بدعہدی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۵۸﴾ اور کافر لوگ ہرگز یہ خیال بھی دِل میں نہ لائیں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں۔(۴۱) یہ یقینی بات ہے کہ وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ﴿۵۹﴾ اور (مسلمانو!) جس قدر طاقت اور گھوڑوں کی جتنی چھاؤنیاں تم سے بن پڑیں، ان سے مقابلے کے لئے تیار کرو،(۴۲) جن کے ذریعے تم اللہ کے دُشمن اور اپنے (موجودہ) دُشمن پر بھی ہیبت طاری کر سکو، اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں ابھی تم نہیں جانتے، (مگر) اللہ انہیں جانتا ہے۔(۴۳) اور اللہ کے راستے میں تم جو کچھ خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا، اور تمہارے لئے کوئی کمی نہیں کی جائے گی ﴿۶۰﴾ اور اگر وہ لوگ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اُس کی طرف جھک جاؤ،(۴۴) اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ یقین جانو وہی ہے جو ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے ﴿۶۱﴾ اور اگر وہ تمہیں دھوکا دینے کا ارادہ کریں گے تو اللہ تمہارے لئے کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد کے ذریعے اور مؤمنوں کے ذریعے تمہارے ہاتھ مضبوط کئے ﴿۶۲﴾

(۴۰) یہ اس صورت کا حکم بیان ہو رہا ہے جب ان لوگوں کی طرف سے کھلی بدعہدی تو نہ ہوئی ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ کسی وقت وہ بدعہدی کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچادیں گے۔ ایسے موقع کے لئے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واضح طور پر معاہدے کے ختم کرنے کا اعلان کردیں، اور انہیں بتادیں کہ اب ہم میں سے کوئی معاہدے کا پابند نہیں ہے، اور ہر فریق دوسرے کے خلاف کارروائی کرنے کے لئے آزاد ہے۔ اسی بات کو معاہدہ ان کی طرف پھینکنے سے تعبیر کیا گیا ہے جو عربی محاورے میں اسی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ تاکید یہ کی گئی ہے کہ صرف دُشمن کی بدعہدی کے اندیشے کی بنا پر مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اعلان کے بغیر معاہدے کی خلاف ورزی کریں، کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔

(۴۱) یہ ان کافروں کی طرف اشارہ ہے جو جنگِ بدر کے موقع پر بھاگ نکلے تھے۔

(۴۲) یہ پوری اُمتِ مسلمہ کے لئے ایک ابدی حکم ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی شوکت قائم کرنے کے لئے ہر قسم کی دِفاعی طاقت جمع کرنے کا اہتمام کرے۔ قرآنِ کریم نے ''طاقت'' کا عام لفظ استعمال کر کے بتادیا ہے کہ جنگ کی تیاری کسی ایک ہتھیار پر موقوف نہیں، بلکہ جس وقت جس قسم کی دِفاعی قوت کارآمد ہو، اُس وقت اُسی طاقت کا حصول مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ لہٰذا اس میں تمام جدید ترین ہتھیار اور آلات بھی داخل ہیں، اور وہ تمام اسباب و وسائل بھی جو مسلمانوں کی اجتماعی، معاشی اور دِفاعی ترقی کے لئے ضروری ہوں۔ افسوس ہے کہ اس فریضے سے غافل ہو کر آج مسلمان دوسری قوموں کے دست نگر بنے ہوئے ہیں، اور ان سے مرعوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس صورتِ حال سے نجات عطا فرمائے۔

(۴۳) اس سے مراد مسلمانوں کے وہ دُشمن ہیں جو اُس وقت تک سامنے نہیں آئے تھے، بلکہ بعد میں سامنے آئے۔ مثلاً رُوم اور فارس کے لوگ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور اور خلافتِ راشدہ کے زمانے میں یا اس کے بھی بعد سابقہ پیش آیا۔

(۴۴) اس آیتِ کریمہ نے مسلمانوں کو دُشمن سے صلح کرنے کی بھی اجازت دی ہے، بشرطیکہ وہ ایسی شرائط پر ہو جو مسلمانوں کی مصلحت کے مطابق ہوں۔

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

اور اُن کے دِلوں میں ایک دوسرے کی اُلفت پیدا کردی۔ اگر تم زمین بھر کی ساری دولت بھی خرچ کرلیتے تو ان کے دِلوں میں یہ اُلفت پیدا نہ کرسکتے، لیکن اللہ نے ان کے دِلوں کو جوڑ دیا۔ وہ یقیناً اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک ﴿۶۳﴾

اے نبی! تمہارے لئے تو بس اللہ اور وہ مؤمن لوگ کافی ہیں جنہوں نے تمہاری پیروی کی ہے ﴿۶۴﴾ اے نبی! مؤمنوں کو جنگ پر اُبھارو۔ اگر تمہارے بیس آدمی ایسے ہوں گے جو ثابت قدم رہنے والے ہوں تو وہ دوسو پر غالب آجائیں گے۔ اور اگر تمہارے سو آدمی ہوں گے تو وہ کافروں کے ایک ہزار پر غالب آجائیں گے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔ (۴۵) ﴿۶۵﴾

(۴۵) چونکہ صحیح سمجھ نہیں رکھتے، اس لئے ایمان نہیں لاتے، اور چونکہ ایمان نہیں لاتے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد سے محروم رہتے ہیں، اور اپنی دس گنی زیادہ تعداد کے باوجود مسلمانوں سے مغلوب ہوجاتے ہیں۔ اس آیت نے ضمنی طور پر یہ حکم بھی دے دیا کہ اگر کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دس گنی زیادہ ہو تب بھی مسلمانوں کے لئے مقابلے سے پیچھے ہٹنا جائز نہیں ہے۔ لیکن اگلی آیت بعد میں نازل ہوئی جس نے اس حکم میں تخفیف کردی۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

ع ۹ ۵

لو اَب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا، اور اُس کے علم میں ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزوری ہے۔ لہٰذا (اب حکم یہ ہے کہ) اگر تمہارے ثابت قدم رہنے والے سو آدمی ہوں تو وہ دو سو پر غالب آجائیں گے، اور اگر تمہارے ایک ہزار آدمی ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آجائیں گے، اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے۔(۴۶) ﴿۶۶﴾ یہ بات کسی نبی کے شایانِ شان نہیں ہے کہ اُس کے پاس قیدی رہیں،(۴۷) جب تک کہ وہ زمین میں (دُشمنوں کا) خون اچھی طرح نہ بہا چکا ہو (جس سے ان کا رُعب پوری طرح ٹوٹ جائے) تم دُنیا کا ساز و سامان چاہتے ہو، اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے، اور اللہ صاحبِ اقتدار بھی ہے، صاحبِ حکمت بھی ﴿۶۷﴾ اگر اللہ کی طرف سے ایک لکھا ہوا حکم پہلے نہ آچکا ہوتا تو جو راستہ تم نے اختیار کیا، اُس کی وجہ سے تم پر کوئی بڑی سزا آجاتی۔(۴۸) ﴿۶۸﴾ لہٰذا اَب تم نے جو مالِ غنیمت میں حاصل کیا ہے، اُسے پاکیزہ حلال مال کے طور پر کھاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔(۴۹) ﴿۶۹﴾

(۴۶) یہ حکم بعد میں آیا، اور اس نے یہ تخفیف کردی کہ اگر دُشمن کی تعداد مسلمانوں سے دُگنی تک ہو تو پیچھے ہٹنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر تعداد اس سے زیادہ ہو تو پیچھے ہٹنے کی گنجائش ہے۔ اس طرح اس آیت نے اُس حکم کی تفصیل بیان فرمادی ہے جو پیچھے آیت نمبر ۱۵ و ۱۶ میں دیا گیا تھا۔

(۴۷) جنگِ بدر میں ستر قریشی اَفراد گرفتار ہوئے تھے۔ ان لوگوں کو جنگی قیدی کے طور پر مدینہ منورہ لایا گیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ فرمایا کہ ان سے کیا سلوک کیا جائے؟ بعض صحابہ کرامؓ، مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کی رائے یہ تھی کہ ان کو قتل کر دیا جائے، کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر جو مظالم ڈھائے ہیں، ان کی بنا پر ان کا عبرت ناک انجام ہونا چاہئے۔ دوسرے حضرات کی رائے یہ تھی کہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا جائے۔ (''فدیہ'' اُس مال کو کہا جاتا ہے جو کسی جنگی قیدی سے اُس کی آزادی کے بدلے طلب کیا جائے) چونکہ زیادہ تر صحابہ اس دوسری رائے کے حق میں تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کے مطابق فیصلہ فرمایا، اور ان سب قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیا گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے اس فیصلے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ جنگِ بدر کا سارا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتبہ کفار کی طاقت اور شوکت کا زور اچھی طرح ٹوٹ جائے، اور جن لوگوں نے سالہا سال تک دِینِ حق کا نہ صرف راستہ روکنے کی کوشش کی ہے، بلکہ مسلمانوں پر وحشیانہ ظلم ڈھائے ہیں، اُن پر ایک مرتبہ مسلمانوں کی دھاک بیٹھ جائے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی نرمی کا معاملہ کرنے کے بجائے ان سب کو قتل کیا جاتا، تاکہ یہ واپس جا کر مسلمانوں کے لئے خطرہ بھی نہ بن سکتے، اور ان کے عبرت ناک انجام سے دوسروں کو بھی سبق ملتا۔ یہاں یہ واضح رہے کہ جنگی قیدیوں کو آزاد کرنے پر ناپسندیدگی کا یہ اظہار جنگِ بدر کے وقت مذکورہ مصلحت کی بنا پر کیا گیا تھا۔ بعد میں سورۂ محمد کی آیت نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اب چونکہ کفار کی جنگی طاقت ٹوٹ چکی ہے، اس لئے اب نہ صرف فدیہ لے کر، بلکہ بغیر فدیہ کے، محض احسان کے طور پر بھی جنگی قیدیوں کو آزاد کیا جا سکتا ہے۔

(۴۸) پہلے لکھے ہوئے حکم سے مراد بعض مفسرین نے تو وہ حکم لیا ہے جو پیچھے آیت ۳۳ میں گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا کوئی عذاب نہیں آسکتا۔ اور دوسرے مفسرین نے اس کے یہ معنی بیان کئے ہیں کہ ان قیدیوں میں سے بعض حضرات کا مسلمان ہو جانا اللہ تعالیٰ نے مقدر میں لکھا ہوا تھا، وہ نوشتۂ تقدیر مراد ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس فیصلے پر مسلمانوں کو کوئی سزا نہیں دی کہ ان قیدیوں میں سے کچھ لوگ مسلمان ہونے والے تھے، ورنہ فیصلہ اُصولی طور پر ناپسندیدہ تھا۔

(۴۹) چونکہ جنگی قیدیوں کے بارے میں یہ فیصلہ کثرتِ رائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے ہو چکا تھا، اس لئے ناپسندیدگی کے اظہار کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کی معافی کا بھی اعلان فرمایا، اور یہ بھی اجازت دی کہ جو مال فدیہ میں حاصل ہوا ہے، وہ حلال طیب ہے، اور مسلمان اُسے اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اے نبی! تم لوگوں کے ہاتھوں میں جو قیدی ہیں، (اور جنہوں نے مسلمان ہونے کا ارادہ ظاہر کیا ہے) اُن سے کہہ دو کہ: ''اگر اللہ تمہارے دِلوں میں بھلائی دیکھے گا تو جو مال تم سے (فدیہ میں) لیا گیا ہے، اُس سے بہتر تمہیں دیدے گا، (۵۰) اور تمہاری بخشش کردے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' ﴿۷۰﴾ اور اگر ان لوگوں نے (اے نبی!) تم سے خیانت کرنے کا ارادہ کیا، تو یہ اس سے پہلے اللہ کے ساتھ خیانت کرچکے ہیں، جس کے نتیجے میں اللہ نے انہیں تمہارے قابو میں دے دیا، اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۷۱﴾

---

(۵۰) بھلائی دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ جن لوگوں نے مسلمان ہونے کا اعلان کیا ہے، وہ خلوصِ دِل کے ساتھ ہو، کوئی شرارت نہ ہو۔ اس صورت میں ان سے وعدہ کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی آزادی کے لئے فدیہ میں جو کچھ خرچ کیا ہے، اس سے بہتر بدلہ انہیں دُنیا یا آخرت میں دے دیا جائے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور بدر کی جنگ میں قید ہوگئے تھے، انہوں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ میں مسلمان ہونا چاہتا تھا، مگر میرے قبیلے کے لوگوں نے مجھے جنگ میں آنے پر مجبور کردیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہرحال! جو فدیہ دینا طے ہوا ہے، وہ تو تمہیں دینا ہوگا، اور اپنے بھتیجوں عقیل اور نوفل کا فدیہ بھی تم دو۔ انہوں نے کہا کہ اتنی رقم میں کہاں سے لاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ رقم کہاں ہے جو تم اپنی اہلیہ اُمّ الفضل کے پاس خفیہ طور پر چھوڑ کر آئے ہو؟ حضرت عباسؓ نے یہ سنا تو ہکا بکا رہ گئے، کیونکہ اس بات کا علم ان کے اور ان کی اہلیہ کے سوا کسی کو نہیں تھا۔ اس موقع پر انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ بعد میں حضرت عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ جتنا کچھ میں نے فدیہ میں دیا تھا، واقعی اُس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دے دیا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ؕ

جو لوگ ایمان لائے ہیں، اور انہوں نے ہجرت کی ہے، اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے، وہ اور جنہوں نے ان کو (مدینہ میں) آباد کیا، اور ان کی مدد کی، یہ سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، (مگر) انہوں نے ہجرت نہیں کی، جب تک وہ ہجرت نہ کرلیں، (اے مسلمانو!) تمہارا اُن سے وراثت کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔(۵۱) ہاں اگر دِین کی وجہ سے وہ تم سے کوئی مدد مانگیں تو تم پر ان کی مدد واجب ہے، سوائے اس صورت کے جبکہ وہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف ہو جس کے ساتھ تمہارا کوئی معاہدہ ہے۔(۵۲) اور جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اُسے اچھی طرح دیکھتا ہے ﴿۷۲﴾ اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا ہے، وہ آپس میں ایک دوسرے کے ولی وارث ہیں۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہوگا۔(۵۳) ﴿۷۳﴾

---

(۵۱) سورۂ انفال کی ان آخری آیات میں میراث کے کچھ وہ احکام بیان فرمائے گئے ہیں جو مسلمانوں کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ اُصول شروع سے طے فرمادیا تھا کہ مسلمان اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوسکتے۔ اب صورتِ حال یہ تھی کہ جو صحابہ کرامؓ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ آگئے تھے، ان میں سے بہت سے ایسے تھے کہ ان کے رشتہ دار جو ان کے وارث ہوسکتے تھے، سب مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے۔ ان میں سے اکثر تو وہ تھے جو کافر تھے، اور مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے، وہ مسلمانوں کے اس لئے وارث نہیں ہوسکتے تھے کہ ان کے درمیان کفر اور ایمان کا فاصلہ حائل تھا۔ چنانچہ ان

آیات نے واضح طور پر بتادیا کہ نہ وہ مسلمانوں کے وارث ہوسکتے ہیں، اور نہ مسلمان اُن کے وارث ہوسکتے ہیں۔ اور مہاجرین کے کچھ ایسے رشتہ دار بھی تھے جو مسلمان تو ہوگئے تھے، لیکن انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت نہیں کی تھی۔ ان کے بارے میں بھی اس آیت نے یہ حکم دیا ہے کہ مہاجر مسلمانوں کا اُن سے بھی وراثت کا کوئی رشتہ نہیں ہوسکتا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اُس وقت تمام مسلمانوں کے ذمے فرض تھا کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کریں، اور انہوں نے ہجرت نہ کرکے اس فریضے کو ابھی تک ادا نہیں کیا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ مہاجر مسلمان مدینہ منورہ میں تھے جو دارالاسلام تھا، اور وہ حضرات مکہ مکرمہ میں تھے جو اُس وقت دارالحرب تھا، اور دونوں کے درمیان بڑی رُکاوٹیں حائل تھیں۔ بہرصورت! مہاجر مسلمانوں کے جو رشتہ دار مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، چاہے وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم، ان کے ساتھ مہاجرین کا وراثت کا رشتہ ٹوٹ چکا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر اُن کا کوئی رشتہ دار مکہ مکرمہ میں فوت ہوتا تو اُس کے ترکے میں ان مہاجرین کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا، اور اگر ان مہاجرین میں سے کوئی مدینہ منورہ میں فوت ہوتا تو اُس کی میراث میں اُس کے مکی رشتہ داروں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف جو مہاجرین مدینہ منورہ آکر آباد ہوئے تھے، اُن کو انصارِ مدینہ نے اپنے گھروں میں ٹھہرایا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مہاجر صحابی کا کسی انصاری صحابی سے بھائی چارہ قائم کردیا تھا جسے "مؤاخات" کہا جاتا ہے۔ اس آیتِ کریمہ نے یہ حکم دیا کہ اب مہاجرین کے وارث اُن کے مکی رشتہ داروں کے بجائے وہ انصاری صحابہ کرامؓ ہوں گے جن کے ساتھ اُن کی مؤاخات قائم کی گئی ہے۔

(۵۲) یعنی جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی، اگرچہ وہ مہاجرین کے وارث نہیں ہیں، لیکن چونکہ بہرحال مسلمان ہیں، اس لئے اگر کافروں کے خلاف مسلمانوں سے کوئی مدد مانگیں تو مہاجر مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مدد کریں۔ البتہ ایک صورت ایسی بیان کی گئی ہے جس میں اس طرح کی مدد کرنا مہاجر مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ہے۔ اور وہ یہ کہ جن کافروں کے خلاف وہ مدد مانگ رہے ہوں، اُن سے مہاجر مسلمانوں کا کوئی جنگ بندی کا معاہدہ ہوچکا ہو۔ ایسی صورت میں اگر وہ اپنے مسلمان بھائیوں کا ساتھ دیتے ہوئے اُن کے خلاف کوئی کارروائی کریں گے تو یہ بدعہدی ہوگی، اس لئے ایسی مدد کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ جب کوئی معاہدہ ہوجائے تو اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کے لئے بھی اُس کی خلاف ورزی کو اِسلام نے جائز نہیں رکھا۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ کفار کے ہاتھوں پسے ہوئے مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کفارِ قریش کے خلاف مدد مانگی، اور مسلمانوں کا دِل بے تاب تھا کہ ان کی مدد کریں، مگر چونکہ قریش کے لوگوں سے معاہدہ ہوچکا تھا، اس لئے ان کے صبر وضبط کا بہت کڑا امتحان پیش آیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تحت وہ اس امتحان میں ثابت قدم رہے۔

(۵۳) اس جملے کا تعلق اُن تمام اَحکام سے ہے جو ان آیات میں بیان فرمائے گئے ہیں، جن میں میراث کے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

اور جو لوگ ایمان لے آئے، اور انہوں نے ہجرت کی، اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا، وہ اور جنہوں نے انہیں آباد کیا، اور ان کی مدد کی، وہ سب صحیح معنی میں مؤمن ہیں۔(۵۴) ایسے لوگ مغفرت اور باعزت رزق کے مستحق ہیں ﴿۷۴﴾ اور جنہوں نے بعد میں ایمان قبول کیا، اور ہجرت کی، اور تمہارے ساتھ جہاد کیا، تو وہ بھی تم میں شامل ہیں۔ اور (ان میں سے) جو لوگ (پرانے مہاجرین کے) رشتہ دار ہیں، وہ اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے (کی میراث کے دوسروں سے) زیادہ حق دار ہیں۔(۵۵) یقیناً اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے ﴿۷۵﴾

مذکورہ بالا اَحکام بھی داخل ہیں، اور غیر مہاجر مسلمانوں کی مدد کے اَحکام بھی۔ تنبیہ یہ کی جارہی ہے کہ ان اَحکام کی خلاف ورزی سے زمین میں فتنہ اور فساد پھیلے گا۔ مثلاً اگر وہ مسلمان جو کفار کے ہاتھوں ظلم وستم برداشت کررہے ہیں، اُن کی مدد نہ کی جائے تو فساد پھیلنا ظاہر ہے، اور اگر ان کی مدد کی وجہ سے غیر مسلموں کے ساتھ بدعہدی کی جائے تب بھی وہ تمام مصلحتیں پامال ہوں گی جن کی خاطر وہ معاہدہ کیا گیا تھا۔

(۵۴) یعنی جن مسلمانوں نے ابھی تک ہجرت نہیں کی ہے، اگرچہ مؤمن وہ بھی ہیں، لیکن اُن میں ابھی یہ کسر ہے کہ انہوں نے ہجرت کے حکم پر عمل نہیں کیا۔ دوسری طرف مہاجرین اور انصار میں یہ کسر نہیں ہے۔ اس لئے وہ صحیح معنی میں مؤمن کہلانے کے مستحق ہیں۔

(۵۵) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب وہ مسلمان بھی بالآخر ہجرت کر آئے تھے جنہوں نے شروع میں ہجرت نہیں کی تھی۔ اس آیت نے ان کے بارے میں دو حکم بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اب انہوں نے چونکہ وہ کسر پوری

کردی ہے جس کی وجہ سے اُن کا درجہ مہاجرین اور انصار سے کم تھا، اس لئے اب وہ بھی ان میں شامل ہوگئے ہیں۔ اور دوسرا حکم یہ کہ اب تک وہ اپنے اُن رشتہ داروں کے وارث نہیں ہوتے تھے جو ہجرت کر چکے تھے۔ اب چونکہ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے ہیں، اس لئے اب اُن کے وارث ہونے کی اصل رُکاوٹ دُور ہوگئی ہے۔ اب وہ اپنے ان مسلمان رشتہ داروں کے وارث ہوں گے جو اُن سے پہلے ہجرت کر چکے تھے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انصاری صحابہ کو اُن مہاجرین کا جو وارث بنایا گیا تھا، اب وہ حکم منسوخ ہوگیا، کیونکہ وہ ایک عارضی حکم تھا جو اس وجہ سے دیا گیا تھا کہ ان مہاجرین کے رشتہ دار مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے۔ اب چونکہ وہ آگئے ہیں، اس لئے میراث کا اصل حکم کہ وہ قریبی رشتہ داروں میں تقسیم ہوتی ہے، واپس آگیا۔

الحمدللہ! سورۂ انفال کا ترجمہ اور تفسیری حواشی آج مؤرخہ ۲۷ / ربیع الاوّل ۱۴۲۷ھ مطابق ۲۷ / اپریل ۲۰۰۶ء کو مکہ مکرمہ میں تکمیل کو پہنچے۔ اس سورت کا ترجمہ لندن میں شروع ہوا تھا، اور کچھ حصہ کراچی میں ہوا، اور آج مکہ مکرمہ زادہا اللہ شرفاً میں مابین عصر و مغرب اس کی تکمیل ہوئی۔

والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبول عطا فرما کر اسے اُمت کے لئے نافع بنادیں، اور باقی سورتوں کے ترجمے اور حواشی کا کام بھی اپنے فضل و کرم سے اپنی رضا کے مطابق صدق و اِخلاص سے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین ثم آمین۔

سُورَةُ التَّوبة

تعارف

یہ بھی مدنی سورت ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ پچھلی سورت یعنی سورۂ اَنفال کا تکملہ ہے۔ غالباً اسی لئے عام سورتوں کے برخلاف اس سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ نازل ہوئی، نہ لکھی گئی۔ اور اس کی تلاوت کا بھی قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص پیچھے سورۂ اَنفال سے تلاوت کرتا چلا آرہا ہو، اُسے یہاں بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہئے، البتہ اگر کوئی شخص اسی سورت سے تلاوت شروع کر رہا ہو تو اُس کو بسم اللہ پڑھنی چاہئے۔ اور بعض لوگوں نے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کے بجائے کچھ اور جملے پڑھنے کے لئے بنا رکھے ہیں، وہ بے بنیاد ہیں۔ اُوپر جو طریقہ لکھا گیا ہے، وہی سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے۔

یہ سورت فتحِ مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ عرب کے بہت سے قبائل اس انتظار میں تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفارِ قریش کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جب قریش نے حدیبیہ والا معاہدہ توڑ دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا، اور کسی خاص خونریزی کے بغیر اُسے فتح کرلیا۔ اس موقع پر کفار کی کمر ٹوٹ چکی تھی، البتہ آخری تدبیر کے طور پر قبیلہ ہوازن نے ایک بڑا لشکر مسلمانوں سے مقابلے کے لئے جمع کیا جس سے حنین کی وادی میں آخری بڑی جنگ ہوئی، اور شروع میں معمولی ہزیمت کے بعد مسلمانوں کو اس میں بھی فتح ہوئی۔ اس جنگ کے بعض واقعات بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ اب عرب کے جو قبائل قریش کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے ڈرتے تھے، یا ان کی جنگوں کے آخری انجام کے منتظر تھے، ان کے دِل سے اسلام کے خلاف ہر رُکاوٹ دُور ہوگئی، اور وہ جوق در جوق مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوئے، اور اس طرح جزیرۂ عرب کے بیشتر علاقے پر اِسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزیرۂ عرب

کو اِسلام اور مسلمانوں کا بنیادی مرکز قرار دے دیا گیا۔ اصل منشا تو یہ تھا کہ پورے جزیرۂ عرب میں کوئی بھی غیر مسلم مستقل باشندے کی حیثیت میں باقی نہ رہے، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ جزیرۂ عرب میں دو دِین باقی نہ رہنے پائیں۔ (موطأ اِمام مالک، کتاب الجامع و مسند احمد ج:٦ ص:٢٧٥) لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تدریج کا طریقہ اختیار فرمایا گیا۔ سب سے پہلا ہدف یہ مقرر فرمایا گیا کہ جزیرۂ عرب کو بت پرستوں سے خالی کرایا جائے۔ چنانچہ جو بچے کھچے بت پرست عرب میں رہ گئے تھے، اور جنہوں نے بیس سال سے زیادہ مدت تک مسلمانوں کو وحشیانہ مظالم کا نشانہ بنایا تھا، اُن کو اِس سورت کے شروع میں مختلف مدتوں کی مہلت دی گئی جس میں اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو انہیں جزیرۂ عرب چھوڑنے، ورنہ جنگ کا سامنا کرنے کے اَحکام دیئے گئے ہیں، اور مسجدِ حرام کو بت پرستی کی ہر نشانی سے پاک کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس ہدف کے پورا ہونے کے بعد جزیرۂ عرب کی مکمل صفائی کا دوسرا مرحلہ یہود و نصاریٰ کو وہاں سے نکالنے کا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں یہ مرحلہ مکمل نہیں ہوسکا تھا، لیکن آپ نے اس کی وصیت فرمادی تھی، جیسا کہ آیت نمبر ۲۹ کے تحت اس کی وضاحت آنے والی ہے۔

اس سے پہلے رُوم کے بادشاہ نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑی فوج جمع کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش قدمی کرکے اُس کے مقابلے کے لئے تبوک تک تشریف لے گئے۔ اس سورت کا بہت بڑا حصہ اس مہم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ منافقین کی معاندانہ کارروائیاں مسلسل جاری تھیں۔ اس سورت میں ان کی بدعنوانیوں کو بھی طشت از بام کیا گیا ہے۔

اس سورت کو سورۂ توبہ بھی کہا جاتا ہے، اور سورۂ براءت بھی۔ براءت اس لئے کہ اس کے شروع میں مشرکین سے براءت اور دستبرداری کا اعلان کیا گیا ہے، اور توبہ اس لئے کہ اس میں بعض ان صحابہ کرام کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے جنہوں نے تبوک کی مہم میں حصہ نہیں لیا تھا، اور بعد میں اپنی اس غلطی پر توبہ کی تھی۔

آیاتھا ١٢٩ ٩ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ ١١٣ رکوعاتھا ١٦

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝٢ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٣ۙ

سورۂ توبہ مدنی ہے اور اس میں ایک سو اُنتیس آیتیں اور سولہ رُکوع ہیں

(مسلمانو!) یہ اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے دستبرداری کا اعلان ہے اُن تمام مشرکین کے خلاف جن سے تم نے معاہدہ کیا ہوا ہے۔(۱) ﴿۱﴾ لہٰذا (اے مشرکو!) تمہیں چار مہینے تک اجازت ہے کہ تم (عرب کی) سرزمین میں آزادی سے گھومو پھرو، اور یہ بات جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، اور یہ بات بھی کہ اللہ اب کافروں کو رُسوا کرنے والا ہے ﴿۲﴾ اور حج اکبر کے دن(۲) اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ بھی مشرکین سے دست بردار ہو چکا ہے، اور اُس کا رسول بھی۔ اب (اے مشرکو!) اگر تم توبہ کرلو تو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہوگا، اور اگر تم نے (اب بھی) منہ موڑے رکھا تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، اور تمام کافروں کو ایک دُکھ دینے والے عذاب کی ''خوشخبری'' سنادو ﴿۳﴾

---

(۱) ان آیتوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے وہ پس منظر جاننا ضروری ہے جو اس سورت کے تعارف میں اُوپر بیان کیا گیا ہے۔ جزیرۂ عرب کو اِسلام کا مرکز بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا کہ کچھ عرصے کی مہلت

کے بعد کوئی بت پرست مستقل طور پر جزیرۂ عرب میں نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ ان آیات میں اُن بچے کھچے مشرکین سے دستبرداری کا اعلان کیا گیا ہے جو ابھی تک اسلام نہیں لائے تھے۔ اگرچہ یہ مشرکین وہ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو ستانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، اور اُن پر وحشیانہ ظلم ڈھائے تھے، لیکن انہیں جزیرۂ عرب سے نکلنے کے لئے مختلف مہلتیں دی گئی ہیں جن کی تفصیل ان آیتوں میں آئی ہے۔ ان مشرکین کی چار قسمیں تھیں:

(الف) پہلی قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ مسلمانوں نے جنگ بندی کا کوئی معاہدہ نہیں کیا ہوا تھا۔ ایسے مشرکین کو چار مہینے کی مہلت دی گئی کہ ان چار مہینوں میں وہ اگر اِسلام لانا چاہیں تو اِسلام لے آئیں، اور اگر جزیرۂ عرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو اُس کا انتظام کرلیں۔ اگر یہ دونوں کام نہ کرسکیں تو اُن کے خلاف ابھی سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا ہوگا (ترمذی، کتاب الحج، حدیث نمبر ۸۷۱)۔

(ب) دوسری قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا، لیکن اُس کی کوئی مدت متعین نہیں تھی۔ ان کے بارے میں بھی یہ اعلان کر دیا گیا کہ اب وہ معاہدہ چار مہینے تک جاری رہے گا۔ اس دوران اُن کو بھی وہی کام کرنے ہوں گے جن کا ذکر پہلی قسم کے بارے میں کیا گیا۔ سورۂ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت ان دو قسموں سے متعلق ہے۔

(ج) تیسری قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ تو کیا تھا، لیکن اُنہوں نے بدعہدی کی، اور وہ معاہدہ توڑ دیا، جیسے کفارِ قریش کے ساتھ حدیبیہ میں معاہدہ ہوا تھا، لیکن انہوں نے اُس کی خلاف ورزی کی، اور اسی کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے اُسے فتح کرلیا تھا۔ ان لوگوں کو کوئی مزید مہلت تو نہیں دی گئی، لیکن چونکہ دست برداری کا یہ اعلان حج کے موقع پر کیا گیا تھا جو خود حرمت والے مہینے میں ہوتا ہے، اور اس کے بعد محرم کا مہینہ بھی حرمت والا ہے، اور اُس میں جنگ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے ان کو محرم کے آخر تک کی مہلت مل گئی۔ انہی کے بارے میں آیت نمبر ۵ میں یہ فرمایا گیا ہے کہ حرمت والے مہینوں کے گذر جانے کے بعد اگر یہ نہ ایمان لائیں، اور نہ جزیرۂ عرب سے باہر جائیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔

(د) چوتھی قسم اُن مشرکین کی تھی جن کے ساتھ کسی خاص مدت تک کے لئے مسلمانوں نے جنگ بندی کا معاہدہ کر

رکھا تھا۔ اور انہوں نے کوئی بدعہدی بھی نہیں کی تھی۔ ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نمبر ۴ میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اُن کے معاہدے کی جتنی بھی مدت باقی ہے، اُس کو پورا کیا جائے، اور اس پوری مدت میں اُن کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے۔ مثلاً قبیلہ کنانہ کے دو چھوٹے قبیلے بنوضمرہ اور بنومدلج کے ساتھ آپ کا ایسا ہی معاہدہ تھا، اور اُن کی طرف سے کوئی بدعہدی سامنے نہیں آئی تھی۔ اُن کے معاہدے کی مدت ختم ہونے میں اس وقت نو مہینے باقی تھے۔ چنانچہ اُن کو نو مہینے کی مہلت دی گئی۔

ان چاروں قسم کے اعلانات کو براءت یا دستبرداری کے اعلانات کہا جاتا ہے۔

(۲) دست برداری کا یہ حکم تو آچکا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں سے انصاف کی خاطر ان مختلف مدتوں کی ابتدا اُس وقت سے فرمائی جب اُن کو ان سارے اَحکام کی اطلاع ہوجائے۔ پورے عرب میں اعلان کا سب سے مؤثر ذریعہ یہ تھا کہ یہ اعلان حج کے موقع پر کیا جائے، کیونکہ اُس وقت سارے عرب کے لوگ حجاز میں جمع ہوتے تھے، اور اُس وقت تک مشرکین بھی حج کے لئے آتے تھے۔ چنانچہ فتحِ مکہ کے بعد جو حج ۹ھ میں ہوا۔ اُس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تو حج کے لئے تشریف نہیں لے گئے تھے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اَمیرِ حج بنا کر بھیجا تھا۔ اُن کے بعد آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسی مقصد سے روانہ فرمایا کہ وہ ان اَحکام کا سب کے سامنے اعلان کردیں، وجہ یہ تھی کہ اہلِ عرب میں یہ معمول تھا کہ اگر کسی شخص نے کوئی معاہدہ کیا ہوتا، اور وہ اُسے ختم کرنا چاہتا تو یہ ضروری سمجھا جاتا تھا کہ معاہدہ ختم کرنے کا اعلان یا تو وہ خود کرے، یا اُس کا کوئی قریبی عزیز۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا (الدر المنثور ص ۱۱۴ ج ۴، بیروت ۱۴۲۱ھ)۔

واضح رہے کہ "حجِ اکبر" ہر حج کو اس لئے کہتے ہیں کہ عمرہ چھوٹا حج ہے، اور اس کے مقابلے میں حج بڑا حج ہے۔ اور یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ اگر حج جمعہ کے دن آجائے تو وہ "حجِ اکبر" ہوتا ہے، اُس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ جمعہ کے دن حج ہو تو بیشک دو فضیلتیں جمع ہوجاتی ہیں، لیکن صرف اُسی کو "حجِ اکبر" قرار دینا درست نہیں ہے، بلکہ یہ لقب ہر حج کا ہے، چاہے وہ کسی بھی دن ہو۔

إِلَّا الَّذِينَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿٤﴾ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥﴾ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ

البتہ (مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا، پھر ان لوگوں نے تمہارے ساتھ عہد میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور تمہارے خلاف کسی کی مدد بھی نہیں کی، تو اُن کے ساتھ کیے ہوئے معاہدے کی مدت کو پورا کرو۔ بیشک اللہ احتیاط کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔(۳) ﴿۴﴾ چنانچہ جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو ان مشرکین کو (جنہوں نے تمہارے ساتھ بدعہدی کی تھی) جہاں بھی پاؤ، قتل کر ڈالو، اور انہیں پکڑو، انہیں گھیرو، اور انہیں پکڑنے کے لئے ہر گھات کی جگہ تاک لگا کر بیٹھو۔(۴) ہاں اگر وہ توبہ کرلیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں تو اُن کا راستہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۵﴾ اور اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اُسے اُس وقت تک پناہ دو جب تک وہ اللہ کا کلام سن لے،(۵) پھر اُسے اُس کی امن کی جگہ پہنچا دو۔(۶)

(۳) یعنی معاہدے کی مدت پوری احتیاط کے ساتھ پوری کی جائے، اور اس میں کوئی شک باقی نہ رکھا جائے۔

(۴) یہ تیسری قسم کے مشرکین کا ذکر ہے جنہوں نے بدعہدی کی تھی۔

(۵) مشرکین کی مذکورہ بالا چاروں قسموں کو اس آیت نے اپنی اپنی مہلت کے علاوہ یہ مزید سہولت عطا فرمائی کہ اگر ان میں سے کوئی مزید مہلت مانگے، اور وہ اسلام کی دعوت پر غور کرنا چاہتا ہو تو اُسے پناہ دی جائے، اور اللہ کا کلام سنایا جائے، یعنی اسلام کی حقانیت کے دلائل سمجھائے جائیں۔

(۶) یعنی صرف اللہ کا کلام سنانے پر اِکتفا نہ کیا جائے، بلکہ اُسے ایسی امن کی جگہ فراہم کی جائے جہاں وہ اطمینان کے ساتھ کسی دباؤ کے بغیر اسلام کی حقانیت پر غور کر سکے۔

ع ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۶ ع كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ۚ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَـكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ ۝۷ كَيۡفَ وَاِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ لَا يَرۡقُبُوۡا فِيۡكُمۡ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرۡضُوۡنَكُمۡ بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَتَاۡبٰى قُلُوۡبُهُمۡ ۚ وَاَكۡثَرُهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ۝۸ ۚ

یہ اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں علم نہیں ہے ﴿۶﴾

ان مشرکین سے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کوئی معاہدہ کیسے باقی رہ سکتا ہے؟(۷) البتہ جن لوگوں سے تم نے مسجدِ حرام کے قریب معاہدہ کیا ہے، جب تک وہ تمہارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو۔(۸) بیشک اللہ متقی لوگوں کو پسند کرتا ہے ﴿۷﴾ (لیکن دوسرے مشرکین کے ساتھ) کیسے معاہدہ برقرار رہ سکتا ہے جبکہ اُن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی تم پر غالب آجائیں تو تمہارے معاملے میں نہ کسی رشتہ داری کا خیال کریں، اور نہ کسی معاہدے کا؟ یہ تمہیں اپنی زبانی باتوں سے راضی کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ اُن کے دِل انکار کرتے ہیں، اور ان میں سے اکثر لوگ نافرمان ہیں ﴿۸﴾

---

(۷) آیت نمبر ۷ سے لے کر آیت نمبر ۱۶ تک اتنی بات تو واضح ہے کہ اس میں کفارِ قریش کا ذکر ہے، اور اُن کی بدعہدی کا ذکر کیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اُن کے قول وقرار پر بھروسہ نہ کریں، اور اگر وہ بدعہدی کریں تو اُن کے ساتھ جنگ کی جائے۔ لیکن اس معاملے میں مفسرین کی آراء مختلف ہیں کہ یہ آیات کب نازل ہوئی تھیں۔ مفسرین کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ آیتیں فتحِ مکہ سے پہلے اُس وقت نازل ہوئی تھیں جب کفارِ قریش کے ساتھ مسلمانوں نے حدیبیہ میں جو معاہدہ کیا تھا، وہ باقی تھا۔ اور ان آیتوں میں یہ پیشینگوئی کی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنے معاہدے پر قائم نہیں رہیں گے، لہٰذا اگر وہ عہد شکنی کریں تو اُن کے ساتھ جنگ کرو، اور اگر وہ دوبارہ عہد کریں تو اب اُن کی باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے، کیونکہ وہ زبان سے کچھ کہتے ہیں، اور اُن کے دِل میں کچھ اور ہوتا ہے۔ اور جب تم اُن سے جنگ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرکے اُنہیں رُسوا کرے گا، اور اُن

مسلمانوں کے دِل ٹھنڈے ہوں گے جواُن کے مظالم کا شکار رہے ہیں۔اس تفسیر کے مطابق یہ آیتیں براءت کے اُس اعلان سے پہلے کی ہیں جوآیت نمبر۱ سے آیت نمبر ۶ تک بیان کیا گیا ہے،اور جو فتحِ مکہ کے ایک سال دو ماہ کے بعد سن ۹ ھ کے حج کے موقع پر کیا گیا تھا۔

مفسرین کی دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ آیتیں براءت کے اعلان سے پہلے کی نہیں ہیں، بلکہ آیت نمبر ۱ سے براءت کے اعلان کا جومضمون چلا آرہا ہے، یہ اُسی کا حصہ ہیں،اوران میں براءت کے اعلان کی وجہ بیان کی گئی ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی معاہدہ توڑ چکے ہیں،اوراب ان سے کوئی امید نہیں ہے کہ اگراُن سے کوئی نیا معاہدہ کریں تو اُس کی پابندی کریں گے، کیونکہ ان کو مسلمانوں سے جو دُشمنی ہے، اُس کی وجہ سے یہ نہ کسی رشتہ داری کا لحاظ کرتے ہیں، نہ کسی معاہدے کا۔ چونکہ فتحِ مکہ کے موقع پر اور اُس کے بعد قریش کے بہت سے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے،اوران کی کفارِ قریش کے ساتھ رشتہ داریاں تھیں، اس لئے اُن کے دِل میں قریش کے بارے میں کوئی نرم گوشہ ہوسکتا تھا۔ان آیات نے انہیں متنبہ کیا ہے کہ وہ ان لوگوں کی باتوں سے دھوکا نہ کھائیں، اور دِل میں یہ عزم رکھیں کہ اگر ان سے لڑنا پڑا تو وہ پوری قوت سے اُن کا مقابلہ کریں گے۔راقم کو یہ تفسیر متعدد دلائل کی وجہ سے زیادہ راجح معلوم ہوتی ہے۔اوّل تو اس لئے کہ آیت نمبر ۷ سے ۱۶ تک کا نظمِ قرآن ایک ہی سلسلۂ کلام نظر آتا ہے،اور آیت نمبر ۷ کے بارے میں یہ تصورنظم کے اعتبار سے مشکل لگتا ہے کہ وہ پہلی چھ آیتوں سے نزول میں بہت مقدم ہو۔دوسرے حضرت علیؓ نے اعلان کے وقت قرآنِ کریم کی جو آیات لوگوں کو سنائیں، اُن کی تعداد روایات میں کم سے کم دس اور زیادہ سے زیادہ چالیس آئی ہے۔(دیکھئے الدرالمنثور ج:۴ ص:۱۱۲ ونظم الدرر للبقاعی ج:۸ ص:۳۶۶) اور نسائی (کتاب الحج،باب الخطبۃ یوم الترویۃ حدیث نمبر ۲۹۹۳) کی ایک روایت میں جو یہ آیا ہے کہ ’’انہوں نے اُسے ختم تک پڑھا، اُس کا مطلب یہ ہے کہ جتنی آیات دے کر انہیں بھیجا گیا تھا،اُن کے ختم تک پڑھا‘‘۔تیسرے حافظ ابنِ جریر طبری،علامہ سیوطی،علامہ بقاعی، قاضی ابوالسعود اور بڑے جلیل القدر محدثین اور مفسرین نے ان آیات کو براءت ہی کا ایک حصہ اور اُس کی توجیہ وتعلیل قرار دیا ہے۔

(۸) اس سے مراد مشرکین کی وہ چوتھی قسم ہے جس کا ذکر اُوپر حاشیہ نمبر ۱ (د) میں آیا ہے۔ان کو ان کے معاہدے کی مدت پوری ہونے تک مہلت دی گئی تھی،اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدت میں اُس وقت نو مہینے باقی تھے۔اور مطلب یہ ہے کہ اس مدت کے دوران اگر وہ سیدھے چلتے رہیں توتم بھی اُن کے ساتھ سیدھے چلو۔اور اگر وہ بھی عہد شکنی کریں تو پھر اس مدت کے انتظار کی بھی ضرورت نہیں ہے (تفسیر ابن جریر ج:۱۰ ص:۸۲)۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝۱۲

انہوں نے اللہ کی آیتوں کے بدلے (دُنیا کی) تھوڑی سی قیمت لے لینا پسند کرلیا ہے،(۹) اور اس کے نتیجے میں لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے کرتوت بہت بُرے ہیں ﴿۹﴾ یہ کسی بھی مؤمن کے معاملے میں کسی رشتہ داری یا معاہدے کا پاس نہیں کرتے، اور یہی ہیں جو حدیں توڑنے والے ہیں ﴿۱۰﴾ لہٰذا اگر یہ توبہ کرلیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، تو یہ تمہارے دِینی بھائی بن جائیں گے۔(۱۰) اور ہم اَحکام کی یہ تفصیل اُن لوگوں کے لئے بیان کررہے ہیں جو جاننا چاہیں ﴿۱۱﴾ اور اگر ان لوگوں نے اپنا عہد دے دینے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالی ہوں، اور تمہارے دِین کو طعنے دیئے ہوں، تو ایسے کفر کے سربراہوں سے اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں،(۱۱) کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی قسموں کی کوئی حقیقت نہیں ﴿۱۲﴾

---

(۹) یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے کے بجائے دُنیا کے حقیر فوائد حاصل کرنے کو ترجیح دی ہے۔

(۱۰) یہاں یہ واضح کردیا گیا کہ اگر کوئی شخص سچے دِل سے توبہ کرلے تو مسلمانوں کو چاہئے کہ اُس سے بھائیوں کا سا سلوک کریں، اور جو تکلیفیں اُس نے اسلام لانے سے پہلے پہنچائی ہیں، اُن کو بھلا دیں، کیونکہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام گناہوں اور زیادتیوں کو مٹا دیتا ہے۔

(۱۱) پچھلی آیت کی روشنی میں قسمیں توڑنے سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد مرتد ہوجائیں، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بعض قبائل مرتد ہوئے، اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اُن سے جہاد کیا، اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جن لوگوں سے تمہارا معاہدہ تھا، اور وہ پہلے ہی عہد توڑ چکے، یا

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

کیا تم اُن لوگوں سے جنگ نہیں کرو گے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑا، اور رسول کو (وطن سے) نکالنے کا ارادہ کیا، اور وہی ہیں جنہوں نے تمہارے خلاف (چھیڑ چھاڑ کرنے میں) پہل کی؟[۱۲] کیا تم اُن سے ڈرتے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو اللہ اس بات کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تم اُس سے ڈرو، اگر تم مؤمن ہو ﴿۱۳﴾ ان سے جنگ کرو، تاکہ اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دِلوائے، اُنہیں رُسوا کرے، اُن کے خلاف تمہاری مدد کرے، اور مؤمنوں کے دِل ٹھنڈے کردے، ﴿۱۴﴾ اور اُن کے دِل کی کڑھن دُور کردے، اور جس کی چاہے توبہ قبول کرلے۔[۱۳] اور اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۱۵﴾

جن سے معاہدہ نو مہینے تک باقی ہے، وہ اس دوران معاہدہ توڑیں، اُن سے جہاد کرو۔ اور یہ جو فرمایا گیا ہے کہ: ''اس نیت سے جنگ کرو کہ وہ باز آجائیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری طرف سے جنگ کا مقصد ملک گیری کے بجائے یہ ہونا چاہئے کہ تمہارا دُشمن اپنے کفر اور ظلم سے باز آجائے۔

(۱۲) اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے مکہ مکرمہ میں ظلم شروع کیا، اور یہ بھی کہ انہوں نے صلحِ حدیبیہ کو توڑنے میں پہل کی۔

(۱۳) یعنی اس کا بھی امکان ہے کہ کفار توبہ کرکے مسلمان ہوجائیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ اس کے بعد واقعی مسلمان ہوئے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

بھلا کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمہیں یونہی چھوڑ دیا جائے گا، حالانکہ ابھی اللہ نے یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں سے کون لوگ جہاد کرتے ہیں، اور اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی اور کو خصوصی راز دار نہیں بناتے؟ (۱۴) اور تم جو کچھ کرتے ہو، اللہ اُس سے پوری طرح باخبر ہے ﴿۱۶﴾ مشرکین اس بات کے اہل نہیں ہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں، (۱۵) حالانکہ وہ خود اپنے کفر کے گواہ بنے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کے تو اعمال ہی غارت ہو چکے ہیں، اور دوزخ ہی میں اُن کو ہمیشہ رہنا ہے ﴿۱۷﴾

(۱۴) بظاہر اس کا اشارہ اُن حضرات کی طرف ہے جو فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے، اور ابھی تک ان کو کسی جہاد میں شرکت کا موقع نہیں ملا تھا۔ ورنہ دوسرے صحابہؓ تو فتحِ مکہ سے پہلے بہت سی جنگوں میں حصہ لے چکے تھے۔ ان نومسلموں سے کہا جارہا ہے کہ اُن کو بھی جہاد کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگرچہ اعلانِ براءت کے بعد کسی بڑی جنگ کی نوبت نہیں آئی، لیکن ان حضرات کو پوری قوت سے تیار رہنے کی تاکید اس لئے کی گئی ہے کہ وہ اپنی رشتہ داریوں کی وجہ سے کہیں اس اعلانِ براءت کے تمام تقاضوں پر عمل کرنے سے ہچکچانے نہ لگیں، اسی لئے جہاد کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا گیا کہ وہ اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے سوا کسی سے دوستی یا راز داری کا خصوصی تعلق نہ رکھیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۱۵) مشرکینِ مکہ اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ وہ مسجدِ حرام کے پاسبان ہیں، اُس کی خدمت، دیکھ بھال اور تعمیر جیسے نیک کام انجام دیتے ہیں، اس لئے اُن کو مسلمانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس آیت نے ان کے اس زعمِ باطل کی تردید فرمائی ہے، اور وہ اس طرح کہ مسجدِ حرام یا کسی بھی مسجد کی خدمت یقیناً بڑی عبادت ہے، بشرطیکہ وہ ایمان کے ساتھ ہو، کیونکہ مسجد کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اگر یہ بنیادی مقصد ہی مفقود ہو تو مسجد کی خدمت کا کیا فائدہ؟ لہٰذا کفر و شرک کے ساتھ کوئی

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۲۰﴾

وقف لازم

اللہ کی مسجدوں کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لائے ہوں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ ادا کریں، اور اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈریں۔ ایسے ہی لوگوں سے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ وہ صحیح راستہ اختیار کرنے والوں میں شامل ہوں گے ﴿۱۸﴾ کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجدِ حرام کے آباد رکھنے کو اُس شخص کے (اعمال کے) برابر سمجھ رکھا ہے جو اللہ اور یومِ آخرت پر اِیمان لایا ہے، اور جس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا ہے۔(۱٦) اللہ کے نزدیک یہ سب برابر نہیں ہوسکتے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو منزلِ مقصود تک نہیں پہنچاتا ﴿۱۹﴾ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں، اور انہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی ہے، اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے، وہ اللہ کے نزدیک درجے میں کہیں زیادہ ہیں، اور وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں ﴿۲۰﴾

بھی شخص مسجد کا پاسبان بننے کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ آگے آیت نمبر ۲۸ میں مشرکین کو یہ حکم سنادیا گیا ہے کہ اب وہ ان کاموں کے لئے مسجدِ حرام کے قریب بھی نہیں آسکیں گے۔

(۱٦) اس آیتِ کریمہ نے یہ اُصول بھی بتادیا ہے کہ تمام نیک کام ایک درجے کے نہیں ہوتے، اگر کوئی شخص فرائض تو ادا نہ کرے، اور نفلی عبادتوں میں لگا رہے تو یہ کوئی نیکی نہیں ہے۔ حاجیوں کو پانی پلانا بیشک ایک نیک کام ہے، مگر وہ نفلی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مسجدِ حرام کی دیکھ بھال بھی بعض حیثیتوں سے فرضِ کفایہ، اور بعض حیثیتوں سے

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿۲۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۲﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ

اُن کا پروردگار انہیں اپنی طرف سے رحمت اور خوشنودی کی، اور ایسے باغات کی خوشخبری دیتا ہے جن میں اُن کے لئے دائمی نعمتیں ہیں ﴿۲۱﴾ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یقیناً اللہ ہی ہے جس کے پاس عظمت والا اجر موجود ہے ﴿۲۲﴾ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ بھائی کفر کو ایمان کے مقابلے میں ترجیح دیں تو اُن کو اپنا سرپرست نہ بناؤ،(۱۷) اور جو لوگ اُن کو سرپرست بنائیں گے، وہ ظالم ہوں گے ﴿۲۳﴾ (اے پیغمبر! مسلمانوں سے) کہہ دو کہ: ''اگر تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، اور تمہارا خاندان، اور وہ مال و دولت جو تم نے کمایا ہے، اور وہ کاروبار جس کے مندا ہونے کا تمہیں اندیشہ ہے، اور وہ رہائشی مکان جو تمہیں پسند ہیں، تمہیں اللہ اور اُس کے رسول سے، اور اُس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں،

نفلی عبادت ہے۔ اس کے مقابلے میں ایمان انسان کی نجات کے لئے بنیادی شرط ہے، اور جہاد کبھی فرضِ عین اور کبھی فرضِ کفایہ۔ لہٰذا کسی کو صرف ان خدمات کی وجہ سے کسی مؤمن پر فوقیت حاصل نہیں ہوسکتی۔

(۱۷) اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن سے ایسے تعلقات نہ رکھو جو تمہارے لئے دینی فرائض کی ادائیگی میں رُکاوٹ بن جائیں۔ جہاں تک اپنے ایمان اور دینی فرائض کا تحفظ کرتے ہوئے اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کا تعلق ہے، اُس کو قرآنِ کریم نے مستحسن قرار دیا ہے (دیکھئے سورۂ لقمان، ۳۱:۱۵، اور سورۂ ممتحنہ ۶۰:۸)۔

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ صادر فرمادے،[(۱۸)] اور اللہ نافرمان لوگوں کو منزل تک نہیں پہنچاتا ﴿۲۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات پر مدد کی ہے، اور (خاص طور پر) حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کردیا تھا،[(۱۹)] مگر وہ کثرتِ تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، پھر تم نے پیٹھ دِکھا کر میدان سے رُخ موڑلیا ﴿۲۵﴾

(۱۸) فیصلے سے مراد سزا کا فیصلہ ہے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا ہے کہ ماں باپ، بھائی بہن، بیوی بچے، مال و دولت، گھر جائیداد، تجارت اور کاروبار، ہر چیز اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، لیکن اُسی وقت جب وہ اللہ تعالیٰ کے اَحکام بجا لانے میں رُکاوٹ نہ بنے۔ اگر رُکاوٹ بن جائے تو یہی چیزیں انسان کے لئے عذاب بن جاتی ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ۔

(۱۹) حنین کی جنگ کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ فتح کرلیا تو آپ کو یہ اطلاع ملی کہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ بنو ہوازن اپنے سردار مالک بن عوف کی سرکردگی میں آپ پر حملہ کرنے کے لئے ایک بڑا لشکر جمع کررہا ہے۔ ہوازن ایک بڑا قبیلہ تھا جس کی کئی شاخیں تھیں، اور طائف کا قبیلہ ثقیف بھی اسی کا ایک حصہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاسوس بھیج کر خبر کی تصدیق فرمائی، اور معلوم ہوا کہ خبر صحیح ہے، اور وہ لوگ بڑے جوش وخروش سے تیاری میں مصروف ہیں۔ ہوازن کے لوگوں کی تعداد حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق چوبیس ہزار سے اٹھائیس ہزار تک تھی، چنانچہ آپ چودہ ہزار صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے، اور یہ جنگ حنین کے مقام پر لڑی گئی، جو مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان مکہ مکرمہ سے تقریباً دس میل کے فاصلے پر واقع ایک وادی کا نام ہے۔ چونکہ مسلمانوں کی تعداد اس موقع پر چودہ ہزار تھی، جبکہ اس سے پہلے اتنی بڑی تعداد کسی باقاعدہ جنگ میں نہیں ہوئی تھی، اور ہمیشہ مسلمان اپنی کم تعداد کے باوجود فتح پاتے آئے تھے، اس لئے بعض مسلمانوں کے منہ سے یہ نکل گیا کہ آج تو ہماری تعداد اتنی زیادہ ہے کہ ہم کسی سے

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مؤمنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی،[۲۰] اور ایسے لشکر اُتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا، اللہ نے اُن کو سزا دی، اور ایسے کافروں کا یہی بدلہ ہے ﴿۲۶﴾ پھر اللہ جس کو چاہے اس کے بعد توبہ نصیب کردے،[۲۱] اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۲۷﴾

مغلوب ہو ہی نہیں سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے بجائے اپنی تعداد پر اتنا بھروسہ کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس وقت مسلمان ایک تنگ گھاٹی سے گذر رہے تھے، ہوازن کے تیر اندازوں نے اچانک اُن پر اس زور کا حملہ کیا کہ بہت سے مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے، اور وہ میدانِ جنگ سے پیچھے ہٹ گئے۔ اس موقع پر حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند جانباز صحابہ کے ساتھ ثابت قدم رہے، اور آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ پیچھے ہٹنے والوں کو آواز دے کر بلائیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت تیز تھی، وہ ایک بجلی کی طرح مسلمانوں کے لشکر میں پھیل گئی، اور جو لوگ میدان چھوڑ چکے تھے، وہ نئے ولولے کے ساتھ واپس آئے، اور کچھ ہی دیر میں جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ ہوازن کے ستر سردار مارے گئے، مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کو چھوڑ کر فرار ہوا، اور طائف کے قلعے میں جا کر پناہ لی۔ چھ ہزار افراد جنگی قیدی بنائے گئے، اور بڑی تعداد میں مویشی اور چار ہزار اوقیہ چاندی مالِ غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔

(۲۰) یہ اُس وقت کا ذکر ہے جب میدان چھوڑنے والے مسلمان حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر واپس آئے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِلوں میں ایسی تسکین پیدا فرمادی کہ اُن پر دُشمن کا جو رُعب وقتی طور پر چھا گیا تھا، وہ دُور ہو گیا۔

(۲۱) اس آیت میں اشارہ فرمادیا گیا کہ ہوازن کے جو لوگ بڑے جوش وخروش کے ساتھ لڑنے کے لئے آئے تھے، اُن میں سے بہت سے لوگوں کو اِیمان اور توبہ کی توفیق ہو جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور ہوازن اور ثقیف کے لوگوں کی بہت بڑی تعداد بعد میں مسلمان ہوئی۔ خود مالک بن عوف جو ہوازن کے سب سے بڑے سردار تھے، مسلمان ہوئے، اور اسلام کے بڑے علم برداروں میں اُن کا شمار ہوا۔ آج اُنہیں حضرت مالک بن عوف رضی اللہ عنہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ۚ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ إِنْ شَاءَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٨﴾

اے ایمان والو! مشرک لوگ تو سراپا ناپاک ہیں،(۲۲) لہٰذا وہ اس سال کے بعد مسجدِ حرام کے قریب بھی نہ آنے پائیں۔(۲۳) اور (مسلمانو!) اگر تم کو مفلسی کا اندیشہ ہو تو اگر اللہ چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل سے (مشرکین سے) بے نیاز کردے گا۔(۲۴) بیشک اللہ کا علم بھی کامل ہے، حکمت بھی کامل ﴿۲۸﴾

(۲۲) اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ اُن کے جسم بذاتِ خود ناپاک ہیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اُن کے عقائد ناپاک ہیں جو اُن کے وجود میں سرایت کرچکے ہیں۔

(۲۳) یہ اعلانِ براءت کا تکملہ ہے۔ اور اس کے ذریعے مشرکین کو مسجدِ حرام کے قریب آنے سے منع فرمادیا گیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا ہے کہ مشرکین کو اگلے سال سے حج کرنے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ اس آیتِ کریمہ کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے جو اعلان کروایا اُس کے الفاظ یہ تھے کہ: "لا یحجنّ بعد هذا العام مشرك" یعنی اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرسکے گا (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ براءۃ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''مسجدِ حرام کے قریب نہ آنے'' کے معنی یہ ہیں کہ وہ حج نہ کریں، اور یہ ایسا ہی ہے جیسے مردوں سے کہا گیا ہے کہ وہ حیض کی حالت میں عورتوں کے قریب بھی نہ جائیں، اور مراد یہ ہے کہ اُن سے جماع نہ کریں، چنانچہ اُن کے قریب جانا ممنوع نہیں ہے۔ اسی طرح کفار حج تو نہیں کرسکتے، لیکن کسی اور ضرورت سے مسجدِ حرام یا کسی اور مسجد میں اُن کا داخلہ بالکلیہ ممنوع نہیں ہے، کیونکہ کئی مواقع پر یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کو مسجدِ نبوی میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ البتہ امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کی رُو سے مسجدِ حرام بلکہ پوری حدودِ حرم میں کفار کا داخلہ ممنوع ہے۔ بلکہ امام مالکؒ کے نزدیک دوسری کسی مسجد میں بھی کسی کافر کا داخلہ جائز نہیں ہے۔

(۲۴) غیر مسلموں کو حج سے منع کرنے کا ایک نتیجہ ظاہری طور پر یہ ہوسکتا تھا کہ مکہ مکرمہ کی تجارت اور معیشت پر بُرا اثر پڑے، کیونکہ مکہ مکرمہ میں اپنی تو کوئی پیداوار نہیں تھی، باہر سے آنے والوں پر ہی اس کی تجارت کا دارومدار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس اندیشے کو دُور کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی احتیاج اپنے فضل سے دُور فرمائے گا۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿٢٩﴾ ع ٥ ١٠

وہ اہلِ کتاب[۲۵] جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ یومِ آخرت پر،[۲۶] اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے، اور نہ دینِ حق کو اپنا دین مانتے ہیں، اُن سے جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ خوار ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔[۲۷] ﴿۲۹﴾

(۲۵) اس سے اُوپر کی اٹھائیس آیات عرب کے بت پرستوں کے بارے میں تھیں، اور یہاں سے وہ آیات شروع ہورہی ہیں جو غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہیں (الدر المنثور بحوالہ مجاہد ج: ۴ ص: ۱۵۳)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیتیں اُوپر کی اٹھائیس آیتوں سے پہلے نازل ہوئی تھیں، کیونکہ غزوۂ تبوک اعلانِ براءت سے پہلے پیش آیا ہے، اور اس کا واقعہ اِن شاء اللہ آگے قدرے تفصیل کے ساتھ آئے گا۔ چونکہ یہ غزوہ رُوم کی سلطنت کے خلاف ہوا تھا، اور اُن میں اکثریت عیسائیوں کی تھی، اور یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد رُومی سلطنت کے ماتحت زندگی گذار رہی تھی، اور دونوں کو قرآنِ کریم نے ''اہلِ کتاب'' کا نام دیا ہے، اس لئے ان سے جنگ کرنے کا حکم دینے کے ساتھ اُن کے عقائد اور اعمال کی کچھ خرابیاں ان آیات میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اگرچہ ان آیات کا نزول شروع کی اٹھائیس آیتوں سے پہلے ہوا تھا، مگر ان کو موجودہ ترتیب میں ان اٹھائیس آیتوں کے بعد رکھا گیا ہے۔ شاید اس میں یہ اشارہ ہے کہ جزیرۂ عرب کے بت پرستی سے پاک ہونے کے بعد مسلمانوں کو باہر کے اہلِ کتاب سے سابقہ پیش آنے والا ہے، نیز بت پرستوں کے لئے تو جزیرۂ عرب میں مستقل رہائش ممنوع کردی گئی تھی، لیکن اہلِ کتاب کے لئے یہ گنجائش رکھی گئی تھی کہ وہ اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کی حیثیت میں جزیہ ادا کرکے رہ سکتے ہیں۔ یہ رعایت آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی حیاتِ طیبہ میں تو برقرار رہی، لیکن آپ نے وفات سے پہلے یہ وصیت فرمائی تھی کہ یہود اور نصاریٰ کو جزیرۂ عرب سے نکال دو (صحیح بخاری، کتاب الجہاد، حدیث نمبر ۳۰۵۳)۔ چنانچہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وصیت پر عمل فرمایا۔ لیکن یہ حکم صرف جزیرۂ عرب کے ساتھ مخصوص تھا۔ جزیرۂ عرب کے باہر جہاں کہیں اسلامی حکومت قائم ہو، وہاں اب بھی نہ صرف اہلِ کتاب، بلکہ دوسرے تمام غیر مسلم اسلامی ریاست کے شہری کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں، جہاں انہیں اپنے مذہب پر عمل کی آزادی ہے، بشرطیکہ وہ ملکی قوانین کی پابندی کریں۔ یہاں اگرچہ ذکر صرف اہلِ کتاب کا ہے، لیکن جو وجہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دِینِ حق کو اپنا دِین نہیں بناتے، وہ چونکہ تمام غیر مسلموں میں پائی جاتی ہے، اس لئے جزیرۂ عرب سے باہر یہ حکم باجماعِ اُمت تمام غیر مسلموں کو شامل ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

(۲۶) بظاہر تو اہلِ کتاب اللہ پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے تھے، لیکن چونکہ انہوں نے اس ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سے غلط عقائد گھڑ رکھے تھے، جن میں سے بعض کا بیان اگلی آیت میں آرہا ہے، اس لئے اُن کا یہ ایمان کالعدم قرار دے کر یہ فرمایا گیا کہ وہ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے۔

(۲۷) ''جزیہ'' ایک ٹیکس ہے جو مسلمان ریاست کے اُن غیر مسلم شہریوں سے لیا جاتا ہے جو لڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، چنانچہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور تارک الدنیا مذہبی پیشواؤں سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ یہ درحقیقت اُن کے پُرامن طریقے سے اسلامی ریاست میں رہنے اور اسلامی ریاست کے دِفاع میں شریک نہ ہونے کا ٹیکس ہے جس کے عوض اسلامی حکومت اُن کی جان و مال کی ذمہ داری لیتی ہے (روح المعانی)۔ اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ غیر مسلموں سے مسلمانوں کی طرح زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی، لیکن وہ ریاست کے تمام شہری حقوق میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اس لئے بھی اُن پر یہ خاص نوعیت کا ٹیکس عائد کیا گیا ہے۔ اور اَحادیث میں مسلمان حکمرانوں کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ غیر مسلم باشندوں کے حقوق کا پورا خیال رکھیں، اور اُن پر اتنا ٹیکس عائد نہ کریں جو اُن کی طاقت سے زیادہ ہو۔ چنانچہ اسلامی تاریخ کے تقریباً ہر دور میں جزیہ کی شرح بہت معمولی رہی ہے۔ اور آیتِ کریمہ میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ: ''وہ خوار ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں'' اس کی تفسیر اِمام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ منقول ہے کہ وہ اسلامی ریاست کے قوانین کے تابع ہو کر رہنا منظور کرلیں (روح المعانی ج:۱۰ ص:۳۷۹)۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝۳۰ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳۱

یہودی تو یہ کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں،[۲۸] اور نصرانی یہ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔ یہ سب اُن کی منہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں۔ یہ اُن لوگوں کی سی باتیں کر رہے ہیں جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہیں۔[۲۹] اللہ کی مار ہو اِن پر! یہ کہاں اوندھے بہکے جا رہے ہیں؟ ﴿۳۰﴾ انہوں نے اللہ کے بجائے اپنے اَحبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنا لیا ہے،[۳۰] اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ اُن کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ اُن کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔ ﴿۳۱﴾

(۲۸) حضرت عزیر علیہ السلام ایک جلیل القدر پیغمبر تھے، (ان کو بائبل میں عزرا کے نام سے یاد کیا گیا ہے، اور ایک پوری کتاب اُن کے نام سے منسوب ہے)۔ اور جب بخت نصر کے حملے میں تورات کے نسخے ناپید ہو گئے تھے تو انہوں نے اُسے اپنی یادداشت سے دوبارہ لکھوایا تھا، اور شاید اسی وجہ سے بعض یہودی انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننے لگے تھے۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اُن کو بیٹا ماننے کا عقیدہ سب یہودیوں کا نہیں ہے، بلکہ بعض یہودیوں کا ہے جو عرب میں بھی آباد تھے۔

(۲۹) اس سے مراد غالباً عرب کے مشرکین ہیں جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔

(۳۰) ان کو خدا بنانے کا جو مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے علماء کو یہ اختیارات دے رکھے ہیں کہ وہ جس چیز کو چاہیں، حلال اور جس چیز کو چاہیں، حرام قرار دے دیں۔ واضح رہے کہ عام لوگ جو کسی آسمانی کتاب کا براہِ راست علم نہیں رکھتے، اُن کو شریعت کا حکم معلوم کرنے کے لئے علماء سے رُجوع تو کرنا ہی پڑتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے شارح کی حیثیت میں اُن کی بات ماننی بھی پڑتی ہے۔ اس کا حکم خود قرآنِ کریم نے سورۂ نحل (۱۶: ۴۳) اور سورۂ انبیاء (۲۱: ۷) میں دیا ہے۔ اس

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۳۲﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۴﴾

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھادیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بُری لگے ﴿۳۲﴾ وہ اللہ ہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دِین دے کر بھیجا ہے، تاکہ اُسے ہر دوسرے دِین پر غالب کردے، چاہے مشرک لوگوں کو یہ بات کتنی ناپسند ہو۔ ﴿۳۳﴾ اے ایمان والو! (یہودی) اَحبار اور (عیسائی) راہبوں میں سے بہت سے ایسے ہیں کہ لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں، اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔(۳۱) اور جو لوگ سونے چاندی کو جمع کرکر کے رکھتے ہیں، اور اُس کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُن کو ایک دردناک عذاب کی "خوشخبری" سنادو۔(۳۲) ﴿۳۴﴾

حد تک تو کوئی بات قابلِ اعتراض نہیں۔ لیکن یہود و نصاریٰ نے اس سے آگے بڑھ کر اپنے علماء کو بذاتِ خود اَحکام وضع کرنے کا اختیار دے رکھا تھا کہ وہ آسمانی کتاب کی تشریح کے طور پر نہیں، بلکہ اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہیں، حلال اور جس چیز کو چاہیں، حرام قرار دے دیں، خواہ اُن کا یہ حکم اللہ کی کتاب کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔

(۳۱) لوگوں کا مال ناحق طریقے سے کھانے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، لیکن ان علماء کے حوالے سے خاص طور پر جو بات کہی جارہی ہے، وہ یہ ہے کہ یہ لوگ رشوت لے کر لوگوں کی مرضی کے مطابق شریعت کو توڑ موڑ ڈالتے ہیں، اور اس طرح اللہ کے مقرر کیے ہوئے صحیح راستے سے لوگوں کو روک دیتے ہیں۔

(۳۲) اگرچہ یہ آیت براہِ راست اُن اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بخل کی وجہ سے مال جمع

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ۬ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اُس سے ان لوگوں کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی، (اور کہا جائے گا کہ:) ''یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا! اب چکھو اُس خزانے کا مزہ جو تم جوڑ جوڑ کر رکھا کرتے تھے۔'' ﴿۳۵﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہے،(۳۳) جو اللہ کی کتاب (یعنی لوحِ محفوظ) کے مطابق اُس دن سے نافذ چلی آتی ہے جس دن اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان (بارہ مہینوں) میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ یہی دِین (کا) سیدھا سادہ (تقاضا) ہے، لہٰذا ان مہینوں کے معاملے میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو،(۳۴) اور تم سب مل کر مشرکوں سے اُسی طرح لڑو جیسے وہ سب تم سے لڑتے ہیں، اور یقین رکھو کہ اللہ متقی لوگوں کے ساتھ ہے ﴿۳۶﴾

کرتے رہتے تھے، اور اُس کے شرعی حقوق ادا نہیں کرتے تھے، لیکن آیت کے الفاظ عام ہیں، اور ان کا اطلاق اُن مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے جو مال و دولت اِکٹھا کرتے چلے جائیں، اور وہ حقوق ٹھیک ٹھیک ادا نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے اُن کے مال پر عائد کئے ہیں جن میں سب سے اہم زکوٰۃ کی ادائیگی ہے۔

(۳۳) سورت کے شروع میں جو اِعلانِ براءت کیا گیا ہے، اُس میں بت پرستوں کی ایک قسم کو حرمت والے

مہینے ختم ہونے تک مہلت دی گئی تھی، اس مناسبت سے عرب کے بت پرستوں کی ایک نامعقول رسم کی تردید ضروری تھی جو آیت نمبر ۳۶ اور ۳۷ میں کی گئی ہے۔ اس رسم کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے چاند کے چار مہینوں کو حرمت والے مہینے سمجھا جاتا تھا۔ ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب۔ ان چار مہینوں میں جنگ کی ممانعت تھی۔ عرب کے بت پرستوں نے اگرچہ بت پرستی شروع کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دِین کو بہت کچھ بدل ڈالا تھا، لیکن ان مہینوں کی حرمت کو سب تسلیم کرتے تھے، اور ان میں جنگ کو ناجائز سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ ممانعت ان کو مشکل معلوم ہونے لگی، اس لئے کہ ذوالقعدہ سے محرم تک تین متواتر مہینوں میں لڑائی بند رکھنا اُن کے لئے دُشوار تھا، چنانچہ اس مشکل کا حل انہوں نے یہ نکالا تھا کہ وہ کسی سال میں کہہ دیتے تھے کہ اس مرتبہ صفر کا مہینہ محرم سے پہلے آئے گا، یا محرم کے بجائے صفر کے مہینے کو حرمت والا مہینہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ اس طرح وہ محرم کے مہینے میں لڑائی کو جائز قرار دے لیتے تھے۔ اس کے علاوہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حج چونکہ مختلف موسموں میں آتا تھا، اس لئے بعض مرتبہ وہ موسم ان کی تجارت کے لئے سازگار نہیں ہوتا تھا تو وہ حج ذوالحجہ کے بجائے کسی اور مہینے میں کر لیتے تھے، اور اُس کے لئے انہوں نے کبیسہ کا ایک حساب بھی گھڑ لیا تھا جس کی تفصیل اِمام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائی ہے، اور حافظ ابنِ جریرؒ کی بعض روایات سے بھی ان کی تائید ہوتی ہے۔ مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کی اس رسم کو نسیئ کہا جاتا تھا جس کا ذکر آیت نمبر ۳۷ میں آرہا ہے۔

(۳۴) یعنی اللہ تعالیٰ نے مہینوں کی جو ترتیب مقرر فرمائی ہے، اُس میں ردّ و بدل کر کے مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ جس مہینے میں لڑائی حرام تھی، اُس میں اُسے حلال کر لیا گیا جو ایک بڑا گناہ ہے، اور گناہ کا ارتکاب کرنے والا خود اپنی جان پر ظلم کرتا ہے، کیونکہ اُس کا برا انجام اُس کی جان ہی کو بھگتنا پڑے گا۔ ساتھ ہی اس جملے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ ان حرمت والے مہینوں میں اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عبادت کرنی چاہئے، اور ان مہینوں میں گناہوں سے بچنے کی فکر اور دنوں سے زیادہ کرنی چاہئے۔

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۷﴾ ع ۸ / ۱۱ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِیْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِیْتُمْ بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِیْلٌ ﴿۳۸﴾

اور یہ نسیئ (یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کردینا) تو کفر میں ایک مزید اضافہ ہے جس کے ذریعے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ اس عمل کو ایک سال حلال کرلیتے ہیں، اور ایک سال حرام قرار دے دیتے ہیں، تاکہ اللہ نے جو مہینے حرام کئے ہیں، اُن کی بس گنتی پوری کرلیں، اور (اس طرح) جو بات اللہ نے حرام قرار دی تھی، اُسے حلال سمجھ لیں۔(۳۵) ان کی بدعملی ان کی نگاہ میں خوشنما بنادی گئی ہے، اور اللہ ایسے کافر لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۳۷﴾ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ جب تم سے کہا گیا کہ اللہ کے راستے میں (جہاد کے لئے) کوچ کرو تو تم بوجھل ہوکر زمین سے لگ گئے؟(۳۶) کیا تم آخرت کے مقابلے میں دُنیوی زندگی پر راضی ہوچکے ہو؟ (اگر ایسا ہے) تو (یاد رکھو کہ) دُنیوی زندگی کا مزہ آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، مگر بہت تھوڑا ﴿۳۸﴾

---

(۳۵) یعنی مہینوں کو آگے پیچھے کرکے انہوں نے چار مہینے کی گنتی تو پوری کردی، لیکن ترتیب بدلنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس مہینے میں واقعۃً اللہ تعالیٰ نے لڑائی حرام قرار دی تھی، اُس میں انہوں نے لڑائی کو حلال کرلیا۔

(۳۶) یہاں سے غزوۂ تبوک کے مختلف پہلوؤں کا بیان شروع ہورہا ہے جو اس سورت کے تقریباً آخر تک چلا گیا ہے۔ اس غزوے کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین کے سفر سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائے تو کچھ عرصہ بعد شام سے آنے والے کچھ سوداگروں نے مسلمانوں کو بتایا کہ رُومی سلطنت کا بادشاہ ہرقل مدینہ منورہ پر ایک زوردار حملہ کرنے کی تیاریاں کررہا ہے، جس کے لئے اُس نے ایک بڑا

لشکر شام اور عرب کی سرحد پر جمع کرلیا ہے، اور اپنے فوجیوں کو سال بھر کی تنخواہ پیشگی دے دی ہے۔ صحابۂ کرامؓ اگرچہ اب تک بہت سی جنگیں لڑ چکے تھے، مگر وہ سب جزیرۂ عرب کے اندر تھیں، یہ پہلا موقع تھا کہ دُنیا کی مانی ہوئی ایک بڑی طاقت سے مقابلہ پیش آ رہا تھا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ ہرقل کے حملے کا انتظار کئے بغیر خود پیش قدمی کی جائے، اور خود وہاں پہنچ کر مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے مدینہ منورہ کے تمام مسلمانوں کو اس جنگ میں شریک ہونے کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ مسلمانوں کے لئے یہ بہت بڑی آزمائش تھی۔ اوّل تو دس سال کی متواتر جنگوں کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ فتحِ مکہ کے بعد سکون کے کچھ لمحات میسر آئے تھے۔ دوسرے جس وقت اس جنگ کے لئے روانہ ہونا تھا، وہ ایسا وقت تھا کہ مدینہ منورہ کے نخلستانوں میں کھجوریں پک رہی تھیں۔ انہی کھجوروں پر اہلِ مدینہ کی سال بھر کی معیشت کا دارومدار تھا، ایسی حالت میں باغات کو چھوڑ کر جانا نہایت مشکل تھا۔ تیسرے یہ عرب میں گرمی کا سخت ترین موسم تھا جس میں آسمان سے آگ برستی اور زمین سے شعلے نکلتے محسوس ہوتے ہیں۔ چوتھے تبوک کا سفر بہت لمبا تھا، اور تقریباً آٹھ سو میل کا یہ پورا راستہ لق و دق صحراؤں پر مشتمل تھا۔ پانچویں سفر کے لئے سواریاں کم تھیں۔ چھٹے اس سفر کا مقصد رُومی سلطنت سے ٹکر لینا تھا جو اُس وقت نہ صرف یہ کہ دُنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی، بلکہ اُس کے طریقِ جنگ سے بھی اہلِ عرب پوری طرح مانوس نہیں تھے۔ غرض ہر اعتبار سے یہ انتہائی مشقت، جان و مال اور جذبات کی قربانی کا جہاد تھا جس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار صحابۂ کرامؓ کے لشکر کے ساتھ تبوک روانہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہرقل اور اُس کے لشکر پر آپ کی اس جرأت مندانہ پیش قدمی کا ایسا رُعب طاری فرمادیا کہ وہ سب واپس چلے گئے، اور مقابلے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ مذکورہ بالا مشکل حالات کے باوجود صحابۂ کرامؓ کی بھاری اکثریت ماتھے پر بل لائے بغیر جاں نثاری کے جذبے سے اس مہم میں شریک ہوئی۔ البتہ کچھ صحابہ ایسے بھی تھے جنہیں یہ سفر بھاری معلوم ہوا، اور شروع میں انہیں کچھ تردد رہا، لیکن آخر کار وہ لشکر میں شامل ہوگئے۔ اور چند ایسے بھی تھے جو اس تردد کی وجہ سے آخر تک فیصلہ نہ کرسکے، اور سفر میں شرکت سے محروم رہے۔ دوسری طرف وہ منافقین تھے جو ظاہری طور پر تو مسلمان ہوگئے تھے، لیکن اندر سے مسلمان نہیں تھے۔ ایسی سخت مہم میں مسلمانوں کا ساتھ دینا اُن کے لئے ممکن ہی نہیں تھا، اس لئے وہ مختلف حیلوں بہانوں سے مدینہ منورہ میں رُک گئے، اور ساتھ نہیں گئے۔ اس سورت کی آنے والی آیات میں ان سب قسم کے لوگوں کا ذکر آیا ہے، اور اُن کے طرزِ عمل پر تبصرہ فرمایا گیا ہے۔ آیت نمبر ۳۸ میں جن لوگوں کو ملامت کی گئی ہے، اُن سے مراد منافقین بھی ہوسکتے ہیں۔ اس صورت میں "اے لوگو! جو ایمان لائے ہو" اُن کے ظاہری دعوے کے مطابق فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خطاب اُن صحابۂ کرامؓ سے ہو جن کے دِل میں تردد پیدا ہوا تھا۔ البتہ آیت نمبر ۴۲ سے تمام تر بیان منافقین ہی کا ہے۔

اِلَّا تَنۡفِرُوۡا يُعَذِّبۡكُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۙ وَّيَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَيۡرَكُمۡ وَلَا تَضُرُّوۡهُ شَيۡــًٔا ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ﴿۳۹﴾ اِلَّا تَـنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا‌ ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى‌ ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا‌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۴۰﴾

اگر تم کوچ نہیں کرو گے تو اللہ تمہیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کوئی اور قوم لے آئے گا، اور تم اُسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے ﴿۳۹﴾ اگر تم اِن کی (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی) مدد نہیں کرو گے، تو (ان کا کچھ نقصان نہیں، کیونکہ) اللہ اِن کی مدد اُس وقت کر چکا ہے، جب ان کو کافر لوگوں نے ایسے وقت (مکہ سے) نکالا تھا جب وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ: "غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"(۳۷) چنانچہ اللہ نے ان پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی، اور اُن کی ایسے لشکروں سے مدد کی جو تمہیں نظر نہیں آئے، اور کافر لوگوں کا بول نیچا کر دِکھایا، اور بول تو اللہ ہی کا بالا ہے۔ اور اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۴۰﴾

---

(۳۷) یہ ہجرت کے واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے ایک رفیق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے تھے، اور تین دن تک غارِ ثور میں روپوش رہے تھے۔ مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں نے آپ کی تلاش کے لئے چاروں طرف لوگ دوڑائے ہوئے تھے، اور آپ کو گرفتار کرنے کے لئے سو اُونٹوں کا اِنعام مقرر کیا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کو تلاش کرنے والے کھوجی غارِ ثور کے منہ تک پہنچ گئے، اور اُن کے پاؤں حضرت صدیق اکبرؓ کو نظر آنے لگے جس کی وجہ سے اُن پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے۔ لیکن حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اُن سے فرمایا تھا کہ: "غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے پر مکڑی سے جالا تنوا دیا، اور وہ لوگ اُسے دیکھ کر واپس چلے گئے۔ اس

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَ لٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع ۵/۱۲

(جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہو، چاہے تم ہلکے ہو یا بوجھل، اور اپنے مال و جان سے اللہ کے راستے میں جہاد کرو۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہی تمہارے حق میں بہتر ہے ﴿۴۱﴾ اگر دُنیا کا سامان کہیں قریب ملنے والا ہوتا، اور سفر درمیانہ قسم کا ہوتا، تو یہ (منافق لوگ) ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے، لیکن یہ کٹھن فاصلہ اِن کے لئے بہت دُور پڑ گیا۔ اور اَب یہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم میں استطاعت ہوتی تو ہم ضرور آپ کے ساتھ نکل جاتے۔ یہ لوگ اپنی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں ﴿۴۲﴾ (اے پیغمبر!) اللہ نے تمہیں معاف کر دیا ہے،(۳۸) (مگر) تم نے اِن کو (جہاد میں شریک نہ ہونے کی) اجازت اس سے پہلے ہی کیوں دے دی کہ تم پر یہ بات کھل جاتی کہ کون ہیں جنہوں نے سچ بولا ہے، اور تم جھوٹوں کو بھی اچھی طرح جان لیتے ﴿۴۳﴾

واقعے کا حوالہ دے کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرما رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے، اُن کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کافی ہے، لیکن خوش نصیبی اُن لوگوں کی ہے جو آپ کی نصرت کی سعادت حاصل کریں۔

(۳۸) دراصل تنبیہ تو یہ کرنی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقین کو جہاد سے الگ رہنے کی اجازت کیوں دی؟ لیکن یہ محبت بھرا انداز ملاحظہ فرمایئے کہ تنبیہ کرنے سے پہلے ہی معافی کا اعلان فرما دیا، کیونکہ اگر پہلے تنبیہ کی جاتی اور معافی کا اعلان بعد میں آتا تو اس درمیانی وقت میں آپ پر نہ جانے کیا کیفیت گذر جاتی۔ بہرحال! مطلب یہ ہے کہ ان منافقین کو جہاد میں جانا تو تھا ہی نہیں، اور جیسا کہ آگے آیت ۴۷ میں فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ بھی نہیں چاہتا تھا کہ یہ لشکر میں شامل ہو کر فساد مچائیں، لیکن اگر آپ انہیں جہاد سے الگ رہنے کی

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

جو لوگ اللہ اور یومِ آخرت پر اِیمان رکھتے ہیں، وہ اپنے مال و جان سے جہاد نہ کرنے کے لئے تم سے اجازت نہیں مانگتے، اور اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے ﴿۴۴﴾ تم سے اجازت تو وہ لوگ مانگتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر اِیمان نہیں رکھتے، اور ان کے دِل شک میں پڑے ہوئے ہیں، اور وہ اپنے شک کی وجہ سے ڈانوا ڈول ہیں ﴿۴۵﴾ اگر ان کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو اُس کے لئے انہوں نے کچھ نہ کچھ تیاری کی ہوتی۔(۳۹) لیکن اللہ نے اِن کا اُٹھنا پسند ہی نہیں کیا، اس لئے انہیں سست پڑا رہنے دیا، اور کہہ دیا گیا کہ جو (اپاہج ہونے کی وجہ سے) بیٹھے ہیں، اُن کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو ﴿۴۶﴾

اجازت نہ دیتے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔ بحالتِ موجودہ جبکہ یہ لوگ اجازت لے چکے ہیں، ایک طرف تو یہ مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تو باقاعدہ اجازت لے کر مدینہ منورہ میں رہے، اور دوسری طرف اپنے لوگوں سے شیخی بگھاریں گے کہ دیکھو ہم نے مسلمانوں کو کیسا دھوکا دیا۔

(۳۹) یہ آیت بتا رہی ہے کہ انسان کا کوئی عذر اُس وقت مانا جاسکتا ہے جب اُس نے اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش اور تیاری پوری کی ہو، پھر کوئی غیر اِختیاری وجہ ایسی پیش آگئی ہو جس کی بنا پر وہ اپنا فریضہ ادا نہیں کرسکا۔ لیکن کسی قسم کی کوشش اور تیاری کے بغیر یہ کہہ دینا کہ ہم معذور ہیں، قابلِ قبول نہیں ہوسکتا۔ مثلاً کوئی شخص فجر کے وقت بیدار ہونے کی تیاری پوری کرے، الارم لگائے، یا کسی کو بیدار کرنے پر مقرر کرے، پھر آنکھ نہ کھلے تو بیشک معذور ہے، لیکن تیاری کچھ نہ کی ہو، اور پھر آنکھ نہ کھلنے کا عذر پیش کرے تو یہ عذر معتبر نہیں ہے۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَ فِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے تو سوائے فساد پھیلانے کے تمہارے درمیان کوئی اور اِضافہ نہ کرتے، اور تمہارے لئے فتنہ پیدا کرنے کی کوشش میں تمہاری صفوں کے درمیان دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور خود تمہارے درمیان ایسے لوگ موجود ہیں جو اُن کے مطلب کی باتیں خوب سنتے ہیں،(۴۰) اور اللہ ان ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے ﴿۴۷﴾ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، اور یہ تمہیں نقصان پہنچانے کے لئے معاملات کی اُلٹ پھیر کرتے رہے ہیں، یہاں تک کہ حق آیا، اللہ کا حکم غالب ہوا، اور یہ کڑھتے رہ گئے۔(۴۱) ﴿۴۸﴾ اور انہی میں وہ صاحب بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ: ''مجھے اجازت دے دیجئے، اور مجھے فتنے میں نہ ڈالئے۔''(۴۲) ارے فتنے ہی میں تو یہ خود پڑے ہوئے ہیں! اور یقین رکھو کہ جہنم سارے کافروں کو گھیرے میں لینے والی ہے ﴿۴۹﴾

(۴۰) اس کا ایک مطلب تو یہ ہوسکتا ہے کہ بعض سادہ لوح مسلمان ان لوگوں کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں، اس لئے ان کی باتیں سن کر انہیں خلوص پر مبنی سمجھتے ہیں، اس لئے اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ لشکر میں موجود ہوتے تو ان سادہ لوح مسلمانوں کو ورغلا کر فساد کا بیج بونے کی کوشش کرتے۔ اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگرچہ یہ منافقین خود تو لشکر میں شامل نہیں ہوئے، لیکن ان کے جاسوس تمہاری صفوں میں موجود ہیں جو تمہاری باتیں سنتے ہیں، اور جن باتوں سے منافقین کوئی فائدہ اُٹھا سکتے ہوں، ان کی خبریں اُن تک پہنچاتے ہیں۔

(۴۱) اس سے مسلمانوں کی فتوحات کی طرف اشارہ ہے جن میں فتحِ مکہ اور غزوۂ حنین کی فتح سرِفہرست ہے۔ منافقین کی پوری کوشش تو یہ تھی کہ مسلمان کامیاب نہ ہونے پائیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم غالب آیا، اور یہ منہ دیکھتے رہ گئے۔

(۴۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ منافقین میں ایک شخص جد بن قیس تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کو غزوۂ تبوک میں شامل ہونے کی دعوت دی تو اُس نے کہا کہ: ''یارسول اللہ! میں بڑا زن

اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۰﴾ قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾ قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ﴿۵۲﴾

اگر تمہیں کوئی بھلائی مل جائے تو انہیں دکھ ہوتا ہے، اور اگر تم پر کوئی مصیبت آ پڑے تو کہتے ہیں کہ: "ہم نے تو پہلے ہی اپنا بچاؤ کرلیا تھا" اور (یہ کہہ کر) بڑے خوش خوش واپس چلے جاتے ہیں ﴿۵۰﴾ کہہ دو کہ: "اللہ نے ہمارے مقدر میں جو تکلیف لکھ دی ہے، ہمیں اُس کے سوا کوئی اور تکلیف ہرگز نہیں پہنچ سکتی۔ وہ ہمارا رکھوالا ہے، اور اللہ ہی پر مؤمنوں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔" ﴿۵۱﴾ کہہ دو کہ: "تم ہمارے لئے جس چیز کے منتظر ہو، وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ (آخرکار) دو بھلائیوں میں سے ایک نہ ایک بھلائی ہمیں ملے۔ (۴۳) اور ہمیں تمہارے بارے میں انتظار اس کا ہے کہ اللہ تمہیں اپنی طرف سے یا ہمارے ہاتھوں سزا دے۔ بس اب انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں" ﴿۵۲﴾

پرست آدمی ہوں، جب رُوم کی خوبصورت عورتوں کو دیکھوں گا تو مجھ سے صبر نہیں ہو سکے گا، اور میں فتنے میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ لہٰذا مجھے اجازت دے دیجئے کہ میں اس جنگ میں شریک نہ ہوں، اور اس طرح مجھے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچا لیجئے۔" اس آیت میں اُس کی طرف اشارہ ہے (روح المعانی بحوالہ ابن المنذر وطبرانی وابن مردویہ)۔

(۴۳) یعنی یا تو ہمیں فتح ہو، یا ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہید ہو جائیں، اور ہمارے لئے یہ دونوں باتیں بھلائی کی ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ اگر ہم شہید ہو گئے تو ہمارا نقصان ہوگا، حالانکہ شہادت نقصان کا نہیں بڑے فائدے کا سودا ہے۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

کہہ دو کہ: ”تم اپنا مال چاہے خوشی خوشی چندے میں دو، یا بددلی سے، وہ تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔(۴۴) تم ایسے لوگ ہو جو مسلسل نافرمانی کرتے رہے ہو“ ﴿۵۳﴾ اور ان کے چندے قبول کئے جانے میں رُکاوٹ کی کوئی اور وجہ اس کے سوا نہیں ہے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا معاملہ کیا ہے، اور یہ نماز میں آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے آتے ہیں، اور (کسی نیکی میں) خرچ کرتے ہیں تو برا مانتے ہوئے خرچ کرتے ہیں ﴿۵۴﴾ تمہیں ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دُنیوی زندگی میں عذاب دے،(۴۵) اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے ﴿۵۵﴾

---

(۴۴) جد بن قیس جس کا ذکر اُوپر آیا ہے، اُسی کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ اُس نے جنگ میں جانے سے تو مذکورہ بالا بے ہودہ عذر پیش کیا تھا، لیکن یہ کہا تھا کہ اُس کے بدلے میں اپنا مال چندے میں دوں گا (ابن جریر ج:۱۰ ص:۱۵۲)۔ اس کے جواب میں یہ آیت منافقین کے چندے کے ناقابلِ قبول ہونے کا اعلان کررہی ہے۔

(۴۵) یہ آیت دُنیوی مال و دولت کے بارے میں ایک بڑی عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مال و دولت بذاتِ خود کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے انسان اپنی زندگی کا مقصد بنائے۔ انسان کا اصل مقصدِ زندگی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول اور آخرت کی بہتری کا سامان کرنا ہونا چاہئے۔ البتہ چونکہ دُنیا میں زندہ رہنے کے لئے مال کی ضرورت ہے، اس لئے جائز ذرائع سے اُس کو حاصل کرنا پڑتا ہے، لیکن یہاں بھی یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ دُنیا کی ضرورت پوری کرنے کے لئے بھی مال اپنی ذات میں کوئی فائدہ براہِ راست نہیں

وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ وہ ڈرپوک لوگ ہیں ﴿۵۶﴾ اگر ان کو کوئی پناہ گاہ مل جاتی، یا کسی قسم کے غار مل جاتے، یا گھس بیٹھنے کی اور کوئی جگہ، تو یہ بے لگام بھاگ کر اُدھر ہی کا رُخ کر لیتے۔(۴۶) ﴿۵۷﴾ اور انہی (منافقین) میں وہ بھی ہیں جو صدقات (کی تقسیم) کے بارے میں آپ کو طعنہ دیتے ہیں۔(۴۷) چنانچہ اگر اُنہیں صدقات میں سے (ان کی مرضی کے مطابق) دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں، اور اگر اُن میں سے انہیں نہ دیا جائے تو ذرا سی دیر میں ناراض ہو جاتے ہیں ﴿۵۸﴾

پہنچاتا، بلکہ وہ راحت و آرام کے وسائل حاصل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ لیکن جب انسان مال کو بذاتِ خود مقصودِ زندگی بنالیتا ہے، اور ہر وقت اس فکر میں پڑا رہتا ہے کہ مال کی گنتی میں کس طرح اضافہ ہو تو وہ بے چارہ یہ بھول جاتا ہے کہ اُس نے اس فکر میں اپنی راحت اور آرام تک کو قربان کر ڈالا ہے۔ بینک بیلنس میں بیشک اضافہ ہو رہا ہے، لیکن نہ دن کا چین میسر ہے، نہ رات کا آرام، نہ بیوی بچوں سے بات کرنے کی فرصت ہے، نہ آرام کے وسائل سے مزہ لینے کا وقت۔ پھر اگر کبھی اس مال میں نقصان ہو جائے تو رنج و غم کے پہاڑ سر پر ٹوٹ پڑتے ہیں، کیونکہ یہ تصور تو ہے ہی نہیں کہ اس نقصان کا بدلہ آخرت میں مل سکے گا۔ اس طرح اگر غور سے دیکھو تو یہ مال و دولت نعمت بننے کے بجائے انسان کے لئے دُنیا ہی میں عذاب بن جاتا ہے۔ یہی حال اولاد کا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق نہ ہو تو وہ بکثرت انسان کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔

(۴۶) مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے مسلمان ہونے کا جو اِعلان کیا ہے، وہ مسلمانوں کے ڈر سے کیا ہے، ورنہ اُن کے دِل میں ایمان نہیں ہے، چنانچہ اگر ان کو کوئی ایسی پناہ گاہ مل جاتی جہاں یہ بھاگ کر چھپ سکتے تو یہ مسلمان ہونے کا اعلان کرنے کے بجائے وہاں جا چھپتے۔

(۴۷) تفسیر ابنِ جریر میں کئی روایات اس قسم کی نقل کی گئی ہیں جن میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَیُؤْتِیْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۰﴾

ع ۱۷ / ۱۳

جو کچھ بھی اُنہیں اللہ اور اس کے رسول نے دے دیا تھا، کیا اچھا ہوتا کہ یہ اُس پر راضی رہتے، اور یہ کہتے کہ: ''اللہ ہمارے لئے کافی ہے، آئندہ اللہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا، اور اُس کا رسول بھی! ہم تو اللہ ہی سے لو لگائے ہوئے ہیں۔'' ﴿۵۹﴾ صدقات تو دراصل حق ہے فقیروں کا، مسکینوں کا،(۴۸) اور اُن اہلکاروں کا جو صدقات کی وصولی پر مقرر ہوتے ہیں،(۴۹) اور اُن کا جن کی دِلداری مقصود ہے۔(۵۰) نیز اُنہیں غلاموں کو آزاد کرنے میں،(۵۱) اور قرض داروں کے قرضے ادا کرنے میں،(۵۲) اور اللہ کے راستے میں،(۵۳) اور مسافروں کی مدد میں(۵۴) خرچ کیا جائے۔ یہ ایک فریضہ ہے اللہ کی طرف سے! اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۶۰﴾

صدقات تقسیم فرمائے تو کچھ منافقین نے آپ پر اعتراض کیا کہ یہ تقسیم (معاذ اللہ) انصاف کے مطابق نہیں ہے۔ وجہ یہ تھی کہ ان منافقوں کو ان کے مطلب کے مطابق نہیں دیا گیا تھا۔

(۴۸) فقیر اور مسکین ملتے جلتے لفظ ہیں۔ لغت کے اعتبار سے بعض لوگوں نے دونوں میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو، اور فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ ہو، مگر ضرورت سے کم ہو۔ اور بعض حضرات نے فرق اس کے برعکس بیان کیا ہے۔ لیکن زکوٰۃ کے حکم میں دونوں برابر ہیں۔ اور حکم یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا بنیادی ضرورت سے زیادہ سامان موجود نہ ہو، اُس کے لئے

زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ تفصیل کے لئے فقہ کی کتابیں دیکھی جائیں۔

(۴۹) اسلامی حکومت کا ایک اہم کام یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے اَموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ جمع کر کے مستحقین میں تقسیم کرے۔ اس غرض کے لئے جو اہل کار مقرر کئے جائیں، ان کی تنخواہ یا وظیفہ بھی زکوٰۃ سے دیا جاسکتا ہے۔

(۵۰) اس سے مراد وہ نومسلم ہیں جو ضرورت مند ہوں، اور اس بات کی ضرورت محسوس کی جائے کہ ان کو اِسلام پر جمے رکھنے کے لئے ان کی دِلداری کی جانی چاہئے۔ اصطلاح میں ایسے لوگوں کو "مؤلفة القلوب" کہا جاتا ہے۔

(۵۱) جس زمانے میں غلامی کا رواج تھا، اس دور میں بعض غلاموں کے آقا اُن سے یہ کہہ دیتے تھے کہ اگر تم اتنی رقم لاکر ہمیں دے دو تو تم آزاد ہو۔ ایسے غلاموں کو بھی آزادی حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا تھا۔

(۵۲) اس سے مراد وہ مقروض لوگ ہیں جن پر اتنا قرضہ ہو کہ ان کے اثاثے قرضے کی ادائیگی کے لئے کافی نہ ہوں، یا اگر وہ اپنے سارے اثاثے قرض میں دے دیں تو اُن کے پاس نصاب، یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر مال باقی نہ رہے۔

(۵۳) "اللہ کے راستے" کا لفظ قرآنِ کریم میں اکثر جہاد کے لئے استعمال ہوا ہے۔ لہٰذا اس سے مراد وہ شخص ہے جو جہاد پر جانا چاہتا ہو، لیکن اُس کے پاس سواری وغیرہ نہ ہو۔ بعض دوسرے حاجت مند لوگوں کو بھی فقہاء نے اس حکم میں شامل کیا ہے، مثلاً جس شخص پر حج فرض ہو چکا ہو، لیکن اب اُس کے پاس اتنے پیسے نہ رہے ہوں کہ وہ حج کرسکے۔

(۵۴) "مسافر" سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس چاہے اپنے وطن میں نصاب کے برابر مال موجود ہو، لیکن سفر میں اُس کے پاس اتنے پیسے نہ رہے ہوں جن سے وہ اپنی سفر کی ضروریات پوری کر کے واپس وطن جاسکے۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصارف جو یہاں قرآنِ کریم نے ذکر کئے ہیں، اُن کی بہت مختصر تشریح اُوپر کی گئی ہے۔ عمل کے وقت کسی عالم سے سمجھ کر زکوٰۃ خرچ کرنی چاہئے، کیونکہ ان تمام مصارف میں شرعی احکام کی بہت سی تفصیلات ہیں جن کے ذکر کا یہاں موقع نہیں ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

اور انہی (منافقین) میں وہ لوگ بھی ہیں جو نبی کو دُکھ پہنچاتے ہیں، اور (اُن کے بارے میں) یہ کہتے ہیں کہ: "وہ تو سراپا کان ہیں۔" (۵۵) کہہ دو کہ: "وہ کان ہیں اُس چیز کے لئے جو تمہارے لئے بھلائی ہے۔ (۵۶) وہ اللہ پر اِیمان رکھتے ہیں، اور مؤمنوں کی بات کا یقین کرتے ہیں، اور تم میں سے جو (ظاہری طور پر) اِیمان لے آئے ہیں، اُن کے لئے وہ رحمت (کا معاملہ کرنے والے) ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو دُکھ پہنچاتے ہیں، اُن کے لئے دُکھ دینے والا عذاب تیار ہے ﴿۶۱﴾ (مسلمانو!) یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں اس لئے کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کریں، حالانکہ اگر یہ واقعی مؤمن ہوں تو اللہ اور اُس کے رسول اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ یہ اُن کو راضی کریں ﴿۶۲﴾

(۵۵) یہ عربی زبان کے ایک محاورے کا لفظی ترجمہ ہے۔ عربی محاورے میں جب کوئی شخص ہر ایک کی بات سن کر اُس پر یقین کر لیتا ہو، اُس کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ تو "نرا کان ہے" یا "سراپا کان ہے"۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے اُردو میں کہا جاتا ہے کہ "وہ کچے کانوں کا ہے"۔ منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ گستاخانہ جملہ آپس میں ایک دوسرے سے بات کرتے ہوئے بولا تھا، اور مقصد یہ تھا کہ اگر کبھی ہماری سازش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کھل بھی گئی تو ہم باتیں بنا کر آپ کو راضی کر لیں گے، کیونکہ وہ ہر ایک کی بات کا یقین کر لیتے ہیں۔

(۵۶) منافقین کے مذکورہ بالا جملے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ سب سے پہلے کان لگا کر جو بات سنتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے جو درحقیقت تم سب لوگوں کی بھلائی کے لئے نازل ہوتی ہے۔ دوسرے وہ سچے مؤمنوں کی بات سن کر اُس پر واقعی یقین کر لیتے ہیں، کیونکہ اُن کے بارے میں آپ کو یقین ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے۔ تیسرے وہ اُن منافقوں کی بات بھی سنتے ہیں جو ظاہری طور پر اِیمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اُن سے دھوکا کھا جاتے ہیں، بلکہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۳﴾ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۱۴

کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اُس کے رسول سے ٹکر لے تو یہ بات طے ہے کہ اُس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا؟ یہ بڑی بھاری رُسوائی ہے! ﴿۶۳﴾ منافق لوگ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کہیں کوئی ایسی سورت نازل نہ کردی جائے جو اُنہیں اِن (منافقین) کے دِلوں کی باتیں بتلا دے۔(۵۷) کہہ دو کہ: ''(اچھا!) تم مذاق اُڑاتے رہو؛ اللہ وہ بات ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے تھے۔'' ﴿۶۴﴾ اور اگر تم ان سے پوچھو تو یہ یقیناً یوں کہیں گے کہ: ''ہم تو ہنسی مذاق اور دِل لگی کررہے تھے۔'' کہو کہ: ''کیا تم اللہ اور اُس کی آیتوں اور اُس کے رسول کے ساتھ دِل لگی کررہے تھے؟ ﴿۶۵﴾ بہانے نہ بناؤ، تم ایمان کا اظہار کرنے کے بعد کفر کے مرتکب ہوچکے ہو۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معافی دے بھی دیں، تو دوسرے گروہ کو ضرور سزا دیں گے،(۵۸) کیونکہ وہ مجرم لوگ ہیں۔ ﴿۶۶﴾

آپ کو شفقت اور رحمت کا پیکر بنایا ہے، اس کی وجہ سے حتی الامکان وہ ہر ایک سے رحمت کا معاملہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ منافقین کی باتوں کی تردید کے بجائے آپ خاموش رہتے ہیں۔

(۵۷) منافقین اپنی نجی محفلوں میں مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے تھے، اور اگر کبھی کوئی پوچھتا تو کہتے کہ ہم تو یہ باتیں دِل لگی میں کرتے ہیں، سچ مچ نہیں کرتے۔ آیات ۶۴ تا ۶۶ ان کے اس طرزِ عمل پر تبصرہ کررہی ہیں۔

(۵۸) یعنی منافقوں میں سے جو لوگ نفاق سے توبہ کرلیں گے اُنہیں معاف کردیا جائے گا، اور جو توبہ نہیں کریں گے انہیں ضرور سزا ملے گی۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾

منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں۔ وہ برائی کی تلقین کرتے ہیں، اور بھلائی سے روکتے ہیں، اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں۔ (٥٩) انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے، تو اللہ نے بھی اُن کو بھلا دیا۔ بلا شبہ یہ منافق بڑے نافرمان ہیں ﴿٦٧﴾ اللہ نے منافق مردوں، منافق عورتوں اور تمام کافروں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہی اُن کو راس آئے گی۔ اللہ نے ان پر پھٹکار ڈال دی ہے، اور ان کے لئے اٹل عذاب ہے۔ ﴿٦٨﴾ (منافقو!) تم اُنہی لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں۔ وہ طاقت میں تم سے مضبوط تر اور مال اور اولاد میں تم سے کہیں زیادہ تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے حصے کے مزے اُڑا لئے، پھر تم نے اُسی طرح اپنے حصے کے مزے اُڑائے، جیسے تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصے کے مزے اُڑائے تھے، اور تم بھی ویسی ہی بے ہودہ باتوں میں پڑے جیسے وہ پڑے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے اعمال دُنیا اور آخرت میں غارت ہوگئے، اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے خسارے کا سودا کیا۔ ﴿٦٩﴾

---

(٥٩) ہاتھوں کو بند رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کنجوس ہیں۔ جہاں خرچ کرنا چاہئے وہاں خرچ نہیں کرتے۔

أَلَمْ يَأْتِهِمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُودَ ۬ۙ وَقَوْمِ إِبْرٰهِيمَ وَ
أَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۷۰﴾ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ
أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَ
يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ ۭ أُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ إِنَّ اللّٰهَ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۷۱﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ
أَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۷۲﴾ ع

کیا ان (منافقوں) کو اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گذرے ہیں؟ نوح کی قوم، اور عاد و ثمود، ابراہیم کی قوم، مدین کے باشندے، اور وہ بستیاں جنہیں اُلٹ ڈالا گیا![۶۰] اِن سب کے پاس اِن کے رسول روشن دلائل لے کر آئے تھے۔ پھر اللہ ایسا نہیں تھا کہ ان پر ظلم کرتا، لیکن یہ خود اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ ﴿۷۰﴾ اور مؤمن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کی تلقین کرتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں، اور نماز قائم کرتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اور اللہ اور اُس کے رسول کی فرماں برداری کرتے ہیں۔ یہ ایسے لوگ ہیں جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ یقیناً اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک! ﴿۷۱﴾ اللہ نے مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں سے وعدہ کیا ہے اُن باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور اُن پاکیزہ مکانات کا جو سدا بہار باغات میں ہوں گے۔ اور اللہ کی طرف سے خوشنودی تو سب سے بڑی چیز ہے (جو جنت والوں کو نصیب ہوگی) یہی تو زبردست کامیابی ہے ﴿۷۲﴾

(۶۰) ان کے واقعات کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف، آیات ۵۹ تا ۹۲ اور اُن کے حواشی۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۷۳﴾ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا ۖ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا أَلِيمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۷۴﴾

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو،(۶۱) اور اُن پر سختی کرو۔ اُن کا ٹھکانا جہنم ہے، اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ ﴿۷۳﴾ یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھا جاتے ہیں کہ انہوں نے فلاں بات نہیں کہی، حالانکہ انہوں نے کفر کی بات کہی ہے،(۶۲) اور اپنے اسلام لانے کے بعد انہوں نے کفر اختیار کیا ہے۔(۶۳) انہوں نے وہ کام کرنے کا ارادہ کرلیا تھا جس میں یہ کامیابی حاصل نہ کرسکے،(۶۴) اور انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا کہ اللہ اور اُس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے مال دار بنا دیا ہے۔(۶۵) اب اگر یہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا، اور اگر یہ منہ موڑیں گے تو اللہ ان کو دُنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا، اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار۔ ﴿۷۴﴾

---

(۶۱) جہاد کے اصل معنی جدوجہد اور محنت وکوشش کے ہیں۔ دِین کی حفاظت اور دِفاع کے لئے یہ کوشش مسلح لڑائی کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے، اور زبانی دعوت وتبلیغ اور بحث ومباحثہ کی صورت میں بھی۔ کھلے کافروں کے ساتھ یہاں جہاد کے پہلے معنی مراد ہیں، اور منافقین کے ساتھ جہاد کے دوسرے معنی مقصود ہیں۔ چونکہ منافقین زبان سے اسلام لانے کا اظہار کرتے تھے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرارتوں کے باوجود یہ حکم دیا کہ دُنیا میں ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی معاملہ کیا جائے۔ اس لئے ان کے ساتھ جہاد کا مطلب زبانی جہاد ہے، اور اُن پر سختی کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اوّل تو گفتگو میں اُن کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے، دوسرے اگر اُن سے کوئی قابلِ سزا جرم سرزد ہو تو انہیں معافی نہ دی جائے۔

(٦٢) منافقین کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ اپنی مجلسوں میں کافرانہ باتیں کہتے رہتے تھے، لیکن جب اُن سے پوچھا جاتا تو وہ صاف انکار کردیتے، اور قسم بھی کھالیتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی۔ مثلاً ایک مرتبہ منافقین کے سردار عبداللہ بن اُبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے بارے میں ایک انتہائی گستاخانہ بات کہی تھی جسے نقل کرنا بھی مشکل ہے، اور اس کے بعد کہا تھا کہ: "جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے باعزت لوگ ذلیلوں کو نکال باہر کریں گے۔" اس کا ذکر خود قرآنِ کریم نے سورۂ منافقون (٦٣:٨) میں فرمایا ہے۔ لیکن جب اُس سے پوچھا گیا تو مکر گیا، اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ نہیں کہا تھا (روح المعانی بحوالہ ابن جریر وابن المنذر وغیرہ)۔

(٦٣) مراد یہ ہے کہ اگرچہ دِل سے تو وہ کبھی اسلام نہیں لائے تھے، لیکن کم از کم زبان سے اسلام کا اقرار کرتے تھے۔ اس بات کے بعد انہوں نے زبان سے بھی کفر اختیار کرلیا۔

(٦٤) یہ کسی ایسے واقعے کی طرف اشارہ ہے جس میں منافقین نے کوئی خفیہ سازش کی تھی، مگر اُس میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ ایسے کئی واقعات عہدِ رسالت میں پیش آئے ہیں، مثلاً ایک واقعہ تو اُوپر بیان کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن اُبی نے یہ ناپاک ارادہ ظاہر کیا تھا کہ ہم مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس ڈینگ کو عملی جامہ پہنانے پر قادر نہیں ہوئے۔ دوسرے ایک واقعہ غزوۂ تبوک سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کے وقت پیش آیا تھا کہ منافقین نے بارہ آدمیوں کو نقاب پہنا کر اس بات پر تعینات کیا تھا کہ وہ ایک گھاٹی میں چھپ کر بیٹھیں، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے گذریں تو آپ پر حملہ کردیں۔ اُس وقت حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے انہیں دیکھ لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کردی۔ آپ نے اُن کو زور سے آواز دی تو اُن پر ایسا رُعب طاری ہوا کہ وہ بھاگ گئے۔ آپ نے بعد میں حضرت حذیفہؓ کو بتایا کہ وہ منافق لوگ تھے (روح المعانی بحوالہ دلائل النبوۃ بیہقی)۔

(٦٥) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدینہ منورہ کے باشندوں میں پہلے کے مقابلے میں عام خوش حالی آئی تھی جس سے یہ منافقین بھی فائدہ اُٹھا رہے تھے۔ پہلے ان کی معاشی حالت خستہ تھی، مگر آپ کی تشریف آوری کے بعد ان میں سے اکثر لوگ خاصے مال دار ہوگئے تھے۔ آیتِ کریمہ یہ کہہ رہی ہے کہ شرافت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ اس خوشحالی پر اللہ تعالیٰ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شکر گذار ہوتے، لیکن انہوں نے اس احسان کا یہ بدلہ دیا کہ آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنۡ اٰتٰنَا مِنۡ فَضۡلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ بَخِلُوۡا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعۡقَبَهُمۡ نِفَاقًا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ يَلۡقَوۡنَهٗ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ وَبِمَا كَانُوۡا يَكۡذِبُوۡنَ ﴿۷۷﴾

اور انہی میں وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے یہ عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں نوازے گا تو ہم ضرور صدقہ کریں گے، اور یقیناً نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں گے ﴿۷۵﴾ لیکن جب اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے نوازا تو اس میں بخل کرنے لگے، اور منہ موڑ کر چل دیئے۔(۶۶) ﴿۷۶﴾ نتیجہ یہ کہ اللہ نے سزا کے طور پر نفاق ان کے دِلوں میں اُس دن تک کے لئے جما دیا ہے جس دن وہ اللہ سے جا کر ملیں گے، کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اُس کی خلاف ورزی کی، اور کیونکہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے ﴿۷۷﴾

(۶۶) حضرت ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص جس کا نام ثعلبہ بن حاطب تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور درخواست کی کہ آپ میرے لئے مال دار ہونے کی دُعا فرما دیں۔ آپ نے شروع میں اُسے سمجھایا کہ بہت مال دار ہونا مجھے اپنے لئے بھی پسند نہیں ہے، لیکن اُس نے بار بار اِصرار کیا، اور یہ وعدہ بھی کیا کہ اگر میں مال دار ہو گیا تو ہر حق دار کو اُس کا حق پہنچاؤں گا، آپ نے اس موقع پر یہ حکیمانہ جملہ بھی ارشاد فرمایا کہ: ''تھوڑا مال جس کا تم شکر ادا کر سکو اُس زیادہ مال سے بہتر ہے جس کا شکر ادا نہ کر سکو۔'' اس پر بھی اُس کا اِصرار جاری رہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرما دی۔ چنانچہ وہ واقعی مال دار ہو گیا، اور اس کے مال مویشی اتنے زیادہ ہو گئے کہ اُن کی دیکھ بھال میں نمازیں چھوٹنے لگیں، پھر وہ ان جانوروں کی زیادتی کی وجہ سے مدینہ منورہ سے باہر جا کر رہنے لگا، شروع میں جمعہ کے دن مسجد میں آ جاتا تھا، پھر رفتہ رفتہ جمعہ کو آنا بھی چھوڑ دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لوگ زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے اُس کے پاس پہنچے تو اُس نے زکوٰۃ پر پھبتیاں کسیں، اور ٹال مٹول کر کے ان حضرات کو واپس بھیج دیا۔ اس آیت میں اس واقعے کی طرف اشارہ ہے (روح المعانی بحوالہ طبرانی و بیہقی)۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٧٨﴾ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾

کیا اُنہیں یہ پتہ نہیں تھا کہ اللہ اُن کی تمام پوشیدہ باتوں اور سرگوشیوں کو جانتا ہے، اور یہ کہ اُس کو غیب کی ساری باتوں کا پورا پورا علم ہے؟ ﴿۷۸﴾ (یہ منافق وہی ہیں) جو خوشی سے صدقہ کرنے والے مؤمنوں کو بھی طعنے دیتے ہیں، اور اُن لوگوں کو بھی جنہیں اپنی محنت (کی آمدنی) کے سوا کچھ اور میسر نہیں ہے،(۶۷) اس لئے وہ ان کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اُڑاتا ہے،(۶۸) اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے ﴿۷۹﴾ (اے نبی!) تم ان کے لئے اِستغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لئے ستر مرتبہ اِستغفار کرو گے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا ہے، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا ﴿۸۰﴾

(۶۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقات نکالنے کی ترغیب دی تو ہر مخلص مسلمان نے اپنی اِستطاعت کے مطابق صدقہ لاکر پیش کیا، منافقین خود تو اس کارِ خیر میں کیا حصہ لیتے، مسلمانوں کو طعنے دیتے رہتے تھے۔ اگر کوئی شخص زیادہ مال لے کر آتا تو کہتے کہ یہ تو دِکھاوے کے لئے صدقہ کر رہا ہے، اور اگر کوئی غریب مزدور اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی سے کچھ تھوڑا سا صدقہ لے کر آتا تو منافقین اُس کا مذاق اُڑاتے، اور کہتے کہ یہ کیا چیز اُٹھا لایا ہے؟ اللہ اس سے بے نیاز ہے! صحیح بخاری اور حدیث وتفسیر کی دوسری کتابوں میں ایسے بہت سے واقعات مروی ہیں، لیکن اس جگہ غالباً وہ موقع مراد ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے لئے چندہ جمع کرنے کی ترغیب دی تھی۔ دُرِّ منثور (ج:۴ ص:۲۲۶) میں ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

(۶۸) اللہ تعالیٰ یوں تو مذاق اُڑانے سے بے نیاز ہے، لیکن اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کو مذاق

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْۤا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

جن لوگوں کو (غزوۂ تبوک سے) پیچھے رہنے دیا گیا تھا، وہ رسول اللہ کے جانے کے بعد اپنے (گھروں میں) بیٹھے رہنے سے بڑے خوش ہوئے، اوران کو یہ بات ناگوار تھی کہ وہ اللہ کے راستے میں اپنے مال وجان سے جہاد کریں، اورانہوں نے کہا تھا کہ: ''اس گرمی میں نہ نکلو!'' کہو کہ: ''جہنم کی آگ گرمی میں کہیں زیادہ سخت ہے!'' کاش! اِن کو سمجھ ہوتی! ﴿۸۱﴾ اب یہ لوگ (دُنیا میں) تھوڑا بہت ہنس لیں، اور پھر (آخرت میں) خوب روتے رہیں، کیونکہ جو کچھ کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اُس کا یہی بدلہ ہے۔ ﴿۸۲﴾ (اے پیغمبر!) اس کے بعد اگر اللہ تمہیں ان میں سے کسی گروہ کے پاس واپس لے آئے، اور یہ (کسی اور جہاد میں) نکلنے کے لئے تم سے اجازت مانگیں تو ان سے کہہ دینا کہ: ''اب تم میرے ساتھ کبھی نہیں چل سکو گے، اور میرے ساتھ مل کر کسی دُشمن سے کبھی نہیں لڑسکو گے۔ تم نے پہلی بار بیٹھے رہنے کو پسند کیا تھا، لہٰذا اب بھی انہی کے ساتھ بیٹھ رہو جن کو (کسی معذوری کی وجہ سے) پیچھے رہنا ہے۔'' ﴿۸۳﴾

اُڑانے کی سزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف مذاق اُڑانے کی نسبت محاورۃً کی گئی ہے جسے عربی قواعد کی رُو سے مشاکلت کہا جاتا ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

اور (اے پیغمبر!) ان (منافقین) میں سے جو کوئی مرجائے، تو تم اُس پر کبھی نماز (جنازہ) مت پڑھنا، اور نہ اُس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ (۶۹) یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا، اور اِس حالت میں مرے ہیں کہ وہ نافرمان تھے۔ ﴿۸۴﴾ اور تمہیں ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) سے تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں سے ان کو دُنیا میں عذاب دے، (۷۰) اور ان کی جان بھی کفر ہی کی حالت میں نکلے۔ ﴿۸۵﴾

(۶۹) اس آیت کا شانِ نزول صحیح بخاری وغیرہ میں یہ منقول ہے کہ عبداللہ بن اُبی منافقوں کا سردار تھا، لیکن اُس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہؓ سچے اور پکے مسلمان تھے۔ اگرچہ عبداللہ بن اُبی کی منافقت کئی مواقع پر ظاہر ہوچکی تھی، لیکن چونکہ وہ زبان سے اپنے آپ کو مسلمان ہی کہتا تھا، اس لئے ظاہری طور پر اُس کے ساتھ مسلمانوں جیسا ہی سلوک کیا جاتا تھا، چنانچہ جب اُس کا انتقال ہوا تو اُس کے بیٹے حضرت عبداللہؓ نے جو سچے مسلمان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ اُس کی نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اپنی اُمت کے ہر فرد کے لئے بڑے مہربان تھے، اس لئے آپ نے یہ درخواست منظور فرمالی، اور اُس کی نمازِ جنازہ پڑھانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ سے قرآنِ کریم کی اُس آیت کا حوالہ دیا جو پیچھے گذر چکی ہے کہ: ''تم ان کے لئے اِستغفار کرو یا نہ کرو، اگر تم ان کے لئے ستر مرتبہ اِستغفار کروگے تب بھی اللہ انہیں معاف نہیں کرے گا'' (آیت نمبر ۸۰) لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں چاہوں تو اِستغفار کروں، اس لئے میں ستر سے زیادہ مرتبہ اِستغفار کرلوں گا۔ چنانچہ آپ نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھادی۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں آپ کو منافقین کی نمازِ جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا۔ پھر آپ نے کسی بھی منافق کی نماز نہیں پڑھائی۔

(۷۰) دیکھئے پیچھے آیت نمبر ۵۵ کا حاشیہ۔

وَإِذَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَجَٰهِدُوا۟ مَعَ رَسُولِهِ ٱسْتَـْٔذَنَكَ أُو۟لُوا۟ ٱلطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا۟ ذَرْنَا نَكُن مَّعَ ٱلْقَٰعِدِينَ ﴿٨٦﴾ رَضُوا۟ بِأَن يَكُونُوا۟ مَعَ ٱلْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾ لَٰكِنِ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ جَٰهَدُوا۟ بِأَمْوَٰلِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۚ وَأُو۟لَٰٓئِكَ لَهُمُ ٱلْخَيْرَٰتُ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾ أَعَدَّ ٱللَّهُ لَهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِى مِن تَحْتِهَا ٱلْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾ ع وَجَآءَ ٱلْمُعَذِّرُونَ مِنَ ٱلْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ ٱلَّذِينَ كَذَبُوا۟ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ ۚ

اور جب کوئی سورت یہ حکم لے کر نازل ہوتی ہے کہ: "اللہ پر ایمان لاؤ، اور اُس کے رسول کی رفاقت میں جہاد کرو" تو ان (منافقوں) میں سے وہ لوگ جو صاحبِ استطاعت ہیں، تم سے اجازت مانگتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ہمیں بھی اُن لوگوں میں شامل ہونے دیجئے جو (گھر میں) بیٹھے رہیں گے۔ ﴿۸۶﴾ یہ اس بات سے خوش ہیں کہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہوجائیں، اور ان کے دِلوں پر مہر لگادی گئی ہے، چنانچہ وہ نہیں سمجھتے (کہ وہ کیا کررہے ہیں) ﴿۸۷﴾ لیکن رسول اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے ہیں، اُنہوں نے اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا ہے۔ اُنہی کے لئے ساری بھلائیاں ہیں، اور یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿۸۸﴾ اللہ نے ان کے لئے وہ باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں یہ ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۸۹﴾ اور دیہاتیوں میں سے بھی بہانہ باز لوگ آئے کہ اُن کو (جہاد سے) چھٹی دی جائے،[۷۱] اور (اس طرح) جن لوگوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا، وہ سب بیٹھ رہے۔

(۷۱) جس طرح مدینہ منورہ میں بہت سے منافق تھے، اسی طرح مدینہ منورہ سے باہر دیہات میں بھی منافق موجود تھے۔ چونکہ غزوۂ تبوک میں جانے کا حکم صرف اہلِ مدینہ کے لئے نہیں، بلکہ آس پاس کے لوگوں کے لئے بھی تھا، اس لئے یہ دیہاتی منافقین بھی بہانہ کرنے کے لئے آئے تھے۔

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٩١﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿٩٢﴾

ان میں سے جنہوں نے کفر (مستقل طور پر) اپنالیا ہے، اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ ﴿۹۰﴾ کمزور لوگوں پر (جہاد میں نہ جانے کا) کوئی گناہ نہیں، نہ بیماروں پر، اور نہ اُن لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے، جبکہ وہ اللہ اور اُس کے رسول کے لئے مخلص ہوں۔ نیک لوگوں پر کوئی الزام نہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۱﴾ اور نہ اُن لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) جن کا حال یہ ہے کہ جب وہ تمہارے پاس اس غرض سے آئے کہ تم اُنہیں کوئی سواری مہیا کردو، اور تم نے کہا کہ: "میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر میں تمہیں سوار کرسکوں" تو وہ اس حالت میں واپس گئے کہ اُن کی آنکھیں اس غم میں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں کہ اُن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔[۷۲] ﴿۹۲﴾

---

(۷۲) روایات میں ہے کہ یہ سات انصاری صحابہ تھے۔ حضرت سالم بن عمیر، حضرت علبہ بن زید، حضرت عبدالرحمٰن بن کعب، حضرت عمرو بن الحمام، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت ہرمی بن عبداللہ اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ انہوں نے غزوۂ تبوک میں شامل ہونے کے لئے اپنے شوق کا اظہار فرمایا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کی درخواست پیش کی۔ جب آپ نے فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے تو یہ روتے ہوئے واپس گئے (روح المعانی)۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۚ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٩٣﴾ يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٤﴾ سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٩٥﴾

اِلزام تو اُن لوگوں پر ہے جو مال دار ہونے کے باوجود تم سے اِجازت مانگتے ہیں۔ وہ اس بات پر خوش ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں میں شامل ہوگئے۔ اور اللہ نے ان کے دِلوں پر مہر لگادی ہے، اس لئے انہیں حقیقت کا پتہ نہیں ہے۔ ﴿۹۳﴾ (مسلمانو!) جب تم لوگ (تبوک سے) واپس ان (منافقوں) کے پاس جاؤ گے، تو یہ تمہارے سامنے (طرح طرح کے) عذر پیش کریں گے۔ (اے پیغمبر!) ان سے کہہ دینا کہ: ''تم عذر پیش نہ کرو ہم ہرگز تمہاری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ اللہ نے ہمیں تمہارے حالات سے اچھی طرح باخبر کردیا ہے۔ اور آئندہ اللہ بھی تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا، اور اُس کا رسول بھی۔ پھر تمہیں لوٹا کر اُس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔'' ﴿۹۴﴾ جب تم اِن کے پاس واپس جاؤ گے تو یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم اِن سے درگذر کرو۔ لہٰذا تم بھی اِن سے درگذر کرلینا۔(۷۳) یقین جانو یہ سراپا گندگی ہیں، اور جو کمائی یہ کرتے رہے ہیں، اس کے نتیجے میں ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ﴿۹۵﴾

(۷۳) یہاں ''درگذر کرنے'' کا مطلب یہ ہے کہ ان کی بات سن کر انہیں نظر انداز کردیا جائے، نہ تو فوری طور پر

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹٦﴾ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ۗ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

یہ تمہارے سامنے اس لئے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، حالانکہ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ تو ایسے نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔ ﴿۹٦﴾ جو دیہاتی (منافق) ہیں، وہ کفر اور منافقت میں زیادہ سخت ہیں، اور دوسروں سے زیادہ اِسی لائق ہیں کہ اُس دِین کے اَحکام سے ناواقف رہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر اُتارا ہے۔(۷۴) اور اللہ علم کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ ﴿۹۷﴾ انہی دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو (اللہ کے نام پر) خرچ کیے ہوئے مال کو ایک تاوان سمجھتے ہیں، اور اس انتظار میں رہتے ہیں کہ تم مسلمانوں پر مصیبتوں کے چکر آپڑیں،(۷۵) (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ) بدترین مصیبت کا چکر تو خود اُن پر پڑا ہوا ہے۔ اور اللہ ہر بات سنتا، سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۹۸﴾

انہیں کوئی سزا دی جائے، اور نہ یہ وعدہ کیا جائے کہ ان کی معذرت قبول کرلی گئی ہے، اور انہیں معاف کردیا گیا ہے۔ اس طرزِ عمل کی وجہ اگلے جملے میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اپنے نفاق کی وجہ سے یہ سراپا گندگی ہیں، ان کی معذرت جھوٹی ہے جو انہیں اس گندگی سے پاک نہیں کرسکتی، اور آخرکار ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(۷۴) یعنی منافقت کے علاوہ ان کی ایک خرابی یہ ہے کہ انہوں نے مدینہ منورہ کے مسلمانوں سے میل جول بھی نہیں رکھا جس کے ذریعے ان کو شریعت کے اَحکام کا علم ہوتا۔

(۷۵) یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمان مصیبت کے کسی ایسے چکر میں پڑ جائیں کہ ان لوگوں کو اس قسم کے

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ

اور انہی دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ (اللہ کے نام پر) خرچ کرتے ہیں، اُس کو اللہ کے پاس قرب کے درجے حاصل کرنے اور رسول کی دُعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہاں! یہ اُن کے لئے یقیناً تقرب کا ذریعہ ہے۔ اللہ اُن کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ بیشک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۹۹﴾ اور مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے، اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ اُن کی پیروی کی، اللہ اُن سب سے راضی ہوگیا ہے، اور وہ اُس سے راضی ہیں، اور اللہ نے اُن کے لئے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی زبردست کامیابی ہے ﴿۱۰۰﴾ اور تمہارے اِردگرد جو دیہاتی ہیں، ان میں بھی منافق لوگ موجود ہیں، اور مدینہ کے باشندوں میں بھی۔ (۷۶)

اَحکام سے آزادی مل جائے جن پر عمل کرنا انہیں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ خاص طور سے غزوۂ تبوک کے موقع پر ان لوگوں کو یہ اُمید لگی ہوئی تھی کہ اس مرتبہ مسلمانوں کا مقابلہ رُوم کی عظیم طاقت سے ہو رہا ہے، اس لئے شاید اس بار وہ رُومیوں کے ہاتھوں شکست کھا کر اپنی ساری طاقت کھو بیٹھیں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ درحقیقت یہ لوگ خود نفاق کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں، جو انہیں دُنیا اور آخرت دونوں کی رُسوائی میں مبتلا کر کے رہے گا۔

(۷۶) پہلے جن دیہاتیوں کا ذکر آیا تھا، وہ مدینہ منورہ سے دُور رہتے تھے۔ اب اُن دیہاتیوں کا ذکر ہے جو مدینہ

مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۰۲﴾

یہ لوگ منافقت میں (اتنے) ماہر ہوگئے ہیں (کہ) تم اُنہیں نہیں جانتے، اُنہیں ہم جانتے ہیں۔ اِن کو ہم دو مرتبہ سزا دیں گے،[۷۷] پھر اُن کو ایک زبردست عذاب کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔ ﴿۱۰۱﴾ اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کرلیا ہے۔ انہوں نے ملے جلے عمل کئے ہیں، کچھ نیک کام، اور کچھ بُرے۔ اُمید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرلے گا۔[۷۸] یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۰۲﴾

منورہ کے آس پاس رہتے تھے، اور خود مدینہ منورہ کے باشندوں میں اُن منافقین کا جن کا نفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معلوم نہیں تھا۔

(۷۷) ''دو مرتبہ سزا دینے'' کی تشریح مختلف طریقوں سے کی گئی ہے۔ صحیح مراد تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، لیکن بظاہر ایک سزا تو یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی شکست کی جو آس لگائی ہوئی تھی، وہ پوری نہ ہوئی، اور مسلمان غزوۂ تبوک سے صحیح سلامت واپس آگئے۔ یہ بذاتِ خود ان منافقوں کے لئے ایک سزا تھی، اور دوسرے بہت سے منافقوں کا نفاق کھل گیا، اور ان کو دُنیا ہی میں ذِلت اُٹھانی پڑی۔

(۷۸) منافقین تو اپنی منافقت کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شامل نہیں ہوئے تھے، اور اب تک اُنہی کا ذکر ہوتا رہا ہے۔ لیکن مخلص مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے تھے جو سستی کی وجہ سے جہاد میں جانے سے رہ گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کے مطابق یہ کل دس حضرات تھے۔ ان میں سے سات کو اپنی اس سستی پر اتنی سخت شرمندگی ہوئی کہ ابھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس بھی نہیں پہنچے تھے کہ یہ خود اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے مسجدِ نبوی پہنچے، اور اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ لیا، اور یہ کہا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ہمیں معاف کر کے نہیں کھولیں گے، ہم انہی ستونوں سے بندھے رہیں گے۔ آپ کی واپسی کا وقت قریب تھا، اور جب آپ واپس تشریف لائے اور آپ نے انہیں بندھا ہوا دیکھا تو پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ اس پر آپ کو علم ہوا کہ انہوں نے اس لئے اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾

(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے اَموال میں سے صدقہ وصول کرلو جس کے ذریعے تم انہیں پاک کردو گے اور اُن کے لئے باعثِ برکت بنو گے،(۷۹) اور اُن کے لئے دُعا کرو۔ یقیناً تمہاری دُعا اُن کے لئے سراپا تسکین ہے، اور اللہ ہر بات سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ ﴿۱۰۳﴾

فرمایا کہ اب میں بھی ان کو اُس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ خود انہیں کھولنے کا حکم نہ دیدے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، اُن کی توبہ قبول کرلی گئی، اور انہیں کھول دیا گیا۔ ان سات حضرات میں حضرت ابولُبابہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کے نام سے ایک ستون اب بھی مسجد نبوی میں موجود ہے، اور اُسے اُسطوانۃ التوبہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اس ستون سے اپنے آپ کو اُس وقت باندھا تھا جب بنوقریظہ کے معاملے میں اُن سے ایک غلطی ہوگئی تھی، لیکن حافظ ابنِ جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو ترجیح دی ہے کہ یہ واقعہ تبوک سے متعلق ہے، اور اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے (دیکھئے تفسیر ابنِ جریر ج:۱۱ ص:۱۲ تا ۱۶)۔ باقی تین حضرات جو تبوک نہیں گئے تھے، اُن کا ذکر آگے آیت نمبر ۱۰۶ میں آرہا ہے۔

اس آیت نے یہ واضح کردیا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ ہوجائے تو اُسے مایوس ہونے کے بجائے توبہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ اور غلطی کی تاویلیں کرنے کے بجائے ہر ممکن طریقے سے اپنی غلطی پر اظہارِ ندامت کرنا چاہئے۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اُمید دِلائی ہے کہ اُنہیں معاف کردیا جائے گا۔

(۷۹) یہی حضرات جنہوں نے توبہ کے طور پر اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ لیا تھا، جب ان کی توبہ قبول ہوئی اور انہیں آزاد کیا گیا تو انہوں نے شکرانے کے طور پر اپنا مال صدقے میں دینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ نے شروع میں فرمایا کہ مجھے تم سے کوئی مال لینے کا حکم نہیں دیا گیا۔ اُس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ آپ ان سے صدقہ قبول فرمالیں۔ آیت میں صدقے کی دو خاصیتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ انسان کو گناہوں اور بُرے اخلاق سے پاک ہونے میں مدد دیتا ہے، اور دُوسرے یہ کہ اُس سے انسان کی نیکیوں میں برکت اور ترقی ہوتی ہے۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اگرچہ یہ آیت اس خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، لیکن چونکہ اس کے الفاظ عام ہیں، اس لئے اُمت کے فقہاء کا اجماع ہے کہ اسی آیت کی رُو سے اسلامی ریاست کے ہر سربراہ کو اپنے عوام سے زکوٰۃ وصول کرنے اور اُسے صحیح مصارف پر خرچ کرنے کا حق

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ۚ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

کیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ بھی قبول کرتا ہے، اور صدقات بھی قبول کرتا ہے، اور یہ کہ اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے؟ ﴿۱۰۴﴾ اور (ان سے) کہو کہ: "تم عمل کرتے رہو۔ اب اللہ بھی تمہارا طرزِ عمل دیکھے گا، اور اُس کا رسول بھی اور مؤمن لوگ بھی۔ پھر تمہیں لوٹا کر اُس ذات کے سامنے پیش کیا جائے گا جس کو چھپی اور کھلی تمام باتوں کا پورا علم ہے، پھر وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔"(۸۰) ﴿۱۰۵﴾ اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا فیصلہ اللہ کا حکم آنے تک ملتوی کر دیا گیا ہے۔ یا اللہ اُن کو سزا دے گا، یا معاف کر دے گا،(۸۱) اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔ ﴿۱۰۶﴾

حاصل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں جن لوگوں نے آپ کو زکوٰۃ دینے سے انکار کیا، اُن سے آپ نے جہاد کیا۔

(۸۰) اس آیت نے یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ توبہ کے بعد بھی کسی شخص کو بے فکر ہو کر نہیں بیٹھنا چاہئے، بلکہ اپنی آئندہ زندگی میں اپنا طرزِ عمل درست کرنے کی فکر کرنی چاہئے۔

(۸۱) یہ اُن دس میں سے تین حضرات تھے جو کسی عذر کے بغیر صرف سستی کی وجہ سے تبوک کی مہم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ یہ حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم تھے۔ ان حضرات کو ندامت تو تھی، لیکن انہوں نے توبہ کرنے میں اتنی جلدی نہیں کی جتنی حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے ساتھیوں نے کی تھی، نہ وہ طریقہ اختیار کیا جو ان سات حضرات نے اختیار کیا تھا۔ چنانچہ

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور کچھ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں، کافرانہ باتیں کریں، مؤمنوں میں پھوٹ ڈالیں اور اُس شخص کو ایک اڈہ فراہم کریں جس کی پہلے سے اللہ اور اُس کے رسول کے ساتھ جنگ ہے۔(۸۲) اور یہ قسمیں ضرور کھالیں گے کہ بھلائی کے سوا ہماری کوئی اور نیت نہیں ہے، لیکن اللہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ قطعی جھوٹے ہیں۔ ﴿۱۰۷﴾ (اے پیغمبر!) تم اُس (نام نہاد مسجد) میں کبھی (نماز کے لئے) کھڑے مت ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس میں کھڑے ہو۔(۸۳) اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۰۸﴾

جب یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معذرت کرنے کے لئے پہنچے تو آپ نے ان کے بارے میں اپنا فیصلہ ملتوی فرمادیا، اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہ آئے، ان کے بارے میں یہ حکم دیا کہ سب مسلمان ان کا معاشرتی بائیکاٹ کریں۔ چنانچہ پچاس دن تک ان کا بائیکاٹ جاری رہا، اور توبہ اُس وقت قبول ہوئی جب آیت نمبر ۱۱۸ نازل ہوئی، تفصیل وہیں پر آئے گی۔

(۸۲) ان آیات میں منافقین کے ایک نہایت شریر گروہ کا بیان ہے جنہوں نے ایک خطرناک سازش کے تحت ایک عمارت مسجد کے نام سے بنائی تھی۔ اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ کے قبیلے خزرج میں ابو عامر نام

کا ایک شخص تھا جو عیسائی ہوگیا تھا، اور اُس نے رَہبانیت اور درویشی کی زندگی اختیار کرلی تھی۔ مدینہ منورہ کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اسے بھی دینِ حق کی دعوت دی، لیکن اُس نے حق کو قبول کرنے کے بجائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حریف سمجھ لیا، اور آپ کی دُشمنی پر کمر باندھ لی۔ جنگِ بدر سے لے کر جنگِ حنین تک کفارِ مکہ سے جتنی جنگیں ہوئیں، اُن سب میں یہ مسلمانوں کے خلاف دُشمنوں کی مدد اور تائید کرتا رہا۔ جب جنگِ حنین میں بھی مسلمانوں کو فتح ہوئی تو یہ شام چلا گیا، اور وہاں سے مدینہ منورہ کے منافقین کو خط لکھا کہ میں یہاں شام میں یہ کوشش کر رہا ہوں کہ رُوم کا بادشاہ مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے مسلمانوں کو ختم کر ڈالے۔ لیکن اس کام کے لئے ضروری ہے کہ تم لوگ اپنا ایک محاذ ایسا بناؤ کہ جب رُوم کا بادشاہ حملہ کرے تو تم اندر سے اُس کی مدد کرسکو۔ اُسی نے یہ مشورہ بھی دیا کہ تم ایک عمارت مسجد کے نام سے بناؤ جو بغاوت کے مرکز کے طور پر استعمال ہو، اس میں خفیہ طور سے ہتھیار بھی جمع کرو، اور آپس میں مشورے بھی یہیں کیا کرو، اور میری طرف سے کوئی ایلچی آئے تو اُسے بھی یہاں ٹھہراؤ۔ چنانچہ ان منافقین نے قبا کے علاقے میں یہ عمارت بنائی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ بہت سے کمزور لوگوں کو مسجد قبا دُور پڑتی ہے، اس لئے ان کی آسانی کی خاطر ہم نے یہ مسجد تعمیر کی ہے۔ آپ کسی وقت یہاں تشریف لا کر نماز پڑھیں، تاکہ اُسے برکت حاصل ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت تبوک جانے کی تیاری میں مصروف تھے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ ابھی تو میں تبوک جا رہا ہوں، واپسی پر اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو میں وہاں آکر نماز پڑھ لوں گا۔ لیکن جب آپ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ سے کچھ پہلے ذُواَوان کے مقام پر یہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں آپ پر اس نام نہاد مسجد کی حقیقت کھول دی گئی، اور اُس میں نماز پڑھنے سے منع فرمادیا گیا۔ اس موقع پر آپ نے وہیں سے دو صحابیوں مالک بن دخشم اور معن بن عدی رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ وہ اس عمارت کو تباہ کردیں، چنانچہ ان حضرات نے اس کو جلا کر خاک کردیا (تفسیر ابن جریر)۔

(۸۳) اس سے مراد وہ مسجدِ قبا بھی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت تعمیر فرمائی تھی جب آپ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے، اور قبا کی بستی میں چودہ دن قیام فرمایا، اور یہ پہلی باقاعدہ مسجد تھی جو آپ نے تعمیر فرمائی، اور وہ مسجدِ نبوی بھی اس کے مصداق میں داخل ہے جو آپ نے قبا سے مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد تعمیر فرمائی۔ دونوں ہی کی بنیاد تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر تھی۔ اس مسجد کی فضیلت یہ بتائی گئی ہے کہ اس میں نماز پڑھنے والے پاکی اور صفائی کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ اس میں جسم کی ظاہری پاکی بھی داخل ہے، اور اعمال واخلاق کی پاکی اور صفائی بھی۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٩﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِيْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١١٠﴾

ع ١٣ ١١ ٢

بھلا کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اُس کی خوشنودی پر اُٹھائی ہو، یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک ڈھانگ کے کسی گرتے ہوئے کنارے پر رکھی ہو،(۸۴) پھر وہ اُسے لے کر جہنم کی آگ میں جا گرے؟ اور اللہ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت تک نہیں پہنچاتا۔ ﴿۱۰۹﴾ جو عمارت ان لوگوں نے بنائی تھی، وہ ان کے دِلوں میں اُس وقت تک برابر شک پیدا کرتی رہے گی جب تک ان کے دِل ہی ٹکڑے ٹکڑے نہیں ہو جاتے۔(۸۵) اور اللہ کامل علم والا بھی ہے، کامل حکمت والا بھی۔ ﴿۱۱۰﴾

(۸۴) قرآنِ کریم نے جو لفظ استعمال فرمایا ہے، وہ ''جرف'' ہے۔ یہ دراصل کسی زمین یا ٹیلے یا پہاڑ کے اُس حصے کو کہتے ہیں جس کا نچلا حصہ پانی کے سیلاب وغیرہ کی وجہ سے بہہ گیا ہو، اور اُوپر کھوکھلی مٹی رہ گئی ہو جو کسی بھی وقت گر سکتی ہو۔ اُردو میں ایسی جگہ کو ڈھانگ کہتے ہیں، اس لئے ترجمے میں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

(۸۵) جو عمارت ان منافقین نے بنائی تھی، اُس کے لئے آیت ۱۰۷ میں تو یہ بتانا مقصود تھا کہ یہ عمارت انہوں نے مسجد کے نام پر بنائی تھی، اور ان کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ مسجد ہے، اس لئے وہاں اُس عمارت کے واسطے مسجد کا لفظ استعمال کیا گیا تھا، لیکن اس آیت میں اُس کی حقیقت بتائی گئی ہے، اس لئے یہاں اللہ تعالیٰ نے اُسے عمارت کہا ہے، مسجد نہیں کہا، کیونکہ حقیقت میں وہ مسجد تھی ہی نہیں۔ بنانے والے حقیقت میں کافر تھے، اور بنانے کا مقصد اسلام دُشمنی تھی، اسی لئے اُسے جلایا گیا، ورنہ اگر کوئی مسلمان مسجد بنائے، تو اُسے جلانا جائز نہیں ہے۔ اور اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ عمارت ان منافقوں کے دِل میں برابر شک پیدا کرتی رہے گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس عمارت کے جلائے جانے سے ان منافقین پر بھی یہ بات کھل گئی کہ ان کی شرارت کا راز مسلمانوں پر ظاہر ہو گیا ہے۔ اب وہ اپنے مستقبل کے بارے میں مسلسل شک میں مبتلا رہیں گے کہ نجانے مسلمان اب ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اُن کی بے یقینی کی یہ کیفیت اُسی وقت ختم ہوگی جب اُن کے دِل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے، یعنی اُن کو موت آ جائے گی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس بات کے بدلے خرید لئے ہیں کہ جنت اُنہی کی ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہیں، جس کے نتیجے میں مارتے بھی ہیں، اور مرتے بھی ہیں۔ یہ ایک سچا وعدہ ہے جس کی ذمہ داری اللہ نے تورات اور اِنجیل میں بھی لی ہے، اور قرآن میں بھی۔ اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہو؟ لہٰذا اپنے اُس سودے پر خوشی مناؤ جو تم نے اللہ سے کرلیا ہے۔ اور یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ ﴿۱۱۱﴾ (جنہوں نے یہ کامیاب سودا کیا ہے، وہ کون ہیں؟) توبہ کرنے والے! اللہ کی بندگی کرنے والے! اُس کی حمد کرنے والے! روزے رکھنے والے![۸۶] رُکوع میں جھکنے والے! سجدے گذارنے والے! نیکی کی تلقین کرنے والے، اور برائی سے روکنے والے! اور اللہ کی قائم کی ہوئی حدوں کی حفاظت کرنے والے![۸۷] (اے پیغمبر!) ایسے مؤمنوں کو خوشخبری دے دو۔ ﴿۱۱۲﴾ یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مؤمنوں کو کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دُعا کریں، چاہے وہ رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ اُن پر یہ بات پوری طرح واضح ہوچکی ہے کہ وہ دوزخی لوگ ہیں۔[۸۸] ﴿۱۱۳﴾

---

(۸۶) قرآنِ کریم نے یہاں جو لفظ استعمال کیا ہے وہ "السآئحون" ہے۔ اس لفظ کے اصل معنی تو سیاحت

کرنے والے کے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر روزہ رکھنے والوں سے فرمائی ہے۔ اور یہی تفسیر متعدد صحابہؓ اور تابعین سے بھی منقول ہے (تفسیر ابن جریر)۔ بظاہر روزے کو سیاحت اس لئے فرمایا گیا ہے کہ جس طرح سفر میں انسان کے کھانے پینے اور سونے جاگنے کے معمولات قائم نہیں رہتے، اسی طرح روزے میں بھی ان معمولات میں فرق آجاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۸۷) قرآنِ کریم نے بہت سے مواقع پر ''اللہ کی قائم کی ہوئی حدود'' اور ان کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ بڑی معنی خیز اصطلاح ہے۔ اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے اَحکام دیئے ہیں، وہ کچھ حدود کے پابند ہیں۔ اُن حدود میں رہ کر اُن کو اَنجام دیا جائے تو وہ درست اور نیک کام ہیں، اور اگر حدود سے نکل جائیں تو وہی کام ناپسندیدہ اور بعض اوقات گناہ میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی عبادت بہت ثواب کا کام ہے، لیکن اگر کوئی شخص عبادت میں اتنا منہمک ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے جو حقوق رکھے ہیں، اُن کو پامال کرنے لگے، تو وہ عبادت بھی ناجائز ہوجاتی ہے۔ تہجد کی نماز بڑی عظیم فضیلت کی چیز ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ نماز اس طرح پڑھے جس سے سونے والوں کی نیند میں خلل آئے تو یہ ناجائز ہے۔ والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی نفلی عبادت نہیں ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس کی وجہ سے بیوی بچوں کے حقوق پامال کرنے لگے تو یہ گناہ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں بہت سی نیکیوں کا بیان کرنے کے بعد آخر میں حدود کی حفاظت کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ یہ حضرات تمام نیکیاں اُن حدود میں رہ کر انجام دیتے ہیں جو ان کاموں کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کررکھی ہیں۔ ان حدود کی تعلیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول اور فعل سے دی ہے، اور ان کو سیکھنے کا بہترین طریقہ اس کے سوا کوئی اور نہیں ہے کہ انسان کسی اللہ والے کی صحبت میں رہے، اور اُس کے طرزِ عمل کو دیکھ دیکھ کر ان حدود کو سمجھنے اور اپنی زندگی میں ان کو اُتارنے کی کوشش کرے۔

(۸۸) صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس آیت کا شانِ نزول یہ بیان ہوا ہے کہ آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے اگرچہ آپ کی بڑی مدد کی تھی، لیکن انہوں نے آخر وقت تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ جب اُن کی وفات کا وقت آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں ترغیب دی کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوجائیں، مگر اُس وقت ابوجہل وغیرہ نے مخالفت کی، اور وہ مسلمان نہیں ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت یہ فرمایا تھا کہ میں آپ کے لئے اُس وقت تک اِستغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کردیا جائے۔ چنانچہ اس آیت نے آپ کو ان کے لئے اِستغفار سے منع فرمادیا۔ اس کے علاوہ تفسیر ابنِ جریر وغیرہ میں روایت ہے کہ بعض مسلمانوں نے اپنے مشرک باپ دادوں کے لئے اِستغفار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، اور یہ کہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لئے اِستغفار کیا تھا، اس لئے ہم بھی کرسکتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُۥٓ أَنَّهُۥ عَدُوٌّ لِّلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوَّٰهٌ حَلِيمٌ ﴿١١٤﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ إِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ ۚ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

اور ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے جو مغفرت کی دُعا مانگی تھی، اُس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں تھی کہ اُنہوں نے اُس (باپ) سے ایک وعدہ کرلیا تھا۔(٨٩) پھر جب اُن پر یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ اللہ کا دُشمن ہے، تو وہ اُس سے دستبردار ہوگئے۔(٩٠) حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑی آہیں بھرنے والے،(٩١) بڑے بُردبار تھے ﴿١١٤﴾ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کردے جب تک اُس نے اُن پر یہ بات واضح نہ کردی ہو کہ اُنہیں کن باتوں سے بچنا ہے۔(٩٢) یقین رکھو کہ اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ ﴿١١٥﴾

---

(٨٩) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے اِستغفار کا وعدہ کرنا سورۂ مریم (١٩:٤٧) اور سورۂ ممتحنہ (٦٠:٤) میں اور اس وعدے کے مطابق اِستغفار کرنا سورۂ شعراء (٢٦:٨٦) میں مذکور ہے۔

(٩٠) اس کا مطلب یہ ہے کہ جب اُن پر یہ بات واضح ہوگئی کہ اُن کا انتقال کفر ہی کی حالت میں ہوگا، اور وہ آخر وقت تک اللہ تعالیٰ کے دُشمن بنے رہیں گے تو انہوں نے اِستغفار کرنا بھی چھوڑ دیا۔ اس سے علمائے کرام نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کسی کافر کے لئے اس نیت سے مغفرت کی دُعا کرنا جائز ہے کہ اُسے ایمان لانے کی توفیق ہوجائے، اور اس طرح اُس کی مغفرت ہوجائے، لیکن جس شخص کے بارے میں یہ یقین ہو کہ اُس کی موت کفر پر ہوئی ہے، اُس کے لئے مغفرت کی دُعا جائز نہیں ہے۔

(٩١) یہ قرآنِ کریم کے لفظ "اَوّاہ" کا ٹھیٹھ ترجمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑے نرم دِل اور رقیق القلب تھے۔ اللہ تعالیٰ کی یاد اور آخرت کی فکر میں وہ آہیں بھرتے تھے اور ان پر گریہ طاری ہوجاتا تھا۔

(٩٢) یعنی اب تک چونکہ واضح طور پر یہ حکم نہیں دیا گیا تھا کہ کسی مشرک کے لئے اِستغفار جائز نہیں، اس لئے جن لوگوں نے اس سے پہلے کسی مشرک کے لئے اِستغفار کیا، اُن پر کوئی گرفت نہیں ہوگی۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ع ۱۴ / ۸ / ۳

یقیناً اللہ ہی ہے جس کے قبضے میں سارے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے۔ وہ زندگی بھی دیتا ہے، اور موت بھی، اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی رکھوالا ہے نہ مددگار۔ ﴿۱۱۶﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے نبی پر اور اُن مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے ایسی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا،(۹۳) جبکہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دِل ڈگمگا جائیں، پھر اللہ نے اُن کے حال پر توجہ فرمائی۔ یقیناً وہ ان کے لئے بہت شفیق، بڑا مہربان ہے۔ ﴿۱۱۷﴾ اور اُن تینوں پر بھی (اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے) جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا،(۹۴) یہاں تک کہ جب اُن پر یہ زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی، اُن کی زندگیاں اُن پر دوبھر ہوگئیں، اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ (کی پکڑ) سے خود اُسی کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی،(۹۵) تو پھر اللہ نے اُن پر رحم فرمایا، تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رُجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا، بڑا مہربان ہے ﴿۱۱۸﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو۔(۹۶) ﴿۱۱۹﴾

(۹۳) منافقین کی مذمت اور سستی سے رہ جانے والے مسلمانوں کی معافی کا ذکر کرنے کے بعد مسلمانوں کی

اُس اکثریت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے شاباش دی جارہی ہے جنہوں نے انتہائی کٹھن حالات میں خندہ پیشانی کے ساتھ تبوک کی مہم میں حصہ لیا۔ ان میں بھی اکثریت تو اُنہی کی تھی جن کے دِل میں جہاد اور تعمیل حکم کا جذبہ اتنا مضبوط تھا کہ وہ ان مشکل حالات کو خاطر میں نہیں لائے۔ البتہ کچھ حضرات ایسے بھی تھے کہ شروع میں اِن مشکلات کی وجہ سے اُن کے دِل میں وسوسے آئے، لیکن آخرکار انہوں نے دِل و جان سے مہم میں حصہ لیا۔ اس دوسری قسم کا حوالہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا ہے کہ: ''جبکہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دِل ڈگمگا جائیں''۔

(۹۴) یہ اُن تین صحابہؓ کی طرف اشارہ ہے جن کے بارے میں آیت نمبر ۱۰۶ میں یہ فرمایا گیا تھا کہ ان کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا ہے۔

(۹۵) جیسا کہ آیت ۱۰۶ کی تشریح میں عرض کیا گیا، ان تین حضرات کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے بارے میں کوئی واضح حکم آئے، اُس وقت تک تمام مسلمان ان کا معاشرتی بائیکاٹ کریں۔ چنانچہ پچاس دن ان حضرات پر ایسے گذرے ہیں جن میں کوئی مسلمان ان سے نہ بات کرتا تھا، نہ کوئی اور معاملہ۔ ان تین حضرات میں سے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اس زمانے کے حالات صحیح بخاری کی ایک لمبی روایت میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں، اور بڑے اثر انگیز پیرائے میں یہ بتایا ہے کہ اس عرصے میں ان پر کیا قیامت گذر گئی تھی۔ اُن کی یہ حدیث اُن کے ایمانی جذبے اور اُن کی نفسیاتی کیفیات کی انتہائی مؤثر اور فصیح و بلیغ تصویر ہے۔ یہ پوری حدیث یہاں نقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ ''معارف القرآن'' میں اس کا مفصل ترجمہ موجود ہے۔ جو حضرات چاہیں، اُس میں مطالعہ فرمالیں۔ اس آیت میں ان حضرات کی اس نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۹۶) یہ ان تین حضرات کے واقعے سے ملنے والا سبق ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے توجہ دِلائی ہے۔ انہوں نے اپنی غلطی کو چھپانے کے لئے منافقین کی طرح جھوٹے سچے بہانے نہیں بنائے، بلکہ جو حقیقت تھی، وہ سچ سچ بیان کر دی کہ ان کے پاس کوئی عذر نہیں تھا۔ ان کی اس سچائی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی نہ صرف توبہ قبول فرمائی، بلکہ سچے لوگوں کی حیثیت سے قیامت تک کے لئے ان کا تذکرہ قرآنِ کریم میں زندۂ جاوید کر دیا گیا۔ اس آیت میں یہ تعلیم بھی ہے کہ انسان کو اپنی صحبت سچے لوگوں کے ساتھ رکھنی چاہئے، جو زبان کے بھی سچے ہوں، اور عمل کے بھی سچے۔

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

مدینہ کے باشندوں اور ان کے اردگرد کے دیہات میں رہنے والوں کے لئے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ اللہ کے رسول (کا ساتھ دینے سے) پیچھے رہیں، اور نہ یہ جائز تھا کہ وہ بس اپنی جان پیاری سمجھ کر اُن کی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی) جان سے بے فکر ہو بیٹھیں۔ یہ اس لئے کہ اِن (مجاہدین) کو جب کبھی اللہ کے راستے میں پیاس لگتی ہے، یا تھکن ہوتی ہے، یا بھوک ستاتی ہے، یا وہ کوئی ایسا قدم اُٹھاتے ہیں جو کافروں کو گھٹن میں ڈالے، یا دُشمن کے مقابلے میں کوئی کامیابی حاصل کرتے ہیں تو اُن کے اعمال نامے میں (ہر ایسے کام کے وقت) ایک نیک عمل ضرور لکھا جاتا ہے۔ یقین جانو کہ اللہ نیک لوگوں کے کسی عمل کو بیکار جانے نہیں دیتا۔ ﴿۱۲۰﴾ نیز وہ جو کچھ (اللہ کے راستے میں) خرچ کرتے ہیں، چاہے وہ خرچ چھوٹا ہو یا بڑا، اور جس کسی وادی کو وہ پار کرتے ہیں، اس سب کو (اُن کے اعمال نامے میں نیکی کے طور پر) لکھا جاتا ہے، تاکہ اللہ اُنہیں (ہر ایسے عمل پر) وہ جزا دے جو اُن کے بہترین اعمال کے لئے مقرر ہے۔ (۹۷) ﴿۱۲۱﴾

(۹۷) یعنی اگرچہ ان اعمال میں سے بعض چھوٹے نظر آتے ہوں، لیکن اُن کا ثواب اِن مجاہدین کے بہترین اعمال کے برابر دیا جائے گا۔ (یہاں یہ واضح رہے کہ قرآنِ کریم میں "احسن" (بہترین) کو اعمال کی صفت قرار دیا گیا ہے، اور اُسے جزاء کی صفت قرار دینے پر علامہ ابوحیان نے البحر المحیط میں نحوی اعتبار سے جو اِشکال پیش

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوٓا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۲۲﴾

اور مسلمانوں کے لئے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب (جہاد کے لئے) نکل کھڑے ہوں،(۹۸) لہٰذا ایسا کیوں نہ ہو کہ اُن کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لئے) نکلا کرے، تاکہ (جو لوگ جہاد میں نہ گئے ہوں) وہ دِین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لئے محنت کریں، اور جب اِن کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) اِن کے پاس واپس آئیں تو یہ اُن کو متنبہ کریں،(۹۹) تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں ﴿۱۲۲﴾

کیا ہے، اُس کا کوئی اطمینان بخش جواب نہیں دیا جاسکا، چنانچہ علامہ آلوسیؒ نے بھی اس اعتراض کو نقل کرکے اُس کی تائید ہی کی ہے۔ لہٰذا یہاں ترجمہ اُس تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے جو مدارک التنزیل میں مذکور ہے۔)

(۹۸) سورۂ توبہ کے ایک بڑے حصے میں اُن لوگوں کو ملامت کی گئی ہے جو تبوک کے جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ ان آیاتِ کریمہ کو سن کر صحابہ نے یہ ارادہ کرلیا کہ آئندہ جو بھی جہاد ہوگا، اُس میں وہ سب جایا کریں گے۔ اس آیت نے واضح فرمادیا کہ ہمیشہ کے لئے یہ سوچنا صحیح نہیں ہے۔ غزوۂ تبوک میں تو ایک خاص ضرورت پیش آئی تھی جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن عام حالات میں مسلمانوں کو تقسیم کار پر عمل کرنا چاہئے۔ جب تک امیر کی طرف سے نفیرِ عام (یعنی ہر شخص کو جہاد میں شریک ہونے) کا حکم نہ ہو، جہاد فرضِ کفایہ ہے۔ اگر ہر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ جہاد کے لئے چلے جایا کریں تو سب کی طرف سے یہ فرضِ کفایہ ادا ہوجائے گا۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جس طرح جہاد اُمتِ مسلمہ کی ایک ضرورت ہے، اسی طرح دِین کا علم حاصل کرنا بھی اُمت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اگر سب لوگ جہاد میں نکل کھڑے ہوں گے تو علمِ دِین کی درس و تدریس کا فریضہ کون انجام دے گا؟ لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ جو لوگ جہاد میں نہ جائیں، وہ اپنے شہر میں رہ کر دِین کا علم حاصل کریں۔

(۹۹) متنبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جو اَحکام انہوں نے سیکھے ہیں، وہ ان کو بتادیں کہ فلاں کام واجب ہے، اور فلاں کام گناہ ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

اے ایمان والو! اُن کافروں سے لڑو جو تم سے قریب ہیں،(۱۰۰) اور ہونا یہ چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی محسوس کریں۔(۱۰۱) اور یقین رکھو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔ ﴿۱۲۳﴾ اور جب کبھی کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو انہی (منافقین) میں وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ: ''اس (سورت) نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا ہے؟''(۱۰۲) اب جہاں تک اُن لوگوں کا تعلق ہے جو (واقعی) ایمان لائے ہیں، اُن کے ایمان میں تو اس سورت نے واقعی اضافہ کیا ہے، اور وہ (اس پر) خوش ہوتے ہیں۔ ﴿۱۲۴﴾

(۱۰۰) اس آیت میں پھر اُس مضمون کا خلاصہ بیان فرمایا گیا ہے جس سے اس سورت کی ابتدا ہوئی تھی۔ مشرکین سے براءت کا جو اعلان کیا گیا تھا، اُس میں ہر مسلمان کا یہ فرض تھا کہ وہ اُن مشرکین سے جنگ کے لئے تیار رہے جو اس اعلانِ براءت پر عمل نہ کریں۔ جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا، وہ نو مسلم جو فتحِ مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے، اُن کے دِل میں اپنے مشرک رشتہ داروں کے لئے نرم گوشہ ہوسکتا تھا، لہٰذا آخر سورت میں اُنہیں دوبارہ متوجہ کیا جارہا ہے کہ جس طرح اسلام کی تبلیغ میں ترتیب یہ ہونی چاہئے کہ انسان اپنے قریبی لوگوں سے اُس کا آغاز کرے، اسی طرح جب جنگ کی نوبت آجائے تو اُس میں بھی یہی ترتیب ہونی چاہئے کہ پہلے اُن لوگوں سے جنگ ہونی چاہئے جو تمہارے قریب ہیں۔ اُن کے بعد دوسروں کا نمبر آئے گا۔

(۱۰۱) یعنی اُن کی قربت کی وجہ سے تمہارے دِل میں کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہو جو تمہیں جہاد کے فریضے سے روک دے۔ نیز وہ لوگ تم میں کوئی کمزوری نہ پائیں، بلکہ اُنہیں تمہاری مضبوطی کا مکمل احساس ہونا چاہئے۔

(۱۰۲) یہ کہہ کر منافقین دراصل اُس بات کا مذاق اُڑاتے تھے جو سورۂ انفال (۸:۲) میں فرمائی گئی ہے کہ جب مؤمنوں کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو اُن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

رہے وہ لوگ جن کے دِلوں میں روگ ہے، تواس سورت نے اُن کی گندگی میں کچھ اور گندگی کا اضافہ کردیا ہے،(۱۰۳) اور اُن کو موت بھی کفر ہی کی حالت میں آتی ہے ﴿۱۲۵﴾ کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال ایک دو مرتبہ کسی آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں،(۱۰۴) پھر بھی نہ وہ توبہ کرتے ہیں، اور نہ کوئی سبق حاصل کرتے ہیں؟ ﴿۱۲۶﴾ اور جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو یہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں (اور اشاروں میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں) کہ کیا کوئی تمہیں دیکھ تو نہیں رہا؟ پھر وہاں سے اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔(۱۰۵) اللہ نے اُن کا دِل پھیر دیا ہے، کیونکہ وہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ ﴿۱۲۷﴾

---

(۱۰۳) یعنی کفر اور نفاق کی گندگی تو اُن میں پہلے ہی موجود تھی، اب اس نئی آیت کے انکار اور اِستہزاء سے اس گندگی میں اور اضافہ ہوگیا۔

(۱۰۴) منافقین پر ہر سال کوئی نہ کوئی مصیبت پڑتی رہتی تھی۔ کبھی اُن کی خواہش اور منصوبوں کے خلاف مسلمانوں کو فتح نصیب ہوجاتی، کبھی ان میں سے کسی کا راز کھل جاتا، کبھی کوئی بیماری آجاتی، کبھی فقر وفاقہ میں مبتلا ہوجاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مصیبتیں ان کو متنبہ کرنے کے لئے کافی ہونی چاہئے تھیں، لیکن یہ لوگ کوئی سبق نہیں لیتے۔

(۱۰۵) اصل بات یہ تھی کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے کلام سے چڑ تھی۔ ان کی خواہش اور کوشش یہ رہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سننے کی نوبت نہ آئے۔ لہٰذا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مجلس میں کوئی نئی سورت تلاوت فرماتے تو یہ بھاگنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن اگر سب کے سامنے اُٹھ کر جائیں تو ان کا راز فاش ہوجائے۔ اس لئے یہ ایک دوسرے کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارے کرتے کہ کوئی ایسا موقع تلاش کرو کہ کوئی مسلمان تمہیں دیکھ نہ رہا ہو، اور اُس وقت چپکے سے اُٹھ کر چلے جاؤ۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲۹﴾

ع ۱۶/۵

(لوگو!) تمہارے پاس ایک ایسا رسول آیا ہے جو تمہی میں سے ہے، جس کو تمہاری ہر تکلیف بہت گراں معلوم ہوتی ہے، جسے تمہاری بھلائی کی دُھن لگی ہوئی ہے، جو مؤمنوں کے لئے انتہائی شفیق، نہایت مہربان ہے! ﴿۱۲۸﴾ پھر بھی اگر یہ لوگ منہ موڑیں تو (اے رسول! ان سے) کہہ دو کہ: ''میرے لئے اللہ کافی ہے، اُس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے، اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔'' ﴿۱۲۹﴾

الحمد للہ! آج بتاریخ ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ مطابق ۱۷ مئی ۲۰۰۶ء سورۂ توبہ کا ترجمہ اور حواشی کراچی میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مکمل ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے قبول فرمائیں، اور باقی قرآنِ کریم کا ترجمہ اور حواشی بھی اپنی رضا کے مطابق مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔